تحقیقاتِ امامِ علم وفن

تحقیق وتصنیف
امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی

مرتب
ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

ناشر
برکات رضا فاؤنڈیشن، میرا روڈ، ممبئی

نام کتاب: مضامین علم وفن
مصنف : امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی
مرتب : غلام جابر شمس مصباحی
تقدیم :
تقریظ :
نقوش حیات :
صفحات :
تعداد :
طباعت :
ناشر :

ملنے کے پتے

فہرست

(۴۲)عالمگیری میں مندرج ایک مسئلہ کا حل

(۴۳)نزول افق کا گمشدہ فارمولہ

(۴۴)علم الابعاد والاجرام میں امام احمد رضا کا تفرد

(۴۵)برطانیہ سے آئے چند سوالوں کے جواب

(۴۶)لوگارثم کی حقیقت ومعرفت-ایک تحقیقی مطالعہ

(۴۷)مجدد اعظم

(۴۸)صدقۂ فطر کا وزن ۲رکلو ۴۷رگرام نہیں بلکہ ۱رکلو ۹۲۰رگرام ہونا چاہیے

(۴۹)کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

(۵۰)رویت ہلال اور اختلاف مطالع

(۵۱)فضائے بسیط میں رائی کا دانہ اور پہاڑ کی چٹان

(۵۲)مقدمہ زبدۃ التوقیت مسمّٰی بہ فوائد التوقیت

(۵۳)الہلال

(۵۴)علم ہندسہ پر امام احمد رضا کی نقد ونظر

(۵۵)نصف صاع اور کلوگرام کے تعلق سے

فہرست مولانا اسید الحق

(۱)قطب شمالی کے شب وروز

(۲)۲۷،۲۸رتاریخوں میں چاند کی رویت کا مسئلہ

(۳)۲۷/۲۸رکی رویت ہلال-تحقیقات رضویہ اور فن زیجات کی روشنی میں

(۴)کہ جاہا سپر باید انداختن

(۵)حضرت مفتی اعظم ہند بحیثیت شیخِ طریقت

(۶)شمالی امریکہ کی سمت قبلہ تحقیق کے آئینے میں

(۷)شبِ قدر کی فضیلت

(۸)لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کا شرعی حکم

(۹)عالمگیری میں مندرج ایک مسئلہ کا حل

(۱۰)نزول افق کا گمشدہ فارمولہ

(۱۱)امام احمد رضا اور علم جفر

(۱۲)علم الابعاد والاجرام میں امام احمد رضا کا تفرد

(۱۳)اجسام میں قوت کشش کا کرشمہ

(۱۴)برطانیہ سے آئے چند سوالوں کے جواب

(۱۵)لوگارثم کی حقیقت ومعرفت-ایک تحقیقی مطالعہ

(۱۶)مجدد اعظم

(۱۷)صدقۂ فطر کے وزن پر آخری معروضہ

(۱۸)عشا کا وقت کن کن تاریخوں میں کہاں کہاں نہیں آتا

(۱۹)مقناطیسی سمت نما

(۲۰)صدقۂ فطر کا وزن ۲رکلو ۴۷رگرام نہیں بلکہ ۱رکلو ۹۲۰رگرام ہونا چاہیے

امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی کی باتیں

از سراج الدین شریفی، مغل پورہ، سہرام، بہار

موزوں جسامت، وجیہہ صورت، گورا رنگ اور انتہائی خوبصورت وسیف داڑھی میں ایک خاص قسم کی چمک یعنی تقویٰ کی دمک، یہ ہے اہل سنت وجماعت کے امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کا سراپا جو علم علومِ اسلامی کے علاوہ ہیئت وہندسہ، توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، ارثماطیقی، مثلث مسطح، مثلث کروی، زیج، اعمال ستینہ عمل بالخطائین، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظرہ ومرایا، رمل وکتسیر، علم الابعاد جیسے کم یاب علوم وفنونِ قدیمہ پر عالمِ اسلام میں آج تنہا سترس رکھتے ہیں۔ چند سال قبل تک خواجہ صاحب کی صف میں ایک اور پروار شخصیت تھی جسے دنیا علامہ شبیر احمد خاں غوری کے نام سے جانتی ہے۔ علمائے اہل سنت خواجہ صاحب کا نام بہت ادب واحترام سے لیتے ہیں اور مذکورہ علوم وفنون سے متعلق مسائل پر ان سے حل طلب کرتے ہیں۔ ان کی خدمات حاصل کرنے کے لئے درس گاہوں کے ذمہ داران مین ہوڑ لگی رہتی ہے۔ وہ ایک مقتدار عالم دین، تجربہ کار مدرس، سنجیدہ مقرر، منطقی وفلسفی کے علاوہ ایک باوقار پیر ومرشد بھی ہیں۔ ان کی صاف گوئی وبے باکی بہت مشہور ہے۔ وہ تمام بڑی خانقاہوں جیسے بریلی شریف، کچھوچھہ شریف اور بدایوں شریف میں یکساں طور پر مقبول ومعتبر ہیں۔ اسلامی کیلنڈر کے

حساب سے وہ بہترویں پائدان پر ہیں۔ آپ پچھلے تین مہینوں سے ذیابطیس اور گردے کی تکالیف میں گرفتار ہیں۔ ہر مہینے ایک ہمراہی کے ساتھ ٹرین کے A.C.claass سے ممبئی کا سفر ان کی مجبوری بن گئی ہے۔ جہاں کے مشہور ومعروف جسلوک اسپتال میں ان کا معائنہ ومعالجہ ہوتا ہے۔ پچھلے ۲۶ر۲۷ مارچ کو عرس قائدِ اہلسنت جمشید پور میں شریک ہوئے تھے جہاں انہیں ان کی پچاس سالہ دینی وعلمی خدمات کے اعتراف میں ''قائد اہلسنت ایوارڈ'' اور ''عمدۃ العقلاء'' کا خطاب دیا گیا۔ یہاں سے وہ سیدھے ممبئی چلے گئے، جہاں سے ۷راپریل کو واپس چرا محمد پور تشریف لائے۔ ایک تو بڑھاپا دوسرے تکلیف دہ بیماریاں اور اس پر لمبے اسفار کی تکالیف وتکان جن کی وجہ سے خواجہ صاحب کی طبیعت کچھ زیادہ خراب ہوگئی۔ اس وقت وہ بہت زیادہ کمزور ہوگئے ہیں۔ ۹راپریل کی دوپہر میں جب چرا محمد پور نامی انتہائی چھوٹے گاؤں میں داخل وہ رہا تھا تب ''دارالعلوم اہلسنت نور الحق'' کی بڑی اور خوبصورت مسجد سے ظہر کی آذان ہورہی تھی۔ واضح رہے کہ مذکورہ ادارہ کو ایک حاجی صاحب تن تنہا چلاتے ہیں۔ نمازِ ظہر سے فراغت کے بعد جب راقم خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ اس وقت تکلیف میں مبتلا تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ راقم سہسرام، بہار سے صرف ان سے ملاقات کے لیے آیا ہے تو وہ حیرت اور مزید تکلیف کا اظہار کرنے لگے۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد اپنا مہمان بنالیا اور اس کے ساتھ مہمان نوازی کا حق بھی ادا کردی۔ اخواجہ صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ ۹راپریل ۲۰۰۵ء کے دن دس بجے تک چلتا رہا۔ تفصیلات ملاحظہ فرمائیں

سوال: آپ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

جواب: تاریخ پیدائش کے لئے تو کاغذات دیکھنے ہوں گے البتہ میری پیدائش ضلع پورنیہ، بہار میں ہوئی اور اس وقت میری عمر ۷۲رسال ہے۔ میری تعلیم وتربیت خود والدِ ماجد حضرت مولانا خواجہ زین الدین صاحب نے کی تھی۔ جو اس وقت علاقے کے بہت بڑے عالم وفاضل تھے۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے کٹیہار (بہار) اور بریلی شریف میں ملک العلما سید ظفر الدین بہاری، مولانا سلیمان اشرف بھاگل پوری، مولانا محمد یوسف صاحب پٹنوی، مولانا ثناء اللہ صاحب مئوی، مولانا معین الدین صاحب اعظم گڑھی، مولانا غلام جیلانی صاحب اعظم گڑھی اور مفتی محمد شریف

الحق صاحب امجدی گھوسوی کی درس گاہوں میں حاضری دی۔

سوال:۔ عالمِ اسلام میں آپ کم یاب علوم وفنونِ قدیمہ کے واحد امین وعلم بردار ہیں۔ آپ نے اپنی علمی وفنی امانت کو کس طرح محفوظ کیا ہے۔؟

جواب: موجودہ زمانہ میں چونکہ حصولِ علم برائے معاش ہوگیا ہے اس لیے اس سلسلے میں صعوبات برداشت کرنے اور ان بھاری بھرکم بوجھوں کو اٹھانے والے نہیں ملتے۔ سب سہل پسند ہوگئے ہین۔ ویسے یہ امانت مولانا قاضی شہید عالم کٹیہاری اور مفتی مطیع الرحمٰن مضطر پورنوی کی طرف کچھ حد تک منتقل ہوچکی ہے۔

مزید کرید نے پر انہوں نے بتایا کہ ''مولانا قاضی شہید عالم علومِ دیمہ کا کچھ زیادہ علم رکھتے ہیں جب کہ مفتی مطیع الرحمٰن علومِ قدیمہ کا علم کچھ کم مگر فقہ میں گہرائی زیادہ رکھتے ہیں۔

سوال:۔ چونکہ آپ نے مذکورہ علوم وفنون کو بغیر کسی استاد کے صرف اپنی کوششوں، مطالعہ اور تحقیقات وغیرہ کے ذریعہ حاصل کیا ہے۔ کیا مختلف مسائل کے حل ونتائج اخذ کرتے وقت آپ کبھی خطا نہیں کرتے؟

جواب: میرا اخذ شدہ حل ونتائج بالکل درست ومعتبر ہوتے ہیں۔ میرے پاس پوری دنیا سے ہیئت وفلکیات سے متعلق سوالات آتے ہیں جن کا میں بالکل درست اور تشفی بخش جوابات دیتا ہوں۔

سوال: کیا علوم قدیمہ سے متعلق آپ کی تصانیف بھی ہیں؟

جواب: ان علوم وفنون پر کوئی تصنیف تو نہیں ہے البتہ ان سے متعلق مضامین میں مسلسل لکھتا آرہا ہوں۔ (ویسے خواجہ صاحب، صاحب تصانیف بھی ہیں۔)

سوال: آپ نے مذکورہ علوم وفنون کی حفاظت کے لئے جتن کیوں نہیں کیا؟

جواب: میری مصروفیات اتنی زیادہ ہیں کہ اس کام کے لئے وقت ہی نہیں بچتا ہے۔

سوال: کیا اب یہ سمجھا جائے کہ آپ کے ساتھ ہی مذکورہ نایاب وکم یاب علوم فنون بھی دنیا سے اٹھ جائیں گے؟

جواب: جی ہاں، شاید ایسا ہی ہو۔

سوال: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی خدمات کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب: مذکورہ ادارہ موجودہ دور میں تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی میدانوں میں سب سے زیادہ اور اہم ترین خدمات انجام دے رہا ہے اور اس کا معیار و مقدارِ تعلیم اپنی جماعت میں سب سے زیادہ بلند و بالا ہے اور فقیہ اعظم ہند، شارح بخاری علیہ الرحمہ اس ادارہ کے سب سے بڑے خدمت گار تھے۔

سوال:۔ ماہ نامہ ’’اشرفیہ‘‘ مارچ ۲۰۰۵ء کے اداریہ میں لکھا ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ والوں نے کئی بار اپنے پوسٹروں میں دارالعلوم دیوبند کے ساتھ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کا فوٹو شائع کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: مذکورہ بورڈ والوں نے خود میرے ساتھ بھی ایسی پرفریب، گمراہ کن اور غیر اخلاقی کارستانیاں کی ہیں۔ چنانچہ میرے بار بار منع کرنے کے بعد بھی میرا، ثمر دہلوی اور ایک بدایونی حافظ کے ناموں کو اپنے پوسٹروں میں بار بار استعمال کیا ہے۔

سوال: آپ چھ سال تک مدرسہ قادریہ، بدایوں شریف میں رہے ہیں۔ وہاں آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا؟

جواب: بہترین سلوک کیا گیا بلکہ میری بہت زیادہ قدر دانی کی گئی یہاں تک کہ وہاں ایک ماروتی کار کے علاوہ میرے وزن بھر چاندی دینے کی پیش کش کی گئی تھی جسے میں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا تھا کہ اتنی دولت اور کار لے کر میں کیا کروں گا؟ یہ پیش کش حضرت تاج الفحول صد سالہ جشن کے موقع پر ۱۹۹۸ء میں کی گئی تھی۔ اس موقع پر مولانا عبدالمبین نعمانی بھی موجود تھے۔

واضح رہے کہ اسی تقریب میں مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی دستار بندی ہوئی تھی جنہیں خواجہ صاحب نے خاص طور پر تعلیم و تربیت دی تھی اور آج بھی چرا محمد پور میں مولانا عطیف قادری بدایونی دن رات خواجہ صاحب کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ محترم عطیف قادری صاحب نے راقم سے کہا تھا کہ ’’خواجہ صاحب کو چھوڑ کر کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا ہے‘‘ دوسری طرف خواجہ صاحب نے راقم سے کہا کہ ’’میں عطیف قادری کو برابر کہتا ہوں کہ اپنے بڑھ بھائی کی طرح تم بھی جامعہ ازہر وغیرہ جا کر تعلیم حاصل کرو۔ واضح رہے کہ مذکورہ دونوں قادری علماء

موجودہ سجادہ نشین بدایوں شریف کے بڑے اور منجھلے بیٹے ہیں۔

سوال: آپ اتنے بڑے اور اتنے معزز عالم و فاضل ہو کر بھی ایک انتہائی چھوٹے گاؤں میں کیوں اور کیسے رہ رہے ہیں۔؟

جواب: میں بھیڑ سے دور پرسکون ماحول میں رہنا اور کام کرنا چاہتا ہوں اور یہاں یہ دونوں سہولیات میسر ہیں اس لئے رہ رہا ہوں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شہری یا بڑی درسگاہوں میں گروہ بندیاں اور چپقلشیں یا اس قسم کی دوسری برائیاں بہت ہوتی ہیں جو مجھے پسند نہیں ہیں۔ مجھے حافظ ملت علیہ الرحمہ نے کئی بار مبارکپور بلایا مگر میں نہیں گیا۔ ان کے بعد بھی وہاں سے بلاوے آئے مگر پھر بھی نہیں گیا۔ مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ رضا بریلی شریف سے بھی بلاوہ آیا مگر میں وہاں بھی نہیں گیا۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے اداروں سے بھی بلاوا آیا مگر میں اپنے فیصلے پر قائم رہا۔

خواجہ صاحب ایک سنجیدہ اور سلجھے ہوئے مقرر بھی ہیں۔ جب وہ تندرست و توانا تھے تو خوب تقریریں کیا کرتے تھے اور مناظروں میں حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ وہ آج بھی دو گھنٹے تقریر کر سکتے ہیں۔ ان کی تقریریں منطقیانہ و فلسفیانہ ہوتی ہیں۔ ان کی درسگاہ میں کتابیں نظر نہیں آئیں تو مجھے حیرت ہوئی اور سوال کیا کہ بغیر پیشگی کتاب دیکھے آپ اتنے دروس کیسے دیتے ہیں؟

جواب: میرے زیر درس تمام کتابیں میرے حافظے میں محفوظ ہیں اس لئے مجھے کسی کتاب کو دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

خواجہ صاحب، مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے مرید و خلیفہ ہیں مگر انہوں نے اب تک کسی کو بھی داخلِ سلسلہ نہیں کیا ہے۔ البتہ پانچ ان اشخاص کو ان کے اصرار پر اپنی خلافت ضرور دی ہے۔ پوچھنے پر بتاتے ہیں کہ ’’میرے نظریات پیری مریدی کے موجودہ طور طریقے سے میل نہیں کھاتے اس لیے میں نے اس میدان میں قدم نہیں رکھا۔ میرے پیر و مرشد نے خود سے مجھے اپنی اجازت و خلافت دی تو لے لی اور اسی طرح جب مولانا قاضی شہید عالم کٹیہاوی، مولانا محبوب عالم کٹیہاروی، مولانا ایاد علی پورنوی، مفتی مشرف عالم سیتامڑھی اور ایک اور صاحب نے جب اقرار کیا تو انہیں اپنی خلافت دے

دی۔

خواجہ صاحب ذیابطیس کے علاوہ گردے کی تکلیف میں بھی گرفتار ہیں اس لئے انہیں پچھلے تین ماہ سے ہر ماہ ممبئی کا سفر لازمی ہوگیا ہے۔ جہاں کے مشہور معروف جسلوک اسپتال میں ان کا معائنہ اور معالجہ ہوتا ہے۔اس وقت وہ بہت کمزور ہوگئے ہیں اور گرمی کا موسم بھی ہے اس لئے وہ ایک ہمراہی کے ساتھ ٹرین کے A.C. class میں سفر کرتے ہیں۔

سوال: آپ اتنا خرچ کہاں سے برداشت کرتے ہیں؟

جواب: مجھے اپنے گھر پر خرچ نہیں بھیجنا پڑتا ہے کیوں کہ وہاں اہلیہ کے علاوہ صرف پوتے پوتیاں ہیں اور وہ کافی خوشحال ہیں اس لئے میں معاشی طور پر بے فکر ہوکر اپنا علاج کررہا ہوں اور دینی وملی تدریسی خدمات بھی انجام دے رہا ہوں۔

کریدنے پر مزید بتایا کہ ''گھر پر کافی کھیتی وغیرہ ہے، میرے سسرال میں تو اور بھی زیادہ ہے۔چنانچہ جس وقت میں بریلی شریف میں تدریسی خدمات پر مامور تھا اس وقت میری تنخواہ میرے خرچ سے بہت کم تھی اس لئے میری اہلیہ پورنیہ سے روپئے وغیرہ بھیج کر میری مدد کرتی تھی۔بفضل الٰہی آج بھی ان کی اہلیہ محترمہ باحیات ہیں۔ان کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جو تیس سال کی عمر پا کر جنت نشین ہوگیا۔اللہ تعالیٰ ان کے صبر وشکر اور دینی ایثار وقربانی پر بہترین اجر عطا فرمائے اور انہیں بہترین صحت وسلامتی کے ساتھ تادیر قائم رکھے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

سوال: دینی علم وعمل ہندوستان میں زیادہ ہے یا پاکستان میں؟

جواب: یہ دونوں نعمتیں ہندوستان میں زیادہ ہیں۔البتہ پاکستان قلمی خدمات کے میدان میں ہندوستان سے بہت آگے ہے اور لائق تقلید بھی۔

سوال: کیا رضا اکیڈمی ممبئی نے بھی آپ کو کوئی ایوارڈ دیا ہے؟

جواب: مجھے اس ادارے سے اب تک کوئی ایوارڈ نہیں ملا ہے۔ویسے سعید نوری رضویت کے سلسلے میں بہت اچھا کام کررہے ہیں۔

سوال: آپ نے میری حاضری پر حیرت کا اظہار کیا تھا کیا یہاں آپ سے ملنے کے لئے اور

لوگ نہیں آتے؟

جواب: آتے ہیں۔اصل میں کوئی خاص کام یا کوئی خاص ملاقات میں پیشگی اطلاع کے بعد ہی کرتا ہوں۔(راقم نے ایسا نہیں کیا تھا)، یہاں مجھ سے ملنے کے لئے دوسرے لوگ بھی آتے ہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ یہاں کوئی آکر پریشان ہو کیوں کہ یہاں تو ایک معمولی ہوٹل بھی نہیں ہے۔اس لئے میری کوشش ہوتی ہے کہ میں خود ضرورت مندوں تک پہنچ جاؤں۔

سوال: مرکزی درسگاہوں کے متعلق کچھ معلومات فراہم کریں۔

جواب: عمارت اور معیار تعلیم دونوں کے اعتبار سے ''جامعہ اشرفیہ مبارکپور'' اول نمبر پر ہے، جب کہ عمارت کے اعتبار سے ''دارالعلوم فیض الرسول'' دوسرے نمبر پر ہے، اور معیار تعلیم کے اعتبار سے ''جامعہ علیمیہ'' دوسرے نمبر پر ہے اور عمارتی جدیدیت کے اعتبار سے ''مرکز الدرسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا'' بریلی شریف اول نمبر پر ہے۔

خواجہ صاحب کے چند خاص تلامذہ یہ ہیں، مولانا قاضی شہید عالم صاحب، مفتی مطیع الرحمٰن مضطر صاحب، مفتی محمد ایوب مظہر صاحب، مولانا سید ہاشمی میاں کچھوچھوی صاحب، مولانا عارف صاحب، مولانا مختار الحسن صاحب، مفتی غلام حسین صاحب، مولانا ایاد علی صاحب، مولانا اسید الحق قادری صاحب، مولانا عطیف قادری صاحب، مولانا خوشتر نورانی علیگ صاحب۔

چند سال پیشتر دہلی میں علمائے اہلسنت کی ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری بھی تشریف تھے۔اسی میٹنگ میں یہ طے پایا تھا کہ خواجہ مظفر حسین رضوی اور علامہ شبیر احمد خاں غوری سے حضرت فاضل بریلوی کے علوم قدیمہ سے متعلق پیچیدہ تحریرات پر کام کرایا جائے۔مگر افسوس کہ اس سلسلے میں اب تک کوئی پیش قدمی نہیں ہوسکی ہے جب کہ اسی دوان ایک ستارہ غروب ہوچکا ہے اور دوسرا اپنی لمبی عمر اور بیماریوں کے دور سے گزر رہا ہے۔یعنی آخری ستارہ بھی غروب ہونے کے مرحلے میں ہے۔اور وہ یہ ستارہ ہے جو ہمارا آخری مرکز امید ہے۔اس سلسلے میں ضائع ہونے والا ایک لمحہ نہایت قیمتی ہے۔

۲۷/۲۸ کی رویت ہلال

فرمان امام احمد رضا اور زیجات کی روشنی میں

نحمده ونصلی ونسلم علیٰ رسوله الکریم

امابعد

کچھ اہل قلم اپنے مضامین میں لکھتے اور اہل خطابت اپنی تقریروں میں بیان کرتے ہیں کہ جنرل ایوب خاں کے دور حکومت میں پاکستان میں تشکیل دی ہوئی ہلال کمیٹی بذریعۂ ہوائی جہاز ہلال کا مشاہدہ کر کے شہادت پیش کرتی تھی اور پاکستان میں اسلامی عبادات وتقریبات اس شہادت کی بنیاد پر منائی جاتی تھیں، مگر جب غوث العالم سیدنا سرکار حضور مفتیٔ اعظم ہند کا یہ فتویٰ وہاں پہنچا تو ہلال کمیٹی تحلیل کر دی گئی، اس فتویٰ کی عبارت بحوالہ مقالات نعیمی حصہ اول ص ۷ ادرج ذیل ہے۔

چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شہادت شرعی پر قاضی حکم شرع دے گا، چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہوئی ہو وہاں سے دیکھنا چاہئے، رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے، کیوں کہ چاند غروب ہوتا ہے، فنا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہیں ۲۹، اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار

کرے گا، ایسی حالت میں جہاز سے ۲۹ کا چاند دیکھنا کب معتبر ہوگا۔

اور تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ ص۵۱۴ پر ہے کہ جب یہ فتویٰ پاکستان گیا تو پورے ملک میں ہلچل مچ گئی اور تمام اخباروں میں اس کو جلی خط میں شائع کیا گیا، اگلے مہینہ میں حکومت کی طرف سے ۲۷/اور ۲۸ تاریخ کو جہاز کے ذریعہ اس بات کی تصدیق کر لی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آیا، تب حکومت نے حضرت کے فتویٰ کو تسلیم کر کے رویت ہلال کمیٹی توڑ دی۔

مندرجہ بالا فتویٰ اور پاکستان میں بذریعہ ہوا جہاز ایک ہی مہینہ کی ۲۷/۲۸ تاریخ کو ہلال کا مشاہدہ کرنا دونوں ہی باتیں لفظ ومعنی کے اعتبار سے میرے نزدیک محل نظر ہیں نہ فتویٰ کی زبان وبیان غوث العالم سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی ذات سے میل کھاتی ہے اور نہ ہی ۲۷/۲۳۸ تاریخ کو ہلال کا مشاہدہ علم وفن کے معیار پر صحیح اترتا ہے۔ علم وفن کا معیار آگے پیش کروں گا، فی الحال قارئین کرام غور فرمائیں کہ۔

(۱) فتویٰ میں لکھا گیا ہے کہ رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے۔ فتویٰ میں چوں کہ احکام شرع بیان کئے جاتے ہیں۔ مثلاً فرض، واجب، سنت، مستحب، جائز، ناجائز، حلال، حرم، مکروہ، اور ممنوع وغیرہ صحیح، معتبر، غیر معتبر وغیرہ وغیرہ اس لئے فتویٰ کی زبان وبیان کے اعتبار سے یہاں لفظ غلط کے بجائے یوں کہنا چاہئے کہ رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ صحیح نہیں یا اس جیسا دوسرا لفظ ہونا چاہئے اس لئے کہ غلط کا معنی عام طور پر یہ آتا ہے کہ خلاف واقعہ ہے اور خلاف واقعہ کا معنی یہاں قطعا درست نہیں کیوں کہ جہاز پر سے لوگ آئے دن چاند دیکھتے رہتے ہیں ہاں یہ الگ بات ہے کہ معتبر ہے یا نہیں۔

(۲) فتویٰ میں ہے اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو (الخ) بھلا غور کیجئے جہاز اڑا کر چاند دیکھنے کی شرط کس نے ٹھہرائی ہے، عہد رسالت سے آج تک لوگ جہاز اڑائے بغیر چاند دیکھتے رہے کسی نے جہاز اڑانے کی شرط نہیں ٹھہرائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ نگار کے ذہن میں بات کچھ تھی اور تعبیر کچھ کر گئے۔ تشریح یہ ہے کہ بلندی پر جانے کی کئی صورتیں ہیں زینہ بہ زینہ جیسے قطب مینار کی آخری منزل تک یا پھر بذریعہ لفٹ جیسے امریکہ وغیرہ میں سو ڈیڑھ سو منزلہ بلڈنگ تک پہونچا یا

پہاڑی راستوں کو طے کر کے جیسے کوہ ہمالہ کی چوٹی تک پہنچنا یا پھر ہوائی جہاس سے فضائی مقامات تک پہونچنا وغیرہ وغیرہ فتاویٰ نگار کو ان تمام بلندیوں سے فضائی بلندی کو رویت ہلال کے باب میں غیر معتبر بتانا ہے۔ اس لئے وہ کہنا چاہتے تھے کہ اگر ہوائی جہاز سے بلندی پر جا کر چاند دیکھنا درست ہو تو مگر وہ اس مفہوم کو اس طرح تعبیر نہ کر سکے، جس سے ان کی مراد ادا ہوتی، بلکہ وہ یہ کہہ گئے کہ جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو الخ''، یعنی یہ شرط بلندی پر پہونچنے کی تھی لیکن یہ شرط فتویٰ نگار نے رویت ہلال کے لئے کر دی ہاں گر وہ یوں کہتا تو اس کی مراد ادا ہو جاتی۔ بشرط پرواز چاند دیکھنا درست ہو تو۔

(۳) فتویٰ نگار نے لکھا ہے کہ تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا مذکورہ بالا جملہ میں نہ ہی کا لفظ واضح طور پر دال ہے کہ یہ جملہ مستانفہ نہیں، بلکہ ماسبق میں مذکور ایسے جملہ پر عطف ہے، جس میں حکم سلبی لفظا مذکور ہے اور یہاں کوئی ایسا جملہ نہیں، بلکہ ماسبق میں جملہ انشائیہ بطور استفہام انکاری ہے، جملہ خبریہ کا عطف جملہ انشائیہ پر بے تاویل صحیح نہیں اس لئے یہاں اس قسم کی عبارت ہونی چاہئے تھی تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا۔

بہر حال اس قسم کی جھولی جھالی عبارت کی نسبت کبھی بھی سرکار حضور مفتی اعظم کی طرف وہ لوگ نہیں کر سکتے جنہوں نے حضرت کی نظم ونثر کو دیکھا ہے الموت الاحمر سامان بخشش وغیرہ کی زبان اور اس فتویٰ کی زبان میں ایسا فرق معلوم ہوتا ہے جیسے لکھنؤ اور بلوچستان کے دو آدمیوں کے درمیان گفتگو ہو رہی ہو۔

یہ واقعہ جنرل ایوب خاں کے دور کا بتایا جاتا ہے، جب کہ اس دور میں بندۂ ناچیز خود بھی مفتی اعظم ہند کی کفش برداری میں بریلی شریف میں قیام پذیر تھا، نہ ہم نے کسی سے سنا اور نہ اس کی بھنک معلوم ہوئی، نہ کوئی ایسا اخبار دیکھا اور نہ ہی کوئی ایسی گرم خبر پھیلتی ہوئی معلوم ہوئی حضرت کے پردہ فرمانے کے بعد اچانک یہ باتیں جنگل کی آگ کی طرف پھیلتی چلی گئیں، کچھ علمائے کرام کو اس کا کھٹکا ضرور ہوا، لیکن اپنی مصروفیت کی وجہ سے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں فرما سکے۔

میری نگاہ میں چونکہ یہ باتیں نہ صرف بے بنیاد تھیں، بلکہ علم وفن کے خلاف بھی تھیں، اس

لیے شمالی ہند کی مشہور درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے نکلنے والا رسالہ ماہنامہ اشرفیہ ماہ ستمبر ۹۸ء میں میرا ایک مضمون بعنوان ۲۷/۲۸ تاریخوں میں چاند کی رویت کا مسئلہ شائع ہوا، ہم نے اپنے مضمون میں یہ لکھا تھا کہ اس قسم کے مضمون کو فتویٰ کا نام دے کر سیدی مرشدی غوث العالم سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی طرف نسبت کرنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور ساتھ ہی اس کے وجوہ پر قدرے روشنی بھی ڈالی تھی جو ماہنامہ اشرفیہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگر قارئین کو ماہ ستمبر کا شمارہ دستیاب ہو جائے تو اس کو پہلے پڑھ لینا اچھا ہے۔

ہمارے اس مضمون سے جہاں کہیں لوگوں کو ذہنی سکون ہوا وہیں ہمارے بعض احباب کے حلقوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی، موقع کے لحاظ سے ایسی لہر کا پیدا ہونا فطری بات بھی تھی کیوں کہ یہ مسئلہ اس قدر مشہور اور لوگوں کے دل میں راسخ ہو چکا تھا کہ لوگ اس کے خلاف کچھ سننے کے لئے قطعا تیار نہ تھے، لیکن بندۂ ناچیز خیال کرتے ہوئے کہ خدانخواستہ اگر کبھی بھی یہ بات اٹھ کھڑی ہوئی تو حق بات سے آگاہ ہونے کے باوجود ہم بے زبان ہو کر رہ جائیں گے، اس لئے ایسا وقت آنے سے پہلے ہی یہ واضح کر دیا جائے کہ میرے سرکار کی طرف اس فتوے کا انتساب قطعا صحیح نہیں ہے، سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند جہاں غوثیت مآبی نگاہ رکھتے تھے وہیں ان کی نگاہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات پر بھی تھی۔ اس لئے آپ سے کبھی بھی ایسی بات نہ سنی گئی جو امام احمد رضا کی نگارشات سے متصادم ہو، ادھر ہم نے اپنے ان احباب سے یہ عرض کر دیا کہ آپ حضرات پاکستان سے رابطہ قائم کریں وہاں کی حکومت کی تحویل میں اس کا ریکارڈ ضرور محفوظ ہوگا، اخبارات کے تراشے منگائیں اور اصل فتوی کا فوٹو اسٹیٹ طلب کریں، اگر یہ ساری باتیں فراہم ہو جائیں تو ہم کو اپنے مضمون کے مسترد کرنے میں کوئی تردد نہ ہوگا، ورنہ بصورت دیگر ہم کچھ اور معروضات پیش کریں گے جن سے میرے موقف کی مزید وضاحت ہو جائے گی، مگر اب تک کوئی ایسی بات نہیں پیش کی گئی جس کی وجہ سے مجھے اپنے مضمون کو مسترد کرنا ضروری ہوتا ہاں ہمارے بعض احباب نے میرے مضمون کو سرسری طور پر ملاحظہ کرنے کے بعد نہایت ہی جھلسانے والا انداز اختیار کر کے ہماری ہوا خیزی کرنا چاہی اس لئے مجبور ہو کر ہم ان احباب کی خدمت میں یہ دوسرا مضمون اس لئے پیش کر رہے ہیں تا کہ میرے موقف کی اچھی طرح

وضاحت ہوجائے۔

یہاں یہ بات بھی میرے ان احباب کوملحوظ رکھنا چاہیئے تھا کہ اس پاکستانی مسئلہ میں جولوگ اس کی حقانیت پراصرار کرتے اورانتساب کوصحیح بتاتے ہیں وہ لوگ اصولا مدعی کی حیثیت رکھتے ہیں اور میں چوں کہ انتساب کا انکار کرتا اورواقعہ کی صحت پراعتمادنہیں رکھتا، اس لئے میرا موقف سائل کا موقف ہے، اصرار کرنے والے حضرات کے لئے مجھ پرطعن وتشنیع کرنے کے بجائے یہ ضروری تھا کہ وہ لوگ دلائل وبراہین سے اپنا مدعا ثابت کرتے اور ہمارے شبہات کے پرخچے اڑادیتے، لیکن افسوس کہ اصول سے ہٹ کرمحض افتادطبع کی بنیاد پرطعن وتشنیع کو اپنا وظیفہ بنائے ہوئے ہیں ان حضرات کوسوچنا چاہیئے کہ ان کا یہ طریقہ اورانداز دادوتحسین کے پھول کے بجائے دامن میں خس وخاشاک بھردینے والا ہے۔ کاش جتنا وقت انہوں نے مجھے برا بھلا کہنے اورکوسنے میں لگایا وہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں ہی کے مطالعہ میں لگاتے تو تلخ نوائی کے بجائے ہم نوائی کا دم بھرتے۔

ہم نے اپنے مضمون سابق میں لکھا تھا کہ مسئلہ پیش نظر تدقیقات ریاضیہ سے صرف نظر کیا گیا ہے لیکن اب حالات ایسے پیدا ہوگئے ہیں کہ بعض ضروری باتوں کودرج کرنا ناگزیر ہوگیا ہے اس لئے بطورتمہید چند باتوں کوپیش کرنا میرے لئے ضروری ہے۔

فلک کے اوپر دوفرضی دائرے پورب پچھّم ایسے مانیگ ئیگہیں کہ دونوں باہم ۵ درجہ ۲۲ دقیقہ پرتقاطع کریں ان میں سے ایک منطقۃ البروج اوردوسرا منطقۃ المائل کہلاتا ہے منطقۃ البروج آفتاب کی ذاتی چال کا راستہ ہے اور منطقۃ المائل ماہتاب کی ذات چال کا راستہ ہے، دونوں کے نقطۂ تقاطع میں سے ایک راس اور دوسرا ذنب کہلاتا ہے، آفتاب وماہتاب کی ذاتی چال سے جب دونوں کے مابین محاذات، راس، یاذنب، یااس کے آس پاس ہوتو اس وقت کسوف یعنی سورج گہن ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کسی مقام پر ہوتو یہ محاق اوراجتماع نیرین کہلاتا ہے اورجب اجتماع سے قمرآگے بڑھتا اور چاندسورج کے مابین مخصوص دوری ہوتی ہے تو رویت ہلال ممکن ہوجاتی ہے۔

آفتاب اپنے فلک یعنی خارج المرکز پرروزانہ یکساں ۲۰۔۸۔۵۹ دقیقہ کی رفتار سے پورب کی طرف رواں دواں رہتا ہے، لیکن جب منطقۃ البروج کی طرف نسبت کرتے ہوئے آفتا کی رفتار

دیکھی جاتی ہے تو وہ روزانہ یکساں نہیں ہوتی، بلکہ کبھی کم اور کبھی زیادہ اور کبھی برابر ہوتی ہے، شرح چغمینی میں ہے۔

انہا لما کانت تدور علیٰ محیط دائرۃ مرکزہا خارج عن مرکز العالم کان فی احد نصفی فلک البروج اکثر من نصفہا وہو النصف الذی فیہ اوجہا وفی النصف الاخر من فلک البروج اقل من نصفہا وہو النصف الذی فیہ الحضیض (ص۸۸) نیز اسی شرح چغمینی میں ہے ولما کانت الشمس تقطع من فلک البروج فی کل یوم قسیا مختلفۃ (ص۱۲۳)

اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے حساب دانوں نے منطقۃ (البروج پر ایک یا ایسا فرضی آفتاب مان لیا، جس کی چال اصلی آفتاب کے برابر ہو، اصلی آفتاب جتنی مدت خارج المرکز کے مرکز پر زاویہ بناتا ہو، اتنی ہی مدت میں فرضی آفتاب مرکز عالم پر زاویہ بنائے۔ اگر اصلی آفتاب خارج المرکز پر دس درجہ چلے تو یہ فرضی آفتاب بھی منطقۃ البروج پر دس درجہ چلے، اگر اصلی آفتاب سو درجہ چلے تو فرضی آفتاب بھی منطقۃ البروج پر سو درجہ چلے اور جب اصلی آفتاب کا دورہ کامل ہو تو فرضی آفتاب کا بھی دورہ کامل ہوجائے اور پھر اس فرضی آفتاب کی رفتار کو اصلی آفتاب کی طرف منسوب کرکے حساب لگاتے رہتے ہیں تو گویا اب اصلی آفتاب کی بہ نسبت منطقۃ البروج دو رفتار ہوگئی ایک تو وہ جو روزانہ کم وبیش ہوتی رہتی ہے اور ایک یہ جو روزانہ یکساں رہتی ہے، پہلی رفتار کو تقویمی حرکت اور دوسری رفتار کو وسطی حرکت کہتے ہیں، اسی طرح کا کچھ حال قمر کے ساتھ بھی ہے، اس لئے اس کی بھی دور حرکت ایک تقویمی اور ایک وسطی ہوتی ہے آفتاب کی وسطی حرکت یومیہ ۳۰۔۸۔۵۹ دقیقہ اور قمر کی وسطی حرکت یومیہ ۲۔۳۵۔۱۰۔۱۳، درجہ ہے دونوں کے مابین تفاضل ۴۲۔۲۶۔۱۱۔۱۲، درجہ قمر کے سبق کی رفتار ہے، آفتاب سے ماہتاب روزانہ اسی رفتار سے پورب کی طرف آگے بڑھتا رہتا ہے، اسی مفہوم کو حضرت علامہ عبد العلی برجندی نے شرح زیج سلطانی میں دوسری طرح تعبیر فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ چوں خطے از مرکز عالم خارج شود وموازی خطے کہ از مرکز خارج مرکز آفتاب رفتہ توسی از منطقۃ البروج ابتدا از اول حمل برتوالی تا طرف خط اول آزاد وسط آفتاب گویند وقوسی ہم از منطقۃ البروج راابتدا از اول حمل برتوالی تا طرف خط کہ از مرکز عالم مرکز آفتاب گزرد آنرا تقویم آفتاب گویند

وچوں خطے از مرکز عالم خارج شود و بمرکز تدویر قمر گزرد و بمنطقہ مائل رسدی قسی از منطقہ سائل را ابتدا از اول حمل تا طرف خط برتوالی وسط قمر گیند وخطے کہ کہ از مرکز عالم خارج شود و بمرکز قمر گزرد ودوائر عظیمہ فرض کنند کہ بطرف ایں خط و بردو قطب بروج گزرد ومنطقۃ البروج را بردو نقطہ تقاطع کند قویس را از منطقۃ البروج ابتدا از اول حمل تا آں تقاطع مذکور کہ بقمر اقرب بود تقویم قمر گویند واجتماعی وسطی آنست کہ وسط آفتاب ووسط قمر بحسب برج واجزا یکے شوند ص ۳۴ اور اگر باعتبار رویت اجتماع ہو تو اجتماع مرئی کہلاتا ہے جس سے سورج گہن ہو جاتا ہے۔

حرکت تقویمی کے اعتبار سے جو حالات پیدا ہوئے ہیں وہ حقیقی کہلائے اور حرکت وسطی کے لحاظ سے جو احوال ہوتے ہیں وہ وسطی کہلاتے ہیں لہٰذا یوم حقیقی یوم وسطی، اجتماع حقیقی، اجتماع وسطی، ماہ قمری حقیقی، ماہ قمری وسطی، ماہ حقیقی شمسی، ماہ شمسی وسطی پر سارے حالات مندرجہ بالا ضابطہ کے تحت درج ہیں اور جب حقیقی اور وسطی میں سے کسی کو دوسرے میں تحویل کرنا مقصود ہوتا ہے تو تعدیلات سے کام لیا تا ہے۔اجتماع حقیقی سے دوسرے اجتماع حقیقی کی مدت کو ماہ قمری کہتے اور اجتماع وسطی سے دوسرے اجتماع وسطی کی مدت کو وہ وسطی کہتے بارہ ماہ حقیقی کے مجموعہ کو سال قمری حقیقی اور بارہ ماہ وسطی کے مجموعہ کو سال قمری وسطی کہتے ہیں، ایک برج کو آفتاب جتنی مدت میں بحرکت وسطی طے کرتا ہے اسے ماہ وسطی شمسی کہتے اور ایک برج کو آفتاب جتنی مدت میں بحرکت تقویمی طے کرتا اس کو ماہ حقیقی شمسی کہتے ہیں اور چوں کہ آفتاب کی حرکت تقویمی اور وسطی کا دورۂ کامہ برابر ہوتا ہے اس لئے شمسی سال وسطی اور حقیقی برابر ہوتے ہیں، جس کی مدت میں اختلاف ہے جیسے کہ حاشیہ شرح چغمینی میں مذکور ہے، لیکن عام طور پر ۳۶۵ دن ٦ گھنٹہ مانا جاتا ہے۔

ماہ قمری وسطی کی مدت ۲۹ دن ۱۲ر گھنٹہ ۴۴ منٹ ہوتی ہے شرح زیج سلطانی میں ہے۔ اگر آں وضع اجتماعی وسطی بود بست ونہ روزہ دوازہ ساعت وچہل وچہار دقیقہ است واگر اجتماع حقیقی بود گاہے باندک ازیں مدت زیادت باشد وگاہے کمتر ونادر بود کہ موافق باشد۔ ماہ شمسی وسطی کی مدت ۳۰ دن ۱۰ر گھنٹہ ۲۹ منٹ ۱۲/۱ سکنڈ ہوتی ہے، حاشیہ شرح چغمنی میں ہے فالشہر الشمسی الوسطی ابدا یکون ثلثین یوما وعشر ساعات وتسعا وعشرین دقیقۃ ونصف سدس دقیقۃ والشہر الشمسی الحقیقی قد یزد علیہ وقد یساوید وقد

ینقص ص ۱۲۸ اور شرح زیج سلطانی میں ماہ شمسی کے متعلق درج ہے کہ مقدار سی درجہ از منطقۃ البروج کہ حضیض آفتاب بر منتصف آں باشد آفتاب آں را در مدت بیست ونہ روز ونہ ساعت حقیقی تقریبا قطع کند وایں اقصر زمان مدت سیر آفتاب است سی درجہ را کہ ایک برج است ومقدار سی درجہ مقابل آں کہ اوج آفتاب بر منتصف آنست آفتاب آں را مدت سی دیک روز ددوازدہ ساعت تقریبا قطع کند وایں طول مدت سیر آفتاب است مرسی درجہ را (ص ۵) اور زیج بہار خانی میں ماہ قمری حقیقی کے متعلق یوں درج ہے، ماہ ہائے حقیقیہ قمریہ بسبب سرعت حرکت تقویمی قمر وبطوے شمس حوالی اجمتاع بے شبہ اصغر باشد از مقدار ماہ وسطی وغایت ایں قصر از سیزدہ دقیقہ یوم بلیلہ متجاوز نمی شود پس مقدار شہور صغریٰ بست ونہ روز وثلث یوم تقریبا می باشد وایں کسر گاہے بربع وعلیٰ ہذا القیاس ہر گاہ حوالی اجتماع قبر بسطی شود وشمس سریع لازم آید کہ زمانہ ماہ حقیقی قمری زاید باشد از ماہ قمری وسطی وایں زیادتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔خلاصہ یہ ہے کہ وسطی مہینوں کی مقدار متعین اور منضبط ہوتی ہے اور حقیقی مہینوں کی مقدار نہ متعین ہوتی ہے اور نہ منضبط اس لئے حساب داں وسطی اعتبار سے اپنا عمل کرتے اور تعدیلات کے ذریعہ حقیقی معلوم کر لیتے ہیں۔آئندہ مضمون میں حسابات یا لفظ اجتماع وغیرہ کا استعمال بمعنی وسطی ہوگا۔

وسطی اور حقیقی میں چوں کہ برائے نام فرق ہوتا ہے اس لئے ہماری مراد پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لیکن شریعت مطہرہ میں نہ تو ماہ قمری حقیقی پر حکم ہوتا ہے نہ ماہ قمری وسطی پر بلکہ حکم ماہ قمری ہلالی پر ہوتا ہے، جس کی مدت کبھی ۲۹ یوم اور کبھی ۳۰ یوم ہوتی ہے۔شرح زیج سلطانی میں ہے ''واگر آں وضع ہلالی بود مدت دو روز گاہے بیست ونہ روز باشد گاہے سی روز ص ۵، فتاوی رضویہ میں ہے'' اہل شرع ماہ ہائے ایں تاریخ از رویت ہلال گیرند وآں ہرگز از سی روز زیادہ نہ باشد واز بیست ونہ روز کمتر نے (جلد دوازدہم ص ۳۰)

البتہ یہ ضرور ہے کہ غرۂ وسطیہ سے پہلے غرۂ ہلالیہ نہیں ہوتا۔فتاوی رضویہ میں ہے اور بداہۃ واضح کہ رویت ہلال اجتماع قمرین سے ایک مدت معتد بہ کے بعد واقع ہوتی ہے تو غرہ ہلالیہ کبھی غرہ

وسطیہ سے مقدم نہ آئے گا۔ وانہا غایۃ التساوی۔

(جلد دوازدہم ص ۳۱)

شرح زیج سلطانی میں تشریح کی گئی کہ بوقت غروب آفتاب قمرین کے مابین معدل النہار کی قوس کی مقدار کو بعد معدل اور منطقۃ البروج کی قوس کی مقدار کو بعد سوار کہتے ہیں، اسی کے بارے میں فتاوی رضویہ میں ارشاد ہے کہ اور حسب قول متعارف اہل عمل رویت کے لئے کم سے کم دس درجہ سے زیادہ فاصلہ چاہئے، حاشیہ شرح چغمینی للعلامہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مغاربیہا عشرۃ اجزاء او اکثر حتی یکون القمر فوق الارض بعد غروب الشمس مقدار ثلثی ساعۃ او اکثر والمشہور فی ہذا الزمان بین اہل العمل انہ ینبغی ان یتحقق الشرطان حتی یمکن الرویۃ ویسمر ن البعد الاول بعد السواء والبعد الثانی بعد المعدل'' شرح زیج سلطانی میں ہے باید کہ بعد معدل دہ درجہ باشد یا زیادہ بعد میان تقویم ایشاں از دہ زیادہ باشد تا ہر دو شرط وجود نگیرد ہلال مرئی نہ شود و متعارف دریں زمان این است ص ۳۱ جلد دوازدہم فتاویٰ رضویہ)

زیج بہادر خانی میں ہے ''اگر ہر یک از بعد معدل و بعد سوا، از دہ درجہ زیادہ نہ باشد دریں صورت ہلال اصلا دیدہ نشود و ماہ موجود سی روزہ باشد و اگر بعد معدل میان وہ درجہ و دوازدہ درجہ باشد و بعد سواء از دہ درجہ بیشتر بود دریں صورت ہلال باریک تواں دید و اگر بعد معدل میان دوازدہ و چہار درجہ باشد ہلال معتدل دیدہ شود اگر از چہاردہ بیشتر باشد ہلال بزرگ وظاہر تر باشد ص ۵۵۷)

جہاز سے پرواز کر کے ہلال دیکھنے کی حاجت اس وقت ہوگی جب کہ ہلال ابتدائی حد پر واقع ہو اگر ہلال حد رویت سے زیادہ فاصلے پر واقع ہو تو بحسب زیجات اس کی رویت واضح ہوگی، تو پھر ہوائی جہاز سے پرواز کرنے کی کیا حاجت؟ اب مان لیجئے کہ کسی مقام میں بتاریخ ۲۹ بوقت غروب آفتاب ہلال نظر آ جائے تو بفرمان امام احمد رضا کہ غرۂ ہلالیہ کبھی غرۂ وسطیہ سے مقدم نہیں ہوتا'' اس کا صاف مطلب ہے کہ غرہ وسطیہ ہو گیا اور جب غرہ وسطیہ کے لئے بعد معدل اور بعد سواء کی مذکورہ شرطیں لازمی ہیں، اس لئے بوقت غروب آفتاب اس دن بعد معدل اور بعد سوا، دس درجہ سے ضرور زائد ہوگا، اور چوں کہ قمر اتنی دوری کو تقریباً ایک دن میں طے کرتا، اس لیے ماننا پڑے گا کہ ۲۸ کی شام

کو قمر حالت اجتماع میں تھا اور ۲۷ ر تاریخ کو قمر آفتاب سے پچھّم ہونے کیوجہ سے آفتاب سے پہلے ہی غروب ہو گیا، جس سے صاف ظاہر ہے ۲۸ تاریخ کو بوجہ اجتماع قمرین اور ۲۷ تاریخ کو بوجہ غروب قمر رویت ہلال قطعا محال۔ کما لا یخفی

زیر بحث فتویٰ میں یہ کہا گیا ہے کیوں کہ چاند غروب ہوتا ہے، فنا نہیں ہوتا، اس لئے کہیں ۲۹ اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آ سکتا ہے، قطعا غلط اور بے بنیاد معلوم ہوتا ہے، فتویٰ کے الفاظ گو صورۃً ضابطہ وکلیہ نہیں، لیکن معنوی اعتبار سے یقیناً یہ کلیہ ہے اور اس عبارت سے کلیہ ہی بیان کرنا مقصود ہے کہ اس میں کسی سنہ، کسی ماہ کسی جگہ کی کوئی تعیین نہیں، بلکہ ہر ماہ، ہر سال، ہر جگہ بلندی سے چاند نظر آ سکتا ہے، کیوں کہ وہ غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا، اگر ایک جزئی بھی کلیہ کے خلاف ہو تو وہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے، حالت اجتماع اور بوقت غروب کی جو صورت پیش کی گئی، اس سے یقیناً یہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے یہ کلیہ سراسر باطل ہے، بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ یہ ایسا کلیہ ہے جو اپنے جزئیات میں سے کسی بھی جزئی پر نہیں۔ شرعی مہینے کبھی ۳۰ اور کبھی ۲۹ کے ہوتے ہیں لیکن ۳۰ کے مہینہ کا ثبوت رویت ہلال پر مبنی نہیں وہ تو خود اکملوا العدۃ ثلثین ہی سے ثابت ہوتا ہے، اس لئے رویت ہلال کا مسئلہ صرف ۲۹ والے مہینے سے تعلق رکھتا ہے۔

۲۹ تاریخ کی شام کو قمر کے حد رویت پر ہونے کے لئے بوقت غروب آفتاب تین شرطیں ضروری ہیں (۱) ہلال افق کے اوپر ہو (۲) نیرین کے مابین بعد معدل دس درجے سے زائد ہو (۳) اسی طرح نیرین کے مابین بعد سوا دس درجے سے زائد ہو، اگر یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو رویت کا وقوع ہو یا نہ ہو لیکن رویت ہلال حد امکان میں آ جاتی ہے اور دنیا میں کہیں رویت ہو بھی سکتی ہے اور غرہ ہلالیہ ضرور ہو جاتا ہے اور اگر رویت نہیں ہوتی تو پھر بھی غرۂ وسطیہ ہو جاتا ہے۔ ہلالیہ نہیں ہوتا، مثلاً اسی ۱۹۹۹ء کی جنوری میں ماہ عید کے ہلال کا مسئلہ لیجئے، مطلع صاف ہونے کے باوجود دنیا میں چند جگہ ہی سے رویت کی اطلاع ملی پہلی شرط تو اس لئے کہ اگر بوقت غروب آفتاب ہلال افق کے اوپر نہ رہے تو پھر کیا زمین چیر کر رویت ہوگی اور دوسری اور تیسری شرط دو غرض کے لئے مانی جاتی ہے، اول یہ کہ چاند کے دائرہ رویت اور دائرۂ نور کا باہم تقاطع ہو سکے، دوم یہ کہ بوقت غروب آفتاب قمر آفتابی

شعاعوں کی صولت سے دور رہ کر اپنا مکھڑا دکھا سکے، اگر بعد معدل اور بعد سوا کی مشروط مقادر نہ پائی جائے تو چاند اور سورج باہم قریب ہونے کی وجہ سے آفتابی شعاعوں کی صولت اور سورج کی تیز کرنوں کی جلالت میں ہلال کا مکھڑا گم ہوجائے گا، تو پھر ہلال کیسے نظر آئے گا، امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ غروب شمس کے ۲۰ منٹ بعد تک آفتابی شعاعوں کی اس قدر صولت ہوتی ہے کہ عادۃ انتیسویں کا چاند بھی اس میں نظر آنا ممکن نہیں، بحوالہ فقہی بصیرت ص ۱۵۱،۔

دائرۂ نور اور دائرۂ رویت کے تقاطع کو اس طرح سمجھیں کہ رویت ہلال خواہ ۲۹ کی ہو یا ۳۰ کی، دائرۃ النور اور دائرۃ الرویۃ کے باہم تقاطع سے چاند کے چار حصے ہوجاتے ہیں، دو حادے اور دو منفرجے (۱) چاند کا زیریں حصہ جو ناظر کے سامنے ہلالی صورت میں نظر آتا ہے، چاند کا یہ حصہ دائرۂ رویت اور دائرۂ نور دونوں کے تحت ہوتا ہے، (۲) دوسرا وہ بالائی حصہ جو ہلالی صورت کے مقابل نظر کے مخالف سمت ہوتا ہے، چاند کا یہ حصہ نہ دائرۂ رویت کے تحت ہوتا ہے نہ دائرۂ نور کے تحت ہوتا ہے (۳) چاند کا وہ ٹکڑا جو چاند کے غربی حصہ میں ہوتا ہے وہ دائرۂ نور کے تحت ہوتا ہے دائرۂ رویت کے تحت نہیں۔ (۴) چاند کا وہ حصہ جو چاند کے شرقی حصہ میں واقع ہوتا ہے وہ صرف دائرۂ رویت کے تحت ہوتا ہے دائرۂ نور کے تحت نہیں، پہلے دونوں ٹکڑے حادے اور پچھلے دو ٹکڑے منفرج ہوتے ہیں چوں کہ دائرۂ رویت کا تعلق ناظر سے ہے اس لئے ناظر کے مقامات بدلنے پر حصہ تقاطع کی ضخامت کم وبیش ہوتی جائے گی، ناظر کے زمین پر ہونے یا پستی پر جانے یا بلندی پر پرواز کرنے کی وجہ سے چوں کہ دائرۂ رویت کی پوزیشن بلندی رہتی ہے، اس لئے ناظر جوں جوں اوپر پرواز کرتا جائے گا، اسی تناسب سے دائرۂ رویت کا زیریں حصہ اپنی جگہ سے ہٹ کر پورب کی طرف کھسکتا جائے گا اور دائرۂ رویت اور دائرۂ نور کے تقاطع سے پیدا شدہ ہلالی صورت حادہ سے احد ہوتی جائے گی یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ دائرۂ رویت اور دائرۂ نور کا تقاطع ختم ہو کر حالت تطابق پیدا ہوجانے کی وجہ سے چاند اور سورج کے مرکز اور ناظر تینوں ایک خط مستقیم پر ہوجائیں گے اور اس طرح ناظر کے لئے سورج گہن کا منظر سامنے آجائے گا۔ اور اگر ناظر سطح زمین چھوڑ کر پستی میں پہونچ جائے اور زمینی حجابات واقع نہ ہو تو اس کے برعکس ہلالی صورت کی مقدار بڑھ جائے گی اور اگر ناظر شمس وقمر کے

مابین پہونچ جائے تو بدر کامل کا منظر سامنے آجائے گا۔

بعد معدل بعد سواء کی متعینہ مقدار چوں کہ اس میں ناظر کی وضع کو کوئی دخل ہی نہیں ہوتا اس لئے چاند سورج کو جہاں سے بھی دیکھا جائے، اس کے مابین کی دوری میں کوئی فرق نہیں آئے گا، ایک میل کی اونچائی ہو یا دس ہزار میل کی بلندی خواہ فلک زحل کی بلندی، کہیں سے بھی دیکھیں یہ دوری اپنی جگہ برقرار رہے گی اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا، چوں کہ بوقت غروب یہی دوری قمر کو آفتابی شعاعوں کی صولت سے محفوظ رکھتی ہے اس لئے اہل حساب نے یہ بتایا کہ اگر بعد معدل اور بعد سوا دس درجے سے زائد ہو تو رویت کا امکان ہوجاتا ہے، ورنہ نہیں لیکن اس صولت میں اگر ناظر بلندی کی طرف پرواز کرنے لگے تو جس قدر بلندی پر جاتا رہے گا، اسی اعتبار سے ماہتاب کا زیریں حصہ جو ہلالی صورت میں نظر آنے کا امکان رکھتا، اب اس کے ہاتھ سے امکان بھی جاتا رہے گا، یعنی رویت کا امکان خفیف سے خفیف تر ہوتا رہے گا۔ اور آخر میں امکان معدوم ہوجائے گا، اس لئے زیر بحث مسئلہ میں یہ پہلو نکالنا کہ ۲۷/۲۸ تاریخ میں اگر چہ حصۂ تقاطع رویت معتادہ کی مقدار پر نہیں ہوتا، لیکن کیوں نہیں ایسا ہوسکتا کہ ہوائی جہاز سے بلندی پر جانے کی وجہ سے ایسی وضع پیدا ہوجائے کہ وہ ہلالی صورت جو زمین سے نہیں حاصل ہوتی وہ بلندی پر حاصل ہوجائے دراصل یہ قوت واہمہ کا فریب ہے۔

رہی یہ بات کہ پھر لوگ کیوں رویت ہلال کے لئے اونچی جگہ مثلا مکان کی چھت یا پہاڑ اور ٹیلہ کے اوپر چڑھ جاتے ہیں اور پاکستانی حضرات کیوں جہاز سے بلندی پر جاتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہ بعد معدل اور نہ بعد سواء کی مقدار بڑھانے جاتے اور نہ تقاطع کا حصہ زیادہ کرانے جاتے، بلکہ رویت معتادہ کی حد تک پہنچا ہوا ماہتاب کبھی زمینی حجابات، مثلا اونچے مکانات، یا اونچے درخت اور کبھی فضائی حجابات مثلا ابر باد یا گرد باد کی زد میں آجاتا اس لئے لوگ اونچی جگہ پر پہونچ کر ہلال کا مشاہدہ کرتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چاند رویت معتادہ کی حد پر اس وقت آتا جب کہ غروب ہو رہا ہو، یعنی جب افق کے اوپر تھا تو اس حد پر نہیں تھا اور جب اس حد پر آیا تو افق کے نیچے پہونچ گیا، اس لئے لوگ اوپر جا کر چاند دیکھتے تا کہ ان کی نگاہ قدرے افق کے نیچے پہونچ کر رویت

معتادہ کی حد تک پہونچے ہوئے ہلال کو دیکھ لے۔

الغرض بلندی پر جانا اس لئے ہوتا ہے کہ حد تک پہونچے ہوئے ہلال کا مشاہد کرے، اس لئے نہیں ہوتا کہ ہلال کو حد تک پہونچا دیا جائے، بہر حال یہ باتیں ۲۹ دن ۱۲/گھنٹہ ۴۴ منٹ کے بعد ہی ہوتیں ۲۸ تاریخ کو چوں کہ غروب آفتاب کے وقت قمر حالت اجتماع یا حوالی اجتماع میں ہوتا جس کی وجہ سے لگ بھگ ساتھ ہی غروب کرتا اور ۲۷ تاریخ کو قمر آفتاب سے تقریبا ۱۲ درجہ پچھم ہوتا، جو تقریبا ۴۸ منٹ پہلے غروب ہوجاتا ہے، اس لئے ۲۸ یا ۲۷ تاریخ کو رویت ہلال نہ زمین سے ہوسکتی اور نہ ہوائی جہاز سے ہوسکتی، اس لئے فتویٰ کا کلیہ قطعا صحیح نہیں، یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اجتماع کی وضع یا وہ وضع کہ جس میں قمر سورج سے پچھم واقع ہو تو ان اوضاع میں ہلالی حصہ نمودار بھی نہیں ہوتا اور نہ ہلالی حصہ نظر آسکتا، بلکہ ان اوضاع میں چاند بھی نظر نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ اگر چہ ناظر کے بلندی پر جانے کی وجہ سے زمینی افق کے بجائے فضائی افق پیدا ہوجاتا، جس کی وجہ سے غروب شدہ قمر افق کے اوپر آجاتا ہے، لیکن اس صورت میں چوں کہ سورج بھی فضائی افق پر آجاتا ہے، جس کی تیز شعاعوں میں چاند گم ہوجاتا ہے، ہاں اگر چاند حد رویت پر ہو جیسے ۲۹ تاریخ کو تو چوں کہ یہاں ممکن ہے کہ سورج فضائی افق کے نیچے ہو اور قمر اس کے اوپر اس لئے یہاں رویت ممکن ہے۔

اب تک جتنی باتیں درج ہوئیں وہ تو علم وفن کی باتیں تھیں، آگے امام احمد رضا کے فرمان کو نقل کیا جارہا ہے جس میں وہی ۲۷، ۲۸ تاریخ میں رویت ہلال کا مسئلہ متعرض ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کی تاریخ اور دن کے تعین کے لئے رویت ہلال کی مذکورہ شرطوں کے پیش نظر شام دوشنبہ ۲۹ صفر وسطی ۱۱ھ کے لئے افق کریم مدینہ طیبہ کے لئے جزئیات موامرہ کی جدول تیار کر کے یہ حکم لگایا کہ جب شب سہ شنبہ (یعنی ۲۹ صفر) تک نیرین کا یہ حال تھا کہ وقوع رویت ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال تھا، تو اس سے دو ایک رات پہلے (یعنی ۲۸، ۲۷) کا وقوع بداہۃ محال تھا، اس رات (یعنی ۲۹ کے دن گزرنے کے بعد کی رات) قمر صرف ۹ درجہ آفتاب سے شرقی ہوا تھا تو شام یکشنبہ کو (یعنی ۲۸ تاریخ

کی شام کو) کئی درجے (یعنی تقریبا ۳ درجے سے کچھ زیادہ) اس سے غربی تھا اور غروب شمس سے کوئی پاؤ گھنٹہ پہلے ڈوبا اور شام یکشنبہ کو (یعنی ۲۷ تاریخ کی شام کو) تو عصر کا اعلیٰ مستحب وقت تھا، جب چاند حجلہ نشین مغرب ہو چکا تھا پھر (ان دونوں تاریخوں میں سے کسی تاریخ میں) رات کو رویت ہلال کیا زمین چیر کر ہوئی، فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲/ص ۳۲ لیجئے یہاں بھی فتویٰ کا کلیہ اپنے جزئیہ پر منطبق نہیں۔

عبارت بالا سے یہ واضح ہے کہ ۲۹ تاریخ کو جب وقوع رویت ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال ہو تو ۲۷، ۲۸ کو رویت ہلال کی کوئی صورت ہی نہیں ہوسکتی، پاکستانیوں کا غیر متوقع احتمال سے ایک دو دن پہلے ہوائی جہاز سے (جب کہ بلندی پر پہونچنے سے تقاطع کا حصہ حادہ سے احد اور رویت خفیف سے خفیف ہوجائے) ۲۷/۲۸ کو چاند دیکھنے کی روایت فرضی نہیں تو اور کیا ہوسکتی ہے، مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس پہاڑیاں ہیں۔ امام احمد رضا نے یہ نہیں فرمایا کہ پہاڑ پر چڑھ کر اگر دیکھا جاتا تو رویت ممکن تھی اس لئے کہ امام احمد رضا خوب جانتے تھے کہ ناظر جس قدر اوپر جائے گا اسی اعتبار سے تقاطع کا مرئی حصہ کم سے کم تر ہوتا جائے گا۔ اس لئے ۲۹ صفر کو جب زمین سے چاند دیکھنے کا غیر متوقع احتمال ہے تو پہاڑ کے اوپر سے اور زیادہ غیر متوقع ہوجاتا اور جب ہلال زمین سے دیکھنے پر حد رویت پر نہیں ہوسکتا تو کسی اونچائی سے دیکھنے میں بھی حد رویت پر نہیں ہوسکتا۔

ذیل میں ہم فقہی بصیرت سے کچھ ایسی عبارتیں نقل کرتے ہیں جو امام احمد رضا کی تصنیف ''جد الممتار'' کا فصیح ترجمہ ہیں، اس مضمون میں بھی ۲۸ تاریخ کو رویت ہلال کی بابت مذکور ہے۔

اقول الحق ان شاء اللہ تعالیٰ التفصیل۔ معاملہ یہ ہے کہ یہاں دو باب ہیں (۱۲) باب قواعد رویت ہلال (۲) سیر شمس وقمر، ان کے طلوع وغروب اور منازل قمر کا باب، اول کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں اس لئے کہ خود ان کا اس باب میں کثیر اختلاف ہے کسی قطعی قول تک ان کی رسائی نہیں ہوسکی جیسا کہ آشنائے فن سے مخفی نہیں، اس لئے مجسطی میں اس کی کوئی بحث نہیں رکھی، باوجود یکہ اس میں متحیرہ اور ثوابت کے ظہور وخفا پر بھی کلام کیا ہے اس وجہ سے کہ انہیں معلوم تھا کہ رویت ہلال ایسی چیز ہے جو ضوابط کی گرفت سے باہر ہے یہی وہ باب ہے جسے ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رد کر دیا

اور ثانی بلاشبہ یقینی ہے اس پر قرآن عظیم کی متعدد سورتیں شاہد ہیں جیسے ارشاد باری ہے ''الشّمس والقمر بحسبان'' چاند اور سورج ایک حساب سے ہیں (۵ رحمٰن) ''والشّمس تجری لمستقر لہا ذالک تقدیر العزیز العلیم'' اور سورج اپنے ٹھہراؤ کے لئے چلتا ہے، حکم ہے زبردست علم والے کا (۲۸۔ یٰس) اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ہو گیا جیسے کھجور کی پرانی ڈال

تو اگر اہل حساب، علماء عادل باب اول کی بنیاد پر یہ کہیں کہ رویت ممکن نہیں اور بینۂ عادلہ رویت کی شہادت دے تو شہادت قبول کی جائے گی اور اگر باب ثانی کی بنیاد پر کہیں جیسا کہ مسئلہ دوم میں ہے تو یہ قطعی امر ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا کیوں کہ عادۃ رویت ہلال ممکن نہیں، جب تک کہ چاند سورج سے دس درجہ بلکہ یادہ دوری پر نہ ہو، تو دن میں طلوع آفتاب سے پہلے پھر رات میں غروب آفتاب کے بعد بھی اس کی رویت ہو تو یہ اس امر کو مستلزم ہے کہ چاند نے دن بھر کے اندر بیس درجہ سے زیادہ مسافت طے کر لی، جب کہ قطعا معلوم ہے کہ چاند پورے دن رات میں تقریبا مقررہ باقرہ درجہ سے زیادہ مسافت طے نہیں کر سکتا تو اس میں سنت الٰہی کی تبدیلی لازم آئے گی ''ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا'' اور خدا کی سنت میں ہر گز تمہیں کوئی تبدیلی نہ ملے گی، ایسی صورت میں صاحب علم قطعی طور سے یہ حکم کرے گا کہ گواہوں کو اشتباہ ہو گیا اور قطعی کو رد نہیں کیا جا سکتا، شاید امام سبکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد یہی ہے تو اس سے دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہو جائے گی، اور اس کی نظیر ہمارے اس رمضان ۱۳۳۰ھ کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کے سارے اطراف میں تمام لوگوں نے پنج شنبہ کو روزہ رکھا، جب چہار شنبہ کو ماہ رمضان کی اٹھائیس تاریخ تھی تو بدایوں میں ہمارے دوست مولوی عبد المقتدر صاحب کے یہاں تین یا پانچ آدمیوں نے شہادت دی کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے اور بدلے میں تھا انہوں نے گواہی قبول کر لی اور لوگوں کو عید کا حکم دے دیا، جسے ان کے ماننے والوں میں سے چند ہی افراد نے قبول کیا، باوجودیکہ ہمیں قطعی طور سے معلوم ہے کہ گواہوں سے غلطی ہوئی، اس کی پانچ وجہیں ہیں سبھی باب ثانی پر مبنی ہیں، باب اول پر نہیں۔

اول یہ کہ اس دن یعنی بدھ کو شمس وقمر کا اجتماع رائج گھڑیوں سے نو بج کر اٹھارہ منٹ پر تھا اور غروب آفتاب چھ بج کر ۲۳ منٹ پر تو عادۃ یہ محال ہے کہ اجتماع کے نو گھنٹے چند منٹ بعد رویت واقع

ہو جائے۔

دوم تقویم آفتاب اور تقویم قمر کے درمیان غروب کے وقت فصل تقریبا پانچ درجہ سے زیادہ نہ تھی آفتاب سنبلہ کے انیسویں درجہ میں اور چاند اسی کے تیسویں درجہ میں تھا اور یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ محض اتنی فصل پر ہلال کی رویت اس کے خالق ذوالجلال کی سنت مستمرہ معلومہ کے خلاف ہے۔

سوم: قمر کا غروب مرکزی جس کا غروب ہلال میں اعتبار ہے اس لئے کہ چاند کے نصف سفل میں ہوتا ہے، چھ بج کر انتالیس منٹ پر ہوا یعنی غروب آفتاب کے سولہ منٹ بعد اور تجربہ سے یہ قطعا معلوم ہے کہ غروب آفتاب کے بیس منٹ بعد تک آفتابی شعاعوں کی اس قدر صولت ہوتی ہے کہ عادۃ انتیسویں کا چاند بھی اس میں نظر آنا ممکن نہیں پھر جب ہلال حد رویت پر پہونچے گا، تو اس سے چند منٹ قبل زمین کے نیچے جا چکا ہو گا، تو نظر کیسے آئے گا۔

امام احمد رضا کی منقولہ عبارت سے واضح ہے کہ جب تک قمر آفتابی شعاعوں کی صولت سے باہر نہیں آجاتا، رویت محال ہے اور باہر آنے کے لئے بعد معدل ہو یا بعد سوا دس درجہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے ۲۸/۲۷ تاریخ کو بوقت غروب آفتاب اتنی دوری نہیں ہوتی بلکہ ۲۸ کو چاند تھا، تو شعاع آفتاب ہوتا ہے جو اس بات کو مستلزم ہے کہ چاند سورج دونوں ہی تقریبا ساتھ ساتھ ہی غروب ہوں گے اور ۲۷ کو چاند آفتاب سے پہلے ہی غروب ہو جاتا ہے اس لئے ان دونوں تاریخوں میں رویت ہلال کسی طرح ممکن نہیں انسان پہاڑ پر چڑھ جائے ہوائی جہاز سے بلندی پر پرواز کرے اس سے چاند سورج کی تقویم اور ان کے بعد معدل کے درمیان کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ آفتابی شعاعوں کی صولت سے باہر آجاتا، بلکہ انسان جس قدر اوپر اٹھتا جائیگا قمر کے۔۔۔ تقطع کا حصہ کم سے کم تر ہوتا جائے گا، اس لئے ۲۸/۲۷ تاریخ رویت ہلال محال ہے، اگرچہ دائرۂ رویت اور دائرۃ نور درمیان فی نفس الامر تقاطع ہو۔

(ماہنامہ اشرفیہ جون ۱۹۹۹ء)

۲۷/۲۸ کی رویت ہلال
فرمان امام احمد رضا اورزیجات کی روشنی میں

یہ مضمون چوں کہ خالص علمی ہے، اس لئے عام قارئین کا خیال کرتے ہیں برائے تفہیم مختصر انداز میں کہا جاسکتا ہے۔

(۱) امام احمد رضا فرماتے ہیں جب کہ قطعا معلوم ہے کہ چاند پورے دن رات میں تقریبا ۱۲/درجے سے زیادہ مسافت طے نہیں کرتا (فقہی بصیرت ص۵۰)

(۲) امام احمد رضا فرماتے ہیں، ماہ قمری ۳۰ دن سے زیادہ اور ۲۸ دن سے کم نہیں ہوتا (فتاویٰ رضویہ جلد۱۲/ص۳۰)

ان دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ اگر ۲۸ تاریخ کو اجتماع ہوتو پورے ایک دن رات میں ۱۲/درجہ مسافت طے کرنے کی وجہ سے قمراورسورج کے مابین اتنا بعد حاصل ہوجائے گا جو رویت کے لئے شرط ہے اور ۲۹ تاریخ کو رویت ممکن ہوجائے گی اس لئے ۲۹ کو اگر رویت ہوتو ۲۸ تاریخ کو

قمرین کے باہم اجتماع ہونے کی وجہ سے دونوں کا غروب بھی ساتھ ہوگا، لہٰذا ۲۸ تاریخ کو رویت کی کوئی صورت ہی نہیں ۲۷ تاریخ کو قمر سورج سے پہلے ہی ڈوب جائے گا تو پھر رویت کا مسئلہ بھی نہیں اٹھتا اور اگر ۲۸ کے بعد اجتماع ہوتو ۲۹ کے بجائے ۳۰ کی رویت ہوگی ۲۸/اور ۲۷ کو چاند آفتاب سے پچھّم ہوگا، اور آفتاب سے پہلے ہی ڈوب جائے گا، لہٰذا ۲۸ ہو یا ۲۷ ان تاریخوں میں رویت قطعاممکن نہیں اس لئے ہوائی جہاز سے بلندی پر جانے کے بعد بھی ۲۷/۲۸ تاریخوں میں چاند دیکھنا قطعامحال۔

رویت ہلال کے حساب لگنے میں بعد سواء اور بعد معدل کے استخراج کے لئے شمس وقمر کے اجتماع حقیقی اوران کی حرکت تقویمی کا لحاظ ہوتا ہے، اگر اجتماع کے بعد بعد سواء؟ اور بعد معدل دونوں ہی اپنی شرط پر ہوں تو رویت کا امکان ہوتا ہے ورنہ نہیں، اور چوں کہ یہ حرکت غیر منضبط ہوگی (کما مر) اس لئے یہ اجتماع کبھی دن کے کسی حصہ میں ہوتا ہے۔ اوراسی کے اعتبار سے ہلال کے حد رویت کا مقام اور افق بدلتا رہتا ہے اوراسی طرح چاند کے اماوس میں داخل ہونے اور اماوس سے باہر آنے کے اوقات بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں لیکن سہولت کے لئے باعتبار امر وسطہ یہ مانا جاتا ہے کہ جب ۲۷ یوم ۷ گھنٹے ۴۴ منٹ کی مدت گزر جاتی ہے تو چانداماوس میں آجاتا ہے، جسے لوگ یہ کہتے ہیں کہ چاند چھپ گیا اور ۲ یوم ۵ گھنٹے تک اماوس میں رہتا ہے اوراس مدت کے درمیانی وقت میں اجتماع ہوتا ہے یعنی اماوس کے آغاز سے ایک یوم دوگھنٹہ ۳۰ بلفظ دیگر ۲۸ یوم ۱۰/گھنٹہ ۱۴/منٹ میں اجتماع ہوجاتا ہے اور حالت اجتماع سے وضع ہلالی تک آنے میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے یعنی ۲۹ یوم ۱۲/گھنٹہ ۴۴ منٹ کے بعد ہلال امکان رویت کے تحت آجاتا ہے۔

اجتماع نیرین سے کچھ دنوں پیش تر چاند سورج سے پچھّم اور پھر اجتماع کے بعد پورب پہنچ جاتا ہے تو اگر اجتماع ۲۸ یوم ۱۰/گھنٹہ ۱۴/منٹ پر مانا جائے تو چاند ۲۷ اور ۲۸ کو بھی یقیناً سورج سے پچھّم ہونے کی وجہ سے آفتاب سے پہلے ہی غروب ہوجائے گا، سطح زمین یا کسی اونچی جگہ سے چاند کی طرف نظر کرنے کی صورت میں بہرحال آفتاب کی تیز شعاعیں حائل ہوجائیں گی چوں کہ چاند پچھّم اور سورج پورب ہے اس لئے ان تاریخوں میں چاند نظر آنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا اور اگر اجتماع ۲۷ اور

۲۸ کے درمیان مانا جائے تو ۲۷ کے دن قمر سورج سے پچھم ہونے کی وجہ سے پہلے ہی ڈوب جائے گا، اس لئے رویت کا مسئلہ نہیں پیدا ہوتا، البتہ ۲۸ کے دن قمر سورج سے پورب ہونے کی وجہ سے بعد میں غروب کرے گا، مگر اس قلیل مدت میں بعد سوا اور بعد عدل کی شرط حاصل نہ ہونے کی وجہ سے قمر آفتابی شعاعوں کی صولت میں گم ہو جائے گا، اور ساتھ ہی قدر معتد بہ تقاطع بھی حاصل نہ ہو سکے گا اور اگر ہوائی جہاز سے پرواز کر کے اونچائی پر پہونچا جائے تو یہ قدر غیر معتد بہ بھی لاپتہ ہو جائے گی اس لئے ان تاریخوں میں رویت کی بات ہی بیکار ہے، الغرض یہاں بھی فتویٰ کا کلیہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے یہ بالکل صحیح اور حق بات ہے کہ فتویٰ میں درج شدہ کلیہ ایسا کلیہ ہے جو اپنے جزئیات میں سے کسی پر منطبق نہیں۔

یہاں یہ بات بھی ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ ۲۹ تاریخ کو رویت ممکن ہے یا نہیں اس کا فیصلہ جزائیت موامرہ کی روشنی میں ہوتا ہے، اگر اس تاریخ کو بعد معدل اور بعد سواء اپنی شرط پر ہوں تو ممکن ہے ورنہ نہیں باقی ۲۷/۲۸ کی تاریخوں کے لئے استخراج تقویم کی ضرورت نہیں بلکہ یہ کہنا کافی ہے کہ ۲۸/ تاریخ کو قمرین اجتماع یا قرب اجتماع کی حالت میں ہوتے ہیں اس لئے آفتابی شعاعوں کی صولت کی وجہ سے چاند ہرگز نہیں آسکتا، اور ۲۷ کو چوں کہ چاند آفتاب سے کم از کم ۱۲/ ڈگری پچھم ہوتا ہے اس لئے وہ غروب آفتاب سے کم از کم ۴۸ منٹ پہلے ہی ڈوب جاتا ہے اس لئے اس کے نظر آنے کا سوال ہی نہیں، ہم نے اپنے موقف کے لئے اسی طریقہ کو اپنایا ہے، لیکن امام احمد رضا نے فتاویٰ رضویہ میں ۲۹ صفر وسطی کی رویت کے امکان اور عدم امکان کی بحث چھیڑی، اس لئے وہاں ضروری ہوا کہ جزائیت موامرہ کی جدول تیار کر کے حکم صادر فرمائیں اور جب ایک دو دن پہلے کی بات آئی تو بلا جدول یہ کہہ کر کام تمام فرمادیا کہ شام یکشنبہ اور شام شنبہ کو تو قمر غروب آفتاب سے پہلے ہی ڈوب گیا تو کیا زمین چیر کر رویت ہوتی، جد الممتار میں جس فتویٰ پر بحث کی گئی ہے وہاں بھی یہی حال تھا کہ دن تو متعین تھا، لیکن تاریٰ مختلف فیہ تھی کچھ لوگ ۲۹ اور کچھ لوگ ۲۸ کہتے تھے، اس لئے رویت ہلال کے استحالہ پر دلیل لانے کے لئے تقویم کی بحث لانی پڑی تا کہ فرق ثانی پر حجت قائم ہو سکے۔

یہاں بطور معارضہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا، اس لئے کہیں ۲۹

اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے اور کوہ ہمالہ کی چوٹی پر پہونچ کر اگر چاند دیکھنا شرط ہو تو ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آسکتا ہے (جب کہ ہوائی جہاز ۲۱ اور ۲/۲۲ ہی اوپر اڑتا ہے اور کوہ ہمالہ کی چوٹی ۵ میل اوپر ہے) تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا، اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا۔

صحت انتساب کے قائلین پر اس معارضہ کا بھی جواب دینا بہت ضروری ہے و دونہ خرط القتاد

فکر و فن ہیئت و زیجات کے جتنے مباحث پیش کئے گئے ہیں اگر ان سے صرف نظر کر کے صرف فتویٰ کی عبارت پر بھی غور کیا جائے تو اس میں متضاد امور مذکور ہونے کی وجہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ فتویٰ سرکار حضور مفتی اعظم ہند کا نہیں ہو سکتا ہرگز نہیں ہو سکتا اس بات کو سمجھنے کے لئے چند امور ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

(۱) زیر بحث فتویٰ میں جہاں چاند نظر آنے، یا نہ آنے کی بات ہے وہاں چاند سے مراد اس کا ہلالی حصہ ہے (۲) یہ ہلالی حصہ جو شرعاً معتبر ہے وہ چاند کے نصف اسفل ہی میں ہوتا ہے جس کی رویت پر حکم شرع ہوتا ہے امام احمد رضا کا فرمان ماسبق میں گزرا قمر کا غروب مرکزی، جس کا غروب میں اعتبار ہے، اس لئے کہ یہ چاند کے نصف اسفل ہی میں ہوتا ہے (۳) یہ ہلالی حصہ اسی وقت نمودار ہو سکتا ہے جب کہ سورج غروب ہو جائے، ورنہ ناظر و قمر کے درمیان شعاع شمسی کے حائل ہونے کی وجہ سے چاند کا نمودار ہونا محال ہے (۴) اور بوقت غروب آفتاب قمر سورج سے پورب تقریباً دس درجہ سے زیادہ افق کے اوپر ہو اور سورج قمر سے اتنی ہی دوری پر پچھم زیر افق ہو (کما مر مرارا) اس تمہید کے بعد غور کیجئے اور زیر بحث فتویٰ کی تحلیل فرمائیے فتویٰ میں درج ہے چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا، اس لئے کہیں ۲۹ اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے یعنی جہاں بوقت غروب آفتاب چاند افق پر علیٰ حد رویت ہوتا اور غروب نہیں ہوتا، مثلاً مقامات غربیہ میں وہاں ۲۹ کو نظر آجاتا ہے اور جہاں غروب ہو جاتا، مثلاً مقامات شرقیہ میں وہاں ۲۹ کو نہیں، بلکہ ۳۰ کو نظر آتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۲۷/۲۸ کو دنیا کی کسی جگہ سے چاند کیوں نظر نہیں آتا، تو فتویٰ کے حکم کے مطابق جواب یہ ہے کہ ان تاریخوں میں اگر چہ چاند فنا نہیں ہوتا، لیکن غروب آفتاب کے وقت یا اس سے پہلے ہی غروب ہو جاتا ہے اس لئے نظر نہیں آتا ہے پھر آگے فتویٰ میں ارشاد ہے،

جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آ سکتا ہے تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا۔؟

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اب مزید غور فرمائیے کہ جب ۲۷، ۲۸ کو قمر آفتاب کے ساتھ یا اس سے پہلے ہی غروب ہو چکا تو یہ صورت یقیناً اجتماع قمرین کی ہوگی، یا پھر قمر سورج سے پچھم تھا، اس لئے حسب تمہید ۳ اور ۴ ہلالی حصہ نمودار نہیں ہوسکتا کہ اس کے لئے قمر کا سورج سے پورب ہونا ضروری ہے اور یہاں ایسا نہیں تو پھر خواہ زمین سے مشاہدہ کرے، خواہ بلندی سے، ہلال کیسے نظر آ سکتا ہے۔ بفرض محال وبطریق تنزل اگر کچھ بھی ہلالی صورت نمودار ہوجائے تو بلندی سے دیکھنے میں وہ حصہ میں بمعدوم ہوجائے گا (کما مر سابقا) اور ساتھ ہی جب قمر سورج سے پچھم ہوگا تو اونچائی سے قمر کو دیکھنے صورت میں آفتابی شعاعیں ضرور حائل ہوں گی کہ سورج چاند سے پورب ہے، کیوں کہ بلندی سے اگر ڈوبا ہوا چاند نظر آ سکتا ہے تو سورج جو چاند سے پورب ہے وہ پہلے نگاہ کے سامنے آئے گا۔ اور صورت اجتماع میں چوں کہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں اس لئے چاند کی طرف نظر کرنے میں سورج کی شعاعوں کا حائل ہونا بدیہی ہے، اس لئے ہلال تو کیا، چاند بھی نظر نہیں آئے گا۔

چنانچہ جب ۲۷/۲۸ تاریخ کو رویت کی کوئی صورت نہیں تو پھر یہ تفریع کیوں کر درست ہوگی کہ ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آ سکتا ہے تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا۔

الغرض فتوے کی عبارت متضاد باتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بدیہی البطلان ہے، ہاں اگر فتویٰ میں بجائے غروب کے یہ عبارت ہوتی کہ چاند فنا نہیں ہوتا بلکہ چھپ جاتا ہے جیسے اماوس کے زمانہ میں ہوتا ہے اس لئے وہ کہیں ۲۹ کو نظر آتا اور کہیں نظر نہیں آتا ہے جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آ سکتا ہے، تو عبارت جامع اور مختصر ہوجاتی، اگر چہ یہ بات بھی فی نفسہ صحیح نہیں لیکن صورۃ قابل قبول معلوم ہوتی، ترکنا تفصیلہ بلا اختبار کاش کوئی بتا دیتا کہ پاکستانی واقعہ کس سال اور کس ماہ قمری میں واقع ہوا تھا تو میں تقویمات استخراج کر کے مزید ثابت کر دیتا کہ یہ محض کہانی ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یہی نہیں بلکہ اس فتویٰ میں اس کے علاوہ ایک بڑی قباحت اور ہے جس کی وجہ سے اس کا

انتساب قطعاً حضور مفتی اعظم ہند کی طرف درست نہیں، اس کے لئے ایک تمہید کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح آفتاب فلک کی گردش کی وجہ سے طلوع غروب تک فلک کے نصف فوقانی میں رہتا ہے، اسی طرح قمر بھی طلوع سے غروب تک فلک کے نصف فوقانی میں رہتا ہے، اسی طرح قمر بھی طلوع سے غروب تک فلک کے نصف فوقانی میں رہتا ہے، اس نصف فوقانی میں جب تک قمر رہتا ہے وہ نظر آ سکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض حالات میں مثلاً اماوس میں یا قرب شمس کے وقت وہ نظر نہیں آ سکتا ہے، اور کامل بدر اور کامل گہن کے علاوہ تمام اوضاع میں قمر پر دائرۂ رویت اور دائرۂ نور کا تقاطع ہوتا ہے لیکن ہلال نہ ہر تقاطع کے حصہ کو کہتے ہیں اور نہ ہلال کی رویت (جس پر ۲۹ کے مہینہ کا شرعاً حکم ہوتا ہے) ہر دن ہوتی، ہر دن جو تقاطع نظر آتا ہے یا آ سکتا ہے، وہ ہلال کے علاوہ دوسری وضع ہے، جسے ہم چاند ہی کہتے ہیں، ورنہ پھر پورے مہینہ کے کسی بھی دن مثلاً ۶/۷/۸/۹ وغیرہ کو بھی رویت ہلال مان کر شرعاً ایک مہینہ کے اختتام اور دوسرے مہینہ کی ابتدا کا حکم دیا جانا صحیح ہوجائے گا، یہاں چوں کہ بحث اس ہلال کی ہے جس پر ایک مہینہ کے اختتام اور دوسرے مہینہ کی ابتدا کا مدار ہے، یعنی ۲۹ ویں کے ہلال کی۔ رہی ۳۰ تاریخ تو اس میں ہلال نظر آئے، نہ آئے، اس پر حکم کا مدار نہیں، اس لئے ہلال عند الشرع قمر کے اس حصہ تقاطع کا نام ہے جو ماہ کے بعد ۲۹ کی شام کو بعد غروب آفتاب افق غربی پر نظر آنے کے قابل ہوتا ہے، امام احمد رضا کی تعلیقات علی الزیج الایل خانی میں معرفت رویت الہلال کے تحت ہے والذی ہو مستعمل فی اکثر الاوقات ان الیوم التاسع والعشرین ماضیا ای من الاجتماع فی وقت غروب الشمس نستخرج فیہ تقویم النیرین الخ ص ۱۴۵

امام احمد رضا ''بہادر خانی'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں دردانستن رویت اہلہ روز بست ونہم از ماہ عربی تقویم آفتاب وماہ الخ ص ۱۵۷

اس تمہید کے بعد ذرا فتویٰ کے الفاظ کو ملاحظہ کریں، اور ہوائی جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے پر ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آ سکتا ہے تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا، استفہام انکاری بتاتا ہے کہ حکم نہیں دیا جائے گا، اس استدلال کا مطلب یہ ہے کہ بذریعہ ہوائی جہاز اگر چاند نظر آئے تو لازم آئے گا کہ ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا مگر ۲۷/۲۸ کو چاند کا حکم دینا

باطل اس لئے بذریعہ ہوائی جہاز چاند دیکھنا باطل مگر افسوس کہ فتویٰ نگار نے یہ غور نہیں کیا کہ ان تاریخوں میں (بغرض محال) اگر نظر آسکتا ہے تو چاند نظر آسکتا ہے، ہلال نہیں، اس لئے کہ ہلال تو وہ حصہ تقاطع ہے، جو ۲۹ کی شام کو بوقت غروب شمس افق غربی پر نظر آنے کے قابل ہوتا، مہینہ کے آغاز ہونے کے بعد سے ۲۸ تاریخ بلکہ ۲۹ تاریخ کی صبح تک جو نظر آتا یا آسکتا ہے وہ ہلال ہی نہیں ہے، وہ تو محض چاند ہے جس پر حکم پر حکم شرع نہیں ہوتا یعنی یہاں مقدم وتالی میں علاقۂ قلزوم ہی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے یہ کہنا صحیح ہو کہ لازم آتا ہے ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے، اس صورت میں حکم نہ دینے کی وجہ سے یہ نہیں ہے کہ جہاز سے بلندی پر جا کر چاند دیکھا گیا، بلکہ حکم نہ دینے کی وجہ یہ ہے یہ (بغرض محال) اگر ۲۷/۲۸ کو بلندی پر جانے سے نظر آیا تو وہ چاند نظر آیا، ہلال نظر نہیں آیا، اور حکم شرع چاند دیکھنے پر نہیں ہوتا، بلکہ رویت ہلال پر ہوتا ہے، یہاں ۲۷/۲۸ کو رویت ہلال ہی نہیں ہوتی، بلکہ دراصل چاند دیکھا گیا، الغرض استدلال میں جو لازم ہے وہ مدار حکم نہیں اور جو مدار حکم ہے وہ لازم نہیں، اس لئے ۲۷/۲۸ کو چاند کا حکم نہیں دیا جائے گا ورنہ اگر کوئی سطح ارض سے کسی بھی تاریخ کو مثلاً ۶/۷ کو چاند دیکھے تو کیا ابتدائے ماہ کا حکم دیا جائے گا، ہرگز نہیں اس لئے کہ ۶/۷ کو جو دیکھا گیا وہ چاند تھا اور حکم شرع چاند دیکھنے پر نہیں، بلکہ رویت ہلال پر ہوتا ہے۔

اس لئے اگر ۲۷/۲۸ کو چاند کا حکم نہ دیا جائے تو اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ ۲۹ کو بھی حکم نہ دیا جائے اس لئے ۲۹ کو خواہ زمین سے ہو یا ہوائی جہاز سے بہر حال ہلال دیکھا گیا ہے اور ۲۷/۲۸ کو ہلال نہیں بلکہ چاند ہلال کے علاوہ دوسری وضع میں دیکھا گیا ہے اس لئے دونوں کے حکم میں کوئی علاقۂ لزوم نہیں ہے، فافترقا،

ان باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ نگار ہلال اور چاند کے مابین فرق نہیں جانتا اور نہ ہلال کے دیکھنے کی تاریخ اور نہ اس کی رویت کے وقت سے واقف ہے۔

اس قسم کی بے ربط اور سر و پا باتیں حضور مفتی اعظم ہند کی طرف منسوب کرنے والے حضرات پر یہ ضروری ہے کہ اس فتویٰ سے متعلق زیجات فرمان امام احمد رضا اور معارضات جو کچھ پیش کئے گئے ان سب کی صفائی پیش کریں ورنہ ہم اپنے موقف پر برقرار رہیں۔

میرا مطبوعہ سابق مضمون اور یہ پیش نگاہ مضمون دونوں کو پڑھیے تو معلوم ہو جائے گا کہ زیر بحث فتویٰ اور پاکستانی واقعہ فکر وفن اور اعلیٰ حضرت کے کلام سے متعارض ہیں، اس لئے اب یہ صورت ہے کہ (۱) دونوں میں سے زیر بحث فتویٰ صحیح امام احمد رضا کا قول غلط ہے (۲) امام احمد رضا کا قول صحیح، زیر بحث فتویٰ غلط ہے (۳) زیر بحث فتویٰ کا انتساب غلط ہے امام کا قول صحیح ہے (۴) نہیں نہیں دونوں صحیح ہے، رفع تعارض کی صورت ہے ہم نے تیسری صورت اختیار کر لی ہے، اگر کوئی اس کے علاوہ کوئی صورت اختیار کرتا ہے تو اس کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے قول کی توجیہ کرے۔

زیر بحث فتویٰ میں مذکورہ بالا قباحتوں کے علاوہ ایک بہت بڑی قباحت یہ بھی ہے کہ ۲۸ کو تو اجتماع کی وجہ سے رویت ہلال محال ہے ۲۷ میں آفتاب کے غروب سے تقریباً ۴۸ منٹ پہلے ہی چاند ڈوب جاتا ہے، امام احمد رضا نے وصال شریف کے موقع پر جزئیات موامرہ کی جدول کا جب استخراج فرمایا تو وہاں بھی انہوں نے فرمایا کہ ۲۷ کو عصر کے مستحب وقت ہی میں چاند ڈوب گیا تھا، بہر حال چاند ۲۷ کو بوقت غروب آفتاب افق سے ۱۲/درجہ مزید نیچے ہوتا ہے جو ۲۸ کو حالت اجتماع میں آجاتا اور پھر ۲۹ کو قابل رویت ہوتا، اس لئے ۲۷ کو چاند تک نگاہ پہونچنے کیلئے علم مثلث کی روشنی میں سطح ارض سے ۸۰، ۸۵ میل کی بلندی پر جانا ہوگا، اس کے لئے ہلکا سا اشارہ کرنے کے لئے ایک شکل پیش کی جاتی ہے بغور توجہ فرمائیں۔

سب سے چھوٹا دائرہ کرہ الارض اس کے اوپر کرۃ البخار اور بڑا فلک القمر ہے۔

مقررات

ج، ا، خط افق عربی اور ج، ب، مرکز عالم سے ۲۷/کو قمر کی دوری دو لاکھ چالیس ہزار میل، ء، و، ب، وہ خط جو بلندی سے سطح ارض کو مس کرتا ہوا چاند تک پہنچتا ہے ج، و، مرکز عالم سے نقطہ مماس تک جانے والا نصف قطر ارض چار ہزار میل ا، د ج، ء، مرکز عالم سے جانب سمت الراس میں اس بلندی کی دوری جہاں سے چاند کو دیکھا جاسکتا ہے، ہ، ء، سطح ارض سے جہاز کی بلندی، ہمیں اسی دوری کو معلوم کرنا ہے۔

یہاں مقصد حاصل کرنے کے لئے دو مثلث کا حل کرنا ضروری ہے پہلا مثلث ج، و، ب، اور دوسرا مثلث ،ء، و، ج، دائرہ کا نصف قطر جب دائرہ کو مس کرنے والے خط کے نقطۂ تماس تک پہونچتا ہے تو وہاں اپنے دونوں پہلو پر وہ زاویہ قائمہ بناتا ہے، اس لئے مثلث ج، و، ب، کے تینوں خطوط بشکل عروسی معلوم ہو جائیں گے، اور تینوں ضلعے معلوم ہوئے تو پورا مثلث حل ہوگیا، اور چونکہ ہم کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ زاویہ ء، ج، ب، چاند کے ۱۲/درجہ افق کے نیچے پہونچنے کی وجہ سے ۱۰۲، درجہ ہے اس لئے زاویہ و، ج، ب کو جب ہم ان سے تفریق کرلیں گے تو باقی زاویہ ء، ج، و، ۱۲/درجہ باقی رہ گیا، اس سے دوسرے مثلث کا زاویہ ء، ج، و، ۱۲/درجہ معلوم اور زاویہ ء، و، ج، بوجہ نقطہ تماس ۹۰ درجہ معلوم اس لئے زاویہ ج، ء، و، ۷۸ درجہ معلوم اور اس کے اتنے حصے معلوم تو اب ہمیں ء، ج، معلوم کرنا درج ذیل ضابطہ سے سہل ہوگیا۔

$$\frac{a}{\text{SIN A}} = \frac{b}{\text{SIN B}} = \frac{c}{\text{SIN C}}$$

امام احمد رضا نے اسی ضابطہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے ''در مثلث سطح مستوی است کہ ان جانسبت جیب ہر زاویہ بوتر خویش چوں نسبت جیب زاویہ و دیگر بوتر آں ست۔'' المعنیین المجلیٰ للمغنی الظلی ص ۴، اس لئے اربعہ متناسبہ یوں قائم ہوگیا۔

۱:۹۸ ء۔۔ ء ج مجہول: ۴۰۰۰ چار ہزار حس کا نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ ج ء = ۴۰۸۲ میل ہے اور ہ

ء = ۸۲ میل ہے چوں کہ حساب میں اعشاریہ سے صرف نظر کا یگیا ہے اس لئے تقریبی جواب یہ ہوا کہ یہ بلندی تقریباً ۸۰، ۸۵ ہزار میل ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں ''زمین کی ہر طرف کرۂ بخار ہے جسے عالم النسیم و عالم لیل ونہار بھی کہتے ہیں اور یہ ہر طرف سطح زین سے ۴۵ میل یا قول اوائل پر ۵۲ میل اونچا ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۲۵۹

علامہ شیرازی نے تحفہ میں لکھا ہے، **ان کرۃ الھواء تنقسم الیٰ قسمین احدھما الھوائاللطیف الصافی من الابخرۃ والادکنۃ المتصاعدۃ من کرتی الارض والماء وثانیھما الھواء الکثیف المخلوط بالابخرۃ وشکل ھذا لاھواء کرۃ مرکزھا مرکز العالم بسمی کرۃ البخار وعالم النسیم یعنی مھب الریاح لان مافوقھا من لاھواء الصافی ساکن وساکن وکرۃ اللیل والنھار ادھی القابلۃ للنور والظلمۃ دون مافوقھا بحوالہ حاشیہ تصریح ص ۵۴ اور تصریح کی عبارت حتی یری الشعاع المحیظ بہ'' پر حاشیہ میں ھے وکان الھواء المستضی بضیاء الشمس لکثافتہ الحاصلۃ بسبب الماورۃ للارض والماء یعنی الھواء المستضی من کرۃ البخار فان الھواء الذی فوقھا لاتقبل الاستضائۃ لبطفۃ** لاخ ص ۶۸ اور حاشیہ شرح چغمنی میں ہے ان تخن کرۃ البخار احد وخمسون میلا وتسع وخمسون دقیقۃ الخ ص ۲۱

اور جب حال یہ ہے کہ لیل ونہار کا تحقق صرف ۵۲ میل اوپر ہی تک ہے، اس لئے اوپر فقط تصور ہے تو کیا پاکستان کے لوگوں نے عالم لیل ونہار سے بھی ۳۰ میل اوپر جا کر ۲۷ کا چاند دیکھا تھا اور ساتھ ہی قارئین کو معلوم ہے کہ ہمالہ کی چوٹی تقریبا ۵ میل اونچی ہے اس ۵ میل کی اونچائی پر اتنی برف باری اور ٹھنڈک ہوتی ہے کہ بلا کسی تحفظی سامان کے کوہ پیما وہاں تک پہنونچ ہی نہیں سکتا تو ذرا غور فرمایئے کہ کوہ ہمالہ کی چوٹی سے بھی ۷۷ میل اونچائی پر کیا حال ہوگا؟ ی تو پاکستانیوں پر تبصرہ تھا، اب اصل فتویٰ کو ملاحظہ کریں کہ اول تو عام ہوائی جہاز کی پرواز عموما زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی میل کی اندر ہی ہوتی اور ۲۷ تاریخ کو رویت کے لئے ۲۷ میل کی بلندی پر جانا ہوگا جو غیر ممکن ہے اور اگر وہاں

پہونچ بھی جائے تو جس طرح چاند سامنے ہوجائے گا اسی طرح سورج بھی آجائے گا، کہ وہ چاند سے ۱۲/درجہ پورب ہے، اس لئے آفتابی شعاعوں کی صولت سے چاند کا نظر آنا محال۔ اور اگر بفرض محال نظر آبھی جائے تو وہ چاند ہوگا، ہلال ہو ہی نہیں سکتا کہ ہلال تو وہ ہے جو بوقت غروب آفتاب ۲۹ کی شام کو افق غربی پر نظر آئے کما مر یعنی سورج چاند سے پچھّم ہو اور یہاں ۲۷ کو خود چاند سورج سے پچھّم ہے اس لئے ہلال کے نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شروع سے اخیر تک میرا یہ مقالہ پڑھیئے اور بار بار پڑھیئے تو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ نگار زیجات کے حسابات سے بے خبر ہے فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم تک اس کی نگاہ نہیں پہونچی جد الممتار کی عبارت سے وہ غافل ہے فتویٰ نگار وضع ہلالی اور غیر ہلالی کا فق نہیں جانتا، وہ کسی بھی تاریخ کے حصۂ تقاطع کو ہلال سمجھتا ہے اس کو یہ معلوم نہیں کہ ۲۸ کو اجتماع ہوتا ہے، اسے یہ پتہ نہیں کہ ۲۷ کو چاند دیکھنے کے لئے کتنی بلندی پر جانا ہوگا، نہ اس کو یہ خبر تھی کہ عالم لیل ونہار کی اونچائی کتنی ہے نہ اس کو یہ خبر تھی کہ ۲۷ کو چاند دیکھنے کے لئے عالم لیل ونہار سے نکل کر دوسرے عالم میں پہونچ کر کرۂ زمہر پر سے گزر کر دوسرے طبقہ میں پہنچ جانا پڑے گا، جہاں انسان تو کیا خود ہوائی جہاز بھی ایک منجمد ڈھانچہ میں بدل جائے گا، اس کو یہ پتہ نہیں تھا کہ کوہ ہمالہ کی چوٹی جو تقریبا ۵ میل بلندی پر ہے، وہاں جب غضب ناک جان لیوا جھکڑ اچلتا ہے تو پھر ۸۲ میل کی اونچائی پر کیا حشر ہوگا، فتویٰ نگار کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اگر اتنی بلندی پر افق کے نیچے چاند نظر آسکتا ہے تو افق کے نیچے غائب ہونے والا سورج بھی نظر کے سامنے آجائے گا اور آفتابی شعاعوں کی صولت میں چاند کا دیکھنا محال ہوجائے گا اس کو یہ خبر نہیں تھی کہ ۲۹ تاریخ کو بوقت غروب آفتاب افق غربی پر نظر آنے کے قابل تقاطع کو ہلال کہا جاتا جس پر امور شرعیہ کا حکم ہوتا ہے ۲۷/۲۸ تاریخ میں جو تقاطع ہوتا ہے اگر بفرض محال نظر آجائے تو وہ نہ ہلال ہے اور نہ اس پر حکم شرع کا مدار ہے۔ اس لئے فتویٰ میں یہ کہنا کہ جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند دیکھنے کا حکم دیا جائیگا، سراسر بے محل اور لغو بات ہے اس لئے کوئی اس فتویٰ کو مفتی اعظم ہند کی نگارش سمجھتا تو سمجھا کرے، لیکن بندۂ ناچیز یہ کہتا رہے گا کہ کسی شاطر اور زیرک آدمی نے اسے اختراع کر کے پھیلایا ہے العیاذ باللہ

سمٹ کر رہ گیا قطرے میں پھر بھی
جو بحر بیکراں تھا دل میں میرے

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فتویٰ میں حکم دیا گیا ہے کہ چاند سطح زمین یا ایسی جگہ جو زمین سے ملی ہوئی ہو، وہاں سے دیکھنا چاہئے، ہوائی جہاز سے بلندی پر سے چاند دیکھنا شرعا غیر معتبر ہے، فتویٰ کا یہ جبری حکم بھی ذہن وفکر میں ہیجان پیدا کرتا ہے کہ جب ہم ور کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ جس طرح پانی ایک جسم اور عنصر ہے، اسی طرح ہوا بھی زمین سے ملی ہوئی ہے اور جس طرح پانی رطب ہے اسی طرح ہوا بھی رطب ہے، جس طرح پانی انسانی بوجھ کو نہیں سہار سکتا، اسی طرح ہوا بھی انسانی بوجھ کو نہیں سہار سکتی، جس طرح بذریعۂ واسطہ یعنی دخانی جہاز پر بیٹھ کر بحری سفر کیا جاتا، اسی طرح بذریعۂ واسطہ یعنی ہوائی جہاز پر بیٹھ کر فضائی سفر کیا جاتا تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سمندر میں دخانی جہاز پر بیٹھ کر اگر رویت ہلال ہو تو معتبر ہے اور فضا میں ہوائی جہاز پر بیٹھ کر رویت ہو تو غیر معتبر، جب کہ جس طرح پانی زمین سے ملاہ وا ہے اسی طرح ہواب بھی زمین سے ملی ہوئی ہے، اس لئے فتویٰ میں جو ضابطہ بیان کیا گیا کہ چاند ایسی جگہ سے دیکھنا چاہئے جو زمین سے ملی ہوئی ہو، یہ بات دونوں جگہ، یا سمندر اور فضا میں کیوں مؤثر نہیں چاند دیکھنا عبادت مقصودہ نہیں کہ اسے امر تعبدی کہہ کر سوال کو ٹال دیا جاء، یا روی کے کھاتہ میں ڈال دیاج ائے، بلکہ جو حجرات اس فتویٰ کے انتساب کو حق ماننے کے دعویدار ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ماخذ اور جزئیہ پیش کریں اور ساتھ ہی دونوں کے مابین وجہ فرق بیان کریں ودونہ خرط القتاد۔

یاد رہے مفتی اعظم ہند بغٰر کسی سند، یا بغیر کسی ماخذ کے ایسا کبھی بھی نہیں فرما سکتے، ساتھ ہی اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ پانچ میل اوپر یعنی کوہ ہمالہ کی چوٹی سے رویت ہلال معتبر مانی جائے گی لیکن اگر دس بیس پچاس فٹ اوپر فضا میں ہیلی کاپٹر روک کر رویت ہلال حاصل ہو تو یہ رویت معتبر نہیں، ان دونوں صورتوں کے مابین عقلی، یا نقلی توجیہہ کرنا ضروری ہے، جس سے فرق واضح ہوجائے۔

عالی جناب ڈالٹر عبدالنعیم عزیزی اپنے ایک مقالہ میں رقم طراز ہیں کہ سب سے پہلے اس

فتویٰ کو میں نے ہندوستان میں پیش کیا اس کے بعد دوسرے لوگ اپنی تحریروں، یا تقریروں میں پیش کرتے رہے، یہ بات اس کو ظاہر کرتے ہے کہ زیر بحث فتویٰ کی روایت خبر واحد کی سی ہے، اور جب یہ زیر بحث فتویٰ اس قدر نظری ہے تو خبر واحد کی بنیاد پر اس کی ایسی تشہیر قطعاً علم وفضل والے لوگوں کے لئے زیب نہیں دیتی، بلکہ خبر واحد پر اعتماد کرنے کے جتنے مقتضیات ہیں، سب کو پورا کرنا ضروری ہے۔

وہ حضرات جو فقط انتساب کے انکار پر ہم پر اتنا برہم ہیں، ان کو چاہئے کہ ماضی کی اس روایت کے متعلق بھی غور کریں کہ سیدنا سرکار حجور مفتیٔ اعظم ہند نے لاؤڈ اسپیکر سے متعلق اپنا فتویٰ صادر کیا اور وقت کی عظیم ہستیاں مثلاً حضرت شاہ اجمل صاحب شیر بیشۂ اہل سنت، حضرت برہان الملۃ، حضرت محدث اعظم ہند، ان کے علاوہ صدر العلماء، سید العلماء شمس العلماء اور دیگر بلند شخصیتوں نے اس فتویٰ کی تائید اور تصدیق فرمائی۔

لیکن سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی حیات مقدسہ ہی میں ایک ٹولی نے منظر اسلام کی چہار دیوار میں بیٹھ کر اس کا رد کیا اور معاذ اللہ استہزا بھی اڑایا۔ لیکن لوگ سنتے رہے اور تماشائی بن کر خاموش بیٹھے رہے، اور آج ہم نے علم وفن اور امام احمد رضا کے فرمان کی وجہ سے فقط انتساب کا انکار کیا تو ہم کو بغاوت کا تمغہ دیا جا رہا ہے، جب کہ میرے مضمون کے آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس فتویٰ کے بارے میں جو کچھ عرض کیا وہ سب اپنی فہم ناقص کے مطابق شبہات عرض کئے ہیں، اگر کوئی صاحب تحقیق تلاش وجستجو کر کے ہمارے شبہات کو دور فرما دیں تو میں ان کا بے حد ممنون ہوں گا۔

بغرض غلط اگر اس فتویٰ کا انتساب سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی طرف دلائل وبراہین سے ثابت ہو جائے تو بہر حال یہ بات یقیناً غلط ہوگی کہ آئندہ ماہ پاکستان میں ہوائی جہاز جب بلندی پر گیا تو ۲۷ اور اسی طرح سے ۲۸ کو بھی چاند نظر آیا، رہی یہ بات کہ انتساب کی حقیقت پر میرا موقف کیا ہوگا، تو اس کا فقط ایک ہی جواب ہے کہ میرا یہ تطفل ہوگا، جس طرح ساڑھے اڑتالیس درجہ عرض البلد کے متعلق غالباً شامی نے یہ فرمایا کہ وہاں عشاء کا وقت نہیں ہوتا اور وجہ یہ بتائی کہ چوں کہ وہاں رات صرف تین ہی گھنٹے کی ہوتی ہے، ڈیڑھ گھنٹہ وقت مغرب اور ڈیڑھ گھنٹہ فجر میں تمام ہو جاتا ہے،

اس لئے عشاء کا وقت ہوتا ہی نہیں، لیکن امام احمد رضا نے ہیئت کی رو سے حساب کر کے بتایا کہ نہیں ایسا نہیں، وہاں آٹھ گھنٹہ تک کی رات ہے، رہا عشاء کا وقت وہاں کیوں نہیں ہوتا؟ تو وہ اس لئے کہ آفتاب وہاں کے افق سے اٹھارہ درجہ سے زیادہ نیچے جاتا نہیں، اسی طرح امام احمد رضا نے تطفل کہہ کر بہت سے متقدمین کی عبارت میں اپنا موقف ظاہر فرما دیا، اگر ایسا کرنا، جیسے امام نے تطفل فرمایا ہے یہ بغاوت ہے تو معاذ اللہ امام احمد رضا نے اپنے اسلاف اور متقدمین سے بہت سی بغاوتیں کی ہیں، العیاذ باللہ مضمون کو ختم کرتے ہوئے اخیر میں میں ان باتوں کو پیش کرنے جا رہا ہوں جن کا اظہار قطعاً نامناسب ہے، لیکن حالات کے پیش نظر ان کا اظہار بھی ضروری ہے۔

(۱) جب مفتی افضل حسین اور ان کے ہم نواؤں نے لاؤڈ اسپیکر سے متعلق مفتی اعظم کے فتویٰ کا رد کیا تو اولاً اس بندۂ ناچیز نے مفتی اعظم ہند کے موقف کی وضاحت کر کے مفتی افضل حسین وغیرہ کا رد کیا، جسے آج بھی قول فیصل نامی کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۲) امام احمد رضا اور الجبر والمقابلہ (۳) امام احمد رضا اور علم جفر (۴) امام احمد رضا کی علم ہندہ پر نقد ونظر (۵) امام احمد رضا اور علم المساحۃ (۶) امام احمد رضا اور علم التکسیر (۷) امام احمد رضا اور علم لوگارثم (۸) امام احمد رضا ور علم مثلث سطح (۹) امام احمد رضا اور مثلث کروی (۱۰) امام احمد رضا اور ربع مجیب (۱۱) امام احمد رضا اور اسطرلاب (۱۲) امام احمد رضا اور خلا پیمائی (۱۳) امریکی سمت قبلہ کی بحث میں ہم نے ہی امام احمد رضا کی تصنیف کشف العلۃ عن سمت القبلہ کا مقام لوگوں کے سامنے پیش کیا، (۱۴) مفتی اعظم ہند باعتبار شیخ طریقت آج بھی لوگ بار بار مطالعہ کرتے ہیں (۱۵) ٹی وی کی تحقیق سے بریلی شریف کے دار الافتاء کی حیثیت ہم نے ہی واضح کی ہے (۱۶) مدنی میاں کے شبہات کا ازالہ لکھ کر ہم نے لوگوں کی غلط فہمیاں دور کیں جو آج نوشاد حنفی کے نام سے شائع ہو چکی ہے (۱۷) تصویر سے متعلق مفتی اعظم کے فتویٰ کے خلاف لکھنے والوں کی زبانیں ہم نے بند کیں، اس کے علاوہ دیگر مضامین بھی لکھے، پھر بھی ہم سے گلہ ہے کہ ہم وفادار نہیں۔

رائیگاں کیجئے آپ میری وفا، میرا کیا ہوگا اٹھ کر چلا جاؤں گا
کل کہیں آپ کو پھر نہ کہنا پڑے اک جبیں چاہئے سنگ در کیلئے

ان مضامین میں فقط ہم نے یہ نہیں لکھا کہ امام احمد رضا ان علوم وفنون میں ماہر تھے، بلکہ ان کی مہارت کی مثال پیش کر کے نہایت ہی واضح انداز میں اس کی تشریح کی ہے، اہل علم جان سکتے ہیں کہ اس میں مجھے کتنی محنت اٹھائی، اور عرق ریزی کرنی پڑی ہوگی، کیا یہ سب کارنامے پیش کرنا ایک باغی کا کام ہے، یا وفادار کا، ہم اہل علم کی عدالت سے فیصلہ چاہتے ہیں۔

آج ہندوستان میں فتاویٰ رضویہ سے متعلق پروفیسر پچتا نند کے نام کے ساتھ بطور استفسار ایک سال نامہ گردش کر رہا ہے لیکن اپنی جماعت کے وہ لوگ جو خانوادۂ کے سچے ہمدرد اور وفادار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس سوال نامہ کو چھوتے بھی نہیں حالانکہ پروفیسر پچتا نند کوئی معترض مخالف نہیں، بلکہ فقط تفہیم وافہام کے طالب ہیں آخر ایسا کیوں؟ یہ سوال نامہ میرے پاس بھی آیا ہوا ہے اور میں اس کے حل کے لئے مواد کی فراہمی میں لگا ہوا ہوں تھا کہ اچانک مجھے بغاوت کا تمغہ دیا گیا، اس لئے مجبوراً مجھے اس میدان سے ہٹ جانا پڑا، اے کاش حوصلہ افزائی کے چند الفاظ سے ہی سہی میرے احباب مجھے نوازتے۔

اسی طرح وہ پاکستانی علماء جو اعلیٰ حضرت پر کام کرتے اور کراتے ہیں، جب عالی العطایا فی الاضلاع والزوایا، کی طباعت فرمائی تو اس میں اعلیٰ حضرت کے آٹھ فارسی اشعار جو علم مثلث کروی کے جملہ مسائل کو کامل طور پر محیط ہیں، علما کے سامنے برائے حل پیش کر کے فرمایا جن کا عکس شائع کیا جارہا ہے، ممکن ہے کوئی فن کا ماہران پر تحقیق کرے اور انہیں اردو میں منتقل کر کے ارباب ذوق کو استفادہ کا موقع فراہم کردے لیکن آج تک اعلیٰ حضرت کے وفاداروں کو ان کے حل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی اس بندۂ ناچیز نے ان کے حل کرنے کیلئے مبادی ومواد فراہم کر لئے تھے، لیکن جب یہ سامنے آیا کہ مجھے بغاوت کے تمغہ سے نوازا گیا ہے تو پھر ہم نے تمام مبادی ومواد کو دریا برد کر دیا۔

نوٹ: اس مضمون کی ترتیب چوں کہ نہایت ہی عجلت کے ساتھ حالت علالت میں دی گئی ہے اس لئے اگر اس میں کوئی خامی نظر آئے تو غور فرمائیں، اگر وہ محض تعبیر میں خامی ہے تو خود ہی اصلاح کر لیں اور ایسی معنوی خامی ہے جس سے میرے موقف پر کچھ اثر نہیں پڑتا تو اسے نظر انداز کر دیں، اور اگر اس سے میرا موقف مجروح ہوتا ہو تو مہربانی کر کے براہ راست مجھ سے رابطہ کریں۔

دوسری گزارش اپنے مخالفین سے ہے کہ سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی طرف منسوب فتوے کی مستند اصل پہلے سامنے لائیں پھر پاکستانی رویت کا افسانہ کم از کم اخباروں کے عکوس ہی میں دکھائیں پھر آگے بات بڑھائیں یہ نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکتے تو سرکار مفتی اعظم کی علیمی وجاہت وثقاہت کو مجروح کرنے سے خدارا باز آئیں ورنہ عند التحقیق ظالم وباغی آپ ہوں گے بندۂ ناچیز نہیں۔

(ماہنامہ اشرفیہ جولائی ۱۹۹۹ء)

رفع نزاع کا آسان حل

۲۸/۲۷ کی رویت ہلال پر حضور مفتی اعظم ہند کا اصل فتویٰ پیش کر دیا جائے

کچھ لوگوں نے مشہور کیا کہ جب پاکستان میں ایوب خاں صدر تھے تو انہوں نے یہ قانون بنایا کہ ۲۹ تاریخ کو علمائے کرام ہوائی جہاز پر بیٹھ کر بلندی میں جا کر بادل کی تہوں سے اوپر جا کر چاند دیکھیں، اور اس کے مطابق پورا ملک عید کرے۔

اس پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے استفتا ہوا۔ حضرت نے تحریر فرمایا اس کا اعتبار نہیں۔ زمین سے چاند دیکھنے کا اعتبار ہے۔ اس لئے کہ چاند چھپتا نہیں۔ اگر ۲۸/۲۷ کو بھی ہوائی جہاز سے جا کر چاند دیکھیں تو نظر آئے گا اس سلسلہ میں مجھ سے بہت سے افراد نے استفسار کیا۔ چونکہ حضرت مفتی اعظم ہند کا ایسا کوئی فتویٰ میرے علم میں نہیں تھا اس لئے میں نے علمی ظاہر کی۔ پھر لوگوں نے کچھ اور سوالات کئے مثلاً یہ کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ۲۸/۲۷ کو ہوائی جہاز سے بادلوں کے اوپر جا کر دیکھیں تو چاند نظر آئے گا۔ میں نے ان لوگوں کو مجمل جواب دیا کہ ایسا ممکن نہیں۔ پھر میں نے خیر الاذکیا علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب سے کہا کہ آپ اس پر ایک مضمون لکھ دیں میری فرمائش پر انہوں نے مضمون لکھا۔ جو ماہنامہ اشرفیہ ماہ ستمبر ۱۹۹۸ء میں چھپا ہے۔ جس سے مشتعل ہو کر جناب علامہ ناظر اشرف صاحب زید مجدہ نے اسی کے رد میں ایک مضمون لکھا پھر حضرت خواجہ صاحب نے اس کا

جواب الجواب لکھا یہ ایک الگ سلسلہ تھا۔ دوسری طرف حضرت مفتی اعظم ہند سے متعلق بہت جذباتی حضرات نے میرے نام گالیوں کا غیر مختتم سلسلہ قائم کر دیا۔ مولیٰ عزوجل ان لوگوں کو سلامت رکھے۔

اس سلسلہ میں میری گزارش یہ ہے کہ علامہ ناظر اشرف صاحب لکھتے ہیں ہندو پاک کے اخبار ورسائل بلکہ کتب میں شائع شدہ مسئلہ رویت ہلال گزار ہو گا الخ

میری انتہائی مخلصانہ گزارش حضرت علامہ ناظر اشرف صاحب سے خصوصی طور پر اور تمام اپنے برادران خواجہ تاش رضویوں سے درخواست ہے خواہ وہ پاکستان کے ہوں یا ہندوستان کے کہ وہ ان اخبار اور رسائل کی نشاندہی کر دیں جن میں وہ مسئلہ چھپا ہے یا اس فتویٰ کی زیروکس کاپی عنایت کر دیں، یا یہی بتا دیں کس نے منگایا تھا میں اس سے رابطہ قائم کروں۔

ایوب خاں کے زمانۂ صدارت میں میں بریلی شریف ہی تھا۔ میرے علم میں ایسا کوئی فتویٰ نہیں۔ نیز اس عہد میں بڑی پابندی کے ساتھ ہر فتویٰ رجسٹر میں درج ہوتا تھا رضوی دارالافتاء میں وہ سب رجسٹر محفوظ ہیں۔ اسی میں نشان بتا دیا جائے کہاں درج ہے اگر یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے مذکورہ بالا فتویٰ دیا تھا۔ تو میں ماہنامہ اشرفیہ میں معافی نامہ شائع کر دوں گا۔ اور خواجہ صاحب بھی معافی نامہ کے ساتھ ساتھ اپنا مضمون واپس لے لیں گے۔

(مفتی محمد شریف الحق امجدی، ماہنامہ اشرفیہ، اگست ۱۹۹۹ء)

مقناطیس سمت نما

عہد قدیم میں مقناطیس کا استعمال جہاز رانی کے دوران سمت معلوم کرنے یا پھر نمازی حضرات سمت قبلہ معلوم کرنے کے لئے کیا کرتے تھے۔لیکن آج اس کے استعمال کا دائرہ بہت ہی وسیع ہوگیا ہے بلکہ اب حال تو یہ ہے کہ انسانی تفتیش کا تصور اس کے بغیر ممکن نہیں۔موٹروں، لاؤڈ اسپیکروں، ٹی وی، ویڈیو، ریڈیو،ٹرانجسٹر وغیرہ میں تو اس کا استعمال جزء لاینفک کی طرح ہونے لگا ہے۔اور جب سے سعودیہ عربیہ عالمی مارکیٹ بن گیا ہے اور حج وعمرہ ٹور کی ہماہمی ہونے لگی ہے۔تو طرح طرح کے قطب نما اور قبلہ نما گھر گھر پہونچ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ جائے نماز میں بھی اس کو پیوست کردیا گیا ہے۔لیکن اس کثرت سے استعمال کے باوجود اکثر لوگ مقناطیس کے بہت سے خصوصیات وحالات سے ناواقف ہیں۔اس مضمون میں مقناطیس کی ضروری جھلکیاں معلومات کے لئے پیش کی جارہی ہیں۔

قدرتی مقناطیس سخت سیاہ پتھر کی شکل میں ایک معدنی مادہ ہے۔ جو مٹی کے ذخیرے میں دستیاب ہوتا ہے۔ یہ ابتدائی گنیشیا نامی مقام (ایشائے کوچک) میں دریافت ہوا تھا اس مقام کی مناسبت سے ۔۔۔۔۔۔۔رکھ دیا گیا۔فلسفۂ قدیم کی زبان میں ملت اسی ۔۔۔۔۔۔۔۔قاف کے فین سے ۔۔۔۔۔۔جو بعد میں تصحیف ہوکر مقناطیس ہوگا۔مقناطیس جو بہت ہی کار آمد ہونے وجہ سے اس

کی کافی کھپت ہونے لگی۔اس لئے لوگ اس کے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد میں لگ گئے۔آج یہ معدنی مادہ اور کچی دھات ہندوستان کے ریاست میسور کے علاوہ ریاست ہائے متحدہ (امریکہ) کناڈا، ناردے،سوئیڈان،سائبریا اورفن لینڈ وغیرہ مقامات میں بھی پائے جاتے ہیں۔

مقناطیس کی دریافت کا واقعہ بھی بہت دل چسپ ہے (ایشائے کوچک) ریاست میسور میں گنیشیا نامی مقام میں زمین کی کھدائی کے دوران ایک عجب حادثہ پیش آ گیا کہ جب ایک مزدور نے کدال چلانا شروع کیا تو اچانک کدال زمین کے اندر پہونچ کر اٹک گئی۔کافی زور لگانے پر بھی جب کدال نہیں نکلی تو اپنے ساتھیوں کو مدد کیلئے بلایا۔کئی آدمیوں نے مل کر زور لگایا تو کدال کچھ پتھریلے ٹکڑے کے ساتھ برآمد ہوئی۔اور کدال بھاری ہوگئی اور جب کدال کو زور سے چھٹکایا تو بجائے اس کے کہ سٹے ہوئے پتھر نکل جائیں۔مزید دوسرے پتھروں کے ٹکڑے اچھل اچھل کر اور مزید کدال سے چمٹ گئے تو مزدور یہ کہہ کر بھاگ گئے کہ یہاں آسیبی شئی ہے اور بدروح ہے اور زور زور سے چلاتے بھاگتے رہے۔کچھ ماہر طبعیات نے وہاں آکر حالات معلوم کیے تو معلوم ہوا کہ ان پتھروں ہی میں یہ خاصیت ہے کہ لوہے سے آکر لپٹ جاتے ہیں اس سے ان پتھروں کو جمع کرکے ان کو مگنائٹ نام دے دیا۔

اس کی مشہور خاصیتوں میں سے ایک مشہور خاصیت یہ ہے کہ یہ لوہے کے ٹکڑے اور برادے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور دوسری مشہور خاصیت یہ ہے کہ اگر اسے آزادانہ طور پر لٹکا دیا جائے تو لرزتے لرزتے اور جھولتے جھولتے ایک متعین سمت یعنی تقریبا اتر دکھن میں قیام پذیر ہوجاتا ہے۔ مقناطیس کو لوہے کے برادوں میں ڈالنے پر پایا گیا ہے برادہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں اس کے دو کناروں کے نزدیک سنتے اور چپکتے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقناطیس کے سب سے زیادہ طاقت وراور قوی حصے کناروں کے نزدیک ہی واقع ہوتے ہیں۔ یہ دونوں کنارے جہاں زیادہ سے زیادہ قوت کشش مرتکز ہوتے مقناطیس کے قطب کہلاتے ہیں کسی بھی مقام میں آزادانہ لٹکتے ہوئے مقناطیس قیام پذیر ہوجائے تو اس کے اس سرے کو جو ہمیشہ اتر کی جانب ہو اسے مقناطیس کا قطب شمالی اور جو ہمیشہ دکھن ہی کی طرف ہو اسے قطب جنوبی کہتے ہیں۔ دونوں قطبوں کو ملانے والا خط

مقناطیسی محور اور دونوں کے درمیان فاصلے کو مقناطیسی لہول اور اس کے بیچوں بیچ نقطہ یا خطہ کو خطہ تعدیل یا نقطۂ تعدیل کہتے ہیں۔ مقناطیس کے قطبوں میں یہ خاصی ہوتی ہے کہ اگر دو الگ الگ مقناطیس کے متماثل قطبوں کو قریب کریں تو باہم اتنا فرق ہوتا ہے اور غیر متماثل قطبوں کو قرب کریں تو باہم جذب وکشش پیدا ہو جاتی ہے۔

ماہر طبعیات کا کہنا ہے کہ جب ہم کسی مقناطیس کو دھاگے میں باندھ کر لٹکاتے ہیں تو یہ متعین سمت میں قیام پذیر ہو جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جھولتے ہوئے مقناطیس کے قطبوں پر کوئی لامعلوم غیر مرئی مقناطیسی طاقت عمل کرتی ہے۔ یہ طاقت زمین کے مقناطیس کی ہے۔ اور ماہر طبعیات کہنے لگے کہ وجہ یہ ہے کہ زمین ایک ایسے بڑے مقناطیس کی مثل عمل کرتی ہے۔ جس کے مقناطیسی قطب عام مقناطیسی قطب کی مثل ہوتے ہیں، زمین کی سطح پر مقناطیسی قوت کا پھیلاؤ تقریباً اسی طرح ہے جس طرح کا پھیلاؤ ایک ایسے مقناطیس سے ہوسکتا ہے۔ جس کا مرکز زمین کے مرکز پر واقع ہے۔ اسے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ فرض کیجئے کہ زمین کے بطن میں ایک بڑا اسلاخی مقناطیس مستطیل نما یا سپیلن نما ہے جس کا مرکز ثقل ٹھیک مرکز زمین پر واقع ہے تو جس طرح اس سلاخی مقناطیس کے خطوط قوت کا پھیلاؤ ہوسکتا ہے اسی طرح زمینی مقناطیس کے خطوط قوت کا بھی پھیلاؤ ہے اسی خطوط قوت کے اثر سے مقناطیس جھولتے جھولتے متعین سمت میں قیام پذیر ہو جاتا ہے۔ اس مقناطیس کے قطبوں کو ملانے والا خطہ زمین کا مقناطیسی محور کہلاتا ہے۔ زمین کا مقناطیسی محور گردشی محور پر منطبق نہیں اس لئے دونوں باہم تقاطع کر کے بطن زمین پر ایک چھوٹا زاویہ بناتا ہے اور پھر یہ ماہر طبعیات کا نظریہ علم طبعیات کا عقیدہ بن گیا۔ اگر یہ مفروضہ صحیح ہوتا بر بنائے اس کے کہ متماثل قطبوں میں تنافر وگریز اور غیر متماثل قطبوں میں جذب وکشش ہوتی ہے۔ ماننا پڑے گا کہ اس مقناطیس کا قطب جنوبی بجانب شمال اور قطب شمالی بجانب جنوب واقع ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ مفروضہ محض مفروضہ ہی ہے یا اس کی کچھ اصلیت بھی ہے تو ماہر طبعیات کا کہنا ہے کہ ابھی تک یہ صحیح طور پر دریافت نہ ہوسکا کہ زمین کے اندر در حقیقت کوئی بڑا مقناطیس واقع ہے یا نہیں۔ یہ ایک مبحث فیہ مسئلہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کی اندرونی حرارت کے باعث وہاں کوئی مقناطیس اپنی خصوصیات کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ ہاں اگر

پورے کرۂ ارض کی کمیت کو مقناطیس کا گولا فرض کیا جائے تو اس کی مقناطیسیت صرف زمین کی ٹھنڈی ہی پر ہوگی۔

جس طرح کسی مقام کے سمت الرأس اور یومیہ گردش کے دو قطبوں سے گزرنے والے خطہ کو مقناطیسی نصف النہار کہتے ہیں۔ اور ان دونوں خطوں کے تقاطع سے بننے والے زاویہ کو انحراف کا زاویہ کہتے ہیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ ترازو کے پلڑے میں کم وبیش وزن ہونے پر ترازو کے ڈنڈے ایک طرف جھک جاتے ہیں اور دوسری طرف اٹھ جاتے ہیں۔ اور جھکاؤ والے پلڑے میں اگر اور بوجھ ڈال دیا جائے تو ڈنڈا عمودی صورت اختیار کر لیتا ہے اور کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آزادانہ طور پر لٹکے ہوئے مقناطیسی سوئی کا ایک سرا کہیں زمین کی طرف زیادہ اور کہیں کم جھکاؤ اور کہیں صفر جھکاؤ رکھتا ہے۔ یہ جھکاؤ اتنا خفیف سا ہوتا ہے کہ معمولی قطب نما کی سوئی سے محسوس نہیں ہوتا اگر آزادانہ مقناطیس کو کسی مقام کے مقناطیسی نصف النہار پر سوئی کے قیام پذیر ہونے کی صورت میں دھیرے دھیرے اسی نصف النہار کی مسامت اتر یا دکھن لے چلیں تو یہ جھکاؤ اور دوسری طرف اٹھاؤ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچ جائے گا کہ جب سوئی زمینی مقناطیس کے قطب پر پہونچ جائے گی تو وہ سیدھی کھڑی ہو جائے گی اسی جھکاؤ اور سطح حسی کے مابین بنے ہوئے زاویہ کو میلان کا زاویہ کہتے ہیں۔

جن جن مقامات پر میلان کے زاویئے برابر ہوتے ہیں ان مقاموں کو ملانے والے خطوط ہم میل خطوط کہلاتے ہیں اور زمین کے جن جن مقاموں پر میلان کا زاویہ صفر ہوتا ہے ان مقاموں کو ملانے والا خط مقناطیسی خط استوا کہلاتا ہے۔ یعنی جس طرح یومیہ گردش کے دونوں قطبوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک پورب پچھّم کھینچے ہوئے خط کو یومیہ گردش کا خط استوا کہتے ہیں۔ اسی طرح زمینی مقناطیس کے دو قطبوں کے ٹھیک ٹھیک بیچ میں پورب پچھّم خط کو مقناطیسی خط استوا کہتے ہیں۔ گردشی خط استوا افق کو جہاں پر کاٹے وہ نقطے گردشی مشرق ومغرب کہلاتے اور مقناطیسی خط استوا افق کو جن جن نقطوں پر کاٹتا ہے وہ نقطے مقناطیسی مشرق ومغرب کہلاتے اور مقناطیسی خط استوا افق کو جن جن نقطوں پر کاٹتا ہے وہ نقطے مقناطیسی مشرق ومغرب کہلاتے ہیں اور دونوں کے مشرقوں یا مغربوں کے

درمیان کا فاصلہ قدر انحراف کہلاتا ہے۔ جن جن مقامات کا گردشی نصف النہار اور مقناطیسی نصف النہار کے قطبوں سے کوئی خط گزرے تو اس خط کے اوپر بسنے والے مقامات کا مقناطیسی اور گردشی نقطہ مغرب ومشرق اور اسی طرح نقطۂ شمال وجنوب میں کوئی انحراف نہیں ہوتا باقی تمام مقاموں میں کچھ نہ کچھ انحراف بلکہ بعض کتابوں کی روشنی میں ۱۸/درجہ تک کا انحراف ہوسکتا ہے جس طرح دائرۂ ہندیہ کے ذریعہ استخراج کردہ ظل الزوال کے مسامت خط کو گردی خط نصف النہار کہتے ہیں اور ان دونوں کے تقاطع سے جو زاویہ بنتا ہے اسے زاویہ انحراف کہتے ہیں۔ قدر انحراف ہر مقام میں برابر نہیں ہوتا بلکہ مختلف عرض البلاد اور طول البلد کے اعتبار سے کم وبیش ہوتے رہتا ہے۔ جن مقاموں کے انحراف برابر ہوتے ہیں ان مقاموں کو ملانے والے خطوط ہم زاویہ خطوط کہلاتے ہیں۔ صفر انحراف والے مقامات سے ہو کر کھینچے ہوئے خطوط بے انحراف خطوط کہلاتے ہیں۔ دائرۂ ہندیہ سے خط نصف النہار کا استخراج عملی قاعدہ ہے۔ اس کے استخراج کے لئے حسابی قاعدہ بھی ہوتا ہے۔ بعض مائپ اٹلس میں باہم میل خطوط ہم زاویہ خطوط مقناطیسی خط استوا مقناطیسی نصف النہار وغیرہ ہوتے ہوئے ایسے نقشوں کو مقناطیسی تصویر یا مقناطیسی نقوش کہتے ہیں۔

سمت قبلہ معلوم کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ طریقہ اسطرلاب، طریقہ ربع مجیب، طریقہ دائرۂ ہندیہ یہ سارے طریقے عملی ہیں۔ جس میں اگرچہ سمت حد استقبال میں ہوتی ہے لیکن صحیح السمت نہیں ہوتی بلکہ ۱۵/۱۶/درجہ تک کا فرق ہوتا امام احمد رضا نے فتاویٰ رضویہ میں ایک مقام کے لئے سمت استخراج کر کے فرمایا کہ یہاں حقیقی سمت قبلہ سے ۸/درجہ کا فرق ہے ان عملی طریقوں کے علاوہ حسابی طریقہ بھی ہے جو علم مثلث کروی کے اصول پر مبنی ہے اور اس طریقہ سے سمت بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔ جس کے متعلق امام احمد رضا نے اپنی بعض تصنیفات میں فرمایا ہے کہ اگر طول عرض صحیح اور حسابی طریقہ سے سمت کا استخراج ہو تو حجابات کے دور کرنے کی صورت میں قبلہ کو بالکل سامنے پائے گا۔

ماسبق کی باتوں سے واضح ہے اور ساتھ ہی طبعیات کی کتابوں میں اس کی تصریح بھی ہے کہ گردشی قطب اور مقناطیسی قطب ایک ہی نقطہ پر واقع نہیں بلکہ دونوں کے قطب زمین کے الگ الگ حصوں میں واقع ہے۔ اور قطب نما سے جو اتر دکھن معلوم کیا جاتا ہے وہ ٹھیک ٹھیک اتر دکھن نہین بلکہ

لگ بھگ اتر دکھن ہے اس لئے زاویہ انحراف معلوم کئے بغیر قطب نما سے سمت معلوم کر کے مسجد بناتے ہیں اگرچہ حد استقبال باقی رہتا لیکن وہ بالکل قبلہ رخ اور صحیح السمت نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو لوگ جاپانی یا چینی قطب نما کے ساتھ برائے ہدایت کتابچہ کے ذریعہ سمت معلوم کرتے ہیں یہ بھی اگرچہ حد استقبال میں ہوتی لیکن اس سے بھی صحیح السمت سے بہت زیادہ انحراف رہتا ہے اسی طرح دھوپ گھڑی کا اصول ایجاد چونکہ یومیہ گردش پر مبنی ہے لیکن لوگ اسے قطب نما کے ذریعہ جہت معلوم کر کے نصب کرتے ہیں اس لئے ایسی دھوپ گھڑی صحیح ٹائم بھی نہیں بتاتی۔

جو مقام یومیہ گردش کے قطب پر ہوتا ہے اس کا عرض البلد ہوتا ہے لیکن طول البلد نہیں ہوتا اور جو مقام خط استوا پر ہوتا ہے اس کا طول البلد ہوتا خواہ صفر ہی سہی عرض البلد نہیں ہوتا اور جو مقامات قطب اور خط استوا کے مابین ہوتے ہیں اس کا طول البلد اور عرض البلد دونوں ہی ہوتے ایسے مقامات کی سمت جس طرح عملی طریقہ سے معلوم کی جاتی ہے اسی طرح علم مثلث کروی کے اصول کے مطابق بھی معلوم کی جاتی ہے۔ زمین مقناطیسی قطب چونکہ نہ خط استوا پر ہے اور نہ گردشی قطب پر ہے بلکہ دونوں کے درمیان ہے اس لئے اس کا عرض البلد اور طول البلد دونوں ہی ہے۔ ان دونوں کے علم سے علم مثلث کروی کے اصول کے مطابق بجائے عملی طریقہ حسابی طریقہ سے بھی زاویہ انحراف معلوم کیا جاتا ہے معیار الاوقات کے مصنف نے علم مثلث کے ذریعہ حیدرآباد (بھوپال) دہلی اور لکھنؤ کا زاویہ انحراف معلوم کر کے ان مقامات کا صحیح صحیح سمت قبلہ نکالنے کا طریقہ بتا دیا ہے۔

طبعیات کی بعض کتابوں میں درج ہے کہ سب سے پہلے ۱۸۳۱ء میں سر جیمس راس نے زمین کے شمالی مقناطیسی قطب کا پتہ لگایا تھا یہ کناڈا کے شمال ومغرب میں بوتھیا فیلکس نامی مقام کے نزدیک ۷۰ء۵ درجہ شمالی عرض البلد اور ۴۶۔۹۵ طول البلد غربی پر واقع ہے گردشی قطب شمالی سے اس کا فاصلہ تقریبا ایک ہزار میل ہے اسی طرح ۱۹۰۹ء میں شکلٹین نے زمین کے جنوبی مقناطیسی قطب کو دریافت کیا تھا یہ جنوبی نصف کرہ میں جزیرۂ وکٹوریہ کے نزدیک ۷۲ء۲۵ درجہ جنوبی عرض البلد اور ۱۵۴/درجہ شرقی طول البلد پر واقع ہے اور بعض اٹلس کے خطوط طول عرض کے ملاحظہ اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قطب شمالی کا عرض ۷۶ درجہ کے قریب اور طول تقریبا ۱۰۰/درجہ سے کچھ کم غربی ہے

اور قطب جنوبی کا عرض ۶۷ درجہ سے کچھ زیادہ اور طول ایک سو چالیس سے کچھ کم شرقی ہے۔ کسی بھی دائرہ کے قطبوں کا اصول یہ ہے کہ وہ متقاطر ہوں یہاں جب ہم اس وصول پر مقناطیسی قطبوں کو جانچتے ہیں تو طبعیات کی کتابوں میں درج شدہ اور اسی طرح اٹلس سے حاصل شدہ دونوں ہی باتیں غلط معلوم ہوتی ہیں اس لئے بر بنائے اصول یہ کہنا پڑتا ہے کہ دونوں جگہ سہو سے ایسا درج ہو گیا۔ ہاں زمینی مقناطیس کے قطب میں تین عام قطبین کے اصول سے ہٹ کر بات کریں اور انہیں متقاطر کے بجائے متواتر ماننا صحیح ہو تو اٹلس میں درج شدہ یا طبعیات کی کتابوں میں درج شدہ طول وعرض میں سے ایک صحیح ہوسکتا ہے لیکن دونوں باتیں صحیح ہوں یہ ممکن نہیں۔ اس لئے جغرافیہ کے ماہرین اور مقناطیس کے ماہرین کے لئے یہ فرض ہے کہ وہ اچھی طرح سے چھان پھٹک کر اور تحقیق کر کے اس مسئلہ کو سلجھائیں۔

(نوٹ) مقناطیس کی دوسرے صفات وحالات اور دیگر کیفیات مثلاً امالہ، اذالہ، قطب کی رجعت پذیری، مقناطیسی میدان، مقناؤ کا طریقہ، مقناطیس حجاب اور مقناطیسی سالمی وصول وغیرہ وغیرہ طبعیات کی کتابوں میں مذکور ہیں شائقین کو وہاں سے معلوم کرانا چاہئے۔

(ماہنامہ اشرفیہ نومبر ۲۰۰۰ء)

۱۷/اونٹوں کی بے کٹی پٹی تقسیم

سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم کی طرف منسوب ماہ قمری کی ۲۷۔۲۸ تاریخوں میں رویت ہلال کا مسئلہ قلم بند کرتے وقت یہ تاثر دینے کے لئے کہ ہمارے اسلاف کی طرف کچھ ایسی روایت بھی کتابوں میں درج ہوگئیں ہیں جن کا حقیقت واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بطور حوالہ بندۂ ناچیز نے خطبات محرم سے وہ روایت نقل کر دی تھی جو خلیفہ چہارم حضرت مولیٰ مشکلکشا کی ذات پاک سے منسوب ہے۔ روایت میں ہے کہ ۳/آدمی ۱۷/اونٹ لے کر حضرت علی کرم اللہ الوجہہ الکریم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان اونٹوں میں ایک کا نصف دوسرے کا ثلث اور تیسرے کا تسع حصہ ہے ۔اسے اس طرح تقسیم فرمادیں کہ ہر ایک کو اپنے حصہ میں سالم اونٹ ملے۔ ۱۷/اونٹوں کی اس طرح تقسیم چونکہ ممکن نہ تھی اس لئے حضرت نے ایک اونٹ منگا کر ۱۷/انوٹوں میں شامل کر کے ۱۸/اونٹ کر دیا اور پھر نصف والے کو ۹ ثلث والے کو ۶/اور تسع والے کو ۲/اونٹ دلا دیا۔ اور باقی اپنا ایک اونٹ گھر واپس بھیج دیا۔۔ اس طرح ان لوگوں کا مدعا بھی پورا ہوگیا اور اپنا اونٹ بچا بھی لیا۔

واقعہ یہ ہے کہ خطبات محرم کے مؤلف جب اس واقعہ کو قلم بند فرما رہے تھے تو یہ بندۂ ناچیز خود بھی اس نشست میں موجود تھا۔ حضرت مؤلف نے تنشیط ذہن کے لئے قلم بند شدہ مضمون کو پڑھ کر سنایا۔ ہم

نے اسی نشست میں اجمالاً یہ عرض کیا کہ اس واقعہ میں چونکہ شرکت تامہ نہیں اس لئے اس واقعہ کی صحت اور مستند ہونے میں شک وتر دد ہے حضرت مؤلف نے فرمایا کہ ہم نے اسے فلاں کتاب کے حوالے سے درج کیا۔ ہے، صحت اور عدم صحت کی بحث ہم سے متعلق نہیں۔ اس کا تعلق اس کتاب سے ہو جس کے حوالہ سے ہم نے اس کو نقل کیا ہے۔

اتنا عرض کرنے سے میری مراد یہ ہے کہ ۲۷۔۸۲ تاریخ میں رویت ہلال والے مضمون میں ہم نے اس واقعہ سے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ واقعہ کسی کتاب میں درج نہیں اور اس کے حوالہ سے ہم بے خبر ہیں۔۔ بلکہ میری مراد یہ ہے کہ اس واقعہ میں کچھ باتیں ایسی ہیں جو کسی طرح انا مدینۃ العلم وعلی بابہا سے میل کھاتی نظر نہیں آرہی ہیں اس لئے یہ واقعہ مفروضہ معلوم ہوتا ہے۔

ابھی حال میں اپنے ایک محبّ مخلص کے خط سے یہ معلوم ہوا کہ کسی صاحب بصیرت نے اس واقعہ کو اپنے مضمون میں بحوالہ تاریخ الخلفا قلم بند کر کے آپ پر طنز وغیرہ بھی کیا ہے۔ تلاش بسیار کے باوجود وہ رسالہ مجھے نہ مل سکا جس کے حوالہ سے میرے محبّ مخلص نے مجھے اطلاع دی ہے اس لئے میرے علم میں قطعاً یہ بات نہیں ہے کہ صاحب بصیرت نے کیا لکھا اور ہم پر کس قسم کا طنز فرمایا ہے۔ ہاں محبّ مخلص کے خط سے جو مجھے معلوم ہوا وہ صرف یہ معلوم ہوا کہ تاریخ الخلفاء کے حوالہ کی بنیاد پر میرے مضمون کا رد فرمایا ہے۔ اس صورت میں ہم نے مناسب سمجھا کہ جن اساس وبنیاد پر میرا موقف ہے اس کی نشاندہی کر دی جائے، تاکہ اہل علم اس پر غور کر سکیں اگر علما کی رائیں میرے موقف کی تائید میں ہیں تو فبہا ورنہ میں اس مضمون سے رجوع کرنے کا اعلان کرتا ہوں اور اس مضمون کو منسوخ سمجھا جائے۔

وہ مشترکہ مال جو چند لوگوں کی ملکیت میں ہو اس میں شرکت اور بٹوارے کے اعتبار سے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے (۱) شرح شرکت (۲) مقدار حصہ: مثلاً فرض کیجئے کہ مال ۱۸/روپئے ہیں جس میں ایک آدمی $\frac{۱}{۲}$ دوسرا $\frac{۱}{۳}$ اور تیسرا، $\frac{۱}{۶}$ کا حقدار ہے تو یہ نصف یہ ثلث اور سدس شرح شرکت کہلاتی ہے

بٹوارے کے بعد پہلے شخص کو ۹/روپئے دوسرے کو ۶/روپئے اور تیسرے کو ۳/روپئے دیئے جائیں گے یہ مقدار حصص ہے۔ از روئے حساب ضروری ہے کہ شرح شرکت کے اجزائے کسریہ کا مجموعہ ایک کے برابر ہو۔ اور جملہ حصص کا مجموعہ مشترکہ مال کے برابر ہو۔ اگر اول نہیں شرکت نام نہیں۔ اور اگر ثانی نہیں تو تقسیم صحیح نہیں۔ جیسے مثال مذکور میں شرح شرکت $\frac{۱}{۲}$، $\frac{۱}{۳}$، $\frac{۱}{۶}$، کا مجموعہ ایک کے برابر ہے۔ اور ۹+۶+۳ حصص کا مجموعہ ۱۸/روپئے کے برابر ہے اس سے ظاہر کہ شرح شرکت اور مال کی تقسیم دونوں ہی کو علم الحساب سے گہرا تعلق ہے۔

تاریخ الخلفا کے حوالے سے جو روایت مشہور ہے اس میں نہ تو شرح شرکت ایک کے برابر ہے اور ہی حصص کا مجموعہ ۱۷/ کے برابر ہے۔ اس میں شرح شرکت $\frac{۱}{۲}$، $\frac{۱}{۳}$، اور $\frac{۱}{۹}$، بتائی گئی ہے جس کا مجموعہ $\frac{۱۷}{۱۸}$ ہے ایک کے برابر ہونے میں $\frac{۱}{۱۸}$، کی کمی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ان کے حصص کا مجموعہ دیکھیں تو ۱۶، $\frac{۱}{۱۸}$، ہوتا ہے ۱۷/ کے برابر نہیں ہوتا بلکہ $\frac{۱۷}{۱۸}$، باقی رہ جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تاریخ الخلفا کی روایت کے مطابق نہ یہ شرکت صحیح اور نہ اس کی تقسیم صحیح۔

رہی یہ بات کہ تاریخ الخلفا کی روایت میں یہ بھی درج ہے کہ حضرت مولیٰ مشکل کشا نے ان ۱۷/ اونٹوں کی جھرمٹ میں ایک اونٹ مزید شامل کر کے تقسیم فرمائی ہے تو اس کے سمجھنے کے لئے ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ایک اونٹ کا اضافہ محض نمائش کے طور پر تھا۔ یا خود مولیٰ مشکل کشا ایک اونٹ شامل فرما کر شرکائے قدیم کے ساتھ شریک جدید بن گئے تھے۔ یا یہ ایک اونٹ شرکائے قدیم کو بطور فضل وکرم ہبہ وعطا فرمایا تھا۔ اگر محض نمائش کے لئے مانا جائے تو معاملہ میں کسی قسم کا فرق نہیں رہا بلکہ جس طرح اس اونٹ کے اضافہ سے پہلے حال تھا۔ وہی حال اضافہ کے بعد بھی رہا۔ اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ معاملہ قطعاً نہ سلجھ سکا۔ اور اگر باقی دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک تھا تو اس کو سمجھنے کے لئے ایک تمہید ضروری ہے۔

چند لوگوں کے مخصوص شرح شرکت والے مال میں اگر کوئی دوسرا شخص اپنا مال شامل کرتا ہے تو اس کی عام طور پر دو صورت ہوتی ہے (۱) یہ کہ دوسرا شخص اپنا مال شامل کر کے شرکائے قدیم کے ساتھ خود بھی

شریک جدید بن جاتا ہے۔(۲) یہ دوسرا آدمی اپنا مال شرکائے قدیم کو ان کی شرح شرکت کے مطابق ہبہ وعطا کردیتا ہے۔ وہ اس میں شریک وساجھی نہیں ہوتا۔صورت ثانیہ میں شرکائے قدیم کے لئے اپنے سابقہ مال میں جو شرح شرکت رہتی ہے۔ بعد اضافہ مجموعہ مال میں بھی وہی شرح شرکت برقرار رہتی ہے۔ البتہ مقدار حصہ میں زیادتی پیدا ہوجاتی ہے۔لیکن صورت اولیٰ میں معاملہ برعکس ہوجاتا ہے یعنی پرانی شرح شرکت ختم ہوکر نئی شرح شرکت پیدا ہوجاتی ہے۔ ہاں مقدار حصہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔مثلاً میری پیش کردہ مثال یعنی ۱۸؍روپئے میں ایک آدمی کے لئے شرح شرکت نصف دوسرے کے لئے ثلث اور تیسرے کے لئے سدس تھا اور مقدار حصہ ترتیب وار ۹؍۶؍اور ۳ روپئے تھے اس اٹھارہ روپئے میں کوئی دوسرا آدمی باہر سے اگر ۶؍روپئے کا اضافہ کرکے خود بھی شریک جدید بن جاتا ہے تو اب مجموعہ مال ۲۴ میں مثلاً ثلث والے کی شرح شرکت بدل جائے گی یعنی ثلث کے بجائے ربع ہوجائے گی۔اور ۲۴ کا ربع چھ روپئے اس کا مقدار برقرار رہے گا۔اسی طرح نصف اور سدس میں ہوجائے گا لیکن اگر عطا کرنے والا خود شریک نہیں ہوتا تو اس صورت میں ثلث کا حقدار اب بھی ثلث ہی کا حقدار رہے گا اس کی شرح شرکت نہیں بدلے گی البتہ مقدار حصہ ۶ کے بجائے ۸ روپئے ہوجائیں گے۔

ضابطہ:۔شرح شرکت کے بدلنے کا ضابطہ یہ ہے کہ کسی بھی حقدار کے مقدار حصہ سے مجموعہ مال کو تقسیم کریں خارج قسمت شرح شرکت کی نمائندگی کرے گا۔مثلاً مثال مفروضہ میں ثلث کے حقدار کے مقدار حصہ یعنی چھ سے مجموعہ مال یعنی ۲۴ کو تقسیم کریں خارج قسمت ۴ ہوگا جس سے یہ واضح ہوگا کہ ۱۸ میں جو شرح شرکت ۱؍۳ تھی وہ ۲۴ میں بدل کر ربع ہوگئی۔

تاریخ الخلفا کی روایت میں اگر یہ مانا جائے کہ خلیفہ چہارم نے ایک اونٹ کا اضافہ بطور ہبہ فرمایا تھا جس کی وجہ سے مشترکہ مال ۱۷؍اونٹ کے بجائے ۱۸؍ہوگیا تھا۔تو ایسی صورت میں اصحاب جمال کی شرح شرکت میں کوئی فرق نہ ہوگا۔لیکن مقدار حصہ میں اتنی زیادتی پیدا ہوجائے گی کہ ہر ایک کا حصہ مع زیادتی باہم مل کر مجموعہ اونٹ یعنی ۱۸؍کے برابر ہوجائے۔ حالانکہ روایتوں میں ہے کہ بعد تقسیم

ایک اونٹ باقی رہ گیا تھا جسے حضرت علی کرم اللہ الوجہہ الکریم نے اپنے گھر بھیج دیا۔ جو کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتی۔اور ساتھ ہی یہ خرابی لازم آتی ہے کہ جب یہ عطا کردہ اونٹ اصحاب جمال کے ملک میں آئے گا تو پھر مولیٰ علی نے کیوں اور کس قاعدہ سے واپس لوٹالیا۔

اور اگر تاریخ الخلفا کی روایت میں یہ مانا جائے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایک اونٹ بڑھا کر خود بھی شریک جدید بن گئے تھے تو ظاہر ہے کہ اب پرانی شرح شرکت کے بجائے نئی شرح شرکت پیدا ہوئی ہوگی حالانکہ روایت میں مذکور ہے کہ پرانی شرح شرکت کے مطابق ہی تقسیم کی گئی۔یعنی مبینہ شرح شرکت ۱۷؍اونٹ میں تھی جس میں مقدار حصص ۱۷/۲، ۱۷/۳، اور ۱۷/۹ تھی یہاں وہی شرح شرکت برقرار رکھ کر ۱۸؍کی تقسیم کی گئی اور مقدار حصص ۱۸/۲، ۱۸/۳، اور ۱۸/۹ کردی گئی۔اور حیرت تو یہ ہے کہ اصحاب جمال نے یہ بھی عرض نہیں کیا کہ ہم لوگوں کی مبینہ شرح شرکت ۱/۲، ۱/۳، اور ۱/۹، ۱۷؍اونٹوں میں تھی لیکن حضور ہمیں ۱/۲، ۱/۳، اور ۱/۹۔ ۱۸، اونٹوں کا دلارہے ہیں یہ کیسے صحیح ہوگیا، یہاں اس طرح بھی غور کرنا چاہئے کہ اگر حضرت علی خود بھی شریک ہوگئے تھے اور اپنا حصہ بھی ان کو لینا تھا تو باقی ۱۷؍اونٹ میں وہی پرانی شرح شرکت لوٹ آتی یعنی حضرت علی نے اپنا اونٹ واپس لے لیا باقی ۱۷؍اونٹ پھر اسی قدیم شرح شرکت کے مطابق تقسیم ہوں گے اس طرح معاملہ جوں کا توں رہا مسئلہ کچھ بھی حل نہ ہوسکا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب حضرت علی نے ایک اونٹ شامل کرکے خود بھی شریک جدید بن گئے تو اس صورت میں مجموعہ مال یعنی ۱۸؍اونٹوں میں سے ایک اونٹ ان کا طے ہے اور باقی ۱۷؍اونٹوں میں اصحاب جمال کی مبینہ شرح شرکت ۱/۲، ۱/۳، اور ۱/۹، برابر رہی اس لئے ان لوگوں کو ۱۷؍اونٹ کا نصف، ثلث اور تسع ملنا تھا، لیکن روایت میں ان لوگوں کو ۱۷؍اونٹوں کا نہیں بلکہ ۱۸؍اونٹوں کا نصف، ثلث اور تسع دیا گیا ہے۔ وہ لوگ بحسب شرکت جس کی تقسیم کے خواہاں تھے وہ نہیں ہوا اور جس کی تقسیم کے خواہاں نہیں تھے وہ ہوگیا۔اور ساتھ ہی اپنے حصہ سے زیادہ پالیا۔اس لئے کہ ۱۷؍کا نصف ۸، ۱/۲، اور ثلث ۵، ۲/۳، ۳/۲ اور تسع ۱، ۸/۹، ہے لیکن ان لوگوں کو بالترتیب، ۹، ۶، ۲ دیا گیا جو ان لوگوں کے حصہ سے

بہر حال زائد ہے اس لئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس واقعہ میں نہ شرح شرکت صحیح ہے اور نہ اس کی تقسیم ہی صحیح ہے۔

ہاں اگر یہ کہا جائے کہ مبینہ شرح شرکت فی الواقع غلط تھا یعنی شرح شرکت فی الحقیقت وہ نہیں تھی جو ان لوگوں نے حضرت علی کے سامنے بیان کیا تھا بلکہ حسب بیان اصحاب جمال ان کے حصص کا مجموعہ ۱۶، $\frac{۱}{۱۸}$، ہوتا ہے کامل مال ہونے میں ۱۷ $\frac{۱}{۱۸}$ رہ جاتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ کامل مال یعنی ۱/۱۷ اونٹ کے مالک تھے اس لئے ۱۷ $\frac{۱}{۱۸}$ بھی ان ہی لوگوں کا ہے حق بقدر حقوق پھر ان ہی حضرات کو ملیں گے اس لئے بطور قند مکرر ان کے حصص سے زیادہ ملے گا۔

اب رہی یہ بات کے مبینہ شرح شرکت کے اعتبار سے جو ان لوگوں کو حصے ملے یعنی ۸، $\frac{۱}{۲}$، $\frac{۲۵}{۳}$، ۱، $\frac{۸}{۹}$ اس پر اب مزید باقی ماندہ اونٹوں سے ان لوگوں کو کس قدر حصہ ملے گا، تو اس کا ضابطہ یہ ہے کہ مبینہ شرح شرکت سے جو زائد حصہ باقی رہ گیا تھا یعنی $\frac{۱}{۱۸}$، اس کو حاصل شدہ حصص (۸، $\frac{۱}{۲}$ + ۵، $\frac{۲}{۳}$ + ۱ $\frac{۸}{۹}$) کے مجموعہ یعنی ۱۷ $\frac{۱}{۱۸}$، سے تقسیم کر دیں اور خارج قسمت سے ہر ایک کے اس مقدار کو مبینہ شرح شرکت سے حاصل ہوا ہے ضرب دیں حاصل ضرب زائد حصہ کو بتائے گا مثلا یہاں شرح شرکت کے مجموعہ سے $\frac{۱}{۱۸}$ زائد تھا۔ اسے مجموعہ حصص یعنی ۱۷ $\frac{۱}{۱۸}$، سے تقسیم کیا۔ خارج قسمت $\frac{۱}{۱۷}$ ہوا۔

اسی ۱/۱۷ سے ہر ایک کے حاصل شدہ حصہ کو ضرب دیں زائد حصہ معلوم ہو جائے گا مثلا نصف والے کا زائد حصہ معلوم کرنا ہے تو ۱/۲، ۸ + ۱/۱۷ یہ ۱/۲، ہوا یعنی نصف والے کو ان کے برآمد شدہ حصہ سے ۱/۲ زائد ملے گا۔ اور اب اس کا مقدار حصہ ۸، ۱/۲ + ۱/۲ = ۹ ہوگا۔ اسی حساب سے ثلث والے کو ۱/۲ ملے گا اور ان مجموعی حصہ ۵، ۲/۳ × ۱/۳ یعنی ۶ ہوگا، جس سے یہ معلوم ہوا کہ نصف والے دراصل ۹ اور ثلث والے فی الحقیقت ۶ اور تسع والے فی نفس الامر ۲ کے حقدار تھے یعنی ان کے مابین شرح شرکت فی الحقیقت ۹/۱۷، ۶/۱۷، اور ۲/۱۷، کی تھی لیکن انہوں نے غلط طور پر یہ بتایا کہ ۱/۲، ۱/۳، اور ۱/۹ ہے۔

اس تشریح کے بعد یہ واضح ہوگیا کہ اصحاب جمال کے مابین ۱/۱۷ اونٹوں کو تقسیم کرنے کے لئے اب حصص ۱/۱۷ ہوئے اور اونٹ بھی ۱/۱۷ ہی تھے اس لئے بلا کسی کاٹ چھاٹ کے اونٹ یوں تقسیم

ہو جائے گا کہ نصف کے دعویدار کو ۹، اور ثلث کے دعویدار کو ۶، اور تسع کے دعویدار کو ۲ مل گئے۔ یہاں نہ ایک اونٹ بڑھانا ہے اور نہ پھر اس کو واپس لے لینا ہے۔

اس واقعہ سے متعلق میرا مدعیٰ فقط یہ ہے کہ مبینہ شرح شرکت فی الحقیقت غلط ہے اور اس کی بنیاد پر اونٹوں کی تقسیم بھی غلط ہے اس لئے فی الحقیقت ان وجوہات کی بنیاد پر واقعہ غلط اور فرضی ہے۔

اس واقعہ کا تحلیل و تجزیہ اس طرح سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ اصحاب جمال کو مبینہ شرح شرکت کے ساتھ یہ ۱/۱۷ اونٹ کیسے حاصل ہوئے۔ بیع وشراء اور تجارت حاصل نہیں ہو سکے کیونکہ تجارت میں شرکت تامہ بہر حال ضروری ہے اور یہاں شرکت تامہ نہیں بذریعہ ارث بھی حاصل نہیں ہو سکے کیونکہ اس میں ایک آدمی کا حصہ ۱/۹ بتایا گیا ہے جس کی علم الفرائض میں قطعاً گنجائش نہیں۔ رہ گئی ایک صورت کہ کسی نے وصیت یا ہبہ کے ذریعہ ان لوگوں کو ۱/۱۷ اونٹ عطا کئے اور بھول چوک سے اس نے ایسی شرح شرکت بیان کی جو واقعہ کے خلاف بھی اصحاب جمال نے یہی مبینہ شرح شرکت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بیان کر کے اس کی صحیح صحیح تقسیم چاہی۔ اگر یہی حال تھا تو یقیناً حضرت علی یوں فرماتے کہ یہ معاملہ نہ تو عادلہ ہے اور نہ عائلہ ہے بلکہ مسئلہ دراصل عاذلہ ہے اس لئے اس کی تقسیم یوں ہوگی۔

۱۸ رد ۱۷		مال ۱۷، اونٹ
زید نصف کا حقدار	بکر ثلث کا حقدار	عمر تسع کا حق دار
۹	۶	۲

اس کی نظیر علم الفرائض سے اس طرح پیش کی جاسکتی ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا انہوں نے ایک سگی بہن اور ایک ماں کو چھوڑا اور مال میں ۵، اونٹ تھے تو یہاں تقسیم اس طرح ہوگی۔

۶ رد ۵	مال ۵
بہن نصف کا حقدار	مال ثلث کا حقدار
۳	۲

یہاں ایسا نہیں کیا جائے گا کہ فارض اپنی طرف سے ایک اونٹ شامل کر کے ٦/اونٹ کر دے اور پھر اس کا نصف ٣ اونٹ بہن اور اس کا ثلث ٢/اونٹ ماں کو عنایت کرے اور ایک اونٹ اپنا گھر واپس بھیج دے۔

(ماہنامہ اشرفیہ، جون ٢٠٠٠ء)

قطب شمالی کے شب وروز

چند ماہ پیشتر کی بات ہے کہ میں ایک رات نماز عشا کے بعد بستر پر لیٹ چکا تھا کہ اچانک موبائیل کی گھنٹی بجنے لگی اور جب ہم نے سلام ودعا کے بعد یہ دریافت کیا کہ آپ کون صاحب ہیں اور کہاں سے بول رہے ہیں تو دوسری طرف سے ایک محبت بھری آواز گونجی کہ میرا نام نظام الدین ہے، آپ مجھے نہیں جانتے، میں اس وقت بولٹن لندن سے بول رہا ہوں۔ میں نے ادھر سے عرض کیا کہ کیا ایسا حکم کہ آنجناب نے اتنی دور سے مجھ حقیر علیل الطبع سے رابطہ فرمایا۔ تو ادھر سے ارشاد ہوا کہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم کتاب النکاح ص: ١٤٧/ میں عجب الخلقت جڑواں بچوں سے متعلق ایک استفتا ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اصل مسئلہ کے جواب کے بعد اس کی ایک نظیر قطب شمالی کے رات ودن کے تعلق سے ارشاد فرمایا ''وہاں جب کہ چھ چھ مہینے کی رات دن ہیں بلکہ قطب شمالی میں چھ مہینے نو دن کا دن اور نو دن کم چھ مہینے کی رات اور قطب جنوبی میں بالعکس۔ اس لیے کہ اوج آفتاب شمالی اور حضیض جنوبی ہے اور اس کی رفتار اوج میں سست اور حضیض میں تیز ہے'' الخ۔ اگر آپ کی صحت اجازت دے تو اس کی اجمالاً تشریح فرما کر ماہنامہ جام نور میں اسے شائع کر دیں تاکہ دوسرے لوگوں کے ساتھ ساتھ میں بھی اس مسئلہ کو سمجھ لوں۔ طرز تکلم اور بولی کی مٹھاس اور اس مٹھاس میں محبت کی خوشبو اور ایک پیچیدہ علمی مسئلہ کے تئیں جذبۂ تجسس کسے ہم نے محسوس کیا کہ بولنے والا

ایک عامی آدمی نہیں بلکہ اپنی جماعت کے عالم دین ہیں۔

نوٹ: اس مضمون میں پیچیدہ اصطلاحات اور مشکل مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے عام فہم انداز اختیار کیا گیا ہے۔

فلک الفلاک کی اوپری سطح یعنی سطح محدب پر ٹھیک قطب شمالی وجنوبی کے درمیان پورب، پچھم ایک دائرہ فرض کیجئے، جسے ہیئت میں ''معدل النہار'' کہتے ہیں اور پھر اسی فلک کی سطح محدب پر دوسرا دائرہ پورب پچھم مگر آڑی ترچھی ایسا فرض کیجئے جو معدل النہار کو ۲۳ درجہ ۲۷ دقیقہ پر کاٹتے ہوئے گزرے اس دائرہ کا نصف حصہ معدل سے شمال اور نصف حصہ معدل سے جنوب میں واقع ہوگا اور ہر ایک حصہ ۱۸۰ ڈگری کا ہوگا، اسے دائرۃ البروج کہتے ہیں۔ یہ دائرہ معدل کو جس نقطہ پر کاٹتے ہوئے اتر جانب جائے اس نقطہ کو نقطہ اعتدال ربیعی کہتے ہیں، نقطہ اعتدال ربیعی سے آغاز کرتے ہوئے اس دائرہ کو ۳۰، ۳۰ ڈگری کے حساب سے برابر بارہ حصے کیجئے۔ یہ بارہ حصے بارہ برج کہلاتے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ ان برجوں میں چھ بروج معدل سے جانب شمال میں اور چھ بروج جانب جنوب میں واقع ہیں۔ جانب شمال کے برجوں کا نام حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد اور سنبلہ ہے اور جانب جنوب میں واقع برجوں کا نام میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت ہے۔

آفتاب روزانہ اپنی ذات ۵۹ درجہ ۸ ثانیہ ۲۰ ثالثہ سے پورب کی طرف چلتے ہوئے تقریباً ۳۶۵ دن چھ گھنٹے میں ان بارہ برجوں کو طے کرتے ہوئے ایک کامل گردش کر لیتا ہے۔ الغرض دائرۃ البروج آفتاب کے سالانہ چال کی راہ ہے، اس لئے آفتاب بظاہر آدھے سال معدل سے اتر اور آدھے سال دکھن میں رہتا ہے، لیکن اہل ہیئت نے فرمایا ہے کہ آفتاب از ۲۱ مارچ تا ۲۳ ستمبر تقریباً ۱۸۷ر دن میں بروج شمالیہ کو طے کرتا ہے اور از ۲۳ ستمبر تا ۲۱ مارچ تقریباً ۱۷۸ر دن میں بروج جنوبیہ کو طے کرتا ہے۔ الغرض بروج شمالیہ اور بروج جنوبیہ کے طے کرنے کے دنوں میں ۹ دن کا فرق ہوتا ہے۔

(۲) فلک الافلاک کی سطح محدب پر تیسرا دائرہ ایسا فرض کیجئے جو فلک کو نصف فوقانی اور نصف تحتانی میں تقسیم کردے، اسے دائرۃ الافق کہتے ہیں۔ فرض کیجئے ایک آدمی قطب شمالی میں مقیم ہے تو اس انسان کے حق میں جو دائرہ ایسا ہو کہ فلک الافلاک کے دو حصے ایک فوقانی دوسرا تحتانی میں

تقسیم کردے تو یہ دائرہ اس شخص کے لئے دائرۃ الافق ہوگا، غور کیجئے تو آپ پر واضح ہوجائے گا کہ یہ دائرہ ٹھیک دائرہ معدل النہار پر منطبق ہوتا نظر آئے گا تو گویا دائرہ معدل النہار ہی اس شخص کے لئے وہ دائرۃ الافق ہے۔ لہٰذا فلک الافلاک کا جو حصہ جانب شمال ہے۔ اس کے لئے فوقانی حصہ ہے جو اس کے افق کے اوپر ہے اور فلک الافلاک کا وہ حصہ جو جانب جنوب ہے اس کے لئے تحتانی حصہ ہے جو اس کے افق کے نیچے ہے۔ لہٰذا آفتاب جب تک بروج شمالیہ میں ہوگا اس کے افق کے اوپر ہوگا اور جب تک بروج جنوبیہ میں رہے گا اس کے افق کے نیچے ہوگا۔ اس لئے آفتاب جب تک بروج شمالیہ میں ہوگا اس کے حق میں دن اور جب بروج جنوبیہ میں ہوگا اس کے حق میں رات ہوگی اور آفتاب کا طلوع وغروب وہاں فلک الافلاک کی گردش سے نہیں بلکہ آفتاب کی ذاتی چال سے ہوگا۔ اس لئے (۱) مطابق وہاں گو بظاہر چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہونی چاہئے لیکن اسی میں درج شدہ علمائے ہیئت کے قول کے مطابق کہ آفتاب بروج شمالیہ میں ۱۸۷ر دن اور بروج جنوبیہ میں ۱۷۸ر رہتا ہے وہاں چھ مہینے نو دن کا دن اور نو دن کم چھ مہینے کی رات ہوئی۔ اسی لئے امام احمد رضا نے فرمایا کہ ''وہاں (یعنی عرض متعین) جب کہ چھ چھ مہینے کے دن رات ہیں بلکہ قطب شمالی میں چھ مہینے نو دن کا دن اور نو دن کم چھ مہینے کی رات اور قطب جنوبی میں بالعکس'' اور پھر ۹ دن کی کمی وبیشی کی تعلیل بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا نے فرمایا ''اس لئے کہ اوج آفتابی شمالی اور حضیض جنوبی ہے اور اس کی رفتار اوج میں سست اور حضیض میں تیز ہے''۔

اس تعلیل کو سمجھنے کیلئے آنے (۳) مضمون کو بغور ملاحظہ فرمایئے۔

۳۔ اس تعلیل کو بیان کرنے سے پیشتر فلک شمس کی ساخت اور بناوٹ کو سمجھنا ضروری ہے۔ ذیل میں ہم تین کروں کی شکل کی مدد سے اس کی ساخت کو بیان کررہے ہیں (۱) یہاں تین کروں میں سے ایک کرہ کو چھوٹا اور ایک کرہ کو بڑا تصور کیجئے چھوٹے کرہ کو خارج المرکز اور بڑے کرہ کو ممثل کہتے ہیں ان دونوں کرہ سے مرکب کرہ کو فلک شمس کہتے ہیں۔ ہر ایک کرہ کی ساخت میں اوپر والا دائرہ اس کرہ کی سطح محدب اور اندرونی والا دائرہ اس کی سطح مقعر ہے:
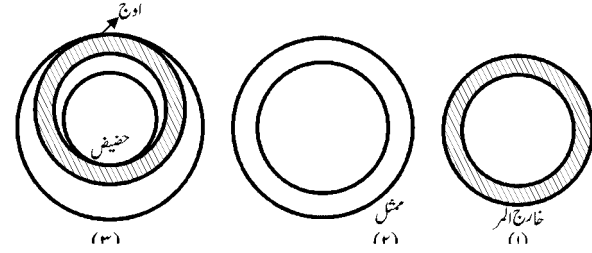
(۲) چھوٹے کرے کو بڑے کرے کے ثخن میں اسطرح تصور کیجئے کہ چھوٹے کی سطح محدب بڑے کی سطح محدب سے ایک نقطہ پر مماس ہواس نقطہ کو مرکز عالم سے ابعد الابعاد ہونے کی وجہ سے اوج کہتے ہیں اور چھوٹے کرہ کی سطح مقعر بڑے کرے کی سطح مقعر سے ایک نقطہ پر مماس ہو، اس نقطہ کو مرکز عالم سے اقرب الابعاد ہونے کی وجہ سے حضیض کہتے ہیں۔ تیسرا والا کرہ مرکب کرہ ہے، اس کرہ کے ثخن میں چھوٹا والا کرہ جو خارج المرکز ہے اسی کے ثخن میں آفتاب مرکوز ہے تو فلک شمس کی بناوٹ میں حقیقۃً دو بنیادی چیز ہیں، ایک خارج المرکز اور دوسرا ممثل۔ ممثل کا منطقہ آفتاب کے لئے منطقۃ البروج ہے اور اس میں بارہ بروج مقرر ہیں۔

(۳) بڑے کرے کے ثخن میں واقع خارج المرکز اپنی ذاتی چال سے ۵۹ دقیقہ ۸ ثانیہ ۳۰ ثالثہ) جس کو شمس کی ذاتی چل کہتے ہیں) سے گھومتے ہوئے آفتاب کو منطقۃ البروج کی راہ میں چلاتا ہے۔ اور ۳۶۵ دن چھ گھنٹے میں بارہ برجوں سے گزار کر وہیں پہنچادیتا ہے، جہاں سے وہ چلا تھا۔ اس گردش میں آفتاب سال میں ایک بار اوج اور ایک بار حضیض میں آتا ہے بقیہ دنوں میں ادھر ادھر رہتا ہے۔ ممثل کی رفتار نہایت ہی سست ہے یومیہ ۱۴ء ثانیہ سالانہ ۵۱ ثانہ ۷۰ سال میں ادرجہ اور ۲۵۲۰۰ سال میں مکمل دورہ کرتا ہے اس لئے نقطہ اوج آج جس برج کے جس درجہ دقیقہ میں ہے ۲۵۲۰۰ سال بعد پھر وہ یہاں باردیگر آسکے گا۔ کتابوں میں لکھا کہ بطلیموس کے زمانے میں اوج برج جوزا میں تھا۔ علامہ رومی اور قوشجی وغیرہ کے زمانے میں اول سرطان کے دقیقہ اخیرہ میں تھا، آج کل یہاوج سرطان کے کس درجہ اور دقیقہ میں ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ لیکن حساب وغیرہ میں علامہ روج کے زمانے کا اعتبار رائج ہے۔ فلک شمس کی ساخت، خارج المرکز میں رہ کر شمس کی رفتار اور اس کے اوج وحضیض پر پہنچنے کا حال اور ممثل کی رفتار اور اس کے اوج وحضیض کے کسی برج کے سامنے

آنے کا حال وغیرہ کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اعلیٰ حضرت کے بیان کردہ تعلیل پر غور فرمائیں۔

(۴) کسی بھی دائرہ کے دو حصے کرنے میں اگر خط قاطع دائرہ کے مرکز ہو کر گزرے تو دونوں حصے نصف نصف برابر ہوں گے۔ لیکن اگر خط قاطع مرکز ہو کر نہ گزرے بلکہ مرکز خط قاطع کے کسی پہلو میں ہو تو دونوں حصے مساوی نہ ہوں گے بلکہ مرکز جس حصہ میں واقع ہوگا وہ نصف سے بڑا اور دوسرا چھوٹا ہوگا۔ ہم یہاں ذیل میں ممثل اور خارج المرکز کو تسہیل فہم کی خاطر دو دائرہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں یہ دونوں دائرے مرکز کرہ کی شکل ہیں، یہ دونوں دائرے سے مرکب کرہ ممثل اور ضارک المرکز کی نمائندگی اور اوج وحضیض کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ہم اوج وحضیض سے گزرنے والا ایک خط مستقیم کھینچتے ہیں۔ یہ خط اوج وحضیض کے ساتھ ساتھ خارج المرکز اور ممثل کے مرکزوں سے گزرنے کی وجہ سے خارج المرکز اور ممثل کے دو برابر حصے یعنی نصف نصف کردیں گے۔ دوسرا خط اسی خط کے اوپر بطور عمود، ممثل کے مرکز سے گزرتے ہوئے کھینچتے ہیں تو یہ خط ممثل کو دو برابر حصے یعنی نصف نصف کردیں گے۔ لیکن خارج المرکز سے ہو کر نہ گزرنے کی وجہ سے اس کو نصف نصف نہیں کرسکے گا۔ بلکہ وہ حصہ جس میں خارج المرکز کا مرکز کا واقع ہے بڑا اور دوسرا حصہ چھوٹا ہوگا۔ جو حسی طور پر بھی معلوم کرسکتے ہیں، بڑے والے حصے کے منتصف پر اوج اور چھوٹے والے حصے کے منتصف پر اوج کے بالمقابل حضیض ہے۔ علمائے ہیئت نے حساب لگا کر یہ بتایا ہے کہ بڑا والا چھوٹے والے حصے سے تقریباً ۹ ڈگری زائد ہے۔

اوج
مرکز الخارج
مرکز عالم
حضیض
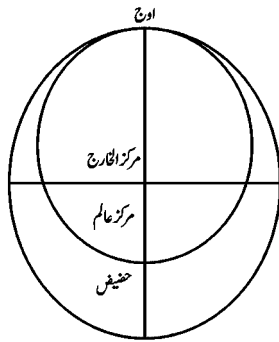
(۲) آفتاب چونکہ اسی خارج المرکز پر منطقۃ البروج کے سیدھ میں ۵۹ دقیقہ ۸ ثانیہ ۲۰ ثالثہ

کی رفتار سے چلتا ہے، اس لئے یہ دونوں حصے اگر برابر ہوتے تو آفتاب ہر ایک حصہ کو چھ چھ مہینے میں طے کرلیتا۔لیکن چونکہ ایسا نہیں بلکہ خارج المرکز کا وہ حصہ جس کے منتصف پر اوج ہے مقدار میں اس حصے سے جس کے منتصف پر حضیض ہے ۹ ڈگری بڑا ہے، اس لئے آفتاب کو اس حصے کے طے کرنے میں چھ مہینے نو دن لگیں گے اور دوسرا حصہ چونکہ ۹ ڈگری کم ہے اس لئے اس کو طے کرنے میں ۹ دن کم چھ ماہ لگیں گے۔ خارج المرکز کے بڑے حصے کی طرف اسی کے سامنے ممثل کا وہ نصف حصہ ہے، جس کے منتصف پر نقطہ اوج ہے، اس لئے جتنے دنوں میں خارج المرکز کے بڑے حصے کو آفتاب طے کرے گا اتنے ہی دنوں میں ممثل کا دوسرا نصف حصہ کو طے کرے گا۔لہٰذا ممثل کا منطقہ (جو منطقۃ البروج کے سامنے ہے) کے دونوں حصوں کو برابر ہیں لیکن ان کو طے کرنے کا زمانہ برابر نہیں بلکہ ۹ دن کے فرق کے ساتھ کم وبیش ہوگا۔لہٰذا ممثل کا وہ نصف حصہ جس کے منتصف پر اوج ہے، اس پر آفتاب کی حرکت سست ہوگی اور ممثل کا وہ نصف حصہ جس کے منتصف پر حضیض ہے، اس پر آفاب کی حرکت تیز ہوگی۔ کیونکہ برابر مسافت طے کرنے میں اگر زمانہ کم وبیش ہو تو جس میں زمانہ زیادہ ہو اس پر حرکت سست اور جس میں زمانہ کم لگے اس پر تیز ہوتی ہے۔

(۳) ان دنوں اوج اول سرطان میں ہے یعنی بروج شمالیہ میں ہے۔ قطب شمالی پر مقیم آدمی کے لئے بروج شمالیہ فوق الافلاک ہے، اس لئے ان کا دن چھ مہینے نو دن کا ہوگا اور رات ۹ دن کم چھ مہینے کی ہوگی۔

نوٹ: منطقۃ البروج کا وہ نصف حصہ جس کے منتصف پر اوج ہو آفتاب اس نصف حصہ کو ہمیشہ چھ ماہ سے زائد دنوں میں طے کرے گا اور اس نصف حصہ کو جس میں حضیض ہو چھ ماہ سے کم دن میں طے کرے گا۔ خواہ یہ اوج و حضیض بروج شمالیہ میں ہوں یا جنوبیہ میں، خواہ شمالیہ کے کسی برج میں ہوں خواہ جنوبیہ کے کسی برج میں ہوں۔ یہ حکم چونکہ آفتاب سے متعلق بذاتہ ہے یہ حکم اضافی نہیں اس لئے بقاع ارض کے اختلاف سے اس میں کوئی اثر نہیں پڑتا اور اس میں کوئی ردو بدل نہیں ہوگا۔ دائرۃ الافق چونکہ بقاع الارض کے اعتبار سے مانا جاتا ہے اور یہ اضافی ہوتا ہے اس لئے قطب شمالی وجنوبی کے رات دن میں ۹/ دن کا فرق ہوتا ہے۔ دوسرے مقامات کے لئے فرق نہیں ہوتا ہے۔

(ماہنامہ جام نور دہلی ستمبر ۲۰۰۷ء)

کلک رضا خلائی پیمائش

مجھے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب کہ ۱۹۷۵ء میں صوبہ بہار کے تعلیمی شہر بھاگلپور میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ وقت کے بلند پایہ علمائے کرام کا وہاں ایک قافلہ فردکش تھا۔ دوسری صبح چائے نوشی کے دوران وہاں چند آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ جس میں مولوی صورت ادھیڑ عمر کا ایک آدمی بھی تھا میری قیام گاہ پر پہنچا۔ اس مولوی صورت آدمی نے نہایت متانت کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے اپنی جھولی سے ایک ضخیم کتاب نکالی اور میری سامنے پیش کی۔ یہ کتاب امام احمد رضا کے فتاویٰ کا مجموعہ فتویٰ رضویہ حصہ دوم تھی۔ اپنی وضع قطع چال ڈھال ہی سے وہ آدمی بدمذہب معلوم ہوتا تھا۔ فراست مؤمنہ سے ہم نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کوئی اعتراض لے کر آیا ہے۔ میرے پوچھے بغیر ہی اس نے اپنا تعارف اس طرح پیش کیا کہ مجھ ناچیز کو محمد ہاشم قاسمی کہتے ہیں۔ اسی ضلع کے ایک دارالعلوم میں تدریسی خدمت انجام دیتا ہوں۔ خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب میں ایک بات کہی گئی ہے جو کسی طرح بھی عقل میں نہیں آتی اور پھر ص ۲۵۹ کھول کر میرے سامنے رکھ دیا اور خود ہی عبارت پڑھ کر مجھے سناتا رہا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصر کا وقت مستحب اور وقت مکروہ کیا ہے بینوا

تو جروا؟

الجواب:۔نماز عصر میں ابر کے دن تو جلدی چاہیئے نہ اتنی کہ وقت سے پیشتر ہوجائے۔ باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے، اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا۔ لانہا تعصر یعنی وہ نچوڑ کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ الٰی ان قال مگر ہرگز اتنی تاخیر جائز نہیں کہ آفتاب کا قرص متغیر ہوجائے اس پر بے تکلف نگاہ ٹھہرنے لگے یعنی جب کہ غبار کثیر یا ابر رقیق وغیرہ حائل نہ ہو کہ ایسے حائل کے سبب تو ٹھیک دوپہر کے آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ صاف شفاف مطلع میں اس قدرتی دائمی حیلولت کرۂ بخار کے سبب کہ افق کے قریب نگاہ کو اس کا کثیر حصہ طے کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے طلوع وغروب کے قریب آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے جب اس سے اونچا ہوتا اور کرۂ بخار کا قلیل حصہ حائل رہ جاتا ہے شعاعیں زیادہ ظاہر ہوتیں اور نگاہیں جمنے سے مانع آتی ہیں اور یہ حالت مشرق و مغرب دونوں میں یکساں ہے۔ جس کا حال اس شکل سے عیاں (شکل ۲ میں ملاحظہ ہو۔)
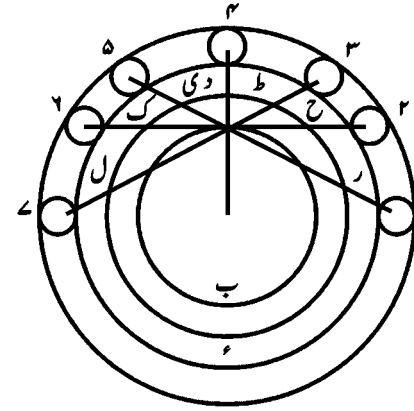
ا ب۔ کرۂ زمین ہے۔ ا۔ موضع ناظر ہے یعنی سطح زمین کی وہ جگہ جہاں دیکھنے والا شخص کھڑا ہے۔ دء زمین کے سب طرف کرۂ بخار ہے جسے عالم نسیم وعالم لیل ونہار بھی کہتے ہیں۔ اور یہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل یا قول اوائل پر ۵۲ میل اونچا ہے اس کی ہوا اوپر کی ہوا سے کثیف تر ہے تو

آفتاب اور نگاہ میں اس کا جتنا زائد حصہ حائل ہوگا اتنا ہی نور کم نظر آئے گا۔ اور نگاہ زیادہ ٹھہرے گی ''۵'' مرکزِ شمس ہے ''۱۵'' ہر طرف وہ خط ہے جو نگاہ ناظر سے شمس پر گزرتا ہے پہلے نمبر پر آفتاب افق شرقی سے طلوع میں ہے اور دوسرے تیسرے نمبر پر چڑھتا ہوا چوتھے نمبر پر ٹھیک نصف النہار پر آتا پانچویں چھٹے نمبر پر ڈھلتا ہوا۔ ساتویں نمبر پر افق غربی پر غروب کے پاس پہنچا ظاہر ہے کہ جب آفتاب پہلے نمبر ہے تو خط 'اھ' کا حصہ 'از' کرۂ بخار میں گزرا اور دوسرے پر ''اح'' تیسرے پر ''اط'' چوتھے ''ادا'' اور اقلیدس سے ثابت ہے کہ ان میں ''ار'' سب سے بڑا ہے اور آفتاب جتنا اونچا ہوتا جاتا ہے ''اح'' ''اط'' وغیرہ چھوٹے ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ نصف النہار پر خط ''اد'' یعنی دوپہر کے وقت خط اگر ۴۵ ہی میل ہے جب بھی خط ''ار'' یعنی وقت طلوع کا خط پانسو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے پھر جب آفتاب ڈھلکتا ہے تو ہو خطوط اسی نسبت پر بڑے ہوتے جاتے ہیں ''ای'' برابر ''اط'' کے پڑتا ہے اور ''اک'' برابر ''اح'' اور ''ال'' برابر ''ار'' کے ہے۔ یہاں سے واضح ہوگیا کہ یہ قدرتی دائمی سبب ہے جس کے باعث آفتاب جب نصف النہار پر ہوتا ہے اپنی انتہائی تیزی پر ہوتا ہے اور اس سے پہلے اور بعد دونوں پہلوؤں پر جتنا افق سے قریب تر ہوتا ہے اس کی شعاع دھیمی ہوتی ہے یہاں تک کہ شرق غرب میں ایک حد کے قریب پر اصلاً نگاہ کو خیرہ نہیں کرتی الخ صفحہ ۱۵۹ تا صفحہ ۲۶۰۔

عطار کے اختتام پر شخص مذکور اپنے اعتراض کی طرف رخ کرتے ہوئے اس طرح گویا ہوا کہ یہ کہنا تو بجا ہے کہ اقلیدس سے ثابت ہے کہ ان خطوط میں ''ار'' سب سے بڑا ہے یہ بات اگر اقلیدس سے ثابت نہ بھی ہوئی جب بھی مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ یہ خط سب سے بڑا ہے اور نصف النہار کے وقت کا خط یعنی ''اد'' سب سے چھوٹا ہے لیکن آگے چل کر جو یہ لکھا گیا ہے کہ ہم نے اپنے محسابات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ خط ''اد'' یعنی دوپہر کے وقت کا خط اگر ۴۵ میل ہے جب بھی خط ''ار'' یعنی طلوع کا خط پانچ سو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے یہ بات کسی طرح بھی عقل میں نہیں آتی کہ ''اد'' تو ۴۵ میل ہے اور ''ار'' پانچ سو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے۔ جب کہ خود مفتی صاحب اپنے فتویٰ

میں فرماتے ہیں کہ عالم نسیم ہر طرف سطح زمین سے ۴۵میل ہے۔''اذ'' بھی اسی ۴۵میل میں ہے اور ''ار'' بھی اسی ۴۵میل میں ہے تو ایک خط ۴۵میل اور دوسرا خط ۵۹۸میل سے زائد کیوں کر ہوسکتا ہے۔معاف کیجئے گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے محض ایک دھونس جمایا ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں کیا آپ بات کی صداقت پر روشنی ڈال سکتے ہیں؟''مولوی صاحب اپنا اعتراض پیش کرکے خاموش ہوگئے اور پرمسرت چہرے سے آزو بازو بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف دادطلب نگاہوں سے دیکھنے لگے۔بہر حال اب ہمارے جواب دینے کی باری تھی ہم نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیا کہ آپ تو اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ میں اس وقت ایک کانفرنس میں شرکت کی غرض سے آیا ہوں۔اس لئے اس دقیق مسئلہ کی تحقیق کے لیے آپ میرے دارالعلوم فیضیہ ایشی پور تشریف لائیے اور مہربانی کرکے اپنے ساتھ کسی ماہر ہندسہ داں کو لیتے آیئے انشاء المولیٰ وہاں آپ کو تسلی بخش جواب سے مطمئن کردیا جائے گا کہ یہ دھونس نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔علم ہندسہ کی وجہ سے ناواقفی کی وجہ سے آپ کی عقل میں یہ بات نہیں آئی۔اگر علم ہندسہ سے آپ واقف ہوتے تو آپ کو احساس ہوتا کہ مجدد مائۃ حاضرہ نے جو بات لکھی ہے وہ پتھر کی لکیر ہے،اور یہ بات لکھ کر ہم لوگوں پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔آدمی کچھ قاعدے کا تھا میرے بات سن کر دارالعلوم فیضیہ آنے کی ایک تاریخ طے کی اور پھر رخصت ہوگیا۔

اگرچہ میرا خیال تھا کہ وہ بار دیگر میرے پاس آنے کی زحمت نہیں کرے گا لیکن یہ گمان کرتے ہوئے کہ کوئی بھی یہ مسئلہ پھر دریافت کرسکتا ہے لہٰذا کانفرنس سے واپس دارالعلوم لوٹتے ہی ہم نے اس مسئلہ کے جملہ مبادیات ومقررات کو سمیٹ کر جمع کرلیا۔اور خلاف توقع جب وہ تاریخ متعینہ پر ایک آدمی کے ساتھ ہمارے دارالعلوم پہنچا تو مجھے قدرے حیرت ہوئی اپنے ساتھ لائے ہوئے آدمی کا تعارف کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ آپ انجینئر اور علم ہندسہ کے ماہر ہیں۔اخلاقی تواضع کرنے کے بعد ہم نے ان کے سامنے وہ محاسبات پیش کرکے ان کو ہکا بکا کردیا کہ امام احمد رضا نے جو یہ فرمایا ہے وہ سوفی صد حق اور صحیح ہے افادہ عامہ کے لئے ہم ان مقررات مبادیات کو ذیل میں پیش کرکے اصل

مسئلہ کو واضح کررہے ہیں۔
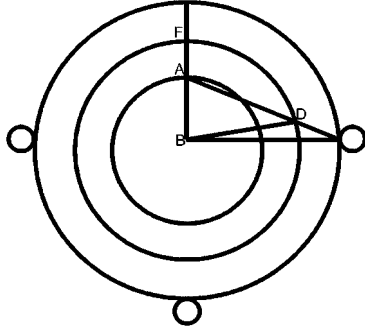
مبادیات ومقررات جو اس مسئلہ کے مبانی ہیں

AF=۴۵میل عالم نسیم یعنی کرۂ بخار کا ثخن۔

AB=۲۹۵۶ء۵۴۳میل نصف قطر ارض۔

BC=۹۲۹۰۰۰۰۰نوکروڑ اور انتیس لاکھ میل مرکز عالم تا مرکز شمس

BD=۴۰۰ء۵۴۳مرکز عالم تا سطح کرۂ بخار

AD=کرۂ بخار میں نظر کی وہ مسافت جسے معلوم کرنا ہے۔

یعنی یہی خط''ار'' ہے جسے امام احمد رضا نے پانچ سو اٹھانوے میل سے زائد بتایا ہے۔

۲۔مثلث قائم الزاویہ کے دو ضلع اگر معلوم ہوں تو تیسرا ضلع اس طرح معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اگر وتر اور ایک ضلع معلوم ہو تو وتر کے مربع سے ضلع معلوم کے مربع کو تفریق کرکے باقی کا جذر لیں۔یہی جذر مجہول ضلع کی مقدار ہے اور اگر دونوں ضلعے معلوم ہوں تو ان دونوں کے مربعوں کو جوڑ کر مجموعہ کا جذر لیں۔یہی جذر وتر مجہول کی مقدار ہے۔

۳۔کسی مثلث کے عمود کو بالمقابل زاویہ کا سائن کہتے ہیں یعنی اس اضافی قدر کو جسے عربی میں جیب کہتے ہیں اسی کو انگریزی میں عمود کے بالمقابل زاویہ کا سائن کہتے ہیں۔

۴۔علم مثلث سے ہر زاویہ کے سائن ثابت کرکے ایک سائن ٹیبل مرتب کیا گیا ہے جس سے کسی بھی زاویہ کا سائن معلوم کرکے اس زاویہ کی مقدار معلوم کی جاتی ہے۔اس ٹیبل میں درج ہے کہ اگر سائن ایک ہو تو زاویہ کی مقدار نوے ڈگری ہوگی یعنی وہ زاویہ قائمہ ہوگا۔

۵۔علم مثلث یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک نقطہ پر چھوٹا سا زاویہ بناتے ہوئے ایک ہی سمت میں جب دو خط طویل ایسے نکلے کہ انتہا پر ان دونوں کے درمیان معمولی دوری ہو تو حسابیات میں اس نقطہ کے زاویہ کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے اور ان دونوں خطوں کو نفس الامر میں غیر متوازی ہونے کے باوجود حسابیات میں متوازی تسلیم کر لیا جاتا ہے ان دونوں خطوں کے مابین معمولی دوری پر جو دو زاویئے بنتے ہیں ان میں سے ہر ایک کو قائمہ تسلیم کر لیا جاتا ہے جب کہ فی الواقع کسی بھی مثلث کے دو زاوے میں سے ہر ایک قائمہ نہیں ہو سکتے۔

۶۔اقلیدس میں ثابت ہے کہ مثلث متساوی الساقین کے قاعدے پر واقع دونوں زاویئے باہم برابر ہوتے ہیں۔

وہ معلومات جو بطور مبادیات ومقررات اوپر مندرج ہوئے اس کی روشنی میں ہم اپنے مطلوب تک اس طرح پہنچ سکتے ہیں۔مندرجہ بالا شکل میں ABC مثلث B زاویہ قائمہ ہے اس لئے اس مثلث قائم الزاویہ کا وتر یعنی AC کو مبادی ۲ کے مطابق ہم اس طرح معلوم کرتے ہیں۔

AC=√AB²+CB²=√(۳۹۵۶٫۵۴۳)²+(۹۲۹۰۰۰۰۰)²

=√۱۵۱۶۵۴۲۳۲٫۵۱۰۸۴۹+۸۶۳۰۴۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰=۹۲۹۰۰۰۰۰٫۰۸۴

نوٹ یہاں اعشاریہ کا حصہ چونکہ ایک ہزار حصوں میں سے صرف ۸۴ حصے ہیں اس لئے اسے کالعدم قرار دیا گیا اس لئے بعد اسقاط اعشاریہ AC=۹۲۹۰۰۰۰۰۔

اس لئے مبادی ۳ کے مطابق (sime A) یعنی زاویہ A کا سائن

= ۹۲۹۰۰۰۰۰ / ۹۲۹۰۰۰۰۰ = BC / AC

اس لئے مبادی ۴ کے مطابق زاویہ A کی مقدار=۹۰ یعنی نوے ڈگری ہے۔

اس نتیجہ تک مبادی ۵ سے بھی پہنچا جا سکتا ہے۔چونکہ خط AC اور BC دونوں مرکز شمس یعنی نقطۂ C کے پاس ایک چھوٹا سا زویہ بناتے ہوئے نو کروڑ انتیس لاکھ میل کی دوری پر زمینی قطر کے ایک کنارے پر ایک خط دوسرے کنارے پر دوسرا خط آ کر ملے ہیں اس لئے یہ دونوں خط غیر متوازی

ہونے کے باوجود متوازی مان لئے گئے اور نقطۂ C کے پاس کے زاویہ کو کالعدم قرار دے دیا گیا اس لئے A اور B پر ایک زاویہ قائمہ ہو گیا۔ بلکہ مبادی ۶ بھی اسی نتیجہ تک اس طرح رسائی ہو سکتی ہے کہ بعد اسقاط اعشاریہ یہ خط AC اور BC دونوں باہم برابر ہیں اس لئے اس کے قاعدے یعنی نصف قطر ارض پر دونوں زاویئے باہم برابر ہیں اور چونکہ زاویہ قائمہ ہے اس لئے زاویہ بھی قائمہ ہے۔بہر حال ماسبق بیانات سے یہ ثابت ہوا کہ A زاویہ قائمہ ہے۔

مندرجہ بالا شکل میں ایک دوسرا ABD مثلث ہے جس کے دو ضلعے یعنی AB اور BD کی مقدار مقررات سے معلوم ہے اور اس مثلث کا زاویہ A کا قائمہ ہونا بھی سبق سے معلوم ہے اس لئے اس مثلث کا قائمہ الزاویہ کے AD ضلع کو ہم مبادی ۲ سے اس طرح معلوم کر سکتے ہیں

AD=√DB+AB= (۴۰۰۱٫۵۴۳)-(۳۹۵۶٫۵۴۳)

=√۱۶۰۱۲۳۴٫۳۸۰۸۴۹-۱۵۶۵۴۲۳۲٫۵۱۰۸۴۹=

√۳۵۸۱۱۳٫۸۷=۵۹۸٫۴۲۶۱۶-

یعنی خط AD جو کرۂ بخار میں نظر کی مسافت ہے وہ مندرجہ بالا قاعدہ سے معلوم ہو گیا کہ اس کی مقدار پانچ سو اٹھانوے میل سے لگ بھگ آدھا میل زائد ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کے محاسبات کو میں اپنے الفاظ میں پیش کر رہا تھا اور بارگاہ بگاہ نظر اٹھا کر اپنے دونوں مخاطب کو بھی دیکھ رہا تھا انجینئر صاحب کے چہرے پر طمانیت اور لبوں پر تبسم تھا لیکن مولوی صاحب کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔میری فراست یہ فیصلہ نہ کر سکی کہ یہ ہوائیاں خود ان کی اپنی جہالت کی وجہ سے تھی یا امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کے رعب کا اثر تھا۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مارچ ۱۹۹۷ء)

علم ہندسہ پر امام احمد رضا کی نقد ونظر

علم ریاضی اور بالخصوص علم ہندسہ ایسا علم ہے کہ جس کے شبستان میں وثوق یقین کا جلتا ہوا چراغ کبھی بجھتا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے علوم عقلیہ خواہ طبعیات ہوں یا الھیات اپنے فلسفیانہ استدلال کی وجہ سے کتنے ہی ٹھوس کیوں نہ محسوس ہوں لیکن کبھی کبھی وقت کی عبقری شخصیت اسے متزلزل کر ہی دیتی ہے۔ اور پھر دل پکار اٹھتا ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

لیکن علم ریاضی کا تنومند شعبۂ ہندسہ وحساب ہر دور میں چٹان کی طرح ایک چیلنج بن کر بڑی بڑی شخصیات سے اپنا لوہا منوا تا رہا وقت کی عظیم شخصیتیں آنکھیں بھر کر ان دونوں کے جمال جہاں آرا کا نظارہ تو کر سکیں لیکن کبھی بھی انہیں آنکھیں نہ دکھا سکیں لیکن امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان نے ان کے بھی بعض مسائل پر ایسی جرح وتنقید فرمائی ہے جس کی وجہ سے وہ بھی کہیں کہیں دم توڑتا نظر آتا ہے۔ اور اپنے عقیدت کیش سے تعاون کی فریاد کرتا ہے۔ کاش کوئی ان کی فریاد رسی کا بیڑا اٹھالے۔ آیئے ہم اور آپ امام احمد رضا کی عالمانہ جرأت کا مشاہدہ کریں۔

علم ہندسہ کے مقالۂ دوم میں ایک دعویٰ ہے کہ ہر خط کی ایسے دو حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے کہ جزا کبر کا مربع اس کے جز اصغر اور کل کے حاصل ضرب کے برابر ہو'' یہ مقالہ دوم کی گیارہویں شکل ہے۔ مہندسین نے اس دعویٰ کے اثبات کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے۔

(۱) پہلے اس کی ساخت اور بناوٹ بتائی گئی ہے کہ وہ خط مفروض جسے ہمیں مندرجہ بالا شرط پر تقسیم کرنا ہے۔ اسے ہم خط اب مان لیتے ہیں اور پھر اس خط پر ایک مربع اب ءح بناتے ہیں۔ اور پھر اس مربع کے زاویہ ب سے خط اح کے ٹھیک نصف پر خط ب ہ اس طرح کھینچتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ہ اب مثلث قائم الزاویہ بن جائے اور پھر خط ہ ا کو نقطۂ ز تک بڑھا کر ب ہ کے مساوی کرتے ہیں۔ اب پھر خط از پر ایک مربع از ع ط تیار کرتے ہیں۔ جس میں خط ع ط کو کھینچ کر سابق مربع کو کاٹتے ہوئے ک تک پہنچا دیتے ہیں۔ تو مفروضہ خط اب نقطۂ ط پر مندرجہ بالا شرط پر منقسم ہو جائے گ۔ ایعنی خط اط جزا کبر کا مربع خط اصغر اور کل یعنی ط ب × اب کے حاصل ضرب کے برابر ہو جائے گا۔ اور چونکہ خط اب اور خط ب ء دونوں ایک ہی مربع کے اضلاع ہیں اس لئے دونوں باہم برابر ہیں اس لئے از ع ط کا مربع سطح ط ب ء ک کے برابر ہے۔

(۲) اس ساخت اور بناوٹ کے بعد اس دعویٰ کے ثبوت پر مہندسین نے اس طرح استدلال قائم کیا ہے۔ کہ چونکہ خط ہ ب مثلث قائم الزاویہ ہ اب کا وتر ہے اس لئے بشکل عروس خط ب ہ کا مربع، خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کے مجموعہ برابر ہوگا اور چونکہ باعتبار ساخت خط ہ ز خط ب ہ کے برابر ہے اس لئے اس کا بھی مربع خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہوگا (اسے محفوظ

اول سمجھیں)

شکل عروفی کے دعویٰ کا الجبرائی اثبات

مقالہ اولیٰ کو ۴۷ ویں شکل میں یہ دعویٰ ہے کہ مثلث قائم الزاویہ کے وتر کا مربع باقی دونوں ضلعوں کے مربعوں کے برابر ہوتا ہے۔

اس کا الجبرائی اثبات یہ ہے کہ ہم نے مثلث قائم الزاویہ ABC کے زاویہ قائمہ A کے وتر BC پر AD عمود ڈالا جو مقالہ سادسہ کی اٹھویں شکل کی رو سے مثلث کو دو ایسے مثلثوں میں تقسیم کر دیا جن میں ہر ایک باہم متناسب اور اسی طرح ہر ایک کل سے بھی متناسب ہے اور (BD+DC=BC) ہے اس لئے

$$\because \frac{AB}{BC} : \frac{BD}{AB} \qquad \therefore AB^2 = BC.\,BD$$

$$\because \frac{AC}{BC} : \frac{DC}{AC} \qquad \therefore AC^2 = BC.\,DC$$

$$\because AB^2 + AC^2 = BC.\,BD + BC.DC$$

$$\because \;//\quad // \;= BC\,(BD+DC)$$

$$\because \;//\quad // \;= BC^2$$

اور پھر چونکہ مقالہ دوم ہی کی چھٹی شکل میں یہ بھی ثابت ہے کہ کسی مقدار کے نصف پر اگر کچھ مقدار اور بڑھا دیا جائے تو نصف مع زائد کا مربع کل مع زائد اور زائد کے حاصل ضرب اور نصف کے مربع کے مجموعہ کے برابر ہوتا ہے'' مثلا ہم نے ۱۰/ کے دو نصف ۵,۵ کئے اور پھر نصف پر ۳ زائد کئے

تو نصف مع زائد یعنی ۸ کا مربع ۶۴ از رکل مع زائد یعنی ۱۳/ اور زائد یعنی ۳ کا حاصل ضرب ۳۹ اور نصف یعنی ۵ کلو مربع ۲۵ کا مجموعہ بھی وہی ۶۴ ہی ہوگا۔ لہٰذا بناوٹ کے اعتبار سے خط عٓ ا یہ ہے، خط ہ ا نصف اور خط ا ز زائد ہے۔ اور خط ہٓ ز نصف مع زائد ہے اور خط حٓ ز کل مع زائد ہے۔ اور چونکہ خط ا ز اور ز ع دونوں ایک ہی مربع کے اضلاع ہیں اس لئے ز ع بھی زائد کے برابر ہے۔ لہٰذا مقالہ دوم کی چھٹی شکل کی رو سے خط ہ ز کا مربع خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کے برابر ہے اور محفوظ ثانی میں اسی خط ہ ز کا مربع۔ خطح ز ا اور خط ز ع کے حاصل ضرب اور خط ہ ا کے مربع کے مجموعہ کے برابر ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ (خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کا مجموعہ) یقیناً (خط ز ا اور خط ز ع کے حاصل ضرب اور خط ہ ا کے مربع کے مجموعہ) کے برابر ہے۔ خط ہ ا کا مربع ان دونوں برابر مقداروں میں مشترک ہے اس لئے اگر دونوں مقداروں سے خط ہ ا کا مربع ان دونوں برابر مقداروں میں مشترک ہے اس لئے اگر دونوں مقداروں سے خط ہ ا کا مربع ساقط کر دیں تب بھی باقی ماندہ مقدار برابر ہی رہیں گے۔ لہٰذا خط اب کا مربع یقیناً خط ح ز اور خط ز ع کے حاصل ضرب کے برابر ہے۔ اب ذرا بنی ہوئی شکل کی طرف دھیان دیں کہ خط اب کے مربع اور خط ح ز اور خط ز ع سے حاصل شدہ سطح (یعنی حاصل ضرب) میں سطح اط ک ح چونکہ مشترک ہے اس لئے اسکو دونوں سے ساقط کرنے پر باقی یعنی از ع ط کا مربع اور ط ب اک کی سطح برابر ہو گئے۔ لہٰذا اب ثابت ہو گیا کہ خط اب نقطہ ''ط'' پر ایسا منقسم ہو گیا کہ اط کا مربع اور خط ب ط و خط ب ء کا حاصل ضرب دونوں ہی باہم برابر ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ (۱) خط ہ ب اور ہ ز باعتبار ساخت اور فرض برابر ہے (۲) شکل عروسی سے خط ہ بہ کا مربع خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہے اس لئے خط ہ ز کا مربع بھی خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہے۔ (۳) مقالہ دوم کی چھٹی شکل سے اسی خط ہ ز کا مربع خط ح ز خط ز ع کی سطح اور خط ا ہ کا مربع ساقط کرنے پر باقی خط اب کا مربع اور خط ح ا× خط ز ع کی سطح بھی برابر ہے اور باعتبار ملاحظہ شکل ان دونوں باقی ماندہ مربع اور سطح سے اگر ان میں مشترک حصہ سطح اط ک ح ساقط کر دیا جائے تو باقی خط اط کا مربع اور خط ط ب × ب ء کی سطح بھی برابر ہے۔ یہی دعویٰ تھا جو ثابت ہو گیا۔

اس پر امام احمد رضا نے یوں جرح فرمائی کہ ہم نے خط اب کو ''ہ'' اور اس کے نقطہ ''ط'' پر منقسم ہوجانے پر قسم اکبر کو ''ء'' رض کیا تو قسم اصغر لامحالہ (لا۔ء) ہوئی۔ ماسبق میں علم ہندسہ سے ثابت شدہ امر کے پیش نظر مساوات یوں ہوگی۔ ء۔ (لا۔ء) لایعنی ء= (لا۔لاء) بجز ومقابلہ مساوات یوں ہوجائے ی ء+ لاء= لا اس لئے تکمیل مجزور میں صورت یوں ہوجائے گی (ء+ لاء + لا۲/۴) یعنی ۵لا۲/۴ اور یہ مربع کامل ہے کہ مربع کامل کے برابر ہے۔ اور اقلیدس کے مقالہ ۹ کی شکل اول سے ثابت ہے کہ مربع کو مربع میں ضرب دینے یا مربع پر تقسیم کرنے سے بھی مربع کامل حاصل ہوتا ہے تو ۴/لا نیز اسی شکل نے ثبوت دیا ہے کہ مربع کامل کو جس میں ضرب دیئے یا جس پر تقسیم کئے سے مربع کامل حاصل ہو وہ مضروب فیہ یا مقسوم علیہ بھی مربع کامل ہوتا ہے یہاں لا۲/۴ کو ۵ میں ضرب دینے سے مربع کامل حاصل ہوا۔ تو واجب ہے ۵ بھی مربع کامل ہوا اور یہ بدیہی البطلان ہے۔

بوجہ دیگر قسم اصغر کو ''ء'' فرض کیجئے تو اکبر لا۔ء ہے اور مساوات یہ ہوگی لاء = (لا۔ء)= (لا۔لاء+ء) بجز ومقابلہ (لا۔لاء+ء)= صغر بلکہ لا۔ لاء= بتکمیل مجذور (لا۔ لاء+ ء۲/۴) = (ء۲/۴۔ء)= ء۳/۴ یہاں دو استحالے ہوئے ایک تو بدستور تین کا مجذور کامل ہونا۔ دوسرے منفی کا مجذور ہان حالانکہ کوئی منفی مجذور نہیں ہوسکتا کہ اس کا جذر مثبت ہو یا منفی بہر حال اس کے نفس میں حاصل ضرب آئے گا کہ اثبات کا اثبات یا اثبات کی منفی نفی ہے۔ مگر مجذور میں اس کا امکان نہیں کہ مضروبین میں تبدل منفی واثبات سے شی کی ضرب اس کے نفس میں نہ ہوئی۔

امام احمد رضا آخر میں فرماتے ہیں ''ولہ جواب ترکناہ للاختبار'' لیکن آج تک یہ جواب پردۂ خفا میں ہے۔ اے کاش کوئی خواب سے اس پردہ کو ہٹاتا۔

(ماہنامہ اشرفیہ دسمبر ۱۹۹۵ء)

مائیکروفون

مائیکروفون کا کلمہ آواز کی لہر کو برقی لہر میں یا برقی لہر کو آواز کی لہر میں بدلنا ہے لہٰذا مائیکروفون ایک توانائی کو بدلنے کا آلہ ہے جو آواز کی لہر کی عام توانائی کو برقی لہر میں بدل دیتا ہے۔ مائیکروفون کے اندر بنے ڈائفرام سے آواز کی لہر ٹکراتی ہے تو اس میں ارتعاش پیدا ہوتی ہے۔ جس میں فضائی توانائی پھر سے پیدا ہوتی ہے۔

مائیکروفون کی صلاحیت مختلف قسم کی صلاحیتوں کی آواز کی لہر کو برقی لہر میں بدلنے کی اپنی امتیازی خصوصی ہے۔

مائیکروفون کے کام کرنے کی قوت اس کے مختلف قسموں پر منحصر کرتی ہے ایک اچھا مائیکروفون لگ بھگ ۲۰۶ سے ۳ میل کی دوری سے آواز کی لہر پکڑ لیتا ہے۔

مشہور مائیکروفون چند قسموں پر ہے۔

(۱) کاربن مائیکروفون

(۲) ٹمنک مائیکروفون

(۳) ربن مائیکروفون

(۴) کرسٹل مائیکروفون

(۵) کیپسٹر مائیکروفون

(۱) کاربن مائیکروفون:۔ اس میں کاربن ریزہ یادانہ۔ ہونے کی وجہ سے اسے کاربن مائیکروفون کہتے ہیں اس میں ایک عدد رو کے موصل دھات کا کپ ہوتا ہے جسے بٹن کہتے ہیں جنہیں (گرینول) کہتے ہیں۔ اس کے ایک سطح پر دھات کا ایک ڈائفرام یا پردہ ہوتا ہے۔ جب آواز کی لہریں پردہ سے ٹکراتی ہیں تو ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ڈائفرام میں حرکت ہونے لگتی ہے۔ ڈائفرام آگے پیچھے ہٹنے لگتا ہے۔ جب ڈائفرام کپ میں لگے کاربن گرینول سے ٹکراتا ہے تو وہ دبتے ہیں جن سے ان کا حجم کم ہوجاتا ہے۔ لیکن جب ڈائفرام اپنی پہلی شکل میں واپس آتا ہے تو گرینوں پھیل جاتے ہیں اور ان کا حجم بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح حجم کے گھٹنے بڑھنے سے برقی رو بھی اسی مناسبت سے بہتی ہے۔ اس رو کو ٹرانسفارمر میں بھیجد یا جاتا ہے اس مائیکروفون کی صلاحیت کافی کم ہوتی ہے اسی لئے آواز صاف سنائی نہیں دیتی ہے اور شور ہونے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تیز آواز سے اس کے کاربن گرینوں میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔

اس کا Matbut لگ بھگ ۵۰۱ سے ۵۰۳ وولٹ ہوتا ہے، اس کی پرتبدھا آرتی ۱۰۰۰/ سینٹی میٹر فی سکینڈ پر ۲۰۰ اوم ہوتی ہے اس طرح کے مائیکروفون کا زیادہ تر استعمال ٹیلیفون میں ہوتا ہے۔

(۲) ڈائنمک مائیکروفون:۔ اسے گھومنے والا مائیکروفون بھی کہتے ہیں اس میں انگریزی کے حرف ''i'' کی شکل کا ایک چنبک لگا ہوتا ہے۔ جس کے دونوں سروں کے بیچ میں ایک گھومنے والی کنڈلی لگی ہوتی ہے کنڈلی اس طرح لگی ہوتی ہے کہ وہ آزادہ طور پر گھوم سکے کنڈلی کے ٹھیک سامنے ڈائفرام ہوتا ہے۔ جب آواز کی لہر ڈائفرام سے ٹکراتی ہے۔ تو اس میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے کنڈلی کے چاروں طرف میگنٹک فیلڈ (یعنی وہ علاقہ جہاں تک چمبک کا اثر ہو) بن جاتا ہے۔ کنڈلی کے گھومے سے اس میں برقی رو بہنے لگتی ہے۔ (اسے بدلنے والی رو بھی کہتے ہیں) جسے ٹرانسفامر کو دے دیا جاتا ہے۔ اس کے کام کرنے کی آورق ۸۰ سے ۱۰,۰۰۰/ سینٹی میٹر فی سینکڈ ہوتی

ہوتی ہے۔ اس کی صلاحیت کنڈلی کے ذریعہ لگائے گئے چکروں کی مقدار، کنڈلی کی شکل اور۔۔۔۔ کی صلاحیت پر منحصر کرتی ہے۔ اس کی پرآواز ۱۰۰۰/ سینٹی میٹر فی سیکنڈ پر ۴۰ وم ہوتی ہے یہ دوسروں کے مقابلے میں اچھا مائیکروفون ہے۔

(۳) ربن مائیکروفون:۔ یہ تقریباً ڈائنمک مائیکروفون کے مثل ہی ہوتا ہے، مگر اس میں گھومنے والی کنڈلی کی جگہ پر المونیم دھات کا ایک پتلا ربن لگا ہوتا ہے۔ جس گھومنے سے اس میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے جس سے بدلی ہوئی رو بہنے لگتی ہے۔ اس کی کام کرنے کی آورتی ۳۰ سے ۱۲۰۰۰/ سینٹی میٹر فی سکینڈ ہوتی ہے۔

(۴) کرسٹل مائیکروفون:۔ اس کے کام کرنے کا طریقہ کاربن مائیکروفون کے مثل ہے۔ لیکن اس میں پوٹاشیم ٹارٹاریٹ کے دانے اس استعمال کئے جاتے ہیں۔ جب دھاتوں کی دو پلیٹوں کے درمیان کوئی دانہ رکھ کر اس پر دباؤ ڈالا جاتا ہے تو بدلی ہوئی رو بہنے لگتی ہے۔ اس مائیکروفون میں پوٹاشیم ٹارٹاریٹدانے کو دو جھوٹے اور پتلے پلیٹوں کے بیچ رکھ کر پلیٹوں کے بیچ میں حرارت پیدا کردیتے ہیں، پلیٹوں کے بیچ ایک جانب ڈائفرام ہوتا ہے جو پٹاشیم ٹارٹاریٹ کے کرسٹل پن کی مدد سے جڑا رہتا ہے۔ جب آواز کی لہریں ڈائفرام سے ٹکراتی ہیں تو ڈائفرام کی حرکت سے کرسٹل پلیٹوں پر بدلنے والا دباؤ لگتا ہے۔ اس کے کام کرنے کی آورتی ۵۰ سے ۱۰,۰۰۰/ سینٹی میٹر فی سکینڈ ہوتی ہے۔ اس مائیکروفون کی پرتبادھا آورتی زیادہ ہونے کی وجہ سے بیٹری اور ٹرانسفارمر کی ضرورت نہیں ہوتی ایسے مائیکروفون گرم آب وہوا والے علاقوں میں استعمال نہیں کئے جاتے کیونکہ اس پر گرمی اور نمی کا بہت جلد اثر پڑتا ہے۔

(۵) یہ کیپیٹر کے اصول پر ہی کام کرتا ہے۔ اس کی آورتی لگ بھگ ۲۰۰۔۱۰,۰۰۰/ ہوتی ہے اس کی پرتبادھا آورتی زیادہ ہونے کی وجہ سے اس میں ٹرانسفامر کی ضرورت نہیں ہوتی، اس میں المونیم کی دو پلیٹیں ہوتی ہیں، جنہیں ایک پلیٹ چھید کی ہوتی ہے، اور دوسری پتلی پلیٹ ڈائفرام کا کام کرتی ہے۔ دونوں پلیٹوں کے بیچ کی ہوا برقی رو کا کام کرتی ہے۔ جب آواز کی لہریں ڈائفرام سے ٹکراتی ہیں تو اس میں ارتعاش ہوتا ہے۔ جس سے پلیٹوں کے بیچ کی دوری گھٹتی بڑھتی ہے اور زیادہ حجم

پیادا ہونے سے ان کے بیچ برقی رو بہنے لگتی ہے۔اس کی کام کرنے کی آورتی عموماً ۴۰ سے ۱۱,۰۰۰ رسینٹی میٹر فی سکینڈ ہوتی ہے۔ اس کی پرتبادھا اورتی ۱۰۰۰ رسینٹی میٹر فی سکینڈ پر ۵ اوم ہوتی ہے اس مائیکروفون کی آواز بڑی صاف اوراچھی ہوتی ہے اس پرنمی کا جلد اثرنہیں پڑتا۔

(ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، ۱۹۸۸ء)

امام احمد رضا اور علم تکسیر

رب کریم اپنے فضل وکرم سے جب کسی بندہ کو کچھ عطا کرنا چاہتا ہے تو اپنی رحمت سے ان کو اتنا بخشتا ہے کہ بندہ کو تنگی دامان کی شکایت ہوجاتی ہے امام احمد رضا انہیں خوش نصیبوں میں سے ہیں۔ امام احمد رضا کو قدرت الٰہیہ نے علم وآگہی کا وہ وافر حصہ عطا فرمایا کہ وہ ہر میدان میں یکتا ومنفرد نظر آتا ہے۔وہ کونسا علم ہے کہ رب کریم نے انہیں نہیں بخشا اور وہ کونسا فن ہے کہ جس میں امام احمد رضا کے قلم نے اسرار پنہاں کی عقد کشائی نہیں کی؟ ہم جہاں کہیں بھی دیکھتے ہیں ہر بساط پر ان کا کھنکتا ہوا سکہ چلتا نظر آرہا ہے مگر افسوس کہ حوادث زمانہ نے ان کے بیشتر کارناموں کو اپنے میں چھپا کر ہم لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کردیا۔

۱۴۰۹ھ میں منعقد ہونے والے عرس کے موقع پر جب اخبار ''انقلاب'' بارگاہِ امام احمد رضا میں خراج عقیدت پیش کررہا تھا تو اس میں ایک مضمون بطور نمونہ امام احمد رضا کی تحریر کا عکس بھی پیش کیا گیا تھا یہ مدحقیر اسی مضمون اور اسی عکس کو لے کرارباب علم وفن کی بارگاہ میں حاضر ہے۔

اخبار انقلاب کا تراشہ پیش خدمت ہے۔

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

علم تکسیر کے راز دانوں کا بیان ہے کہ جب کسی آیت شریف یا اسم الٰہی کے اعداد بحسب الجمل حاصل کر کے نقوش ترتیب دیئے جاتے ہیں تو سطور، اضلاع اور قطروں کے اعتبار سے اس آیت قرآنیہ اور اسم الٰہی کے تاثیر میں کئی گونا اضافہ ہو جاتا ہے تا آنکہ مثلث کے تینوں سطور اور تینوں اضلاع اور دونوں قطروں کے لحاظ سے اس کی تاثیر آٹھ گونا اور مربع میں دس گونا اور مخمس میں بارہ گونا وعلیٰ ہذا القیاس۔ قوت تاثیر بڑھ جاتی ہے اسی لئے تعویذوں کے نقوش کو جو محبت والفت، عداوت ونفرت یا کسی اور مقصد کے لئے عطا کرتے ہیں تو اسے علم تکسیر کے اصول کے مطابق ترتیب دے کر شکل ہی میں ڈھال کر دیتے ہیں۔

امام احمد رضا کو اس فن میں بھی کافی مہارت تھی جیسا کہ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ یہاں 'اخبار انقلاب' میں ایک مخصوص نقش مثلث سے متعلق عکس تحریر موجود ہے اس لئے میں یہاں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگر موقع ملا تو دوسرے نقوش اور اشکال کے بارے میں انشاء المولیٰ آئندہ تحریر کروں گا۔ امام احمد رضا کی یہ تحریر عربی زبان میں ہے اس لئے میں اس کے ایک ایک حصہ کا مطلب خیز ترجمہ کرتا جاؤں گا اور ساتھ ہی اس کی تھوڑی تشریح بھی کرتا جاؤں گا تا کہ قارئین کے لئے مفید ہو سکے۔

امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں'' اذا اردت ان تصع آیة . تا . فاقسمه علیٰ ثلثة '' جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی آیت کریمہ اسمائے الٰہی میں سے کسی اسم شریف یا اور کسی چیز کا نقش مثلث تیار کرنا ہو تو اولاً بحساب جمل اس کے عدد نکال کر ان میں سے بارہ عدد کو تفریق کر لیں اور پھر باقی ماندہ کو تین پر تقسیم کر لیں۔

یہاں فن تکسیر کے مطابق کچھ تشریح کرنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کسی بھی نقش کو تیار کرنے میں چند چیزیں بنیادی ہیں۔ (۱) عدد عدل (۲) عدد مطروحہ (۳) عدد مخلصہ (۴) عدد اولیٰ۔

(۱) آپ جو نقش بھی تیار کرنا چاہیں اس کے سطر میں جتنے خانے ہوں اس کے مربع میں ایک جمع کر کے جذر المربع کے نصف سے ضرب کر دیں حاصل ضرب عدد عدلی ہوگا۔ مثلاً مثلث تیار کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ مثلث کی سطر میں تین خانے ہوتے ہیں اس لئے ۳×۳=۹+۱=۱۰۔ کو ۳/۲ سے ضرب کر دیا تو ۱۵/حاصل ہوا لہٰذا مثلث کا عدد عدل ۱۵/ ہے۔ اسی طرح اگر ہم مربع تیار کرنا چاہیں تو ۴×۴+۱=۱۷ کو ۴/۲ یعنی دو سے ضرب کیا تو حاصل ۳۴ ہوا لہٰذا نقش مربع کا عدد عدل ۳۴ ہے۔ وہکذا فی المخمس والمسدس وغیر ذالک۔

(۲) اور اگر نقش کے خانوں کے مربع سے ایک تفریق کر کے جذر المربع کے نصف سے ضرب دیں تو حاصل ضرب عدد مطروحہ ہوگا۔ مثلاً ۳×۳-۱=۸×۳/۲=۱۲۔ ہوا لہٰذا مثلث کا عدد مطروحہ ۱۲/ ہے اور اگر شکل مربع میں عدد مطروحہ چاہیں تو ۴×۴=۱۶-۱=۱۵+۴/۳=۳۰ ہوا لہٰذا شکل مربع کا عدد مطروحہ ۳۰ ہوا۔

ہکذا وہکذا فی المخمس والمسدس وغیر ذالک۔

(۳) جس آیت کریمہ یا اسم شریف کا نقش تیار کرنا ہے۔ اس کے عدد وجمل میں سے عدد مطروحہ تفریق کرنے پر جو باقی ہوا سے عدد محصلہ کہتے ہیں۔ مثلاً اسم حوا کے اعداد وجمل ۱۵/ ہیں اس میں سے مثلث کے عدد مطروحہ ۱۲/ کو تفریق کیا تو باقی تین رہے یہ تین عدد محصلہ ہے۔

(۴) عدد محصلہ کو سطر کے خانوں سے تقسیم کرنے پر جو حاصل ہوا سے عدد اولیٰ کہتے ہیں مثلاً اسم حوا کے عدد محصلہ ۳ کو مثلث کے خانہ سطر تین پر تقسیم کیا تو ایک حاصل ہوا۔ لہٰذا اسم حوا کا مثلث تیار کرنے کی صورت میں پانچ باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) اسم حوا کا عدد وجمل جو پندرہ ہے۔ (۲) اس کا عدد عدل جو خود بھی ۱۵/ ہے (۳) عدد مطروحہ جو ۱۲/ ہے (۴) عدد محصلہ جو ۳ ہے (۵) عدد اولیٰ جو ایک ہے اس لئے کسی بھی نقش کو تیار کرنے میں یہ ضروری ہے کہ آیت یا اسم کا عدد وجمل عدد عدل سے کم نہ ہو ورنہ نقش تیار نہیں ہو سکتا۔ نقش کے خانہ پری کے وقت خانہ مفتاح میں اسی عدد اولیٰ کو اولاً وضع کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا ضابطوں کے بعد امام احمد رضا کے فرمان کا سمجھنا سہل ہو گیا۔ چونکہ آپ مثلث کا

قاعدہ بیان فرما رہے ہیں۔اس لئے حسب ضابطہ آیت کریمہ یا اسم کے اعداد وجمل میں سے عدد مطروحہ یعنی ۱۲ کو تفریق کرنا پڑے گا۔اور پھر باقی آئندہ کو خانہ سطر یعنی ۳ پر تقسیم کرنا ہوگا تا کہ حاصل قسمت عدد اولیٰ ہو۔اور اسی عدد اولیٰ سے خانہ پری کا کام شروع ہوتا ہے۔اس لئے امام احمد رضا فرماتے ہیں ''ثم ابدا بهذا المثلث وزد۔تا۔حتیٰ یتم المثلث'' یعنی اسی عدد اولیٰ سے خانہ پری شروع کردو۔اور ایک ایک عدد بڑھتے چلے جاؤ۔یہاں تک کہ مثلث تام اور مکمل ہو جائے۔

مثلث میں چونکہ کل نو خانے ہوتے ہیں، اس لئے اس کی تعیین ضروری ہے کہ مفتاح کس خانہ کو قرار دیں۔اور خانہ پری کا آغاز کہاں سے کیا جائے۔اسی امر کی تفہیم کے لئے آگے ارشاد ہے ''لہ تسع بیوت کل سطر منہ۔تا۔فلک ان تبدأ من آیۃ ہذہ البیوت الاربعۃ شئت''

جس کی تشریح یہ ہے کہ مثلث میں دائیں سے بائیں تین خانے ہیں ان کو سطور کہتے ہیں۔

	ناری	
ہوائی	قطب	بائی
	ترابی	

اور اوپر سے نیچے بھی تین تین خانے ہیں۔جس کو اضلاع کہتے ہیں۔اور آڑے ترچھے خانوں کو جو ایک زاویہ سے اس کے بالمقابل زاویہ تک جاتے ہیں قطران کہتے ہیں اس خانوں میں سے جس خانہ سے پری کا کام شروع ہوتا ہے اس خانہ کو مفتاح اور جس خانہ پر کام تمام ہوتا ہے اس کو مغلاق کہتے ہیں اور جو خانہ شکل مذکورہ میں بالکل وسط میں ہے اس کو قطب اور پہلی سطر کے خانہ وسطی کو ناری اور تیسری سطر کے خانہ وسطی کو ترابی کہتے ہیں اور دائیں ضلع کے وسطی خانہ کو ہوائی اور بائیں ضلع کے وسطی خانہ کو مائی کہتے ہیں۔مثلث میں خانہ پری ہمیشہ انہیں چار خانوں سے میں کسی ایک خانہ سے ہوتا ہے خواہ ناری ہو یا ترابی۔خواہ ہوائی سے مائی سے۔الحاصل انہیں چار خانوں میں سے کوئی مفتاح قرار پاتا ہے۔

آگے ارشاد ہے۔اذا عینت المبداء فسر منہ اللثانی الخ۔اس کی تشریح یہ ہے کہ کسی بھی شکل کو مکمل کرنے کے لئے خانہ پری کا ایک دستور یعنی مفتاح سے مغلاق تک پہنچنے کا اصول ہوتا ہے اسی

اصول کا نام سیر ہے۔شطرنج سے دلچسپی رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ بساط شطرنج میں جتنے قسم کے مہرے ہوتے ہیں ہر قسم کی چال جداگانہ ہوتی ہے۔فرزین، رخ، اسپ فیل وغیرہ سب کی چالیں علاحدہ علاحدہ ہوتی ہیں۔علم تکسیر میں انہیں چالوں سے خانہ پری کی خاتی ہے۔نقش مثلث میں رفتار کے ضبط کے کسی شاعر نے کہا ہے

دو اسپ ورخ دو فرزیں باز رخ گیر
دو اسپ آخر مثلث راست تصویر

امام احمد رضا نے اپنے مضمون کے اس آخر حصہ میں اسی چال اور رفتار کی وضاحت کی ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خانہ مفتاح سے دوسرا خانہ وہ ہوگا جو اسپ کی چال پر واقع ہو، اور پھر تیسرا خانہ بھی ہوگا جو پھر اسپ کی چال پر واقع ہو۔اور چوتھا خانہ وہ جو رخ کی چال اور آٹھواں اور نواں خانہ اسپ کی چال پر واقع ہو۔افسوس کہ امام احمد رضا کی تحریر کے اس عکس میں عبارت ومن الرابع الی الخامس تک ملتا ہے۔آگے اس عکس میں موجود نہیں۔الغرض مشاعرے مثلث کی چال کو شعر میں درج کیا ہے۔امام احمد رضا نے اسی کو اپنے نثری کلام میں تحریر فرمایا ہے۔

نوٹ عدد اولیٰ حاصل کرتے وقت بسا اوقات کسر بھی واقع ہوتی ہے۔اس کے رفع کے لئے علم تکسیر میں ایک مخصوص ضابطہ ہے جو اس عکس میں مذکور نہیں۔اس لئے یہ بندۂ ناچیز بھی اس سے صرف نظر کرتا ہے۔

ردروافض اورحافظ بخاری

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پرارشادفرمایاکہ " **ستفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلھم فی النار الا ملة واحدا** ''یعنی میری امت تہترفرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے ایک جنتی ہوگا باقی فرقے جہنمی۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا۔یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ جنتی فرقہ کون ساہوگا۔نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایایہ وہ فرقہ ہوگا جو **ما انا علیہ واصحابی** پرقائم رہے گا یعنی وہ فرقہ جو ہمارے اسوۂ حسنہ کا پابنداوراور ہمارے صحابہ کے طرزعمل پرقائم رہے گا فرمان نبوی کے مطابق بہت سے وہ فرقے جوناری تھے انہوں نے اس دنیامیں جنم لیااورختم ہوگئے جیسے معتزلہ،جبریہ،قدریہ،مرجیہ وغیرہ انہیں فناپذیرفرقوں میں شامل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اورصحابۂ کرام کے طرزعمل سے ہٹ کرمحض نفس پرستی کی خاطرایک نیادستورالعمل تیارکرکے اس پر چلنے والی برادری جوآج بھی زندہ ہے اسے دنیا شیعہ برادری کے نام سے جانتی ہے۔حب پنجتن پاک،حب حسنین کریمین،حب علی،حب فاطمہ کے

جھوٹے نعروں سے اپنی محافل کوگرماتی اوربھولے بھالے مسلمانوں کوفریب دیتی رہتی ہے یہ جماعت نہ تواعتقادمیں ٹھیک ٹھاک اورنہ عملیات میں درست۔ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ خدائے تعالیٰ کوکھوکھل مانتے،حضرت آدم کوحاسدقراردیتے،رسول کریم کوچاندکا سیاہ دھبہ مانتے حضرت علی کومچھرکہتے،حضرت عباس رضی اللہ عنہ کومعاذاللہ ولدالزنا کہتے،حضرت عباس اورحضرت ابن عباس کودنیاوآخرت کااندھا کہتے،اورحضرت عقیل اورحضرت عباس کوذلیل وخوار کہتے اورحیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان باتوں کی حقانیت ظاہرکرنے کے لئے ان باتوں کوکہیں حضرت علی اورکہیں امام صادق کہیں امام جعفراور کہیں امام زین العابدین کہیں دوسرے ائمہ کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔

مسائل وفقہیات میں توان لوگوں نے ایسی ایسی باتیں لکھی ہیں کہ ان اسلام جیسے پاکیزہ اور مہذب مذہب میں ان باتوں کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ سچ پوچھئے تویہ باتیں انسانیت کے بھی خلاف ہیں مثلاً

(۱) سُورکی چربی اورشراب سے آلودہ کپڑوں میں نمازدرست ہے۔
(۲) گوبری روٹی دھوکرکھانے سے آدمی واجبی طورپرجنت ہوجائے گا۔
(۳) سورکی کھال کاڈھول بناکراس سے پانی نکال کرپینااوردوسری ضروریات پوری کرنا صحیح ہے۔
(۴) جوٹوپی،عمامہ یاموزہ پیشاب منی،خون یاپاخانہ سے آلودہ ہوگئے ہوں توانہیں پہن کر نمازپڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ان کے علاوہ ایسی ایسی گندگی اورگھن کے جواز کے قائلین دونوں کا وجودکالعدم ہوکررہ جاتا ہے۔وہ آیت اوراس کی تلخیص وتوضیح وتشریح ذیل میں درج ہے،ملاحظہ فرمائیں۔

فما استمتعتم به منھم فاتوھن اجورھن فریضة ''حضرت مصنف علیہ الرحمہ آیت مذکورہ کی تشریح میں اس کے ماسبق اور مالحق سے تعلق ثابت کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ مذکورہ آیت آیات ماسبق پرمتفرع ہے اس لئے کہ اس پرحرف فا(برائے تفریع) داخل ہے تو

اس آیت کو ماقبل سے جدا کرنا اور اس کے الگ حکم جو ماقبل اور مابعد کے مغائر ہو نکالنا خلاف عربیت اور خلاف ادبیت ہے''

اے مسلمانوں یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے **حرمت علیکم امهاتکم** سے **الا ماملکت ایمانکم** تک محرمات کو بیان فرمایا اور احل لکم ماوراء ذلکم سے محرمات کے علاوہ حلال فرمایا۔ اور اس حلت کو دو قیدیوں کے ساتھ مقید کیا ہے۔ پہلی قید **ان تبتغوا باموالکم** ہے اور دوسری قید **محصنین غیر مصافحین** ہے۔

مطلب یہ کہ محرمات کے علاوہ جو عورتیں تم پر حلال ہیں ان میں دو قیدیں بھی ہیں اول یہ کہ اپنے مالوں کو ان کے نکاح پر خرچ کرو یعنی مہر اور نان ونفقہ دینا قبول کرو۔ دوسری یہ کہ ان عورتوں کو بیوی کی حیثیت سے رکھو صرف نفسانی خواہشات اور عیاشی کے لئے۔ پہلی قید سے تحلیل مطلب باطل ہے کیونکہ اس میں مالک فرج کی ممنونیت ومشکوریت کے علاوہ کچھ نہیں اور دوسری قید سے متعہ بالکل خارج اس لئے کہ اس میں احسان نہیں۔ ممنوعہ کا یہی وطیرہ یہ ہے کہ'' ہر ماہ یا پورے دو وہر سال درکنارے''۔

اب آگے حضرت مصنف علیہ الرحمہ شیعہ حضرات کی پیش کردہ آیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اس کے بعد آیت **فما استمتعتم به منهم فاتوهن اجورهن فريضة** کو ماسبق آیت پر متفرع فرمایا۔ یعنی جب ہم نے تمہارے لئے دو قیدیوں کے ساتھ عورتوں کو حلال کر دیا تو یہ کہ مہر ونفقہ ان کا ادا کرو اور دوسرے یہ کہ عیاشی اور مستی کے لئے نہ ہو بلکہ وہ عورت ہمیشہ کے لئے اس مرد کی ہو جائے بغیر اس کے چھوڑے نہ چھوٹ سکے پس اگر فائدہ حاصل کرو گے تو تم انہیں عورتوں سے جو تم پر حلال کی گئیں ہیں تو تم ان کا مقرر کردہ مہر ادا کرو۔

غور کیجئے اس آیت مبارکہ سے متعہ کا ثبوت کسی طرح نہیں ہوتا عرب کے محاورہ کے مطابق اردو محاورہ میں لفظ ''پس'' یا لفظ ''تو'' جو فاء تفریع کا ترجمہ ہے اپنے مابعد کو ماقبل پر متفرع کرتا ہے نہ

کہ متفرع علیہ کے مخالف ومبائن اصالۃً کوئی معنی ادا کرتا ہے۔

شیعہ حضرات کی اس دلیل کی دھجیاں اڑانے کے بعد حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے مزید اس پر بحثیں فرمائیں ہیں۔ اہل سنت و جماعت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ مذکورہ کتاب اس وقت کتابت وطباعت کے مراحل میں ہے اور بہت جلد مکتبہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی سے شائع ہوکر منظر عام پر آجائے گی۔

قارئین کرام یہ کتاب ارغام الشاطین بظاہر متعہ کے رد میں ہے مگر حقیقۃً جملہ اصول ومسائل شیعہ کی تردید نہایت واضح طور پر کی گئی ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

(پیام مظہر حق، اگست ۲۰۰۲ء)

حضرت مفتی اعظم ھند

بحیثیت شیخ طریقت

سر پہ تاج ہدیٰ، تن پہ نوری روا
نائب مصطفےٰ ظل غوث الوریٰ مفتی اعظم ہند کی بات کیا
دل میں یاد خدا، لب پہ صل علیٰ
شان خواجہ پیا، جان احمد رضا مفتی اعظم ہند کی بات کیا

وقت کی نابغۂ روزگار شخصیت اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ معتقدین کے جھرمٹ میں جلوہ افروز ہے کہ اچانک کسی نے ان کے نومولود ننھے منے بچے کو ان کی گود میں دے کر عرض کیا ”حضور! اپنے اس نونہال کے حق میں دعا خیر فرما دیں“ بچے کی کومل صورت پر نظر پڑتے ہی باپ کی نگاہ عاطفت میں محبت و پیار کی ہزاروں جوت جگمگا اٹھیں۔ اور سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے بچے کو

اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ حاضرین دیکھ رہے تھے کہ قطرہ سمندر میں ضم اور سمندر قطرے میں سمٹا جا رہا ہے۔ باپ کی نگاہ کہاں تھی معلوم نہیں لیکن زبان سے جاری ہونے والے کلمات واضح طور پر لوگوں کی سماعت کو فیض بخش رہے تھے میرا یہ بچہ مادر زاد ولی اور علم رسالت پناہ کا سمندر ہے۔

سامعین کو کیا معلوم کہ باپ کا یہ جملہ شفقت پدری کے جذبۂ صادق کی ترجمانی ہے یا لوح محفوظ کے مشاہدہ کا نتیجہ الفاظ ہوا کہ دوش پر مچل کر فضا میں تحلیل ہو گئے لیکن ان کے معانی لوگوں کے خزانۂ خیال میں محفوظ ہو گئے۔ حال ماضی میں بدل گیا اور مستقبل سامنے آتے گئے رفتہ رفتہ بچے کے سمائے فراست پر بزرگی کے آثار ظاہر ہوتے گئے، تا آنکہ ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ والد گرامی کی بشارت کا ایک ایک لفظ حق وصداقت کا پیکر بن کر دنیا کے سامنے آ گیا، یہ بچہ کون تھا؟ یہ بچہ وقت کے غوث العالم سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند اور باپ مملکت اہلسنت کی راجدھانی کے تخت نشیں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔

تاریخ وحالات پر مشتمل کتابیں گواہ ہیں کہ تاجدار اہلسنت سیدنا اعلیٰ حضرت اپنے پیر ومرشد کے میکدہ گنج اولیاء مارہرہ مطہرہ میں حاضر تھے۔ رات کا تین چوتھائی حصہ گزر چکا تھا۔ ساری کائنات محو استراحت تھی۔ امام احمد رضا آخر شب کی لذت سے ہمکنار ہونے کے لئے اپنے معمول کے مطابق مسجد کی طرف بڑھ رہے تھے، اسے اتفاق بلکہ حسن اتفاق کہیئے کہ راہ میں قطب ربانی حضرت شیخ ابوالحسن نوری میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی۔ جو خود بھی اپنی ہزار شان بندگی کے ساتھ مسجد کی جانب جا رہے تھے۔

دو پارۂ نور کے تصادم نگاہی نے تیسرے نور کے جنم کا ایک دوسرے کو پیغام دیا۔ یعنی ہر ایک نے آنکھوں آنکھوں اپنے اپنے رویائے صادقہ کی سرگزشت بیان فرمائی اس عطر النورین کا حاصل یہ تھا کہ امام احمد رضا کے دولت سرائے اقبال میں ایک چاند سے بچے کا تولد ہوا ہے۔ ولی کی بات ولی جانے۔ لیکن حاضرین نے دیکھا کہ نماز فجر کے بعد قطب ربانی حضرت شیخ نوری میاں صاحب نے وہیں اسی حال میں اس نوزائیدہ بچے کی بیعت لی اور غائبانہ طور پر خلعت واجازت سے سرفراز فرمایا۔

کیا حضرت نوری میاں صاحب حال کے جھروکے سے مستقبل کو جھانک رہے تھے؟ گویہ

بات اس وقت صیغۂ راز میں رہی لیکن آنے والے حالات وواقعات نے اس راز کو راز رہنے نہیں دیا۔اور پھر اسی دن بعد نماز عصر مجلس خاص میں حاضرین کے سامنے خواب کے جزئیات بیان کیے گئے اور آپ کا نام آل رحمٰن تجویز کیا گیا۔

دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینے میں بدلتے گئے تا آنکہ جب ماہتاب چھٹی بار ہلال کی صورت میں نمودار ہوا تو قطب ربانی حضرت شیخ نوری میاں صاحب نے بہ نفس نفیس بریلی شریف تشریف لاکر بیعت وخلافت کے مراسم کی تجدید فرمائی۔

باب اجابت کو چومنے والی پیشن گوئی پر مشتمل پدر بزرگوار کی دعا اور ہزاروں میں خام کو کندن بنانے والی پیرومرشد کی نگاہ نے عہد طفلی ہی میں بچے کو بسطامی شمائل اور جنیدی خصائل کا جامع بنادیا۔

لیل ونہار اپنے نازک خرامی سے آگے بڑھتے گئے اور لوگوں کی بھیڑ تیزی سے قریب آتی گئی۔اور پھر زمانہ کی آنکھوں نے دیکھا کہ آپ کی ذات مصدر الحسنات، منبع الفیضان اور مرجع الخلائق ہوگئی۔آپ کی ذات سنت نبویہ کی سمٹی ہوئی کتاب اور آپ کی زندگی اس کی پھیلی ہوئی شرح بن گئی۔ آپ کا قول وقرار، رفتار وگفتار اور لیل ونہار قوم مسلم کے لئے مینارۂ رشد وہدایت، اور آپ سے حسن عقیدت، دین وایمان کی علامت ہوگئی۔

اور پھر جب ذکر وفکر، صبر وشکر، عشق وعرفان، ضبط وتحمل، ایثار وتوکل، تسلیم ورضا، خدمت وطاعت، عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ، عجز وانکسار، واحتیاط اور صدق وصفا آپ کی زیست کی خمیر بن گئی تو آپ مقام غوثیت سے مقام محبوبیت پر فائز کردیئے گئے۔دنیا کے مقتدر علمائے کرام اور ذی وجاہت مشائخ عظام آپ کے جلوہ کے گرد پروانہ وار نثار ہونے لگے، آنکھیں تھیں جو آپ کے دیدار سے سیر نہیں ہو پاتیں۔قلوب تھے جو آپ کی عقیدت سے شکیب آشنا نہیں ہو پاتے۔زائرین کا حال یہ ہوتا کہ اسے جلوۂ جاناناں دل دیتا ہوں نذرانہ کہہ کر قدموں سے لپٹ جاتے۔

خیالوں کی دنیا میں آؤ اور سوچو کہ وہ منظر کتنا دیدہ زیب اور نظر نواز ہوگا جب کوئی ہستی رشد وہدایت کا منبع اور علم وآگہی کا پیکر بن کر پھولوں کے مالاؤں سے سج دھج کر ابوحنیفہ کا علم، عراقی کا تصوف، بایزیدی کا کردار، اور جنید کا گفتار لوگوں میں بانٹ رہی ہوگی۔اور علما صلحا، مشائخ، اساتذہ،

طلبہ اور عوام اپنی اپنی بساط بھر لوٹ رہے ہوں گے۔

یہ کوئی عالم خیال کی منظر کشی نہیں بلکہ مفتی اعظم ہند کی بارگاہ کے روز وشب ہیں۔یہ کسی عالم خواب کی عکاسی نہیں بلکہ حضور مفتی اعظم ہند کی سرکار کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔

شیخ کامل کی تلاش وجستجو نے جب حضرت مخدوم بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان کو بے چین کردیا تو مخدوم نے ہندوستان کے متعدد اولوالعزم مشائخ کرام کی بارگاہ تک سفر کیا۔یہاں تک کہ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے آستانہ تک حاضری دی جہاں سے ہزاروں دردمند دلوں نے اپنا درماں حاصل کیا، لیکن مخدوم کا دل تھا کہ یہاں بھی سکون پذیر نہیں ہوا۔سیدالمجاذب حضرت ابوعلی شاہ قلندر کی پرجلال چوکھٹ تک پہنچ گئے۔لیکن یہ کہہ کر واپس لوٹ آئے کہ مرد یست وے مغلوب الحال'' اور جب حضرت نجیب الدین فردوسی کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تو جلوۂ زیبا دیکھتے ہی پسینہ پسینہ ہوگئے اور سارا جسم تھر تھر کانپ اٹھا۔اور پھر حضرت نجیب الدین فردوسی علیہ الرحمہ کے فرمان پر کہ اے درویش! آ تمہارے زخمی دل کا علاج یہاں ہے'' ہاتھ بڑھا کر بیعت کرلی۔یہ واقعہ ماضی کے اس حصہ کا ہے جسے ہم تاریخ کے اوراق سے معلوم کرسکتے ہیں۔لیکن اگر ہو بہو حال مشاہدہ کرنا ہو تو بارگاہ مفتی اعظم ہند میں آکر آپ روزانہ بے شمار ایسے حالات بچشم خود دیکھ سکتے ہیں۔یقیناً یہ ایک شیخ کامل کی واضح علامت ہے۔

ایک شیخ کامل کی یہ اولین شرط ہے کہ وہ راہ سلوک طے کرنے میں ہوا اور شریعت پر اسی طرح سوار ہو کر طبعی طور پر ہر ادا موافق شرع اور ہر قول دین کا آئینہ دار ہو۔ان کی نشست وبرخواست میں قول وگفتار میں، عمل وکردار میں اسلام کی جھلکیاں نمایاں ہوں۔اپنے ہمعصر مشائخ میں یہ اوصاف کامل طور پر صرف اور صرف سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم میں اس طرح سمٹ کر آگئے تھے کہ گمان ہوتا کہ یہ انسان نہیں دھرتی کا فرشتہ ہے۔غوث العالم کا جلال، خواجہ پیا کا جمال، بسطامی کا کمال، محبوب الٰہی کا نوال یکجا طور پر حضرت کی ذات میں محسوس کیا جاتا تھا۔بارگاہ میں حاضری دینے والا آپ کو ہر رنگ میں مشاہدہ کرتا، کبھی ہیبت ولایت کا یہ حال ہوتا کہ وقت کے بڑے بڑے فضلا بارگاہ میں سر تسلیم خم کیے نظر آتے کسی میں جرأت نہیں ہوتی کہ لاونعم کے سوا کچھ عرض کرتے۔اور کبھی شان محبوبیت

کا یہ حال ہوتا کہ امیر وغریب، نادار وبیکس علما اور عوام اپنی اپنی حاجت پیش کرتے اور آپ نہایت ہی شفقت کے ساتھ سماعت فرما کر اس کا مداوا کر دیتے۔

بالعموم آپ اس پرسکون جھیل کی طرح خاموش رہتے جس کی سطح پر کنول کے پھول مسکرا رہے ہیں۔ لیکن جب کوئی الجھا ہوا شرعی معاملہ درپیش آتا تو آپ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح لہرا اٹھتے اور اپنی اجتہاد سے مسئلہ کی تحریف وتشریح اور اس کے نظائر وامثال، براہین واستدلال اس طور پر بیان فرماتے کہ علمائے دہر حیران وشسدر رہ جاتے۔ یہ کیفیت ولایت اور جلالت علم کا حال ہر جگہ اور ہر مقام پر یکساں ہوتا، سفر میں ہوں یا حضرت میں، دولت کدہ پر ہوں یا باہر، یہی وجہ تھی کہ آپ جہاں کہیں بھی تشریف فرما ہوتے پلک زدن میں علما، عوام، اغنیا، فقرا کا میلہ لگ جاتا۔ آپ شمع ہوتے اور کائنات پروانے۔ آپ پھول ہوتے اور خلقت عندلیب، آپ بدر کامل ہوتے اور لوگ پیاسی دھرتی، یقیناً یہ محبوبیت کی آیت بینہ تھی۔

اس عزیمت وتقویٰ کے عامل اور رخصت واجازت کے حاکم عجب نرالی شان تھی۔ جب کبھی ان کے متعلق سوچا گیا تو فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا کہ آپ میں اخلاق وآداب کا غلبہ ہے یا وجدان وحسبان کا غلبہ ہے، فقہ وکلام کا زور ہے یا ملکہ واستحضار کا زور ہے، علم کے جبہ ودستار کو فضیلت ہے یا ردائے درویشی کو رفعت ہے جس کی طرف نگاہ اٹھی اس کی قسمت کا ستارا اوج ثریا پر نظر آنے لگا اور جدھر سے نگاہ پھیر لی اس کا بیڑا غرق ہو گیا، یقیناً یہ تصرف فی الامور کی آیات طاہرہ تھیں۔

بار ہا لوگوں کی نگاہوں نے حیرت سے یہ منظر دیکھا ہے کہ پژمردہ کلیوں کا کوئی ہار آپ کے گلے میں ڈالا گیا۔ کمہلائے ہوئے پھولوں کا ہار زیب گلو ہوتے ہی پژمردگی شگفتگی میں بدل گئی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ملہار راگ سے پھولوں میں جان پڑ گئی۔ عرس رضوی کا یہ حیرت انگیز منظر ہزاروں آنکھوں میں آج تک محفوظ ہوگا کہ جب آپ ڈائس پر تشریف رکھتے تو آپ کا مصحف رخ لمعات انوار کا ایسا مظہر بن کر رہ جاتا کہ لوگوں کی نگاہ اس پر ٹھہر نہیں پاتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے جنت کی رعنائیاں ان کے کتابی چہرے پر نثار ہو رہی ہیں۔ یقیناً یہ حالت درجہ محبوبیت کی کھلی نشانی تھی۔

عام طور پر مشائخ کا یہ حال ہے کہ اپنا وطن جہاں ان کے شب وروز، صبح وشام، بچپن اور جوانی

گزری ہوتی ہے وہاں کے لوگوں کی نگاہ میں ان کا کوئی خصوصی مقام نہیں ہوتا ہے لیکن اس عام ضابطہ سے حضور مفتی اعظم کی ذات مستثنیٰ تھی۔ آپ دور دراز علاقوں میں جس طرح جانے پہچانے جاتے اسی طرح اپنے وطن کے رہنے والوں کے دلوں پر بھی راج کرتے۔ بریلی شریف کا وہ کونسا دل ہے جس پر غوث العالم سیدنا حضور مفتی اعظم کا سکہ نہیں چل رہا ہے۔ وہ کونسی نگاہ ہے جس میں ان کے دیدار پر جمال کا عکس نظر نہیں آتا۔ دل دھڑکتا ہے تو آپ کی یاد میں۔ آنکھیں ترستی ہیں تو آپ کی دید کے لئے۔ یقیناً یہ شان محبوبیت کی اعلیٰ نشانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص خانقاہوں کے مشائخ زمانہ کی زیارت اور مشاہد یگانہ کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے ہندوستان کے طول وعرض کی سیر کرتے ہوئے آپ کے حدود تجلیات میں داخل ہوتا تو بے ساختہ پکار اٹھتا ؎

آفاقہا گردیدہ ام — مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام — لیکن تو چیزے دیگری

آخر میں اس شعر پر کلام کا اختتام کر کے رخصت ہو رہا ہوں ؎

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

(ماہنامہ اشرفیہ، مارچ ۱۹۹۴ء)

ربع مجیب اور اسطرلاب کی دریافت

ٹی وی کی تحقیق کی تالیف کے دوران فتاویٰ رضویہ مطالعہ کرتے ہوئے جب میری نگاہ اس عبارت پر پڑی کہ **فینبغی الاعتماد فی اوقات الصلوٰة وفی القبلة علی ماذکر العلماء الثقات فی کتاب المواقیت وعلیٰ ماوضعولها من الآلات کالربع والا سطرلاب فانها ان لم یفد الیقین تضید غلبة الظن للعالم بها کافیه فی ذالک** (ج۴ص۱۷)

تو دل میں ایک اشتیاق پیدا ہوا کہ الربع المجیب اور الاسطرلاب کے متعلق جانکاری حاصل کروں۔ اور پھر میں ان دونوں کے تجسس میں لگ گیا بحمدہ تعالیٰ جوئیندہ یابندہ کی زندہ مثال کے طور پر مجھے دوایسی کتابیں مل گئیں جن میں سے ایک الربع المجیب اور دوسری الاسطرلاب کے حل کے لئے کافی تھی۔

پہلی کتاب حضرت شیخ علامہ بدرالدین ابن محمد دمشقی سبط شیخ جمال الدین عبداللہ ماروینی کی ہے جو الفتحیہ کے نام سے مشہور ہے یہ کتاب ربع مجیب کے استعمال اور اس سے برآمد ہونے والے نتائج پر مشتمل ہے اور دوسری کتاب حکیم کامل محقق نصیرالدین طوسی کی ہے جو بست باب کے نام سے

معروف ہے یہ کتاب اصطرلاب کے استعمال اور اس سے نتائج اخذ کرنے پر مشتمل ہے۔ گوکہ یہ دونوں کتابیں اپنے اپنے موضوع پر کامل طور پر حاوی اور علی الانفراد الربع المجیب اور الاسطرلاب کے حل کے لئے وافی طور پر ضامن وکفیل ہیں لیکن نئے فنون کے حل کرنے میں جو صعوبتیں ہوتی ہیں ان صعوبتوں سے مجھے بھی دوچار ہونا پڑا۔ مولیٰ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ اپنے فضل بے پایاں سے نواز کر ان مشکلات کو میرے لئے آسان فرمادیا۔ نئی نسل کی ترغیب وتحریص کے لئے ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ ان دونوں آلے کی خصوصیات پر کچھ روشنی ڈال دی جائے تاکہ جنہیں شوق ہو وہ اپنی تھوڑی سی محنت اور کوشش صرف کرکے اس پر عبور حاصل کرلے۔ اور اس کے طلسماتی کارنامے کو ملاحظہ کرکے یہ محسوس کرسکے کہ حکمائے اسلام نے اپنی ذہانت سے کیسی کیسی چیزیں ہمیں دیا جسے ہم آج کھوچکے ہیں۔ موجودہ دور میں اصطرلاب اور ربع کے ذریعہ حاصل ہونے والے امور کے لئے سائنسدانوں نے دوسرے آلے ایجاد کرلئے ہیں جیسے تھیوڈ ولائٹ اور سکسٹیٹو وغیرہ مگر یہ آلے اتنے قیمتی ہیں کہ مدرسہ سے متعلق فقیدالمثال طلبہ کے لئے اس کا حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ اس لئے ہم غریب لوگوں کے لئے الربع المجیب اور الاصطرلاب ہی کافی ہیں۔ یہ دونوں آلے اگرچہ کسی دھات سے بنائے جاتے لیکن ہم نے پٹھے بنا کر اسے استعمال کیا اور صحیح ثابت ہوا۔ اس لئے اس کے بنانے میں اگرچہ محبت ومشقت ضرور ہے لیکن کوئی خاصا لاگت نہیں پڑتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامیات میں کارآمد ہونے والے وہ مسائل جو ہیئت میں کلی طور پر مذکور ہیں وہ ان دونوں آلے کی مدد سے جزئی طور پر ایسے نکل آتے کہ اس پر طلسمات کا گمان ہوتا ہے۔

الربع المجیب

یہ پیتل یا کسی دھات کا بنا ایک چورس چیز ہوتی ہے جو اپنی ساخت کے اعتبار سے کسی دائرہ کا ربع معلوم ہوتا ہے، چونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ربع دائرہ ایک قوس اور دونصف قطر سے گھری ہوئی سطح کا نام ہے اس لئے اس میں بھی ایک قوس اور دونصف قطر ہوتے ہیں۔ اس کے اس قوس کو قوس ارتفاع کہتے جو درجات کے اعتبار سے ۹۰ حصوں پر منقسم ہوتے ہیں۔ دائیں طرف والے نصف قطر

کو جیب التمام اور اس کے متوازی خطوط کو جیوب منکوسیہ کہتے ہیں اور بائیں طرف والے نصف قطر کے خطوط کو جیوب مبسوط کہتے ہیں۔ان خطوط کے باہم تقاطع سے ربع مجیب ایک جال نما سطح معلوم ہوتا ہے۔اس ربع کے مرکز پر ایک کیل سے ایک دھاگہ وابستہ ہوتا جس کے آخری سرے پر شاقول بندھا لٹکتا رہتا ہے۔اور پھر اس دھاگے میں ایک دوسرا دھاگہ بندھا ہوتا جسے مرئی کہتے ہیں اور جیب التمام پر دو ہدفے بھی منصوب ہوتے ربع کے مرکز کے قریب ایک چھوٹی قوس ہوتی جسے دائرۃ البل سے تعبیر کرتے ہیں ساتھ ہی ربع میں دو نصف دائرہ بھی ہوتے جسے نجیب اول اور نجیب ثانی کہتے ہیں اس کے علاوہ ربع میں تین اور مزید خط مستقیم ہوتے ایک کا نام خط امتحان دوسرے کا نام خط عصر بوقت مثل اول اور تیسرے کا نام خط عصر بوقت مثل ثانی ہے۔مزید برآں اس پر مقباش کے نشانات بنے ہوئے جو ظل اصابع اور ظلل اقدام میں کام آتے ہیں۔

نتائج:

ربع کے ذریعہ سب چیزیں معلوم کی جاتی ہیں مثلاً آفتاب یا کسی ستارہ کا ارتفاع آفتاب کا میل شمالی اور جنوبی کی مقدار بعد قطر اصل مطلق اصل معدل، نصف فضل، نصف القوس، قوس نہاری اور قوس لیلی، دائرہ ماضی اور دائرہ مستقبل، فضل دائر ظل مبسوط منکوس دائر بین الظہر والعصر، دائر بین العصر والمغرب، حصۃ الشفق، حصۃ الفجر، سعۃ المشرق، سعۃ المغرب، حصۃ السمت، معدلۃ السمت، معرفت السمت، جہلت اربع کا صحیح تعین، فلکیہ، مطالع، فلکیہ، مطالع بلدیہ، مطالع الوقت وغیرہ وغیرہ۔

طریقۂ استعمال:

مرکز سے وابستہ دھاگہ حسب ہدایت الگ الگ ضرورت کے وقت مختلف نشان پر رکھا جاتا اور اس وضع میں مقصد کے مطابق مرئی سے نشان لگالیا جاتا اور پھر حسب ہدایت دھاگہ کو اس کی وضع اول سے منتقل کرکے دوسری وضع پر رکھا جاتا اس وضع میں مرئی سے مطلوب چیز کا علم حاصل ہوجاتا ہے۔اس کے استعمال سے مطلوبہ چیز حاصل کرتے وقت ایک جادو کا کرشمہ اور عملی چمتکار معلوم اور دل

ودماغ حیران ہوجاتا کہ ہمارے اسلاف نے کیسی اچنبھا میں ڈالنے والی چیزوں کی ایجاد کی ہے۔

اسطرلاب:

یہ آلہ بھی پیتل یا کسی دوسری دھات کا بنا ہوا ہوتا ہے۔یہ اپنی ساخت میں گراموفون کے ریکارڈ کی طرح دائرہ نما ہوتا اور اسی طرح اس پر بہت سے دائرے ہوتے۔لیکن یہ ایک ریکارڈ نہیں بلکہ کئی ریکارڈوں پر مشتمل ہوتے۔اسطرلاب میں ریکارڈ کے پر یک سطح کو صفحیہ کہتے ہیں۔بنیادی طور پر اس کے پانچ صفیحے ہوتے:(۱) صفیحہ حجرۂ دام جس کے محیط کو۔۳۶ درجوں پر منقسم کردیا جاتا ہے (۲) پشت حجرہ دام جس پر ظل اقدام مستوی اور معکوس از راسی طرح ظل اصابع مستوی اور معکوس کے نشانات ہوتے ہیں۔(۳) صفیحہ عنکبوت جس پر تین دائرے متوازی کھنچے ہوئے مرکز سے قریب دائرہ کو مدار داس سرطان اور محیط سے قریب دائرہ کو مدار داس جدی اور درمیانی دائرہ کو مدار داس حمل ومیزان کہتے ہیں۔ان مدارات ثلاثہ کے مابین میل کلی کے برابر فصل ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس صفیحہ کے سر بارہ برجوں کے نام بھی لکھے ہوتے ہیں۔راس جدی کے پاس ایک نوک نکلی ہوتی ہے جسے مرئی بامقباس اسطرلاب کہتے ہیں (۴) صفیحہ عرض البلد جس پر مقنطرات، دوائر سموت، افق مشرق ومغرب، خطوط ساعات معوجہ اور مستویہ وغیرہ کھچے ہویت (۵) صفیحہ آفاقی اس پر مختلف دائرے بنے ہوتے ہیں۔اور تمام صفائح پر دو خط ایسے کھینچے ہوتے جو باہم مرکز دائرہ سے گزرتے ہوئے زاویہ قائمہ بناتے ہیں۔جن میں سے ایک خط کو وسط اسماء یا خط نصف النہار اور خط علاقہ کہتے ہیں اور دوسرے خط کو خط مشرقی ومغرب یا خط استواء کہتے ہیں۔اسطرلاب میں ان صفیحے کے علاوہ ایک بنیادی چیز اور ہوتی جسے عضادہ کہتے ہیں اس کے دونوں پہلوؤں میں شنطیہ ارتعاع اور دولبنہ اور پر ایک لبنہ میں ایک ایک ثقبہ ہوتا ہے۔

نتائج:

الربع المجیب کے ذریعہ جن باتوں کو دریافت کیا جاتا ان کے علاوہ اور مزید باتیں اس سے حاصل ہوتیں، مثلاً معرفت خانیا کے دوازدہ گانہ، معرفت مطالع سال، معرفت ارتعاع قطب

البروج،معرفت تقویم،معرفت بالائے اشخاص وغیرہ وغیرہ۔

طریقۂ استعمال:۔

متذکرہ بالا ریکارڈوں کے مرکزوں میں ایک کیل ہوتی جس کے ذریعہ سارے ریکارڈ باہم مجتمع اور منضبط ہوجاتی ہیں اور عضادہ کو حجرہ دام کے پشت سے اسی کیل سے جوڑ دیا جاتا ہے۔اور پھر اپنے مطلوب کے حاصل کرنے کے لئے حسب ہدایت ان ریکارڈوں کو گردش میں لایا جاتا ہے عنکبوت میں راس جدی کے پاس واقع ہونے والی مرئی مطلوب چیز کی نشاندہی کر دیتی ہے اس طرح مطلوب چیز حاصل ہوجاتی ہے۔

ربع مجیب کی تصویر الفتحیہ میں اور اسطرلاب کی تصویر بست باب میں منقوش ہے۔اور پیتل کا بنا ہوا مجسم اسطرلاب دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور خدابخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے جس کا دل چاہے ان مقامات میں جاکر مشاہدہ کرسکتا ہے۔

(ماہنامہ اشرفیہ،مئی ۱۹۹۴ء)

غیر ملکی سفر اور فوٹو کا ضمیمہ

حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمان صاحب نے ''استقامت ڈائجسٹ جنوری ۸۶ء میں مندرج مسائل ضروریہ کے عنوان سے شائع شدہ مضمون کے کچھ تراشے بھیج کر ہماری رائے طلب فرمائی تھی۔ علالت چشم کی وجہ سے ان تراشوں کے اصل ماخذ کے دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔اس لئے ان تراشوں کی صحت نقل پر کامل اعتماد کرتے ہوئے ہم نے اپنی رائے پیش کردی تھی جو ماہنامہ فیض الرسول اکتوبر ۸۶ء کے توسط سے نذر ناظرین ہوچکی ہے۔ان تراشوں میں سے ایک تراشہ یہ بھی تھا کہ اگر کسی جاندار کی تصویر کے کسی ایسے عضو کو کاٹا جائے، یا مٹا دیا جائے جس عضو کے بغیر زندگی ناممکن ہوتو باقی حصہ غیر جاندار اور جماد محض کے حکم میں ہے۔اس کا بنانا اور کھانا سب کچھ جائز ہے۔یہ قول درمختار کا ہے۔اس قول کی بنیاد پر جاندار کی اوپر والے آدھے دھڑ کی تصویر بھی جائز قرار پائی ہے(انتہی)

اگر چہ اس تراشہ میں خود ہی متضاد بات موجود ہے اس لئے کہ ''تصویر کے کسی عضو کو کاٹ دیا جائے یا مٹا دیا جائے'' بذات خود اس امر کو واضح کرتا ہے کہ تصویر بنی ہوئی تھی بعد کو عضو کاٹ دیا گیا یا مٹا دیا گیا۔اب صرف اس کے باقی رکھنے کی بات رہ جاتی ہے کہ آیا ایسی تصویر کا رکھنا جائز ہے یا

نہیں۔ رہا اس کا بنانا اور رکھنا سب کچھ جائز ہے تو یہ تحصیل حاصل اور امر محال پر مشتمل ہے جو کسی طرح صحیح نہیں۔ لیکن یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ تعبیر و تاویل میں قصور ہے ورنہ فاضل مضمون نگار کی اپنے موضوع کے پیش نظر ہی مراد ہے کہ اس قول کی بنیاد پر ناقص تصویر کشی جائز اور روا ہے۔

حسن اتفاق کہیئے کہ کسی مسئلہ کے سلسلے میں مجھے درمختار اور شامی دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور ورق گردانی کے درمیان جب اس مضمون پر نگاہ پڑی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور صحت نقل کے اوپر ہماری کامل اعتماد کی دیوار منہدم ہو کر رہ گئی۔ درمختار میں یہ مضمون اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ ہے نمازی کے لئے ایسا کپڑا پہننا جس میں ذی روح کی تصویر ہے اسی طرح نمازی کے اوپر یا اس کے سامنے ذی روح ہو تو اس میں اختلاف ہے اگر چہ ظاہر کراہت ہی ہے۔ آگے لکھتے ہیں اگر تصویر چھوٹی ہو یا سر بریدہ ہو یا اس کے ایسے عضو مٹا دیئے گئے ہوں جس کے بغیر زندگی باقی نہیں رہتی تو مکروہ نہیں وغیرہ وغیرہ (المستفاد از درمختار) درمختار کے ان سارے مسائل پر گفتگو فرمانے کے بعد آخر میں علامہ شامی علیہ الرحمہ تنبیہ کا عنوان قائم کر کے ارشاد فرماتے ہیں (تنبیہ) **ھذا کلہ فی اقتناء الصورة اما فعل التصویر فهو غير جائز مطلقاً لانه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ کما مر**۔ اگر چہ درمختار کی عبارت ہی صاف بتاتی تھی کہ یہاں زیر بحث مسئلہ تصویر کشی نہیں بلکہ بقائے صورت ہے لیکن علامہ شامی نے تو اس پر نص فرما دیا کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ درمختار میں عدم کراہت کی بحث تصویر کے رکھ چھوڑنے میں رہی جاندار کی تصویر سازی تو بہر حال مطلقاً ناجائز ہے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی خواہ کامل ہو یا صرف اوپر والے آدھے دھڑ کی ہو۔ ان میں جواز اور عدم جواز کی قطعاً کوئی تفریق نہیں۔

یہ تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ فاضل مضمون نگار نے دانستہ طور پر مسئلہ تصویر کشی کی حرمت میں لچک اور ضعف پیدا کرنے کے لئے ایسا کیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار کو صاحب درمختار کی عبارت سے دھوکا گہ ہو گیا اور انہیں بالاستیعاب دیکھنے کا موقع نہ مل سکا اس قسم کا دھوکہ اس سے پیشتر بھی بعض حضرات کو لگا تھا جسے دور کرنے کے لئے غوث العالم سیدنا حضور مفتی اعظم ہند کے

جانشین حضرت علامہ ازہری میاں صاحب قبلہ کو قوم کے سامنے کتابی شکل میں تصویر کا حکم پیش کرنا پڑا۔ بہر حال اس حقیقت کے انکشاف کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ جاتی ہے کہ ذی روح کی مطلقاً تصویر کشی کی حرمت میں کسی قسم کی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ خلف عن السلف اس پر اجماع اور احادیث میں اس میں متواتر ہے۔ اس لئے درمختار کے اس قول کو مبنی قرار دے کر اوپر والے آدھے دھڑ کی تصویر کو جائز قرار دینا سراسر خلاف شرع اور خلاف واقعہ ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف العطایا القدیر کی طرف رجوع کرنے سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت ناقص تصویر کے باقی رکھنے کے سلسلہ میں درمختار کے عدم کراہت ہی کے قول کو روایۃً اور درایۃً غیر صحیح قرار دیا ہے۔ نہ کہ تصویر کشی اور تصویر سازی کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ماہنامہ فیض الرسو، دسمبر ۱۹۸۶ء)

غیر ملکی سفر اور فوٹو

محبّ محترم جناب مفتی مطیع الرحمٰن صاحب سلام مسنون! ٹی وی اور ویڈیو سے متعلق آپ کے دسوں سوالوں کے جوابات ارسال کردیئے گئے ہیں جس کی وصولیابی کی اطلاع بھی مجھے موصول ہوچکی ہے۔ بروقت آپ کے بقیہ سووالوں کے جوابات مسلسل مضمون کی صورت میں قلمبند کیے جارہے ہیں جو حج وزیارت اور غیر ملکی تبلیغی یا تجارتی سفر کے لئے فوٹو کے جواز اور عدم جواز پر مشتمل ہیں۔ میں چونکہ ایک عدیم الفرصت مدرس ہوں اور ساتھ ہی علالت چشم میں مبتلا بھی اس لئے مجھے اس موضوع پر رسالوں میں شائع شدہ مضامین کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس وقت فقط آپ کے پیش کردہ تراشے اور اپنی معلومات کی روشنی میں تیار کردہ مضمون ارسال خدمت ہے۔ حاجت پڑنے پر اس موضوع سے متعلق مضامین کا بھرپور مطالعہ کے بعد واضح اور تفصیلی رائے پیش کروں گا۔

یہاں پہلے چند امور ذہن نشین کرلینا ضروری ہے تاکہ ان کے اجالے میں پیش آمدہ مسئلہ کا حل تلاش کیا جاسکے۔

(الف) تصویروں کے بارے میں شریعت مطہرہ کا حکم کیا ہے؟

اس سلسلہ میں ہم آپ کے پیش کردہ تراشے کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں۔ جاندار کی چہرے والی تصویر خواہ وہ تصویر چھوٹی ہو یا بڑی عکسی ہو یا قلمی، آدھی ہو یا پوری، مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ، قابل عبادت ہو (یعنی اس کو پوجے جانے کا امکان ہو، یا نا قابل عبادت۔ اس کو پوجا گیا ہو یا نہ پوجا گیا ہو ہر حال میں اس کو بنانا یا بنوانا حرام وناجائز ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس باب میں اپنی بے نظیر تصنیف العطایا القدیر فی حکم التصویر میں مبرہن اور مدلل فرمادیا ہے۔ ایسا کہ شک وریب کی گنجائش نہیں رہ گئی۔ (انتہی تراشہ)

نیز امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی مبسوط تصنیف فتاویٰ رضویہ میں جاندار کی صورت گری کو مطلقاً حرام فرمادیا (۲) تصویر ذی روح کی بنانی، بنوانی اور اعزاز واحترام کے ساتھ پاس رکھنی سب کو حرام لکھا اس پر سخت سے سخت وعیدیں نقل فرمائیں (۳) ہر شریعت میں ذی روح کی تصویر کی حرمت پر اذان فرمایا (۴) اس کی حرمت پر احادیث کو حد تواتر پر مانا (۵) اس کی حرمت ووعید پر یہ کہہ کر یہاں بعد مذکور ہوتی ہیں ستائیس حدیثیں نقل فرمائیں اور آخر میں ان تصویروں پر حرمت یقینی کا حکم صادر فرمایا (ملتقطا از فتاویٰ رضویہ)

حضرت علامہ نووی شرح مسلم شریف میں اسے حرام شدید حرام اور گناہ کبیرہ فرمایا۔ حضرت ملا علی قاری نے بھی بعینہ یہی حکم مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں نافذ فرمایا اور امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اسے بطور سند اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا۔ البتہ درمختار میں ہے۔ اگر کسی جاندار کی تصویر کے کسی ایسے عضو کو کاٹ دیا جائے یا مٹا دیا جائے جس عضو کے بغیر زندگی ناممکن ہو تو باقی حصہ غیر جاندار اور جماد محض کے حکم میں ہے اس کا بنانا رکھنا سب کچھ جائز ہے یہ قول درمختار کا ہے (انتہی تراشہ ۲) لیکن امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے درمختار کی اس تعمیم کو روایۃً اور درایۃً ہر طرح غیر صحیحہ ثابت فرمایا ہے امام احمد رضا نے اپنے اس دعوے پر ایسے دلائل مہیا فرمادیئے ہیں کہ ان میں گنجائش کلام نہیں اور ان کو دیکھنے والا ان کے حق وصحیح ہونے میں شک نہیں کرسکتا۔ (انتہیٰ تراشہ ۳)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مجدد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ذی روح کی چہرے دار تصویر کو مطلقاً حرام شدید حرام یقینی حرام اور گناہ کبیرہ فرمایا۔ اس کی حرمت پر احادیث کو حد تواتر فرمایا۔ اور ہر شریعت میں

اسے حرام بتایا۔ ساتھ ہی درمختار کے قول کو روایۃً ودرایۃً دلائل وبراہین سے غیر صحیح قرار دیا۔ ہذا ہو حکم الشرع)

(ب) حج کے کچھ احکام

ارکان اربعہ میں سے حج بھی ایک ایسا رکن ہے جس کے نفس وجوب اور وجوب ادا کے لئے کچھ شرائط اور کچھ موانع ہیں یہاں وجوب ادا کے منجملہ شرائط میں سے مسئلہ مبحوث عنہا سے متعلق امور ذکر کیے جاتے ہیں۔

امن طریق وجوب ادا کی شرط ہے۔

یعنی راستہ میں امن ہونا یعنی اگر غالب گمان سلامتی ہو تو جانا واجب اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ ڈاکے وغیرہ سے جان ضائع ہو جائے گی (یا جسمانی نقصان پہونچے گا) تو جانا ضروری نہیں۔

عورت کے ساتھ شوہر یا محرم ہونا شرط ہے

عورت کیلئے شوہر یا محرم کے بغیر سفر کرنا حرام ہے تو اگر مسافت حج مسافت سفر سے زائد ہو یا برابر ہو تو ایسی صورت میں عورت کے ساتھ شوہر یا محرم کا ہونا شرط ہے یعنی جس عورت کے نہ شوہر ہو نہ محرم ہو تو اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ حج کو جائے اور نہ اس پر یہ واجب ہے کہ حج کے لئے نکاح کرے۔

(عام کتب فقہ)

ایسی عورت کے لئے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں" جانا چاہے تو اس پر لازم ہیکہ حج سے واپسی تک کے لئے نکاح کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طریق سلامتی اور غیر سلامتی کا مدار گمان غالب ہے۔ اگر غیر سلامتی کا گمان غالب ہے تو حج کی ادائیگی واجب نہیں۔ یہ حق ہے کہ حج کی فرضیت قطعی ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ لیکن اگر طریق کی غیر سلامتی مظنون ہو تو اس کی ادائیگی اس وقت تک واجب نہیں جب تک طریق کی سلامتی مظنون نہ ہو جائے۔ یہاں یہ ضابطہ صحیح نہیں کہ حج کی فرضیت قطعی اور غیر سلامتی اس لئے۔۔۔۔۔ کے بالمقابل ظنی مسترد ہے اور حج کی ادائیگی واجب ضرور ہوگی۔ اسی طرح سفر حرام

کے ساتھ عورتوں کو حج کے لئے جانا واجب نہیں اور نہ حج کے لئے ان کا نکاح کرنا واجب ہے۔ یہاں یہ ضابطہ بھی صحیح نہیں کہ الضرورات تبیح المحظورات (یعنی اگر چہ عورت کو بلا شوہر اور بدون محرم سفر کرنا حرام ہے لیکن بربنائے ضرورت صورت حج میں جانا روا ہے (تا آنکہ علمائے کرام زادوراحلہ کے بیان میں فرماتے ہیں۔ سواری سے مراد اس قسم کی سواری ہے جو عرفاً وعادتاً اس شخص کے حال کے موافق ہو مثلاً اگر متمول آرام پسند ہو تو اس کے لئے شقدف (سرزمین حجاز کی عمدہ سواری کا نما) درکار ہوگا۔ یونہی توشہ میں اس کے مناسب غزائیں چاہیئے معمولی کھانا میسر آنا (حج) فرض ہونے کے لئے کافی نہیں جب کہ وہ اچھی غذا کا عادی ہو (بہار شریعت)

ان اللہ یرید بکم الیسر وانتم تریدون العسر .

مان لیجئے کہ کوئی خوشحال آدمی مکہ معظّمہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر رہتا ہے اور وہ معمولی سواری کے ذریعہ ایام حج میں حاضر ہو کر ارکان حج ادا بھی کر سکتا ہے۔ مگر یہاں اس درمیان اسے معمولی غذا ہی دستیاب ہو سکتی ہے۔ تو بحکم شرع اس پر حج ہی فرض نہیں۔ ادا تو کجا۔ حالانکہ اس شخص کے لئے ایسا کرنا کوئی متعذر نہیں اور نہ ہی ان کو اس حالت میں کسی حرام شے کا التزام کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح مان لیجئے کہ اس زمانہ میں مکہ معظّمہ سے ساٹھ میل کے فاصلے پر ایک ایسی دولتمند بیوہ رہتی ہے جس کا اتفاق سے کوئی محرم نہیں۔ اور وہ اپنی موٹر کار سے ایک گھنٹہ میں مکہ معظّمہ آ جاسکتی ہے پھر بھی بحکم شرع اس پر حج کی ادائیگی واجب نہیں ہے۔ حالانکہ اس عورت کے لئے ہر قسم کی سہولت حاصل ہے سوا اس بات کے کہ یہ سفر محظور کرتی ہے جو یہ کہہ کر دور کیا جاسکتا ہے۔ الضرورات تبیح المحظورات۔

تصویر کی حرمت اور ادائے حج کے بارے میں احکام سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ باجنبی سفر حرام ہونے کی وجہ سے آئسہ عورت پر جب ادائیگی حج واجب نہیں۔ تو باتصویر سفر حرام ہونے کی وجہ سے لوگوں پر ادائیگی حج کیسے واجب ہو جائے گی۔ جب کہ تصویر کی حرمت پر احادیث کا تواتر ثابت اور جو ہر شریعت میں حرام کما مر۔ اور یہ واضح حقیقت ہے کہ جن جن صورتوں میں ادائیگی حج واجب ہی نہیں وہاں ضرورت متحقق ہی نہیں اور جب ضرورت نہیں تو الضرورات تبیح المحظورات کا

ضابطہ مستعمل بھی نہیں۔اسی طرح طریق کی غیر سلامتی کا مظنون ہونا جب ادائیگی کے بالمقابل مسترد
نہیں تو حرمت تصویر کا متیقن ہونا ادائیگی حج کے بالمقابل کیونکر مسترد ہو جائے گی اور جب ادائیگی حج
واجب ہی نہیں تو یہاں قطعی اور ظنی کا مقابلہ ہی نہیں۔

(ج) الضرورات تبیح المحظورات:۔

اس ضابطہ کا استعمال لوگ اکثر جا بجا کر دیتے ہیں استعمال کرنے سے پہلے کم از کم ضرورت کا
مطلب سمجھ لینا چاہئے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، اور
فضول کی تحقیق اور مکان وطعام وطہارت میں اس کی مثال کے ضمن میں فرماتے ہیں وباللہ التوفیق۔

مراتب پانچ ہیں ضرورت حاجت، منفعت، زینت اور فضول۔

ضرورت:۔یہ ہے کہ اس کے بغیر گزر نہ کر سکے جیسے مکان میں یتدخلہ وہ سوراخ جس میں
آدمی بروز سما سکے کھانے میں لقیمات یقمن صلبہ چھوٹے چھوٹے چند لقمے کہ سدرمق کریں ادائے فرض
کی طاقت دیں جب کہ وجوب ادا فی الذمہ ہو، لباس میں خرقہ تواری عورتہ اتنا ٹکڑا کہ ستر عورت
کرے (الخ) (فتاویٰ رضویہ)

یعنی اگر کسی چیز میں حالات کے پیش نظر ضرورت وحظر ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو اس چیز کا
حظر اس ضرورت کی وجہ سے اباحت سے بدل جاتی ہے اور یہ چیز مکلّف کے اضطرار والجاء کی وجہ سے
مباح ہو جاتی ہے۔یہاں ضرورت سے مراد وہ نہیں جسے لوگ عرف عام کے طور پر اپنی بول چال میں
تعبیر کرتے ہیں بلکہ ضرورت سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ کوئی چیز حالات کے پیش نظر اس درجہ میں
آجائے کہ اس کے بغیر مکلّف گزر نہ سکے۔بلکہ اس کے استعمال پر وہ بے بس اور مجبور ہو جائے۔مثلہ
فی نور الانوار مع قمر الاقمار۔احکام حج میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایسی عورت جس پر حج فرض ہو لیکن
اس کا اگر شوہر یا محرم نہیں تو ادائیگی حج کے لئے نکاح جیسی مباح شے اس پر واجب اور ضروری نہیں تو
بھلا حج کی ادائیگی کے لئے تصویر جیسی حرام شے کیسے واجب اور ضروری ہو سکتی ہے۔اور جب تصویر
کشی ضروری ہی نہیں تو یہاں حظر تو ہے لیکن ضرورت متحقق ہی نہیں اس لئے الضرورات تبیح
المحظورات کا کلیہ بھی یہاں نہیں۔

ان ساری باتوں سے یہ مسئلہ آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ غیر ملکی سفر کے لئے فوٹو کی
شرط ہونے کی وجہ سے حج واجب الاداء نہیں رہتا غیر ملکی تبلیغی اور تجارتی سفر تو سرے سے ہی ضروری
نہیں۔اس لئے ان ساری صورتوں میں ضرورت ثابت نہیں اور جب ضرورت ہی نہیں تو تصویر کی
حرمت کیونکر اباحت سے بدل سکتی ہے لہٰذا الضرورات تبیح المحظورات کا استعمال یہاں بے جا ہے۔
اب آگے آپ علمائے کرام کے ان چند اقوال کے متعلق سماعت فرمائیں جس کا تراشہ آپ نے
اقتباس کر کے ارسال فرمایا۔

(۱) اگر پاسپورٹ پر تصویر لگائے بغیر فریضۂ حج ادا نہ کیا جا سکے تو حج کو ترک کر دیا جائے گا مگر
تصویر نہ کھینچائی جائے گی حج اگر چہ فرض ہے مگر اس کی ادائیگی کی راہ میں تصویر مانع شرعی ہے۔

(۲) فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے اگر تصویر کھینچائی ناگزیر ہو تو پھر وہ جائز ہے اور
الضرورات تبیح المحظورات میں فاضل ہے اس لئے کہ حج کی فرضیت قطعی ہے اور تصویر کشی کی حرمت
ظنی اور جب کبھی فرض قطعی کے مقابلہ میں حرمت ظنی آئے تو فرض کو ترجیح دی جائے گی۔

(۳) شریعت کے حدود میں رہ کر معاشی واقتصادی خوشگواری اور علمی وفنی برتری کے لئے
پرمٹ یا لائسنس پر حج وزیارت کے لئے خواہ حج نفل ہی کیوں نہ ہو اور تبلیغی غیر ملکی سفر کے لئے
پاسپورٹ اور ویزے کے لئے اگر تصویر نکالنا ناگزیر ہو تو یہ بھی الضرورات تبیح المحظورات بشرطیکہ فوٹو
کھنچانے والا برضا ورغبت یہ کام نہ کرے بلکہ دل کی ناخوشگواری کے ساتھ مجبوری حالات کی بناء پر
ایسا کرے اور وہ بھی اس حد تک نکلوائے جس حد تک ضرورت پوری ہو جاتی ہو۔(تراشہ۴)

پیش آمدہ مسئلہ میں آپ نے تین قول نقل فرمائے ہیں۔جن میں سے قول اول بالکل شرعی
ضابطہ کے مطابق ہے اس لئے میری طرف سے الجواب صحیح ہے۔رہا دوسرا قول تو ماسبق مذکورات ہی
اس کی تغلیط کے لئے کافی ہے کہ یہاں صورت مبعوث عنہا میں حج واجب الادا ہی نہیں رہا تو
ضرورت کہاں سے آئی اور الضرورات تبیح المحظورات کا ضابطہ بے محل استعمال کیا گیا۔رہی ٹکڑا اور
مقابلہ کی بات تو اس کی طرف قدرے اشارہ امن طریق کے ضمن میں ہو چکا ہے کہ یہاں یہ ضابطہ
ٹھیک نہیں۔علاوہ ازیں علمائے اصول کے نزدیک مقابلہ اور تعارض کے لئے اتحاد محل شرط ہے۔اگر

محل الگ الگ ہوجائیں تو پھر مقابلہ ہی نہیں تا آنکہ قطعی کو برقرار اور ظنی کو برطرف کردیا جائے اس قول ثانی کے قائل فرضیت قطعی کا محل حج اور حرمت ظنی کا محل تصویر کو مانا ہے یہاں محل الگ الگ ہے اس لئے مقابلہ ہی نہیں۔ حج کی فرضیت سے تو کسی حال میں نہ تعارض ہے اور نہ تمانع۔ رہی اس کی ادائیگی تو اس سے بھی تعارض نہیں البتہ حرمت تصویر اس کے لئے مزاحم اور سدراہ ہے اس لئے یہ وجوب ادا کے لئے مانع ہے۔ اپنی عورت سے خلاف فطرت مباشرت حرام ظنی ہے تو کیا اگر غیر ملکی سفر کے لئے بجائے تصویر اس کی شرط لگادی جائے تو الضرورات تبیح المحظورات اور بوقت مقابلہ فرض قطعی کو ترجیح دی جائے گی کہ پیش نظر حج کی ادائیگی کے لئے اس کے جواز اور اس پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ بینوا وتوجروا، (یاللعجب)

رہا تیسرا قول تو اس پر تبصرہ کرنا فضول ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قائل نے کسی عالم سے یہ سن لیا ہوگا یا کسی اردو کتاب میں لکھ لیا ہوگا کہ الضرورات تبیح المحظورات اور پھر یہ اپنی سمجھ کے مطابق جس کو چاہا ضرورت میں شمار کرلیا اور ضابطۂ مذکورہ کی وجہ سے تمام صورتوں کے لئے فوٹو کا نکلوانا جائز فرمایا۔

متذکرہ بالا امور سے یہ واضح ہوگیا کہ قول دوم یا سوم کو ماخذ مان کر حج کے لئے خواہ وہ حج فرض ہی کیوں نہ ہو یا معاشی واقتصادی خوشگواری اور عملی وفنی برتری کے لئے۔

اسی طرح تبلیغی یا تجارتی غیر ملکی سفر کے لئے پاسپورٹ یا ویزے یا پرمٹ اور لائسنس کے لئے کامل یا ناقص چہرے دار تصوریں کھینچوانے کے جواز کا فتویٰ دینا قطعا صحیح نہیں اور جو لوگ ان اغراض کے لئے فوٹو نکلواتے ہیں اس کا حکم ہے اور عام طور پر برائے تفریح فوٹو کھینچوانے والے کا حکم ایک ہی ہے۔

(ماہنامہ فیض الرسول ستمبر ۱۹۸۶ء)

امام احمد رضا قدس سرہ اور علم جفر

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے نورانی سلسلے اور ان کے ادوار جہاں تاب کے علاوہ بھی اس عالم رنگ وبو کا کوئی دور معلمان علم وحکمت اور محرمان فکر ودانش سے خالی نہیں رہا ہے جو رہتی دنیا تک تشنہ گان علم ومعرفت کے لئے معالم طریق اور سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان نوابغ روزگار افراد کے ساتھ ہی ساتھ قافلۂ علم وفن پر شب خون مارنے والوں کی بھی کبھی کمی نہیں رہی ہے جنہوں نے علم وحکمت کو متاع اخروی وفروختگی سمجھا اور اسے حصول دنیا اور جلب منفعت کا ذریعہ جانا۔ بعضوں نے اور آگے بڑھ کر اپنے اس کاروبار پر دین ودنیا کا لیبل لگا کر چسپاں کردیا۔ مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علم وحکمت کی حقیقی لذات سے بے بہرہ ان نام نہاد علما کا علمی وجود ہمیشہ تار عنکبوت اور نقش حباب ثابت ہوا۔ متغیر اور عارضی مادے کی محبت انہیں دوام نہ بخش سکی۔ انہوں نے محدود زمان ومکان میں ظاہر بینوں کی نگاہوں کو تو خیرہ کیا مگر خود مادے کی تاریک وادیوں میں گم ہوگئے۔

علم کے نام پر زلف گیتی کے پیچ وخم درست کرنے والوں سے قطع نظر پہلے طبقہ کے صاحبان

علم وآگہی کے جہان نو پیدا کرتے رہے۔نفع وضرر سے بے نیاز،حکمت ودانائی کے چراغ روشن کرتے رہے۔فکروفن کے گیسوسنوارنے میں مصروف رہے۔آج بھی ان کے افکار کی نکہتیں علمی فضاؤں میں بسی ہوئی ہیں،ان کی نکتہ رسی کی کہکشاؤں سے آسمان علم وادب تابندہ ہے ان کے دیدہ وری کے فیضان سے فکروفن کی انجمن آباد ہے،

ثبت است برجیدۂ عالم دوام ما

ایسی شخصیات میں ائمہ دین اور ان کے اصحاب وتلامذہ کے علاوہ امام ابومحمد غزالی،امام فخر الدین رازی،شیخ بوعلی سینا،ابونصر فارابی،ابن ہشیم،ارشمیدس،ثاؤذوسیوس،فیثا غورث،بطلیموس، آئن اسٹائن،گلیلیو،ٹوری سیلی،نیوٹن،پرسٹلے،شیلےاور لیوازیئے،وغیرہ کا شمار ہے۔

جب ہم بنی نوع انسان کی اس زریں تاریخ کے چند مزید اوراق الٹتے ہیں تو عہد قریب میں ہمیں ایک ایسی شخصیت جلوہ ساماں نظر آتی ہے جو ایک طرف ائمہ اسلام کی ہمدم وہمراز ان کی دینی بصیرت ومذہبی شعور سے آگاہ اور غزالی ورازی کے اسرار سے باخبر ہے۔تو دوسری طرف ابن سینا، فارابی اور بطلیموس کے تدقیقات سے کھلیتی،ابن ہشیم،ارشمیدس اور ثاؤذوسیوس کی ریاضیات سے مسکرا کر باتیں کرتی۔

آئن اسٹائن اور گلیلیو کے نظریات کا تعاقب کرتی۔ٹوری سیلی اور نیوٹن کے کلیات کے پرخچے اڑاتی اور پرسٹلے اور لیوازیئے کے کیمیائی اکتشافات کے تشریح کرتی نظر آتی ہے۔

جب ہم اس ہمہ جہت ہستی کو عمیق نگاہوں سے دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ عناصر اربعہ سے مرکب نہیں سراسر حکمت ودانائی کا پیکر ہے سراپا علم وفن کا مجسمہ ہے اور یہ شخصیت ہے۔

مجدد قرن رابع عشر امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی اس یگانۂ روزگار نے تقریباً پچاس ساٹھ علوم وفنون میں اپنی بیش بہا تصنیفات بطور میراث چھوڑی۔قدرت نے ان تصنیفات کو اپنی حمایت وحفاظت کا ایسا صیقل عطا فرمایا کہ دست بغض وعناد کی گرفت میں آج تک کچھ نہ آسکا یہ فاضل بریلوی کی خلوص وللّٰہیت کا انعام ہی ہے کہ قدرت نے انہیں صیانت قلم سے نوازا۔

امام احمد رضا نے جہاں کہیں تفسیر وحدیث، فقہ واصول ،منطق وفلسفہ، ہیئت وہندسہ، مساحت وتوقیت، لوغارثم وجراالاثقال، جبرومقابلہ، اجرام وابعاد، مثلاث وآکر، متناسبہ متعددہ، مناظر ومرایا، ارثماطیقی ونجوم اور دیگر مبادیات مثلاً صرف ونحو معانی وبلاغت اور بیان وبدیع میں کمال حاصل کیا وہیں انہیں ایسے علوم سے بھی وافر حصہ ملا جن کا شمار علم الاسرار میں ہوتا ہے۔انہیں علوم میں سے علم جفر بھی ہے۔

علوم وفنون کی تعداد کے بارے میں نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ

عن بعض الفضلاء ان العلوم المدونة ثلثمائة وست وستون علما (ترجمہ بعض فضلاء سے منقول ہے کہ علوم مدونہ ۳۶۵ علوم ہیں)

والمختار عندی ان عدد العلوم اکثر من ان یضبط القلم.

وعن الامام الغزالی عن بعضهم ان القرآن یحتوی سبعا وسبعین الف علم وماتی علم.نقل السیوطی عن الفاضل ابی بکر بن العربی انه ذکر فی قانون التاویل ان علوم القرآن خمسون علما واربعه مائة علم وسبعة ص ا .

میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ علوم کا شمار نا قابل شمار ہے۔امام غزالی بعض علماء سے سن کر قول کرتے ہیں کہ قرآن ۷۷۲۰۰ علوم پر مشتمل ہے۔امام سیوطی فاضل ابی بکر کی تصنیف ''قانون تاویل'' سے ناقل ہیں کہ علوم قرآن ۷۷۴۵۰ عدد ہیں۔

ظہور وخفا کے اعتبار سے علوم کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) علوم جلیہ، (۲) علوم خفیہ۔

پھر علوم خفیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مستحب الکتمان، واجب الکتمان۔وہ علوم متداولہ جو مدارس ومجالس سے اکتساب کئے جاتے ہیں اور شائع وذائع ہیں۔وہ علوم جلیہ ہیں۔اور وہ علوم جنہیں علماء وعرفاء عامیوں کی نظر سے مستور رکھتے ہیں۔وہ علوم خفیہ ہیں علم جفر،علم الاوفاق،علم نجوم علم رمل اور علوم خمسہ یعنی کیمیا، لیمیا، ہیمیا، سیمیا اور ریمیہ وغیرہ جن کے رؤس کا مجموعہ ''کلہٗ سر'' کہا جاتا ہے یہ سب

علوم خفیہ ہے۔ان میں علم جفر واجب الکتمان ہے۔

علم جفر کے بارے میں عالم علوم الاسرار شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔

فمن ظفر به فليتق الله تعالىٰ ويكتم هذا السد المخزون. واللؤلو المكنون والايمشى عليه غضب الرحم وسلب الايمان ترجمہ جواس گوہر نایاب کوحاصل کرے اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہیئے اورلوگوں سے اسے پوشیدہ رکھنا چاہیئے ورنہ غضب الٰہی میں گرفتار ہونے اورایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے۔

شاہ کرمانی سے منقول ہے کہ

من نطق عن درجة قبل ان يرقها كان حقا على الله ان يحرمه تلك الدرجة فلا ينالها (یعنی اگرکوئی کسی درجہ کے حصول سے پیشتر اس کا تذکرہ کردے تو اللہ تعالیٰ اسے اس درجے سے محروم کردیتا ہے۔وہ اس درجے کونہیں پاسکتا ہے)

واقعہ یہ ہے کہ علم جفر علم لدنی میں سے ہے۔جس کا اکتساب نہ مکاتیب ومجالس سے ہوسکتا ہے نہ مدارس ومحافل سے ممکن ہے۔البتہ اگرکوئی صاحب نظر التفات فرمائے یا براہ راست رحمت الٰہیہ مائل بہ کرم ہوجائے تو اس علم شریف کا حصول ہوسکتا ہے۔شیخ ابن عربی فرماتے ہیں۔

ان هذا العلم لايوجد فى السطور ولايوجد بالقياس ولا بالهندسة ولا بالذوق ولا بالنقل ولا بالفهم وانما يختص برحمته من يشاء يهدى اليه من اناب (یعنی یہ علم کتاب، قیاس، ہندسہ، ذوق، نقل اورفہم سے نہیں ملتا یہ تو رحمت الٰہی سے ملتا ہے جسے عنات فرمادے)ص ۳

علم جفر دراصل سائل کے سوال کے حروف کوایک خاص انداز میں ترتیب وتقلیب کرنے کا نام ہے اس مخصوص تقلیب اورالٹ پھری میں کہیں مخض ترقی، ترفع مدکی مساوات طرح وصفی اورکہیں بسط، بسط المخض، طرح البسط، طرح الطبع نیزکہیں زیروبینات، مداخل مدات اورکہیں بطون سبعہ کاعمل کرنا پڑرہاہے۔شیخ فرماتے ہیں۔

ان اسرار الحروف لاتدرک بشى من القياس كبعض العلوم وانما تدرك بالعناية الالهيةاما بشى من سرالانقاء اوبشى من اسرار الوحى او بشى من اسرار الكشف او بنوع من الانواع المخاطبات وماعدا هذا الاقسام الاربعةمحدث النفس لافائدة فيه (یعنی اسرارحروف کا جاننادوسرے علوم کی طرح قیاس سے نہیں ہوتا یہ تو فقط عنایت الٰہی سے ہوتا ہے یہ عنایت خواہ سرالالقاء سے ہو یا اسراروحی سے ہوخواہ اسرار کشف سے ہو یا مخاطبہ کی کسی قسم سے ہو بقیہ طریقے ''حدیث نفس'' ہیں جن میں کچھ فائدہ نہیں)

علم جفر میں حروف کی ابجد میں اٹھائیس عدد ہیں اور پھر صفات کے اعتبار سے اس کی متعدد اصناف ہیں۔اس کے بارے میں ارشاد ہے۔

لها صور فى عواملها تعرف اهل الكشف ولا تدرك بالذكاء ولا بالعقل ولا بالقياس ولا بالبحث وانما يُدرك بالاصول الاربعة التى اقدم ذكرها. (یعنی ان اصناف کی معرفت فقط اہل کشف کو ہوتی ہے عقل ودیانت وبحث وقیاس سے نہیں ہوتی۔متذکرہ بالا اصول اربعہ سے ہی اس کا ادراک ہوتا ہے۔

اس علم شریف کے بارے میں مابین جفار یہ مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو یہ علم بخشا اور پھر یہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہوا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولیٰ علی کو ملا۔نیز ان کے توسط سے ائمہ اہل بیت کوعطا ہوا۔اورسیدنا امام جعفرصادق کے ذریعہ اولیاء عظام، علماء کرام اور مخصوصین کو یہ علم حاصل ہوا۔شیخ الاسرار علامہ ابن عربی کو اس فن کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ان کے علاوہ شیخ کمال الدین ابوسالم محمد بن طلحہ شاہ کرمانی اورشیخ سلیم واعظ مصری اس فن کے استاذ مانے جاتے ہیں۔بعض کتابوں میں امام الاشراقین افلاطون کو بھی اس فن کا ماہر بتایا گیا ہے۔

امام احمد رضا کے عہد میں مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ میں ایک ایسی ہستی جلوہ گرتھی جو نہ ''پدرم سلطان بود'' کے دھن میں مخمور تھی نہ ''تاج بے سلطانی'' زیب فرق کے نشہ میں چورتھی بلکہ ست مئے الست اور بادۂ عرفان کے کیف ونشاط سے مسرور اورالٰہی کی تجلیات سے معمور تھی۔امام احمد رضا کی

طرف اس مرد خدا آگاہ کی نگاہ اٹھی اور الطاف رحمانی کی بارش شروع ہوگئی۔

آپ کو علم جفر کا ایک قائدہ بدوح بلین کی تلقین کرتا ہوں آپ اس میں محنت وریاضت کریں توانشاء المولیٰ حقائق ومعارف کے خزائن البنے لگ جائیں گے۔

فاضل بریلوی کو قاعدۂ بدوح بلن کی تلقین کرنے والی یہ شخصیت غوث العالم حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے مرشد حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ کی تھی۔

امام احمد رضا نے حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ کے فرمان کے مطابق اس علم کے حصول میں کوشش شروع کی تو رازہائے سربستہ کے پردے وا ہونے لگے اور یکے بعد دیگرے پیچ وخم سلجھتے گئے مزید دستگاہ حاصل کرنے کے لئے فاضل بریلوی نے اس فن کی بہت ساری کتابیں جمع کیں۔مگر جب حاصل شدہ قاعدے سے استفسار فرمایا تو جواب آیا کہ دو کتابوں کے علاوہ بقیہ ساری کتابیں جلا دینے اور دریا برد کردینے کے لائق ہیں جن دو کتابوں کی صداقت کی تصدیق ہوئی وہ ہیں الدر المکنون اور الکوکب الدریہ۔علاوہ ازیں جواب میں یہ بھی نشاندہی ہوئی کہ موخر الذکر کتاب زیادہ آسان ہے۔

پھر کیا تھا۔

حضرت نوری میاں کی چشم عنایت، دونوں مذکورہ کتابوں کی اعانت اور خود امام احمد رضا کی خداداد ذہانت نے مل کر پیچیدگیوں کے تمام قلعوں کو مفتوح کرلیا۔حتی کہ فن کی تسہیل کے لئے ازخود بہت سے جدولیں تیار فرمائیں تاکہ بوقت عمل زیادہ زحمت ودشواری نہ ہو۔

الدر المکنون کی عبارت میں ایک مقام پر شبہ ہوا اور خیال گزرا کہ غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ قاعدہ جفر سے معلوم کیا تو جواب آیا کہ کتابت کی غلطی نہیں ہے۔غور کیجئے اور واقعی جب غور فرمایا تو راز کھل گیا۔

علم جفر کے بہت سے قاعدے ہیں جن میں زیادہ قابل وثوق قاعدے تین ہیں۔

(۱) بدوح بلن (۲) الجفر الجامع (۳) قاعدۂ تولید۔

ابتداءً فاضل بریلوی حضرت نوری میاں کے تلقین کردہ قاعدہ بدوح بلن ہی پر عمل کرتے رہے۔لیکن بعد میں آپ قاعدۂ الجفر الجامع جو قلیل المؤنۃ کا زیادہ استعمال کرنے لگے۔اس قاعدے میں اولاً یہ معلوم کرنا پڑتا ہے کہ قمر سوال کے وقت کس منزل میں ہے۔اور پھر رباعی درسباعی جدول جس میں سطور کی تعداد سات اور اضلاع کی تعداد چار ہوتی ہے۔جملہ بیوت اٹھائیس ہوتے ہیں۔ اسے تیار کرکے اول خانے کو نو حروف (حروف منزل تین۔حروف ستوالیہ سوال کا حرف ملخص اور پھر حروف الجفر الجامع سے پر کرتے ہیں۔یہ اول بیت ہوا۔اس طرح متاولیاً تمام بیوت ثانی اور ثالث وغیرہ پر کرتے ہیں۔ثانیاً پہلی جدول کی طرح دوسری جدول رباعی درسباعی تیار کرکے اس میں جدول اول کے جمل کبیر کے حروف لکھے جاتے ہیں۔ثالثاً علم الاوفاق کے مطابق شطرنجی چال سے مختلف خانوں سے حرف اٹھا اٹھا کے اللقط واللفظ کرتے جاتے ہیں۔لفظ ولقط کا قاعدہ یہ ہے کہ بیت سے جو حرف ماخوذ ہوں انہیں بطون سبعہ کے ذریعہ استنطاق کرکے حاصل اکٹھا کئے جاتے ہیں اور پھر ان حاصل شدگان کو باہم مربوط کرکے لفظ اور اس کے جملہ بنائے جاتے ہیں۔تا آنکہ پورا جواب حاصل ہوجائے۔اس لقط، لفظ میں ایک دور بھی ہوسکتا ہے۔بلکہ کئی ادوار ہوسکتے ہیں البتہ ہر طاق دو مستوی اور ہر جفت دور معکوس چلتا ہے۔ماہتاب کی منازل معلوم کرنے کے لئے فاضل بریلوی نے تین طریقے تحریر فرمائے ہیں۔اول تقویم بالزیج۔دوم نائیٹکل المنک۔سوم جنتیوں سے معلوم کرنا۔لیکن موخر الذکر طریقے کو امام نے کمزور قرار دیا ہے۔

قاعدہ بدح بلن میں علم کے دوران گیارہ مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

افراز، الہام، بینات، فرقان، القائی الروع، مداخل خمسہ مدات، استنطاق، نتیجہ، نظیرہ، صدر موخر، مستحصلہ،۔

مستحصلہ کے لئے ایک ایسی جدول تیار کی جاتی ہے جس کی طول میں صدر موخر کے حروف کی تعداد کے برابر خانے ہوتے ہیں اور عرض میں سات خانے متعین ہوتے ہیں۔جن میں سے پہلی لائن میں حروف دوسری لائن میں ترقع، ترقی، تنزل اور مساوات درج ہوتے ہیں تیسری لائن میں

حقوق دیئے جاتے ہیں۔ باقی لائنوں میں دوسرے اعمال کئے جاتے ہیں (جنہیں طوالت کے سبب ترک کیا جارہا ہے۔ اور اس اصل سوال کا جواب سوال ہی کی زبان میں حاصل ہو جاتا ہے۔

قاعدۂ تولیدی میں بھی رباعی در سباعی جدول تیار کر کے محور سوال کے حروف اور خانہ میں درج کئے جاتے ہیں اور توالد وتوالیا اٹھائیسویں خانہ تک پر کئے جاتے ہیں پھر لقط ولفظ سے اپنا جواب حاصل کیا جاتا ہے۔ الدر المکنون والجوہر المصون میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے ابتدائے اسلام سے لے کر قیام قیامت تک پیش آنے والے اسلامی سلطنتوں کے عروج وزوال کے کوائف اور ان ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے احوال معلوم کرنے کے لئے تیس پینتیس جدولیں تیار فرمائیں ہیں۔ جس میں مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، مصر، حلب، یمن، قسطنطنیہ، روم اور دوسری مسلم ریاستوں اور ان کے سلاطین امراء وقضاۃ کے احوال، ظہور مہدی، خروج اصغر، اقامۃ الامام بالشام خروج دجال اور اس کی علامتیں، دجال کا قتل، منارہ جامع اموی دمشق سے نزول مسیح اور ان کے کارنامے پھر ان کا مدینہ منورہ میں دفن ہونا یاجوج ماجوج کا خروج اور ان کی ہلاکت کی وجہ سے روئے زمین پر بدبو پھیلنا خروج دابہ اور لوگوں سے اس کا کلام کرنا، سمندر سے عورت کا باہر نکلنا اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا عدن سے آگ کا شعلہ بھڑکنا، پچھّم سے آفتاب کا طلوع ہونا نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ اور اقامت قیامت وغیرہ احوال اشاروں اور کتابوں میں مندرج ہیں۔

امام احمد رضا نے ان تمام جداول کے خانۂ اول میں محور سوال کے مرقوم حروف کی تشریح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ مگر بنور اس لیلیٰ حسن کے لئے چشم مجنوں کی ضرورت ہے۔

امام احمد رضا نے نہ صرف ان قواعد سے استفادہ فرمایا ہے بلکہ جن دوسری کتابوں میں ان قواعد کے بیان میں خامیاں تھیں انہیں واضح بھی کیا ہے اور ان میں سے بعض کتابوں کے بارے میں دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ صاحب کتاب کو نہ اس فن شریف سے دلچسپی تھی اور نہ ہی آگاہی تھی بلکہ حصول جاہ وحشم اور نگاہ غیر میں ''معتبرہ'' بننے کی سعی ناکام کے سوا کچھ نہیں۔ کچھ مسائل ادھر ادھر

سے اخذ کر کے اور کچھ بذات خود اضافہ کر کے کتاب لکھ ڈالی۔

امام احمد رضا کے ایک دوست فاضل بخاری جناب عبدالغفار صاحب نے آپ سے اس فن سے متعلق ایک ایسے قاعدے کا ذکر جس کے بارے میں مابین الجفار واضح انداز میں ''ناطق'' ہونے کی شہرت تھی۔ آپ نے سنتے ہی اس قاعدے کی صداقت سے انکار فرمایا۔ نیز جن کتابوں میں وہ قاعدہ مندرج تھا۔ فاضل بخاری کی نشاندہی پر ان ساری کتابوں کو منگوایا اور ان سب پر جرح ونقص فرمایا۔ ان کتابوں سے چند کتابوں کا ذکر خود فاضل بریلوی نے اپنی تصنیف میں کیا ہے اور مختلف عناوین مثلا (۱) الکلام علی جفر الخافیہ (۲) الکلام علی المرصد السنی (۳) الکلام علی رسالۃ بدوح یلن (۴) الکلام علی مفتاح الجفر قائم فرما کر ان کتابوں کے مندرجات کی تغلیط فرمائی۔ اور آخر میں جفر الجامع کے قاعدے سے ان کتابوں کے بارے میں سوال کر کے تائید میں جواب بھی حاصل کیا۔

یہاں فاضل بریلوی نے جفر الجامع کے قاعدہ کو جاری کرتے ہوئے شطرنجی چال میں شیخ سلیم واعظ مصری کے بیان کردہ دستور کو اپنایا۔ اس دستور میں اگرچہ علم الاوفاق کے مطابق اضلاع میں تو تقارب تھا مگر اسی کے مطابق سطور میں تقارب نہ تھا بلکہ غایت درجہ تباعد تھا۔ جسے فاضل بریلوی نے واضح طور پر نقشہ کھینچ کر بتایا ہے۔ بعدازیں آپ نے پھر اسی قاعدے جفر الجامع کو اسی سوال کے جواب حاصل کرنے کے لئے علم الاوفاق کی رعایت کرتے ہوئے تقاریب کے بجائے سطور کو یکساں تیار کر کے اس کی یکسانیت پر دو دلیلیں قائم کیں اور سطرنجی چال کو بدل کر پھر سے جواب حاصل کیا اور اس طرح اس سوال کے جواب کے لئے دو میزانیں حاصل فرمائیں میزان سلیمی سے زیادہ حساس ثابت ہوا۔ یہ دونوں میزانیں آپ کی تصنیف میں موجود ہیں۔

اس مقالے میں سوال اور اس کے جواب کا مطلب خیز ترجمہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئین بھی اس سے محفوظ ہوسکیں۔

سوال (۱) کیا علم جفر میں کوئی ایسا قاعدہ ہے جس کے ذریعے متحضرہ سے مستحصلہ کا استخراج اور پھر انہیں نظائر ابجد یہ سے بدلنے پر بغیر اخذ وترک اور بغیر اعمال فکر صاف صاف جواب نکل

آئے؟

(۲) رسالہ بدوح یلن۔ مفتاح الجفر، مرصد السنی اور رسالہ جفر الخافیہ میں جس قاعدے کا ذکر ہے۔ کیا وہ بالکل درست ہے یا ان کے مصنفین کا خود ساختہ ہے؟ (۳) اگر نہیں تو ان میں صحیح تر کون سی کتاب ہے۔ (۴) ان میں سے کس کتاب میں اس قاعدے کا مکمل بیان ہے؟ (۵) اگر ان میں سے کوئی کتاب صحیح نہیں تو یہ قاعدہ کس کتاب میں مذکور ہے؟ (۶) کیا یہ قاعدہ بدوح یلن جو ان مذکورہ کتابوں میں درج ہے۔ درالمکنون اور الکوکب الدریہ میں مذکور قاعدے سے احسن ہے؟

الجواب بے پردہ کھل کر جواب دینا سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے کسی کو حاصل نہیں اس کتاب کے مصنفین رافضی دروغ گو ہیں غضب اللہ علیہم اس درجہ سے یہ لوگ حق سے محجوب ہو گئے ان لوگوں کا مقصد اس سے جاہ طلبی ہے دراصل ان کتابوں میں جو کچھ ہے من گھڑت ہے اور ان لوگوں نے حضرت علی حیدر کرار اور جعفر صادق پر اس سلسلے میں بہتان باندھا ہے یہ کتابیں بالخصوص مفتاح الجفر جلا دینے کے لئے قابل ہے۔ ہاں الدر المکنون اور الکوکب الدریہ صحیح ہیں بلکہ موٴالذکر پہلی سے سہل ہے۔ آپ اپنے دوست بخاری صاحب سے بتادیں کہ جو طریقہ وہ اپنائے ہوئے ہیں وہی درست ہے۔ اس کا اعتبار کریں اور اسی پر جمے رہیں۔

امام احمد رضا کے یہی دوست فاضل بخاری، میز مسمریزم اور دوسرے عملیات کے یہی خاصے ماہر یعنی ان کا ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ ایک بار جب وہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے لئے بریلی شریف آئے اور وہاں مقیم تھے، تو اسی دوران بخاری صاحب کے کسی دوست نے انہیں خط لکھا کہ میں یہاں حیدرآباد میں ایک مالدار غیر مسلم عورت کے عشق میں مبتلا ہو گیا ہوں اور یہ عورت بیس لاکھ روپے کی مالکہ ہے وہ خود بھی مجھے چاہتی ہے مگر اس کا خاندان اور عقیدہ ہماری درمیان حائل ہے آپ کوئی عمل اور تدبیر ایسی کر دیجئے جس سے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں آپ نے فرمایا کہ عورت کا کفر سب سے بڑا عائق موجود ہے۔ فاضل بخاری نے اصرار کیا۔ مگر یہ تو بے حد پیار کرتی ہے ہوسکتا ہے کہ مذہب تبدیل کر کے شادی رچالے۔ امام احمد رضا نے ان کے اصرار پر سوال مرتب کر کے زیچ سے یہ معلوم کیا کہ قمر منزل ذراع میں ہے۔ سوال کا اردو ترجمہ ہے

”کیا رام لچھما بائی بنت رامکا ورد لاور علی بن اصغری بیگم کے مابین موافقت ہوسکتی ہے۔ اور ان کا نکاح ہوسکتا ہے۔

امام احمد رضا نے ان کے لئے دو جدولیں تیار کیں اور جفر الجامع کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے جواب حاصل کیا۔

”کیف ینکحھا وھی مشرکۃ لا و من باللہ ابداً“

(جواب) عقد نکاح کیسے ممکن ہوگا جب کہ یہ مشرکہ ہے اور اس کی قسمت میں ایمان باللہ ہے ہی نہیں۔

امام احمد رضا نے اپنی بعض محفلوں میں اس فن کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے جتنے علوم وفنون کے مطالعے کئے سب سے دشوار تر اس فن کو پایا۔ اس فن کی اپنی تصنیفات میں ان کے شرائط کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ۔ بوقت عمل طہارت کا التزام کر کے اس کا عمل ریاسمعہ وطلب دنیا کے لئے نہ کرے۔ زنا، لواطت اور کذب سے احتراز کرے۔ بغیر حاجت شدید از خود اس علم کا اظہار نہ کرے۔ کسی فاسق کے سوال کے حل کے لئے اسے استعمال نہ کرے اس کا عامل ہر ماہ کے شروع میں میٹھی چیز پر سیدنا جعفر کا فاتحہ کرائے۔ اس کی تعلیم اس کے اہل کے سوا کسی اور کو نہ دے۔ اور جو نتیجہ جواب میں برآمد ہو بغیر خوف وہراس کے اسی کو سائل کو بتائے اور مکمل ایک سال روزانہ اس اسم جلالت کی زکوٰۃ ادا کرے۔ امام احمد رضا اور علم جفر سے متعلق دوسرے دلچسپ اور امور کا تذکرہ استاذنا الکریم ملک العلماء کی تالیف کردہ ”حیات اعلیٰ حضرت اور الملفوظ شریف میں تفصیلی سے موجود ہے۔

آخر میں محترم المقام مولانا محمد عبد الحکیم شرف القادری سننے کے منافی ہو تو اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ روضۂ اطہر پر جو درود پڑھا جائے حضور اسے بھی نہیں سماعت فرماتے ہیں ایسی صورت میں یہ حدیث پہلی حدیث کے معارض ہوگی جس میں صاف موجود ہے من صلی علی عند قبری سمعتہ یعنی جو میری قبر پر درود پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں (ملخص از مقالات کاظمی)

ایک سوال کا جواب۔ اب رہا یہ سوال کہ جب سرکار علیہ السلام خود ہی اپنی امت کے ہر فرد کا درود وسلام سماعت فرماتے ہیں تو پھر فرشتوں کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں درود وسلام پیش ہونے کی

حکمت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رب قدیر جل شانہ نے اپنے محبوب پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہی دربار کی رفعت وعظمت کو ظاہر فرمانے کے لئے ملائکہ کو اس بات پر مامور فرمادیا ہے کہ وہ خیر امت کا درود وسلام خیر الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کریں نیز اس سے درود وسلام پڑھنے والے کی فیروز بختی بھی ظاہر ہوجاتی ہے کہ درود پڑھنے والا صرف ایک بار درود پڑھتا ہے مگر اس کا نام بار بار حضور اقدس میں پیش ہوتا ہے کبھی زمین پر گشت لگانے والے فرشتے عرض کرتے ہیں یارسول اللہ فلاں آپ کے امتی نے درود وسلام کا ہدیہ پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں مالک ارض وسما جل شانہ کی اس میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ **فعل الحکیم لایخلوا عن الحکمۃ۔** دور ونزدیک کے درود وسلام کو سماعت فرمانے کے باوجود ملائکہ کے ذریعہ پیش ہونے کی نظیر ان احادیث میں ہے جن میں یہ ہے کہ ہفتہ میں دو دن اور روزانہ بندوں کے اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش ہوتے ہیں حالانکہ یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ پوری مخلوق کی ہر ایک حرکت کو جانتا ہے اس سے کوئی ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے پھر اسی نے نیکی وبدی کو لکھنے کے لئے کراما کاتبین کو مقرر فرمادیا ہے اور کائنات کے دیگر امور پر بھی فرشتوں کی ڈیوٹی لگادی ہے ظاہر ہے کہ ایسا کرنے میں اس کی بے شمار حکمتیں ہیں اسی طرح بارگاہ نبوت میں ملائکہ کے ذریعہ درود وسلام پیش ہونے کا مسئلہ ہے اسی رب قدیر جل جلالہ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دور ونزدیک سننے کی قوت قدسیہ عطا فرمادی ہے اور وہی رب کائنات جل شانہ ملائکہ کے ذریعہ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود وسلام پیش کرتا ہے۔

دور ونزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

(ماہنامہ فیض الرسول، دسمبر ۱۹۸۶ء)

ویڈیو کی تصویر اصلی یا فرضی

ویڈیو اور ٹیلی ویژن میں چھپنے والی تصویر کی حقیقت وماہیت پر ایک فاضلانہ مضمون

تصویریں یوں تو بہت طرح کی ہوتی ہیں اور بہت سی جگہیں بنتی ہیں لیکن علم مناظر میں بتایا گیا ہے کہ تصویریں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ اگر تصویر کسی پردے پر بنے تو اصلی (REAL) ہے ورنہ فرضی (VIRTUAL) ہے اس کی مختصر توضیح یہ ہے۔ تکنیکی، یا دستکاری کے عمل سے پیدا ہونے والی ایسی شبیہ جو کسی چیز کی حکایت صوری کرتی ہے تصویر کہلاتی ہے (اور اگر آنے والی شعاعوں کے احتجاب سے کوئی سایہ بنتا ہے تو اسے پرچھائیں کہتے ہیں) تصویر اگر قلم، برش، یا کسی دیگر آلہ کے ذریعہ رنگ ولون کے تال میل سے یا چند فراشوں کی مدد سے جزءً فجزءً (تھوڑی تھوڑی کرکے) عالم وجود میں آئے تو ترسیمی اور اگر نور وضیا کی کرنوں کے امتزاج سے یا کسی ذی تصویر مادہ کے اتصال سے بیک وقت ظہور پذیر ہو تو ارتسامی کہلاتی ہے۔ نور وضیا کی کرنوں کی مدد سے بننے والی تصویر

ارتسامی عکسی اور ذی تصویر مادہ کے اتصال سے بننے والی تصویر ارتسامی انطباعی کہلاتی ہے عکسی تصویر اگر کسی چیز کی سطح پر بنے تو حقیقی (REAL) ورنہ فرضی ہے، فرضی تصویروں کے علاوہ تمام تصویریں اصلی ہیں۔اس کی وضاحت مندرجہ ذیل مثالوں سے سمجھی جاسکتی ہے۔

ا۔قلم وبرش، پینٹنگ فوارہ کے ذریعہ قرطاس ودیوار پر بنی تصویریں یا کسی چیز سے کندہ کی ہوئی تصویریں اسی طرح فن پارچہ بیزی یا کڑھائی سے اتاری ہوئی صورتیں وغیرہ ترسیمی ہیں۔

۲۔مہر، ٹھپہ یا پریس کے ذریعہ بنی تصویریں ارتسامی انطباعی ہیں۔

۳۔فلمی ریل یا بذریعۂ کیمرہ اتاری ہوئی تصویریں ارتسامی عکسی ہیں۔اسی طرح پردۂ فلم ٹیلی ویژن یا ویڈیو کے اسکرین پر نظر آنے والی تصویریں بھی ارتسامی عکسی ہیں۔تصویر کی مذکورہ بالا قسمیں اصلی تصویریں ہیں۔

۴۔آئینے اور پانی میں نظر آنے والی تصویریں ارتسامی عکسی ہیں مگر فرضی (VIRTUAL)۔
فرضی تصویریوں کا مقام معین نہیں ہوتا بلکہ ناظر کے اعتبار سے اس کا مقام بدلتا رہتا ہے۔
مثلا اگر ناظر آئینہ کے محاذاۃ سے اپنا سر اوپر اٹھائے تو تصویر اوپر کھسک جائے گی اور اگر سر نیچے لے جائے تو تصویر نیچے کھسکتی نظر آئے گی۔

اسی طرح ناظر کے دائیں بائیں کھسکنے پر تصویر اپنی جگہ چھوڑتی نظر آئے گی۔لیکن حقیقی تصویریں چونکہ سطح پر بنتی ہیں اس لئے اس میں یہ بات نہیں ہوا کرتی۔

جن وسائل سے تصویریں بنتی ہیں مثلا رنگ ولون یا کرنیں وغیرہ انہیں کنٹرول کرکے کسی ایسے مخصوص انداز میں کسی سطح پر ممتد کردینا کہ جس سے صورت ابھر آئے۔تصویر سازی ہے وی ڈیو کے کیسٹ یا ٹیلی ویژن اسٹیشن میں لگے موصل جنہیں مخصوص کیمروں کے ذریعہ حقیقی منظر کی شعاعوں سے متاثر کرکے اس قابل بنا دیا جاتا ہے کہ اس کے پشت سے آنے والی کرنوں کو نہایت ہی ضابطہ کے ساتھ وہ اسکرین پر پھیلا کر حقیقی منظر کا عکس پیش کرکے یہ عمل، عمل تصویر کشی ہے۔جیسے قلم وبرش کو اپنے قابو میں رکھ کر اسے قرطاس ودیوار پر اس طرح پھیرے کہ صاحب قلم کی مرضی کے مطابق

صورت نمایاں ہوجائے۔وی ڈیو اور ٹیلی ویژن میں کیسٹ اور موصل کی حیثیت ایسی ہے جیسے قلم کہ اگر چہ نوک قلم میں کوئی تصویر نہیں رہتی لیکن رنگ ولون کو مخصوص انداز میں پھیلاتی ہے اسی طرح کیسٹ وغیرہ اگر چہ اس میں تصویر نہ سہی لیکن یہ کرنوں کو مخصوص انداز میں اسکرین پر ڈالتے ہیں البتہ دونوں میں یہ فرق ضرور ہے کہ ایک میں عمل دستکاری ہے اور دوسرے میں مشینری کا عمل ہے۔

ٹیلی ویژن کے ڈائل اور وی ڈیو کے اسکرین پر آلات مذکورہ سے شعاعیں اس انداز میں ڈالتے ہیں کہ جس سے تصویریں بن جاتی ہیں، یہ بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے پینٹنگ فوارہ کہ۔۔۔چھینٹوں سے در ودیوار پر تصویریں بن جاتی ہیں البتہ یہ فرق ہے کہ پینٹنگ فوارہ سے رنگ کی خطوط نما دھاریں نکل کر در ودیوار پر تصویریں بناتی ہیں۔ٹیلی ویژن اور وی ڈیو میں شعاعوں کے خطوط نکل کر اسکرین پر تصویریں بناتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ڈائل اور اسکرین دودھیا نیم شفاف ہوتے ہیں تاکہ شعاعیں وہاں ٹھہر کر تصویر بنا سکیں اور اس کی مخالف سمت سے لوگ اسے دیکھ بھی سکیں۔اگر یہ کامل شفاف ہوں تو شعاعیں آر پار ہوجائیں گی اور تصویر نہ بن سکے گی یا کامل کثیف ہوں تو تصویریں تو بن جائیں گی لیکن مخالف سمت سے نظر نہ آسکیں گی۔

عکسی حقیقی تصویریں چونکہ ہمیشہ کسی شے کی سطح پر بنتی ہیں اس لئے اتنی سطح اپنی رویت کے اعتبار سے جتنی بڑی یا چھوٹی نظر آئے گی اسی اعتبار سے تصویریں بھی بڑی اور چھوٹی نظر آئیں گی اسی طرح وہ سطح جتنی دو نظر آئے گی تصویریں بھی اتنی ہی دور نظر آئیں گی۔اسی لئے علم مناظر میں اسی کی تصریح کردی گئی ہے کہ تصویر اصلی کسی مخصوص مسافت کے تال (لینس) کے ذریعہ مخصوص دوری پر مخصوص سائز میں دیکھی جاسکتی ہے۔جیسا کہ بچوں کے اس کھلونے سے نظر آتی ہے جس میں فلم کی ریل فٹ کردی جاتی ہے۔ٹیلی ویژن اور وی ڈیو میں نظر آنے والی تصویریں چونکہ اسکرین کی سطح پر بنتی ہیں اس لئے سائز کے اعتبار سے ڈائل اور اسکرین کے طول وعرض سے بڑی نہیں بن سکتیں۔البتہ کسی مخصوص تال (لینس) سے اسکرین اور اس کے ساتھ بنی تصویریں بڑی نظر آسکتی ہیں۔سطح میں چونکہ عمق نہیں ہوتا اس لئے عکسی تصویریں چمکیلی سطح میں عمق کی پابند بھی نہیں رہتیں۔لیکن فرضی تصویریں

چونکہ سطح پر نہیں بنتی اس لئے اس کا سائز آئینہ وغیرہ کے سائز پر منحصر نہیں ہوتا۔ بلکہ آنے والی شعاعوں کے ارتکاز وانتشار کے اعتبار سے سائز بڑا چھوٹا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ چھوٹے شیشے میں سائز کے اعتبار سے بڑی تصویریں نظر آتی ہیں۔ چھوٹے سے نگ پر محل اپنے پورے سائز کے ساتھ نظر آ سکتا ہے۔

فرضی تصویریں جب کہ خود کسی تصویر کی صورت نہ ہوں بلکہ مجسم کی صورت ہوں تو مختلف وضع سے دیکھی جانے والی صورت میں اس کے نظر آنے والے حصے باعتبار سد وضع بدلتے رہتے ہیں آپ اگر شیشہ میں کسی چیز کو کہیں سے دیکھیں تو اس کا ایک حصہ نظر آ رہا ہوگا لیکن جوں جوں آپ اپنی وضع بدلتے جائیں گے تو اس کے نظر آنے والے حصے بھی بدلتے جائیں گے اور نہ نظر آنے والا حصہ جو آئینہ کے مقابل ہو نظر آنے لگے گا۔ لیکن اصلی تصویروں میں ایسی بات نہیں ہوتی۔ اسی طرح اصلی تصویروں کی فرضی تصویروں میں بھی یہ بات نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ آپ اپنی وضع لاکھ بدلیں لیکن ٹیلی ویژن اور وی ڈیو کی تصویروں کے غیر محسوس حصے کو کبھی بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ اس لئے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ٹیلی ویژن یا وی ڈیو میں بہر حال تصویر اصلی اور حقیقی ہوا کرتی ہے۔ فرضی تصویر کے بارے میں پہلے ہی میں عرض کر چکا ہوں کہ بذات خود اس کا کوئی مقام معین نہیں ہوتا بلکہ ناظر کے قرب وبعد کے اعتبار سے وہ اپنے موقع محسوس سے ہٹتی نظر آتی ہے۔ ٹیلی ویژن اور وی ڈیو کی تصویروں میں یہ بات نہیں ہوتی اس کا ایک مقام معین ہوتا ہے۔ ناظر کے اعتبار سے اس کا مقام بدلتا نہیں ہے۔

فرضی تصویروں میں اصلی ذی صورت کا آئینہ وغیرہ بالمقابل ہونا ضروری ہے اور شرط ہے۔ لیکن حقیقی تصویروں کے لئے یہ شرط نہیں بلکہ رنگ ولون یا نور وضیا کی کرنوں کا مخصوص صورت میں سطح پر پڑنا ہی کافی ہے۔۔۔۔۔ ہو جاتی ہے کہ ٹیلی ویژن اور وی ڈیو میں فرضی تصویر نہیں حقیقی اصلی تصویر ہے۔ اصلی تصویریں اصلی نظر یعنی ماخوذ عنہ یا صاحب تصویر کے انتقال مکانی کے بغیر بھی منتقل ہو سکتی ہیں۔ لیکن فرضی تصویروں میں یہ ممکن نہیں چنانچہ آئینہ کے رخ کی جہت اگر بدل جائے تو اس میں بنی

تصویریں بھی اس کے ساتھ منتقل ہو جائیں ایسا ممکن نہیں لیکن ٹیلی ویژن اور وی ڈیو کو آپ جس طرح بھی گھما دیں اس کی تصویروں پر کچھ بھی فرق نہیں آئے گا۔

علم مناظر اس فارمولے کے پیش نظر ۱/۱۰، سکنڈ میں مسلسل نظر آنے والی متعدد متشابہ چیزیں واحد شخصی نظر آتی ہیں جیسا کہ شعلۂ جوالہ سے دائرہ اور تقاطر ماء سے خط مائی، ٹیلی ویژن یا وی ڈیو میں شعاعوں سے بننے والی مختلف نور کی تصویریں بنتی اور مٹتی جاتی ہیں ان کے بننے اور بگڑنے کا وقفہ چونکہ ۱/۱۰، سکنڈ کے اندر ہی ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ حقیقی تصویریں متحرک نظر آتی ہیں اور تجدد امثال کی بہترین مثال پیش کرتی ہیں، اگر اس سرعت سے بننے اور مٹنے کا عمل نہ ہو تو قطعاً متحرک نظر نہیں آ سکتیں۔ لیکن آئینہ میں چونکہ تصویر قیام پذیر ہوتی ہے وہاں بننے اور مٹنے کا عمل نہیں ہوتا بلکہ خود ذی صورت کی حرکت سے وہ تصویر متحرک نظر آتی ہے تا آنکہ اگر ذی صورت خواہ کتنا ہی بطی السیر کیوں نہ ہو تصویر اسی اعتبار سے متحرک نظر آئے گی۔ تجدد امثال کی مثال نہیں پیش کرتی یعنی ٹیلی ویژن اور وی ڈیو میں کئی تصویروں کے باہم مدغم ہونے پر آنکھوں کو اس کے متحرک ہونے کا دھوکہ ہوتا ہے۔ آئینہ میں ایک ہی تصویر ہوتی ہے جو ذی صورت کی حرکت سے متحرک نظر آتی ہے یہاں فریب نہیں ہوتا خلاصہ یہ کہ اصلی تصویر قطعا متحرک نہیں ہوتا بلکہ تعدد امثال کے طور پر متحرک نظر آتی ہے۔ فرض تصویریں تعدد امثال نہیں ہوتا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ حقیقی تصویریں جب کبھی چمکیلی سطح پر بنتی ہیں تو بسا اوقات روشنی کی کرنوں کی وجہ سے وہ سطح نظر سے غائب ومعلوم ہوتی ہے اور صرف تصویریں نظر آنے لگتی ہیں۔ فلم کے پردۂ سیمیں پر ٹیلی ویژن کے ڈائل اور وی ڈیو کے اسکرین میں یہی بات ہوتی ہے یہ فریب نظر ہے واقعہ نہیں۔ ان باتوں سے واضح ہو گیا کہ ٹیلی ویژن اور وی ڈیو یا پردۂ فلم پر نظر آنے والی تصویریں حقیقی تصویریں ہیں آئینوں اور پانی میں نظر آنے والی تصویریں کی طرح فرضی نہیں۔ حسب تصریحات علماء شریعت میں ایسی اصلی تصویروں کی ممانعت آئی ہے جو کسی ذی روح کے حیات کی عکاسی کرتی ہوں اسی طرح ایسی تصویر فرضی کی بھی ممانعت وارد ہے جس کے محکی عنہ کا دیکھنا حرام ہو اس لئے پاسپورٹ سائز کی تصویریں ٹکٹ، لفافہ، کارڈ اور نوٹ کی ایسی تصویریں جو سینے سے نیچے

غیر مکمل رہی ہوں لیکن ذی روح کی حیات کی عکاسی کرتی ہوں تو اس کا بھی حکم کامل تصویر کا حکم ہوگا۔
اس طرح آئینہ وغیرہ میں غیر محرم کی نظر آنے والی تصویر کا حکم ہوگا۔ اس طرح آئینہ وغیرہ میں غیر محرم
کی نظر آنے والی فرضی تصویریں بھی حرام ہوں گی۔ پردۂ فلم، ٹیلی ویژن کے ڈائل یا وی ڈیو کے
اسکیرن پر نظر نے آنے والی ذی حیات کی تصویریں چونکہ حقیقی ہیں اور یہ ترسیمی تصویروں کی بہ نسبت
حیات کی عکاسی زیادہ کرتی ہیں اس لئے یہ اشد حرام ہیں۔ البتہ ایک سرے سے حاصل شدہ تصویریں
ایسی ہوتی ہیں جس طرح شکست وریخت کی منزل سے گزرے ہوئے مردے کا پنجرہ جو قطعاً حیات
کی عکاسی نہیں کرتیں ایسی تصویریں روا ہیں۔

ذی حیات کی اصلی تصویروں کو ممنوع اور فرضی تصویروں کو مباح قرار دینے میں غالباً شارع
علیہ السلام نے درج ذیل حکمت کا لحاظ فرمایا ہے۔

فرضی تصویر ایک ایسی نوع ہے کہ فی الجملہ اس کی تحصیل کے لئے یہ بالذات قصد وارادے کی
ضرورت ہوتی ہے اور نہ اس کے لئے بالاستقلال عمل کی حاجت، بلکہ ضمناً اور بالتبع ازخود یہ طبعی طور پر
حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے انسان اپنی کسی غرض سے پانی کی طرف بڑھے یا اس میں اترتا ہے۔ تو طبعی
طور پر پانی میں اس کا عکس اتر آتا ہے۔

اور اصل تصویر ایسی نوع ہے وہ طبعی اور قطعی طور پر ازخود حاصل نہیں ہوتی نہ ہی ضمناً اور بالتبع
نمودار ہو جاتی ہے بلکہ اس کے ہر ہر فرد کے لئے مستقل عمل اور بالذات قصد وارادے کی حاجت
ہوتی ہے یعنی قصد وارادہ اور احتیاج وعمل کی نسبت اصلی تصویر میں بطریقۂ ایجاب کلی ہوا کرتی ہے اور
فرضی تصویر میں بطریقۂ رفع ایجاب کلی۔ چونکہ یہ دونوں طریقے باہم متناقض ہے اس لئے دونوں
نوعوں کے احکام بھی الگ الگ ہے۔ فرضی تصویروں کی تحصیل کے لئے بالذات مباشرت اسباب اور
بالاستقلال ارتکاب اعمال نہ تصویر سازی ہے نہ اس سے حاصل شدہ صورت ممنوع اس لئے آئینہ بنانا
اس پر پالش کرنا اس کی طرف بڑھنا اور رخ کرنا، اس پر سے پردہ ہٹانا تصویر سازی کا عمل نہیں اور نہ
اس طرح بنی تصویر ممنوع یہ منہی عنہ نہیں ورنہ نہی عن جز لازم آئے گی اصلی تصویر کی تحصیل کے لئے تہیۃ
الاسباب اور استعمال آلات تصویر سازی کا عمل ہے۔ اور اس سے حاصل شدہ تصویر ممنوع اس لئے

اس پردے پر اتارنے کے لئے جو بھی عمل معاون ہوں گے وہ سب تصویر سازی کے اسباب واعمال
شمار کئے جائیں گے۔ جیسے وی، سی، آر، (V,C,R) کے ذریعہ کیسٹ تیار کرنا، ٹی وی اور ویڈیو کے
سوئچ آن کرنا، کیمرے کے بٹن دبانا وغیرہ اس کی ایک تقریبی نظریہ دی جاسکتی ہے کہ فضاؤں میں
منتشر مٹی کے ذرات اور مشروبات ومطعومات میں غبار کی آمیزش سے احتراز ممکن نہیں اور اس طرح
مٹی کا کھایا جانا ناگزیر ہے۔ یہ صورت مباح ہے اور مباشرت اسباب کے ساتھ بالقصد اس کا کھانا
ممنوع ہے۔ ہذا ما ظہر لی آلان لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ماہنامہ فیض الرسول، مئی ۱۹۸۵ء)

قسط(۱)

مسئلہ لاؤڈ اسپیکر کے تنقیدی جائزہ پر سرسری نظر

حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب ہماری جماعت کے قابل ترین علماء میں سے ایک ہیں۔ فلسفہ منطق اور ریاضی وغیرہ میں کافی ودک رکھتے ہیں۔ ان کے مقالات تحقیقی اور سنجیدہ ومدلل ہوتے ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی یا نقلی اس مسئلہ پر انہوں نے علم الاصوات اور آلات جدیدہ کی روشنی میں کافی چھان بین اور تحقیق کی ہے اور لاؤڈ اسپیکر پر نماز فاسد ہے اس مسئلہ پر اپنی تحقیق کی بنا پر یہ بھی سرکار مفتی اعظم اور دیگر اکابرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے متفق ہیں اور مسئلہ لاؤڈ اسپیکر پر یہ شروع سے حضور مفتی اعظم نوراللہ مرقدہ کے ایک وکیل کی حیثیت سے بحث کرتے ہیں۔ ان کے دلائل بہت وزن دار، ٹھوس اور نہ کٹنے والے ہوتے ہیں۔

زیر نظر مقالہ میں انہوں نے اپنی تحقیقی پر تنقیدی جائزہ کا جائزہ لیا اور دلائل سے تنقید نگار کی تنقید کی سلجھے ہوئے انداز میں کاٹ کردی ہے اور اپنا موقف واضح کردیا ہے۔

آج کل شرعی بورڈ مبارکپور میں کئی مسائل علماء ومفتیان کرام کے

درمیان زیر بحث ہیں اور ان پر تحقیق وتفتیش کا کام جاری ہے۔ علامہ موصوف کا ایک مقالہ اسی سلسلے میں تحریر کیا گیاتھا جس کا کسی صاحب نے تنقیدی جائزہ لیا تھا اور اس مقالہ میں علامہ موصوف اس جائزہ کا مزید جائزہ لے کر تنقید کا خوبصورت اور نہ کٹنے والا رد کیا ہے۔

حضرت علامہ موصوف کا یہ مقالہ ہدیۂ ناظرین ہے (اداریہ)

سب سے پہلا شخص تھامس ایڈیسن ہے، جنہوں نے آواز کے قابو کرنے کا وصول سمجھا اور پیش کیا اور پھر علم الاصوات پر تحقیق وتفتیش کا سلسلہ چل کر آج ہم لوگوں تک پہونچا۔ کچھ بجلی کی کارگزاری اور مقناطیسیت کی کارکردگی نے انسان کو وہ راہ دکھائی کہ اس کے نتیجے میں مواصلاتی نظام کے نت نئے جال پھیل گئے پیغام رسانی اور مواصلاتی نظام آج ہمارے مابین دوطرح سے جاری وساری ہیں۔ سلکی نظام اور لاسلکی نظام، لاؤڈ اسپیکر سلکی نظام کے زمرے کی ایک حالیہ ایجاد ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کے سلسلے میں ہمارا سابقہ مقالہ کے تین حصے ہیں۔ اول آواز کی حقیقت اور اس کی اشاعت۔ دوم لاؤڈ اسپیکر کی ساخت اور اس کا عملی کردار۔ سوم برقیات کے ذریعہ اس کے عملی کرداری کی تائید اور ساتھ ہی فقہیات کی روشنی میں غوث العالم نے نظریہ کی توثیق تنقید نگار کی تشبیہہ حسن کے پیش نظر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر پہلا حصہ گاڑھے اور چونے کا کام دیتا ہے تو دوسرا حصہ ایک مضبوط محل ہے اور تیسرا حصہ اس کے اردگرد ایک ٹھوس نظریہ سکندری!

تنقید نگار اس پر شکوہ محل کے انہدام کے جذبے میں اس قدر سرمست ہوگیا کہ اسے یہ بھی پہچان نہ رہی کہ ناکام یا کامیاب ضرب کاری کی کوشش محل کی دیوار پر کی جارہی ہے یا اس کے اردگرد پھیلی ہوئی حفاظتی فصیل پر۔ آیئے محل کے استحکام کو ملاحظہ فرمانے سے پیشتر سائنسدانوں کے کچھ نظریات ملاحظہ فرمائیں۔ قدرت میں دو ہی چیزیں ہیں۔ مادہ اور توانائی۔ مادہ اسے کہتے ہیں جو جگہ گھیرتا ہے اور جس کے وجود کا علم ہمیں اپنے مدرکات سے ہوتا ہے اور توانائی اسے کہتے ہیں جو قدرت میں موجود تو ہے مگر اسے چھو نہیں سکتے نہ اس کا کوئی وزن ہوتا ہے اور نہ اس کی کوئی شکل ہی ہوتی ہے،

جیسے حرارت، روشنی، آواز، مقناطیسیت اوربجلی یہ سب کے سب مختلف توانائیاں ہیں جن کے ذاتی خواص ہیں۔ان توانائیوں کوہم ان کے اثرات سے پہچانتے ہیں۔ان توانائیوں کی تبدیل صورت بھی ہوتی ہےلیکن حقیقت میں علمائے سائنس نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ مادہ ہی توانائی ہےاورتوانائی میں مادہ ہے، (جی پی) حرارت ایک قسم کی توانائی ہے اور دوسری قسم کی توانائیاں مثلا نور، آواز، مقناطیسیت وغیرہ کی طرح اس کی بھی تبدیل صورت ہوتی ہے(جی پی،ص۳۵۶)

دنیا کا وجودصرف مادہ اورتوانائی پرمنحصر ہےاگران میں سے ایک ختم ہوجائےتو دوسرا خودبخود ختم ہوجائے گا۔ پہلے ان دونوں کوالگ الگ تصور کیا جاتا تھامگراب اس نظریہ میں کچھ تبدیلی آگئی ہے۔جس طرح مادہ اپنی صورتیں بدل سکتا ہے یاایک توانائی دوسری توانائی مین تبدیل کی جاسکتی ہے اسی طرح مادہ بھی توانائی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔آئین اسٹائن کےنظریہ کے مطابق مادہ توانائی میں اورتوانائی مادہ میں بدل سکتی ہے۔جس کوحسب ذیل مساوات سے ظاہر کرتے ہیں (
(E,MCZ

نوٹ:۔(۱)اس قسم کی کئی عبارتیں دوسرے صفحات پر دیکھی جاسکتی ہیں۔(۲)تبدیلات کے بیان میں بہت سے ایسے راز ملتے ہیں جو لائق سماعت ہیں لیکن چونکہ یہ بحث ہم سے غیر متعلق ہےاس لئے اس سےصرف نظر کیا جاتا ہے۔آیئے اب پرشکوہ محل کا استحکام ملاحظہ فرمائیں لاؤڈاسپیکر کا اصول ایجاد بتاتا ہے کہ آواز مائک کے ڈائیفرام میں مختلف درجے کے دباؤ کی وجہ سے مختلف درجے کاارتعاش پیدا کرکےختم ہوجاتی ہے۔مائک میں واقع معدنی کوئلے کے ذرات جوبجلی کے حق میں مزاحمت پیدا کرتے ہیں وہ ڈائیفرام کے ارتعاش کی وجہ سے دب کراورابھر کرمزاحمت کاعمل شروع کردیتے ہیں جس کی وجہ سےبجلی کے کرنٹ کو یکساں وبرابر راہ نہیں مل پاتی نتیجہ میں بجلی کی روانی اپنی موزونیت کھودیتی ہےاوراس کےجھٹکےکم وبیش ہونے لگتے ہیں۔آگےچل کر یہ بجلی برقی مقناطیس دارمچھر، کے اندراپنی ناموزوں چال کی وجہ سے کم وبیش مقناطیسیت پیدا کرتی ہے۔اس کم وبیش مقناطیسیت کی وجہ سے اس کےقریب لچکدار آہنی دھات میں مختلف درجے کا کھنچاؤاورارتعاش پیدا

ہوتا ہے۔یہ ارتعاش ان مسلسل کی وجوہ سے بالکل مائک کے ڈائیفرام کے ارتعاش کی طرح ہوتا ہے۔اس لئے اس سےمتصل ہوا میں اسی جیسی آواز پیدا ہوجاتی ہے۔جیسی آواز نے ڈائیفرام میں اپنے دباؤسےارتعاش پیدا کیا تھا۔متکلم کی آواز اپنے کم وبیش دباؤسے ڈائیفرام پرعامل۔ڈائیفرام معدنی کوئلہ کے ذرات کی مزاحمت کے ساتھ بجلی پرعامل بجلی برقی مقناطیس پراورمقناطیسی دھات لچکدارآہنی پردہ پرعامل اور یہ متصل ہوا میں ارتعاش پیدا کرتا ہےاورآواز سنائی دیتی ہے۔آواز کی مختلف سریں باہم مل کرلفظ میں ڈھل جاتا ہے۔

اصول ایجاد کےاس بیان اورلاؤڈاسپیکر کےترکیبی اجزاء کےاعمال سےصاف ظاہر ہےکہ اب سنی جانے والی آواز نئی آواز ہے جوآہنی لچکدار پردے کےارتعاش سے ہوا میں پیدا ہوئی تاکہ متکلم کی ہی آوازتاروں کےاندربجلی کےساتھ بھاگ کر ہارن سےنکلی ہے۔یہ کوئی منطقی استدلال نہیں کہ مختلف احتمالات پیدا کئے جائیں بلکہ اصول ایجاد کی یہ تنقیح ہے۔تنقیدنگار کولاؤڈاسپیکر کےترکیبی اجزاءاوراعمال پر بحث کرنا چاہئے تھااوربعینہ آوازتسلیم کرنے کی صورت میں ان ترکیبی اجزاء کی وضع اوراس کےاعمال بنانا ضروری تھا کہ معدنی کوئلہ کے ذرات کیوں برقی مقناطیس اورپھراس کےمتصل آہنی پردہ کیوں؟ وغیرہ وغیرہ۔

ہمارےاس پرشکوہ عمارت کی بنیادتنقیدنگار کے مین چیزوں کوقرار دیا ہے(۱) آواز کا مائل کے ڈائیفرام پرختم ہوجانا(۲) آواز کے لئے طول وعرض میں پھیلا ہوا لچکدارجسم کا ہونا(۳)بجلی کا جسم نہ ہونا ساتھ ہی تنقیدنگار کو ہرایک امر میں کچھ خدشات ہیں۔ہرسمجھدار آدمی پر یہ عیاں ہے کہ ان میں سے دو باتیں یعنی اول ودوم کوتو لاؤڈ اسپیکر کی ساخت اور اصول ایجاد ہی بتاتا ہے کہ آواز ڈائیفرام میں کم وبیش مختلف درجے کا دباؤ پیدا کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہوجاتی ہےاورآگے دوسرےاجزائے ترکیبی یادوسرےامورکارفرماہیں اسی طرح اگرمقناطیسی دھات کے بعد لچکدارجسم نہ ہوتو ہوا میں ارتعاش ہی نہ پیدا ہوسکے گا تو آواز کہاں سے بنے گی۔رہا بجلی کا جسم نہ ہونا تو اس تعمیر شدہ محل کی یہ بنیاد ہی نہیں۔اس لئے یہ بغرض غلط بجلی اگرجسم ہوتو بھی اصول ایجاد یہی بتاتا ہے کہ یہ بجلی

مقناطیسی دھات میں کم وبیش درجے کا مقناطیسیت پیدا کرتی ہے۔ترسیل صورت نہیں کرتی کم وبیش درجے کی مقناطیسیت آہنی پردے میں مختلف درجے کا کھنچاؤ اور ارتعاش پیدا کرتی ہے جس سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ ہاں تنقید نگار اصول ایجاد کے پیش نظر یہاں یہ بات اگر ثابت کرتے کہ اس اصول کے مدنظر سے بجلی ہو کر اصل آواز ہارن تک پہونچتی ہے تو البتہ یہ بات لائق توجہ تھی۔

تنقید نگار کو کم از کم یا ہیں یہ تو سوچنا ہوتا کہ اگر ہارن سے نکلنے والی آواز وہاں پیدا نہیں ہوتی بلکہ بجلی کے توسط سے مائک پر ڈالی ہوئی آواز ہی آتی ہے تو موٹر کار اور دیگر سواریوں کے ہارن سے آواز کیسے پیدا ہو جاتی ہے جب کہ ڈرائیور نہ سیٹی بجاتا ہے اور نہ بگل وغیرہ بجاتا ہے بلکہ اپنے ہاتھ سے بٹن پر دباؤ ڈالتا ہے تو وہ آواز جو ہارن سے مسموع ہوتی ہے کہاں سے پیدا ہوئی اگر ہاتھ کے دباؤ سے ہارن میں آواز بن سکتی ہے تو آواز کے دباؤ سے آواز کیوں نہیں بن سکتی۔تنقید نگاروں کو یہاں اس پر بھی غور کرنا چاہیئے تھا کہ مترجم لاؤڈ اسپیکر(TRANSLATER, SPEAKER) میں آواز کیسے پیدا ہو جاتی ہے اگر بجلی کے توسط سے بعینہ وہی آواز متکلم ہارن تک پہونچتی ہے تو لفظ پانی کے بجائے واٹر کیسے ہو جاتا ہے۔عجب فلسفہ ہے کہ بعینہ آواز بھی ہے اور متغائر آواز بھی۔کم از کم اس فلسفہ کا سمجھانا اس پر فرض تھا۔

جتنے سلکی نظام ہے سب میں یہی اصول کارفرما ہے ٹیلیفون ٹیلیگراف اور دوسرے سلکی نظام میں یہی بجلی، یہی برقی مقناطیس اور یہی جھلی کا سکڑنا، پھیلنا اور اس سے صوت جدید کا پیدا ہونا معمول ہے۔تفصیل کے لئے رواں برق کے باب میں برقی مقناطیسی امالہ کے ضمن میں رواں برق کے کارنامے ملاحظہ فرمائیے۔رہا سلکی نظام مثلا وائرلیس، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو ان سب میں مقام نشر واشاعت میں لگے براڈ کاسٹینگ، ٹرانسمیٹر کی آواز کو بجلی میں بدل دیتا ہے اور بجلی کی لہریں ہوا میں بہنے لگتی ہیں۔جیسے ریڈیو سیٹ یا دیگر مشین اپنے مخصوص آلے کے ذریعے کھینچ کر پھر آواز میں بدل دیتی ہے۔(اے سے پریکٹیکل گائیڈ صفحہ ۱۱۷، پر ہے۔

ریڈیو اسٹیشن میں واقع براڈ کاسٹنگ ٹرانیسمیٹر آواز کو برقی لہروں میں بدل دیتا ہے۔برقی

لہریں ہوا میں بہتی رہتی ہیں جیسے ریڈیو سیٹ اپنے مخصوص آلوں کے ذریعے کھینچکر پھر آواز میں بدل دیتا ہے۔

اب تک پیش کئے گئے نظریات اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز متکلم کی عین آواز نہیں بلکہ غیر ہے۔اتنی ہی سے میری ذمہ داری ختم ہوگئی۔

لیکن بطور تبرع کچھ اور باتوں پر بھی روشنی ڈالنا مناسب خیال کرتا ہوں تا کہ اصل مسئلہ کی مزید تاکید اور تنقید نگار کی بھرپور تسلی ہو جائے ہمارے اصل مقالہ کے تیسرے حصہ میں (جسے اس مضمون میں سند سکندری سے تعبیر کیا گیا ہے) غوث العالم کے موقف کی توثیق کے لئے بطور تائید نہ بطور اساس جو باتیں پیش کی گئی ہیں۔اس کے ضمن میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بجلی آواز وغیرہ توانائی ہیں اور توانائی میں نہ وزن ہوتا ہے، نہ شکل ہوتی ہے البتہ توانائیاں باہم تبدیل ہوتی ہیں اور خود توانائی اور مادے میں بھی تبادلہ ہوسکتا ہے۔تنقید نگار رنجیدہ خاطر ہو کر اس پر کئی طرح سے اعتراض کرتے ہیں۔ کبھی اس پراسرار شے کی انہیں تلاش ہے جو مادہ اور توانائی سے عام ہے۔کبھی بجلی کو توانائی نہیں مانتے بلکہ اسے جسم قرار دیتے، کبھی اس کا وزن دکھاتے، کبھی اس میں شکل دکھانے کی جدوجہد کرتے اور اس کے لئے بطور شاہد عدل کئی عبارتیں نقل کرتے۔

یہ تو اگلے صفحات میں بتایا جائیگا کہ تنقید نگار جنہیں شاہد عدل سمجھ رہے ہیں دراصل وہ مردود الشہادۃ ہیں۔فی الحال یہ عرض ہے کہ تنقید نگار مجھے ان ضمنی امور کے بیان میں سائنسٹ اور سائنسی محقق سمجھ رہے ہیں یا سائنسدانوں کے اقوال ناقل۔۔اگر سائنسی محقق سمجھ رہے ہیں تو اسے فوراً اپنے ذہن وفکر کی اصلاح کر لینی چاہیئے اور اگر ناقل سمجھ رہے ہیں تو میرے خیال سے متذکرہ بالا منقولات (جے پی اور ایٹمی توانائی حوالا جات) تسلی کے لئے کافی ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ ان ضمنی امور پر اعتراض کرنے سے تنقید نگار کو کیا فائدہ پہونچا اگر ان ضمنی امور کے ثبوت کا حوالہ میں نہ پیش کرسکتا تو کیا لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ متکلم کی آواز ثابت ہو جاتی ہے۔اگر تنقید نگار کی سمجھ میں ایسا ہے تو ان پر لازم ہے کہ ذرا تقریب کے تام اور استلزام مطلوب کی تقریر فرما دیں۔

آواز کے بعض خصائص ولوازم جو علم الاصوات میں درج ہیں۔

(۱) کسی چیز کی لرزش کے باعث آواز پیدا ہوتی ہے اور لرزش بند ہونے کے بعد آواز غائب ہوجاتی ہے۔ صفحہ ۵۳۵، (۲) آواز کی لہریں آواز پیدا ہونے کی جگہ سے ایک کروی کھوکھلی کمیت کے چاروں طرف پھیل جاتی ہیں۔ صفحہ ۵۳۶ (۳) روشنی خلائی مقام میں ایتھر سے ہوکر گزر جاتی ہے لیکن آواز کے لئے ارضی واسطے ٹھوس، مائع، گیس وغیرہ مادے کا ہونا ضروری ہے صفحہ ۲۷۰ (۴) آواز زمینی واسطہ ہوکر گزر سکتی ہے خلائی مقامات ہوکر نہیں۔ اس کے سوا آواز کی اشاعت کے لئے لچکدار اور مسلسل واسطے کی ضرورت ہوتی ہے صفحہ ۵۳۲، (۵) آواز کی لہریں ایک واسطے سے دوسرے واسطے میں داخل نہیں ہوسکتیں لہٰذا آواز کی اشاعت کے لئے مسلسل اور یکساں واسطہ ہونا ضروری ہے صفحہ ۵۳۳ (۶) آواز کی موج سادہ نہیں بلکہ لطیف موجد اور داب موج سے مل کر ایک ایک کامل موج ہوتی ہے صفحہ ۵۳۵ (۷) آواز کی موج دوسمتی طولی موج ہوتی ہے صفحہ ۵۳۸ (۸) آواز کی موج کی لمبائی ۱/۲ ۱ انچ سے لے کر ۳۶ فٹ تک ہوسکتی ہے لیکن روشنی کی لہریں ان سے کئی ہزار گنی چھوٹی ہوتی ہے۔ صفحہ ۵۴۸ (۹) آواز کا تعداد ارتعاش ۴۰ سے چار ہزار تک ہوتی ہے اس سے کم وبیش نہیں صفحہ ۵۴۹ (۱۰) ہم جو کچھ بولتے ہیں ان میں سے ہر حرف کے لئے (حلق سے) الگ الگ سر پیدا ہوتا ہے۔ جو باہم مل کر لفظ بن جاتا ہے صفحہ ۵۵۸۔

تنقید نگار کا خیال ہے کہ بجلی سے ہوکر اصلی آواز ہارن کے راستے سے نکلتی ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنقید نگار علم الاصوات اور بجلی کے مطالعہ سے ناواقف ہے۔ ابھی ابھی خصائص صوت میں مذکور ہوا کہ آواز کی لہریں طول دوسمتی موج ہوتی ہے واقعہ یہ ہے کہ موج کی اولاً دو قسمیں ہیں ایک سمتی موج دوسرا دوسمتی موج اگر شے کے اجزاء اپنی سکونی مقام کے دونوں سمتوں میں جھومنے لگے تو دوسمتی موج ہے۔ اور اگر ایک بھی سمت میں رواں ہوں تو ایک سمتی موج ہے جسے بہاؤ یا کرنٹ کہتے ہیں۔ بجلی کی لہر کو اسی موج سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسمتی موج بھی پھر دو قسم کی ہوتی ہیں، طولی، موج، عرضی موج، اگر اجزاء کی لہروں کی حرکت کے مسامت اجزاء اپنی سکونی حالت کے دونوں طرف جھومنے

لگے تو طولی موج ہے اور اگر مسامت نہیں بلکہ زاویہ قائم بناتے ہوئے جھومے تو عرضی موج ہے۔ آواز کی موج طولی موج ہوتی ہے جو بجلی کی لہر کے بالکل مخالف ہوتی ہے تو بھلا بجلی کی لہروں سے آواز کی اشاعت کا سوال کیا؟۔ علاوہ ازیں آواز کی موج سادہ موج نہیں ہوتی بلکہ داب موج اور لطیف موج اور پھر ان دونوں کے مجموعہ سے کامل موج ہوتی ہے جب کہ بجلی کی کامل موج بالکل سادہ ہوتی ہے تو بھلا بجلی کے توسط سے آواز کی اشاعت کا کیا معنی؟۔ آواز کی طولی موج کی طولائی ۱/۲ ۱ انچ سے لے کر ۳۶ فٹ تک ہوتی ہے اس لئے ایسی موج کے گزر کیلئے کم از کم اسی لائق گزرگاہ ہونا ضروری ہے جب کہ بجلی کے لئے یہ شرط نہیں۔ میرے خیال سے یہ شواہد بھی اس پر دال ہیں کہ اصل آواز مائک کے پردہ ہی پر ختم ہوجاتی ہے۔

تنقید نگار کہتے ہیں کہ آواز کی اشاعت مخروطی شکل میں ہوتی ہے۔ ریکارڈ میں آواز کے خطوط دائرہ نما ہوتے ہیں۔ مخروطی شکل اور دائرے میں کیا مناسبت؟ تنقید نگار کو کم از کم یہ تو سوچنا ہی چاہیئے تھا کہ اگر آواز کی اشاعت مخروطی شکل میں ہوتو اگر اس کے راس کو مرکز مان کر قاعدہ کی دوری پر دائرہ کھینچا جائے جیسے کہ اشاعت صوت میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ دائرے کی مساحت میں سے بقدر قطاع دائرہ شکل مخروطی واقع ہوگی۔ باقی مساحت کا حصہ اس سے خالی ہوگا۔ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہوا کہ جتنے لوگ منبع صوت کے اردگرد خواہ ایک فٹ ہی کی دوری پر کیوں نہ بیٹھا ہوا اگر ان کے کان قطاع دائرہ سے باہر خالی حصے میں باقی ہوتو وہ متکلم کی آواز سننے سے محروم رہیں گے اور جو لوگ وہاں سے خواہ سودوسو فٹ کی دوری پر ہی کیوں نہ ہوں مگر قطاع دائرہ میں باقی ہوں تو وہ لوگ اس کی آواز بخوبی سنیں گے۔ ایسا فلسفہ محفل خاص میں چل تو سکتا ہے، لیکن پڑھے لکھے لوگوں میں ایک مضحکہ خیز بات ہوگی۔ لیجئے سنیئے جب کوئی آواز پیدا ہوتی ہے تو آواز کی لہریں آواز پیدا ہونے کی جگہ سے ایک کروی کھوکھلی کمیت میں چاروں طرف پھیل جاتی ہیں (علم الاصوات) خود اعلیٰ حضرت نے بھی علامہ چلپی کا رد فرماتے ہوئے یہی فرماتے ہیں کہ کروی شکل میں آواز کی موجیں پھیلتی ہیں البتہ اس کی کرویت کا کوئی مانع اگر موجود ہو مثلاً اگر کوئی زمین سے منہ سٹا کر بولتا ہوتو ایسی

صورت میں نصف کرہ یا قطاع کرہ کی شکل میں لہریں پھیلتی ہیں اور اگر آپ نہیں جانتے تو کسی علم الساحۃ کے ماہر سے معلوم کریں کہ کرہ یا نصف کرہ یا اس کے قطاع سے ٹھپہ اگر مانع ہو تو وہ دائرہ نما ہی ہوتا ہے۔

لیجئے یہ بھی سمجھتے جائیے کہ اگر بغرض غلط آواز کی لہریں مخروطی شکل کی ہوں تب بھی ٹھپہ اس کے راس سے نہیں بلکہ قاعدے سے واقع ہوگا اور شکلیں دائرہ نما ہی ہوں گی۔(ریکارڈ کے خطوط کی اگر تفصیل دیکھنا مقصود ہو تو علم الاصوات کا مطالعہ کریں۔ یہاں صرف برائے توجیہ قدرے ذکر کر دیا گیا اسی وجہ سے اصل مقالہ میں یہ لکھا گیا ''گویا یہاں آواز مبصر مرئی ہے'') کسی چیز کی ترسیل واشاعت کا مفہوم فقط یہی نہیں کہ وہ چیز خود ہی مرسل الیہ تک پہونچ جائے بلکہ یہ لفظ اس مفہوم سے عام معنی میں مستعمل ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ رقم بواسطہ منی آرڈر یہاں آئی یا بذریعہ ڈرافٹ یہاں پہونچی یا بذریعہ ٹیلی گرام موصول ہوئی یا بذریعہ بیمہ بھیجی گئی۔ اسی طرح ہماری بات بذریعہ ڈاک ،بتوسط نامہ لوگوں تک پہونچتی ہے یا بذریعہ اخبار اس کی اشاعت ہوتی ہے اشتہاروں میں لکھا جاتا ہے کہ ترسیل زر کا پتہ'' ان ساری صورتوں میں یہ ضروری نہیں کہ اصل چیز ہی ان واسطوں سے پہونچتی ہے بلکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ خود اصلی شے کی ترسیل ہوتی ہے، کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ دراصل دوسری تیز شے پہونچتی ہے جس کے اثر کے نتیجے میں اصل شی کی مثل صوری یا معنوی حاصل ہوتی ہے۔ آواز کی ترسیل واشاعت ٹھوس گیس اور مائع کے ذریعے ہونے اور اس کی رفتار کے بارے میں یہی ترسیل مفہوم عام میں بیان کیا جاتا ہے جب کسی ٹھوس چیز میں ٹھوکر ماری جاتی ہے تو اس ٹھوس چیز کی لرزش جس سرعت سے پھیلتی اسی سرعت کے ساتھ اس چیز کی سطح سے متصل ہوا میں بھی صوتی لہریں ہوتی ہیں لہٰذا یہ کہا جاتا ہے کہ آواز فلاں واسطے میں اس رفتار سے چلتی ہے۔ ہم جب کسی لوہے کے بیم میں چوٹ مارتے ہیں تو اس سے اس لوہے میں لرزش پیدا ہوتی ہے اور پھر اس لرزش سے ہوا میں آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس چوٹ سے اس بیم میں لرزش اس کے جس حصے تک ہوتی ہے اس حصے سے متصل ہوا میں آواز پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور ہوا کے موجوں کے سہارے دور تک آواز پھیل جاتی

ہے ایسا نہیں کہ آواز پہلے بیم میں تھی اور پھر اس کی موجیں اس سے منتقل ہو کر ہوا کے سہارے ہم تک پہونچی۔ الغرض یہاں ترسیل صوت دو طرح کی ہوتی ہے۔ تولدی ترسیل، تموجی ترسیل، ٹھوس مادے میں تولدی ترسیل ہے۔ علم الاصوات صفحہ ۵۳۵، میں درج ہے۔ کسی چیز کی لرزش کے باعث اس سے آواز پیدا ہوتی ہے اور لرزش بند ہو جانے سے آواز کا پیدا ہونا بند ہو جاتا ہے صفحہ ۵۴۳ پر ہے۔ آواز کی لہریں ایک واسطے سے دوسرے واسطے میں داخل نہیں ہوسکتیں لہٰذا آواز کی اشاعت کے لئے مسلسل اور یکساں واسطہ ہونا ضروری ہے۔ اسی صفحہ پر ہے آواز کی اشاعت میں سالمات اپنی سکونی حالت کے دونوں طرف جھومنے لگتے ہیں۔ ان عبارات سے جہاں کہیں یہ معلوم ہوا کہ آواز کی لہریں لوہے سے ہوا یا ہوا سے لوہے میں داخل نہیں ہوسکتیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ چونکہ لرزش سے لوہے کے اجزائے سالمہ دونوں طرف نہیں جھومتے بلکہ صرف مرتعش ہوتے اس لئے دراصل یہ اشاعت صوت تموجی نہیں بلکہ تولدی ہے یعنی حقیقۃً یہ اشاعت کا واسطہ نہیں بلکہ اس کی لرزش سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ دہن متکلم سے پیدا شدہ ہوا میں واقع آواز ہوا سے منتقل ہو کر ڈائیفرام میں داخل نہیں ہوسکتی اور نہ ڈائیفرام سے بجلی میں داخل ہوسکتی اور چوں کہ بجلی کے اجزاء سالمہ ہی نہیں سالمہ میں اپنی سکونی حالت کے دونوں طرف جھومنے کی کیفیت اس لئے آواز بجلی میں نہیں جاتی اور یہ تو پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ بجلی کی لہر کو ایک سمتی موج سے تعبیر کرتے ہیں جب کہ آواز کی لہر میں دو سمتی طولی موج ہوتی ہے اس لئے یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ بجلی کے واسطے سے اصلی آواز ہارن ہو کر نکلتی ہے۔

ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز کے بارے میں ہم نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ اس کی رفتار بہت ہی سریع تا آنکہ ریڈیو کی آواز بیک لمحہ پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے جب کہ آواز کی رفتار یہ نہیں بلکہ اس کی رفتار فی سکنڈ ایک ہزار اسی فٹ بتائی گئی ہے۔ تنقید نگار نے یہاں ایک طویل فہرست پیش کی ہے جس میں آواز کی یہ رفتار ٹھوس مائع اور گیس کے توسط سے درجہ حرارت بدلنے پر الگ الگ دکھائی گئی ہے۔ یہاں آ کر شاید تنقید نگار اصل مبحث کو بھول گئے کہ یہاں بحثِ مطلق آواز میں نہیں

بلکہ آواز کلامی میں ہے جو کبھی بھی ٹھوس مادہ ہو کر نہیں چلتی اور پیش کردہ فہرست میں مطلق آواز سے بحث ہے۔ مثلاً لوہے پر چوٹ مارنے سے چھن کی آواز، گھنٹے پر ٹن کی آواز، لکڑی پر دھب کی آواز، اور کیچڑ پر پچ کی آواز وغیرہ وغیرہ علاوہ ازیں اس میں اشاعت بمعنی عام مستعمل ہے۔ خواہ یہ اشاعت تولدی ہو یا تموجی اور گفتگو اشاعت تموجی میں ہے جو موجی سلسلہ سے ہم تک آواز پہونچتی ہے۔

آگے چل کر تنقید نگار نے یہ بھی بتایا ہے کہ آواز ایک سوار ہے اور یہ سارے واسطے اس کی سواری، سواری کی رفتار جتنی تیز ہوگی سوار میں وہی رفتاری موجود ہوگی یعنی بذات خود موجی سلسلہ کی رفتار کوئی چیز نہیں مگر افسوس کہ تنقید نگار نے آواز اور مادے میں وہی رشتہ سمجھا ہے۔ جو سوار اور سواری کے مابین رشتہ ہے۔ یہاں آواز موجوں کے سہارے کا پیاں در کا پیاں کے طور پر رواں اور دواں ہے یہاں مادے کی رفتار پر آواز کی رفتار موقوف نہیں۔ مادہ ساکن اور آواز متحرک ہوسکتی ہے۔ تنقید نگار اپنی پیش کردہ فہرست کا مطالعہ کرے کیا وہ مادے اسی رفتار سے بھاگتے ہیں؟ جو رفتار فہرست میں مندرج ہے۔ ہوا اگر راکد ہو یا مخالف سمت چلتی ہو تو کیا آواز بھی راکد ہو جائے گی، یا موافق سمت نہیں چلے گی۔ نہیں نہیں موجوں کے سہارے مخصوص رفتار سے آگے بڑھے گی، عجب فلسفہ سواری تو مقیم لیکن سوار مسافر، یہ فلسفہ بھی آپ محفل خاص میں پیش کرسکتے ہیں لیکن ہر جگہ نہیں۔ رہا یہ سوال کہ اگر کوئی چیز روشنی کی رفتار سے حرکت کرے تو کیا وہ روشنی ہو جائے گی؟ تو اس سلسلہ میں پروفیسر ورزل جارج کا یہ قول سنئے کہ اس معینہ رفتار میں صرف نور ہی سفر کرسکتا ہے کوئی دوسری چیز نہیں۔ دوسری میں اگر یہ رفتار پیدا ہو جائے تو وہ چیز خود نور میں بدل جائے گی آپ کو اس فہرست کے پیش کرنے میں یہ بھی سوچنا چاہیئے تھا کہ بجلی جسے آپ آواز کی اشاعت کے واسطے میں شمار کرتے ہیں جس میں آواز کی رفتار تمام واسطوں سے بڑھ کر اتنی تیز تر ہو جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے باہم مناسبت معلوم نہیں ہوتی تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس اہم واسطہ کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اصل آواز کی اشاعت کے واسطے سے اس کا ذکر نہ علم الاصوات میں ملتا ہے، نہ رواں برق کے باب میں۔ البتہ آرمیچر کے ذریعے صوت جدید کا پیدا ہونا یا کسی خاص آر سے آواز کا بجلی اور بجلی کا آواز میں تبدیل ہو جانا قلم بند کیا گیا

ہے۔

ہم نے اصل مضمون میں لکھا ہے کہ توانائی کی شکل نہیں ہوتی اور پھر آگے لکھا ہے کہ توانائیاں اپنے اپنے روپ میں رہتے ہوئے دوسری توانائی کی رفتار قبول نہیں کرتیں۔ تنقید نگار نے یہاں عجب ظرافت طبع پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ پہلے لکھ چکے کہ توانائی کی شکل نہیں ہوتی اور یہاں آپ خود ہی فرماتے ہیں کہ اپنے اپنے روپ میں رہتے ہوئے دوسری توانائی کی رفتار قبول نہیں کرتی۔ کیا شکل ہی روپ اور روپ ہی شکل نہیں؟ دیکھ رہے ہیں آپ، سیاق وسباق سے تنقید نگار کی چشم پوشی، زبان وبیان بتاتا ہے کہ یہاں روپ اور بھیس کا لفظ استعمال کرنے میں اس کی وہ شکل مراد نہیں جسے نفی کرتے وقت یوں لکھا گیا کہ توانائی میں نہ وزن ہوتا ہے اور نہ شکل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی پیمائش میں نہ خط واحدی بلکہ اس کا پیمانہ اور کچھ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ محبت کی نہ آنکھ ہوتی ہے اور نہ کان ہوتا ہے اور نہ اس کی کوئی شکل ہوتی بلکہ پیار ومحبت دو شخصوں کے درمیان ایک ایسا لطیف رشتہ ہے جس سے باہم یہ دونوں کھینچتے ہیں جو صرف روحانی طور پر محسوس کی جاسکتی ہے، اس کے باوجود یہ بھی بولتے ہیں کہ محبت اندھی اور بہری ہوتی ہے حالانکہ آنکھ والا ہی اندھا اور کان والا ہی بہرا ہوتا ہے۔ محبت کے بہت سے روپ ہوتے ہیں حالانکہ روپ وشکل ایک ہی چیز ہے، میکانکی معادل صفحہ ۲۵۷ پر ہے۔

(ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، دسمبر ۱۹۸۷ء)

قسط (۲)

مسئلہ لاؤڈ اسپیکر کے تنقیدی جائزہ پر سرسری نظر

صفحہ ۲۵۷ پر ہے حرارت ایک قسم کی توانائی ہے اور دوسری قسم کی توانائیوں مثلاً نور، آواز، برق اور مقناطیس کی طرح اس کی بھی صورت تبدیل ہوسکتی ہے آپ خود سوچیئے کہ حرارت کی بہر حال کوئی شکل نہیں ہوتی لیکن پھر بھی کہا جارہا ہے کہ اس کی صورت بدل سکتی ہے کیا صورت وشکل ایک ہی چیز نہیں۔ ایوریڈی سائنس صفحہ ۹۹ پر ہے حرارت توانائی ہی کی شکل ہے۔ جی پی صفحہ ۸۶ پر ہے ٹھوس مائع زور گیس کے باہم تبدیل ہوجانے کو تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر قسم کے مادے کی شکلیں تین ہوسکتی ہیں یعنی ان مادوں کی حالتیں تغیر پذیر نہیں" کیا ان عبارتوں میں شکل سے مراد شکل ہی ہے یعنی مکعب" مدور، مربع ہوجانا وغیرہ وغیرہ۔ تنقید نگار اس قسم کی لفظی گرفت کرتے ہوئے اپنی شان ادبی کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ انسان جب کسی کی تحقیر میں لگ جاتا ہے تو زبان وبیان کا بساط الٹ کر رکھ دیتا ہے ایسی مباہلت کو نشانہ بنانا آداب مخلصین نہیں بجلی کے نفی جسم پر ہم نے اصل مضمون میں یہ لکھا تھا کہ اگر بجلی جسم ہو تو بجلی اور تار کے مابین تداخل لازم آجائے گا، تنقید نگار فرماتے ہیں کہ تداخل کا استحالہ ایک فرسودہ خیال ہے۔ دور حاضر کے سائنس میں اس کی کوئی

گنجائش نہیں لیکن شاید انہیں معلوم نہیں کہ دور حاضر کے نصاب میں داخل سائنس کی کتاب میں اجسام کے عمومی خواص بیان کرنے کے ضمن میں نادخول پذیری کو بھی شمار کیا ہے جنرل فزکس صفحہ ۸۹ میں ہے دخول پذیری (استحالہ تداخل) یہ مادے کی وہ خاصیت ہے کہ جس کے باعث دو چیزیں ایک ہی مقام میں نہیں رہ سکتیں۔ یعنی تمام مادوں کی اپنی جگہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گلاس کو پانی سے بھر کے جب کوئی چیز اس میں ڈالیئے تو تھوڑا پانی چھلک کر گلاس سے باہر گر جاتا ہے (پھر آگے لکھتے ہیں) کمیات بہت سے چیزوں کے ذرات کے درمیان پانی کی مثل یا اس سے بھی باریک سوراخ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سیال مادے خارج ہوجاتے ہیں (یا پھر داخل ہوجاتے ہیں) یہ سوراخ درسالمی مقاموں سے جداگانہ ہوتے ہیں کیونکہ ذرات کے بال کی مثل سوراخ کے ذریعہ درسالمی قوت عمل نہیں کرتی صفحہ ۸۹ درسالمی مقاموں میں اگر کوئی جسم متداخل ہو تو درسالمی قوت کی جذب وکشش مجوب اور ضعیف ہوجائے گی اور اجزاء انشقاق ہوجائیں گے۔ یہ انجذاب ونفوذ نہیں بلکہ اس جسم کا انشقاق ہوجائے گا یعنی انجذاب کو اور انشقاق انفطار الگ الگ چیز ہے اور تداخل اور نادخول پذیر الگ چیز ہے۔ آپ نے انجذاب کو تداخل سمجھا۔ صورت انجذاب میں جاذب اور منجذب دونوں آپس میں خاص تال میل رکھنے والے جسم ہوتے ہیں ہر دو جسم میں ایسا نہیں ہوتا پھر صورت انجذاب میں جاذب اور منجذب کی خاص مقدار ہوتی ہے، مطلقاً انجذاب ممکن نہیں۔ اس لئے تنقید نگار پر لازم ہے کہ وہ تار بجلی میں وہی خاص تال میل ثابت کرے اور پھر دونوں کی مقدار متعین کرے مزید بر آں یہ کہ تنقید نگار اتنا تو جانتے ہی ہوں گے کہ منجذب کی مقدار منجذب بہ جاذب میں رواں نہیں ہوتی بلکہ قدرے زائد سے جاذب ومنجذب کی مقدار نہیں بڑھتی تو یہ صریح تداخل ہے۔ اس لئے بجلی کے تار میں تداخل یقیناً محال ہے۔

تنقید رنگار نے پورا زور اس پر صرف کر دیا کہ بجلی جسم ہے مگر یہ نہ سمجھا کہ فقط اتنی سی بات سے لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصل آواز ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آواز کے لوازمات یا خصوصیات کا وہ حامل ہے یا نہیں۔ سمجھنا پڑے گا اور پھر لاؤڈ اسپیکر کی ساخت پر روشنی ڈالتے ہوئے

یہ بھی بتانا پڑے گا کہ لاؤڈ اسپیکر کے اجزاءترکیبی میں سے فلاں فلاں جزء آواز کی فلاں خصوصیات
کے پیش نظر اپنا عمل اس طرح جاری رکھتا ہے۔مثلا بغرض غلط بجلی اگر جسم ثابت ہو جائے تو اس میں
آواز کی ترسیل کے لئے بجلی کے اجزاء سالمہ کی سکونی حالت کے دونوں طرف اس کا جھومنا بھی ثابت
کرنا پڑے گا۔ساتھ ہی اس کی موج کو دوسمتی اور طولی ثابت کرنا پڑے گا۔اور آخر میں استحالہ تداخل
کا بطلان بھی کرنا پڑے گا اور حیطۂ موج کو ہی ۱۲/۱ انچ سے لے کر ۳۶ فٹ کی درازی موج کے
گزرنے کے لئے لائق ہونا بھی سمجھانا پڑے گا دونہاں خرط القاد۔فقط یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ اب تو
سب کو مان لینا چاہئے کہ (بجلی کے جسم ثابت ہونے کے بعد) لاؤڈ اسپیکر کی آواز متکلم کی آواز کی عین
ہے۔

قدری وزنوں اور نوعی وزن میں فرق ہوتا ہے ایک سیر لوہا اور ایک سیر لکڑی قدری وزن کے
اعتبار سے برابر نہیں بلکہ ہیں لیکن نوعی وزن کے اعتبار سے دونوں برابر نہیں بلکہ لوہا میں نوعی وزن
زیادہ ہوتا ہے۔کسی ایک مادہ کے مختلف ٹکڑوں میں قدری وزن برابر نہیں ہوتے مگر نوعی وزن ہمیشہ
ایک ہی ہوتا ہے۔قدری وزن مختلف عرض البلاد پر الگ الگ ہوسکتا ہے لیکن نوعی وزن الگ الگ
نہیں ہوسکتے۔اس تمہید کے بعد سنئے اسی طرح ایٹمی وزن (جوہری وزن) بھی الگ الگ پیائش کا
معیار ہے الکیمیا صفحہ ۱۴۷ پر ہے چونکہ کیمیائی مساوات کو عناصر کی علامتوں کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا
ہے اس لئے عناصر کے جوہروں کے وزن بھی متعین کر لئے گئے ہیں۔جس طرح ثقل نوعی معلوم
کرنے کے لئے پانی کی کثافت کو ایک یعنی معیار مان لیا گیا ہے اس طرح عناصر میں ہائیڈروجن
کے ایک جوہر کا وزن معیار یعنی ایک مان لیا گیا ہے اور اسی پیمانے پر تمام عناصر کے جوہر وزن متعین
ہو گئے ہیں۔جوہروں کے اس طرح متعین کئے ہوئے وزن جوہری وزن کہلاتا ہے یہ وزن صرف
تعداد محض ہے اس کی کوئی اکائی نہیں ہوتی۔ایوریڈی صفحہ ۱۲ار پر وزن کے اکائی کے بارے میں درج
ہے قدری وزن معلوم کرنے کے لئے بٹکھرؤیاں یا باٹوں کا استعمال ہوتا ہے باٹ مختلف قسم کے ہوتے
ہیں نیچے فرانسیسی اور انگریزی باٹوں کی اکائیاں دی گئی ہیں (اور پھر) اونس پاؤنڈس وغیرہ ملی گرام،

ڈیسی گرام، کلوگرام وغیرہ کی فہرست درج ہے۔ایٹمی توانائی صفحہ ۲۴ پر ہے۔
اصطلاحات:۔یورنیم کو ں لا سے ظاہر کرتے ہیں (۹۲،۲۳۵) کا مطلب یہ ہے کہ یورنیم کا
ایٹمی وزن ۲۳۵ اٹامک ماس ہے اور ۹۲ اس کا ایٹمی مد ہے۔اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ ایٹمی وزن کچھ
اور شے ہے اور قدری وزن جس کے بارے میں سائنسدانوں نے کہا ہے کہ توانائیوں میں وزن نہیں
ہوتا۔یہ کچھ اور شے ہے اور قدری وزن بدلتا رہتا ہے لیکن جوہری وزن کسی خاص عنصر کا بدلتا نہیں۔
ان تفصیلات کے بعد اب آیئے اور سمجھئے کہ یہ جوہری وزن عنصر کے جوہر میں مانے جاتے ہیں بجلی
میں نہیں بجلی اور شے ہے اور جوہر شے دیگر، جس کی تفصیل اگلے صفحات میں آرہی ہے۔بجلی میں نہ
قدری وزن ہوتے اور نہ نوعی وزن اور نہ جوہری وزن فتدبر، وتفکر، ثم تشکر۔

تنقید نگار نے بجلی کو جسم مانا ہے اور اسے تعجب خیز کہا ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ تعجب خیز
نہیں۔بلکہ مضحکہ خیز ہے اس سلسلے میں جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں اس میں کہیں بھی اس کا سراغ نہیں
ملتا۔آیئے! دور حاضر میں سائنس روم میں پڑھائی جانے والی کتاب دیکھئے۔خواہ وہ کتاب کسی زبان
کی ہو سب میں درج ہے فی الحال سلیس طبعیات صفحہ ۴۳۵ ملاحظہ فرمائیے۔برقیدہ کے تین نظریئے
ایک سیائی نظریہ، دوسیائی نظریہ اور الیکٹرونی نظریہ۔پہلے دونوں نظریہ کی بھرپور تشریح کے بعد آخری
نظریہ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ہر جوہر کے اندر ایک نیوکلیس ہوتا ہے جس کے چاروں طرف متعین
مدار یا مداروں پر نہایت ہی چھوٹے برقی ذرات گردش کرتے رہتے ہیں جنہیں الیکٹرون کہتے ہیں۔
نیوکلیس پر مثبت برق اور گردش کرنے والے الکٹرون پر منفی برق کے بارے ہوتے ہیں" اب غور کیجئے
اور سمجھئے کہ الکٹرون پر اور نیوکلیس پر دو مختلف غیر مماثل قسم کے اوصاف ہوتے ہیں وہی بجلی ہے خود نیو
کلیس اور الکٹرون بجلی نہیں۔افکار عصریہ سے آپ پیش کردہ عبارات جو تنقیدی جائزہ کے صفحہ ۳۱ پر
منقول ہے انہیں ذرات کے بارے میں ہے الغرض جن جن عبارات سے آپ کو دھوکہ ہوا ہے وہ
سب انہیں ذرات کے بارے میں ناطق میں خود برق یا بجلی کے بارے میں نہیں۔انہیں الکٹرون جو
منفی برق کے حامل ہوتے ہیں کے بارے میں سلیس طبعیات کے اندر آگے درج ہے۔دوسری بات

یہ ہے کہ الکٹرون جو ہر منفی برق کے جوہر سے تعلق نہیں رکھتے وہ ایک جوہر دوسرے جوہر میں بھی چلے جاتے ہیں۔ آپ کی پیش کردہ عبارت میں اسی علاحدگی کو مجرد عن الحادہ اور مادہ کی اس روکودھار اسے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیوکلیس جو مثبت برق کے حامل ہوتے ہیں اس کی علاحدگی اس کا دھارادب سائنسدانوں کے قابو یا تدبر میں نہیں آیا جس کے بارے میں آپ کی پیش کردہ عبارت میں اس طرح کہا گیا ہے۔ لیکن طریقہ سے ہم مثبت برق کو علاحدہ نہیں کرسکتے ہیں بنا بریں ہم کو مثبت برق کے مرکزی قلب کو معہود ذہنی سمجھنا چاہئے۔ مزید اس بارے میں ایٹمی توانائی ملاحظہ کریں۔

آپ کچھ سمجھے۔ شروع شروع دیمقراطیس اجزاء تک سائنسدانوں نے جسم کے تحلیل کو مانا اس کے بعد ڈانٹس نے جوہری نظریہ قائم کیا اور جیسے جے تھامس نے الکٹرون ریدرفورڈ نے پروٹان اور چودھویک نے نیوٹران کا پتہ لگایا ایٹمی توانائی صفحہ ۱۱۵ اس طرح جوہر کے تین ذرے دریافت ہوگئے الکٹرون منفی برق کا حامل ہوتا ہے اور اسی کو جوہر سے علاحدہ کرنے پر سائنس داں قابو پا گئے جیسے طلائی فلکی کے تجربہ سے پیش کرنے کا بس سائنسدانوں کا دعوٰی ہے۔ رہا مثبت برق اور منفی برق کا فرق پیش کرنا تو آپ نے اس میں عجب جدت دکھائی ہے۔ خدارا یہ فرق سائنس کے کسی طالب علم سے نہ کریں ورنہ وہ ہم مولویوں کو اس صدی کی عجیب وغریب مخلوق سمجھے گا۔

پھر یہ کہ جسم چند چیزوں کے کیف ما اتفق مجموعہ کا نام نہیں بلکہ جسم ایسے اجزائے سالم کے مجموعہ کا نام ہے جن میں باہم جذب وکشش ہوتی ان اجزاء سالمہ میں سے ہر ایک کئی طرح کے ایسے متعدد جوہر سے بنتا ہے جو جزء سالم کے کیمیائی ترکیب میں حصہ دار ہوتا ہے فقط جوہروں کا مخلوق اور مجموعہ جز وسالمہ کے وجود کے لئے کافی نہیں رہا خود جوہر تو وہ ایسے تین قسم کے ذرات (کیڑے) سے بنتا ہے جن میں دو یعنی نیوٹران اور پروٹان اس کے مرکزہ پر ہوتے ہیں جن میں مثبت برق پایا جاتا ہے اور ایک الکٹران جن کا ایک ذرہ یا کئی ذرات اس کے چاروں طرف متعین مدار یا مداروں پر گردش کرتے رہتے ہیں ان میں منفی برق پایا جاتا ہے۔ چونکہ مثبت ومنفی غیر مماثل برق میں جذب وکشش اور متحد ومماثل برق میں تدافع ہوتا ہے اس لئے فقط الکٹران کے مجموعہ کے مابین تدافع ہوتا

ہے بنا بریں برقیہ کا وہ حصہ جو عمل وترکیب سے اگر مجرد عن المادہ کرکے خلائی فلکی میں اکھٹا کردیئے جائیں تو اس سے جسم نہیں بن سکتا چونکہ یہ بطرفیہ نہ جز وسالمہ اور نہ جوہر اور نہ اس میں باہم جذب وکشش تو اس کے مجموعہ سے جسم بننے کا سوال ہی کیا۔ لیجئے ! بجلی تو بجلی اس بجلی کے حامل سے بھی جسم نہیں بنتا افسوس آپ کی آخری آس بھی ٹوٹ گئی۔

آگے تنقید نگار نے بجلی کی شکل اور وزن کے اثبات کے لئے ایک عبارت نقل کی ہے جس میں جوہری وزن کا بھی تذکرہ ہے۔ جوہری وزن کے بارے میں ہم بہت کچھ سمجھا چکے ہیں۔ یہاں صرف اس شکل کے بارے میں عرض ہے۔ تنقید نگار لکھتے لکھتے ہیں اور افکار عصریہ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں بالفاظ دیگر انہیں تشکلات سے مختلف اساسی جوہر بنتے ہیں ایک تشکل کو ہم نے سوڈیم کا جوہر کیا یہ ایک نرم دھات ہے۔ برقیوں کے ایک دوسرے تشکل کو ہم کلورین کا جوہر کہا وغیرہ وغیرہ۔ اس عبارت کی تشریح تنقید نگار پر ضروری تھی کہ یہ بات جوہر اور برقیوں کے بارے میں ہے یا بھی اور برق کے بارے میں کہا ہے۔ سب سے خاص بات تو یہ ہے کہ تشکل کو جوہر یعنی ایٹم کہا ہے کیا واقعی تشکل اور جوہر ایک ہی چیز ہے؟ وہی تشکل ہے وہی جور ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا جوہری وزن جیسے آپ نے سمجھایا ہے اس سے مراد تشکل کا وزن ہے یعنی تشکل کا بھی وزن ہے اور چونکہ اجسام جوہر ہی سے بنتے ہیں تو کیا تشکلات کے مجموعہ کا نام جسم ہے؟ پھر یہ کہ جوہر ہی بجلی اور وہی تشکل ہے تو گویا بجلی تشکل ہے اور بقول تنقید نگار بجلی کے لئے شکل ہوتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ تشکل کے لئے شکل ہوتی ہے یہ گورکھ دھندہ میرے نہیں تنقید نگار کے سلجھانے کی چیز ہے۔

تعجب تو یہ ہے کہ تنقید نگار نے پتھر کے بارے میں بہت لمبی چوڑی تقریر کی ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ اس کی رفتار روشنی کے برابر ہے اور نتیجہ میں یہ بھی دکھایا ہے ''سورج جو ہم سے نو کروڑ بیس لاکھ میل کے فاصلے پر ہے اس کی روشنی وحرارت ہم تک اسی تیز گام پتھر کے ذریعہ تقریبا آٹھ منٹ میں پہونچتی ہے تنقید نگار ذرا حساب لگا کر تو بتایئے کہ روشنی اور پتھر کی رفتار برابر ہونے اور پھر روشنی کے تیز گام پتھر کے ذریعہ آپ تک پہونچنے کی صورت میں کس طرح کیسے آٹھ منٹ لگ سکتے ہیں۔ پانی

کا بہاؤ فی گھنٹہ چار میل اور اسی سمت میں کشتی کی رفتار فی گھنٹہ چار میل ہو تو کشتی کی مجموعی رفتار آٹھ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ یہاں آپ کے پیش کردہ مبادی کے مطابق تین لاکھ بہتر ہزار میل فی سکنڈ کی رفتار سے روشنی آپ کی طرف بڑھے گی اس لئے بجائے آٹھ منٹ کے چار منٹ لگنا چاہئے۔ اس لئے سورج کی روشنی زمین تک پہونچنے کے لئے اگر آٹھ منٹ لگتے تو اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ پتھر کی رفتار روشنی کے برابر نہیں۔ اگر تنقید نگار منٹ سے ناواقف ہے تو کم از کم کسی پرائمری کے حساب جاننے والے طالب علم سے پوچھ کر ہی لکھنا چاہئے تھا۔ اللپ (اٹکل پچو) لکھنے اور دھونس جمانے سے کیا فائدہ؟ خیر یہ تو حساب کی غلطی تھی لیکن کہنا یہ ہے کہ آپ نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ خلاء میں آواز اسی پتھر کے توسط سے چلتی ہے اور خلائی مسافر آپس میں باتیں اسی کے توسط سے ایک دوسرے تک پہونچایا کرتے ہیں۔ لیکن علم الاصوات صفحہ ۲۷۰ پر ہے آواز ایک مقام سے دوسرے مقام تک ہوا کے ذریعہ جاتی ہے یعنی آواز ایسے مقام سے ہو کر نہیں جاسکتی جہاں ہوا یا کوئی دوسرا مادہ نہ ہو۔ لیکن روشنی کے ساتھ یہ بات نہیں ہے روشنی ایک مقام سے دوسرے مقام تک پتھر نام کے مادہ کے ذریعہ جاتی ہے اس کے لئے ہوا یا دوسرا ارضی مادے کی ضرورت نہیں صفحہ ۵۳۶ پر ہے روشنی کی طرح آواز خلائی مقامات سے ہو کر نہیں گزر سکتی آواز کی اشاعت کے لئے زمینی واسطے کی ضرورت ہوتی ہے لیجئے پتھر والا سہارا ابھی ہاتھ سے چھوٹا۔ نیل آرم اسٹرانگ اور ایڈورڈ ایلڈرون کے چاند کا سفر پڑھیئے تو معلوم ہوگا کہ ان دونوں کے پیغام جہاں جہاں پہونچے وہ ایسے مواصلاتی نظام سے پہونچے جس میں لاسلکی اصول یعنی تبدیل توانائی کارفرما تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے منہ کی حالت بست وکشاد دیکھ تو سکتے تھے مگر کوئی فطری آواز نہیں سن سکتے تھے۔ بلکہ ان کی فطری آواز آکسیجن کے سالمات میں الجھ کر منہ کے اندر رہ جاتی تھی۔ بہت افسوس ہے کہ باتیں ہمارے موقف کی حامی ہیں اسے آپ نے اپنے مطلب کے لئے زبردستی کرلیا۔ اسی موقع پر لوگ کہا کرتے ہیں کہ چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ وارد''

آگے چل کر تنقید نگار نے ہمارے بیان کردہ مفسدات کے فی نفسہ اقسام اور اس کے تحقق پر

اعتراض کیا ہے۔ کہ اول صورت مفسدات صلوٰۃ فقط بتایا گیا ہے اور تحقق میں حق مقتدی ہی سمجھا ہے کاش تنقید نگار کم از کم شرح تہذیب میں مانعۃ المجموع اور مانعۃ الخلو کی تعریف میں واقع صدقاً فقط اور کذباً فقط کے فقط کی تفسیر دیکھ لئے ہوتے تو اس پر واضح ہو جاتا کہ فقط جس طرح بشرط لاشی کے لئے مستعمل ہے اسی طرح لابشرط شی کے لئے بھی مستعمل ہے۔ خلاصہ یہ کہ اول صورت وہ ہے جو مفسد صلوٰۃ ہو خواہ مفسد اقتدا ہو (جیسے حق مقتدی میں) یا مفسد اقتدا نہ ہو (جیسے امام یا منفرد کے حق میں) حاصل یہ کہ مفسد کے اس قسم سے تمام نمازی کی نماز کو محفوظ ہونا ضروری ہے خواہ باجماعت نماز ادا کررہا ہوں یا حالت انفراد میں خواہ امام ہو یا مقتدی۔ لیکن بقیہ تین صورتوں سے فقط مقتدہی کی نماز محفوظ ہونا ضروری ہے۔ الغرض صحت صلوٰۃ اور صحت اقتدا میں تلازم نہیں بلکہ صحت صلوٰۃ عام اور صحت اقتدا خاص ہے۔ اس لئے فساد صلوٰۃ ہو خاص اور فساد اقتدا عام ہوگا۔ انتفاء خاص سے انتفاء عام لازم نہیں۔ اس لئے اگر کوئی شی مفسد صلوٰۃ نہ ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ مفسد اقتدا بھی نہیں ہے۔ دو ایسے شخص جو مشتبہ القبلہ ہوں اپنی اپنی جداگانہ سمت تحری کی طرف رخ کرکے نماز ادا کررہا ہو تو ہر ایک کی نماز صحیح۔ اپنی اپنی سمت تحری کی طرف رخ کرکے نماز ادا کرنا صحیح ہے مفسد نہیں۔ لیکن اسی صورت میں ایک نے دوسرے کی اقتدا کرلی تو مقتدی کی اقتدا اور نماز دونوں باطل، فعل قلیل کے ساتھ نمازی اگر قدرے آگے بڑھ جائے تو یہ نماز کے لئے مفسد نہیں۔ لیکن یہی فعل امام کے پہلو میں تنہا کھڑا ہونے والا مقتدی کرلے کہ جس کی وجہ سے تقدم الی اور امام لازم آجائے تو بربنائے فساد اقتداء نماز باطل۔ کسی وسیع نہر کے دونوں کناروں پر الگ الگ دو شخصوں کا نماز ادا کرنا صحیح نہر واسع کی پہلو نہ مفسد اقتداء اور مبطل نماز ہے تو معلوم ہوا کہ فقہی جزیہ سے فقط یہ ثابت کردینا کہ فلاں عمل مفسد صلوٰۃ نہیں لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء کے مسئلہ کو اس پر قیاس کرکے یکساں حکم لگانا کافی نہیں جب تک یہ نہ ثابت کردیا جائے کہ جن امور میں امام یا بکر نے سن کر یا دیکھ کر انتقالات کئے جاتے ہیں ان امور کا تلقن من الخارج مفسد اقتدا نہیں غالباً تنقید نگار پر واضح ہوگیا ہوگا کہ اول صورت حق مقتدی ہے ناممکن نہیں اور صحت صلوٰۃ اور صحت اقتداء میں جس طرح تلازم نہیں اسی طرح فساد صلوٰۃ

اور فساد اقتدا میں بھی تلازم فقط حق مقتدی میں متحقق ہے۔

مطلقاً صلوٰۃ واقتدا میں نہیں۔ مجوزین کا پیش کردہ جملہ ناظرین لاؤڈ اسپیکر کے مسئلہ کیلئے کافی نہیں ہیں چونکہ وہ سب فقط اس پر دال ہیں کہ یہ مفسد صلوٰۃ نہیں لیکن اس پر اس کی قطعی دلالت نہیں کہ مفسد اقتدا بھی نہیں ہے۔

اپنے مقالہ کے تائیدی حصہ میں ہم نے لکھا تھا کہ فلاں آواز فطری ہے اور فلاں فلاں آواز غیر فطری ہے اس کے بعد ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ غیر فطری آواز شرعاً معتبر نہیں اور جو آواز شرعاً معتبر نہیں اس پر اقتداء درست نہیں آپ فرماتے ہیں کہ یہاں ایجاب صغریٰ نہیں یہاں کلیۃ کبریٰ نہیں۔ ایجاب پر اعتراض لغو سی بات ہے مرقات پڑھنے والا بھی اس کی لغویت واضح کرسکتا ہے۔ رہا کلیت کا سوال تو یہ اپنی بداہت کی وجہ سے محتاج دلیل نہیں تھی فقط کمال انکشاف اور تنبیہ کے لئے ہم نے یہ لکھا تھا کہ صغریٰ کا ثبوت مسئلہ تناقض۔ لیکن اگر آپ کو تسلی نہیں ہوتی تو کم از کم آپ اسے اس نقطۂ نگاہ سے سوچیں کہ وہ غیر فطری آواز جسے ہم سنتے ہیں وہ متکلم کا فعل غیر ارادی ہے اور غیر ارادی فعل عبادت محضہ میں معتبر نہیں اور اگر اب بھی ناکافی سمجھتے ہیں تو مسئلہ مجوث عنہا میں سمجھئے کہ لاؤڈ اسپیکر کی غیر فطری آواز نمازی کا فعل ہی نہیں اور جو نمازی کا فعل ہی نہیں وہ شرعاً عبادت محضہ میں معتبر نہیں۔ اب آپ صغریٰ کبریٰ کا اقتران کر کے نتیجہ نکال لیجئے۔ صغریٰ، کبریٰ، دونوں بدیہی ہیں۔

التفریق بین ما یتعلق بالوجوب و ما یتعلق بالاداء کے تحت عنوان جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت اور دیگر نمازیں باہم کئی چیزوں میں ممتاز ہونے کے باوجود دونوں صحت ادا اور فساد میں سواء بسواء ہے اور بہ نسبت وجوب ادا میں شدت رعایت ہونے کی وجہ سے سجدۂ تلاوت کا وجوب جس نوع آواز کے مسموع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اس کی ادائیگی اس نوع آواز سے اسوۂ حال آواز سے جائز نہیں لہٰذا صدا سے جب وجوب نہیں تو اس کی ادائیگی بھی جائز نہیں لیکن اگر نماز کی ادائیگی صدا سے جائز مانی جائے تو سواء بسواء ہونے کی وجہ سے سجدۂ تلاوت کی ادائیگی بھی صدا سے جائز ہونا لازم آئے گی حالانکہ لازم باطل ہے۔ کہ ما بہ الوجوب سے یہاں ما بہ الاداء اسوۂ

حال میں ہے۔ ہمارے اس قول پر تنقید نگار نے دو نقص وارد کئے ہیں مگر افسوس ان سے کسی میں بھی دو نوع کی آواز تذکرہ تک نہیں اور ثانی میں تو آیت سجدہ کے مسموع ہونے کی جھلک بھی نہیں۔ ہم نے یہ کب کہا ہے کہ ہر وہ آواز جس سے نماز جائز (خواہ تلاوت سجدہ ہو یا نہ ہو) اس سے وجوب سجدہ لازم۔ کہاں ہمارا پیش کردہ سالبہ کو موجبہ لازم ہے۔'' ہم نے اصل مقالہ میں لکھا ہے سماع آواز سے حلت وحرمت کا تعلق نفس آواز سے ہے یہاں اضافت الی المتکلم حکم کا مدار نہیں۔ اور اقتدار کا تعلق نفس آواز ہی سے نہیں بلکہ اس میں اضافت الی المتکلم معتبر ہے۔ اس پر تنقید نگار ایک لمبی چوڑی تقریر کر کے فرماتے .... ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، جنوری، ۱۹۸۸ء

قسط (٣)

مسئلہ لاؤڈ اسپیکر کے تنقیدی جائزہ پر سرسری نظر

میں کہ بلاشبہ یہ نکتہ آفرینی قابل صد رشک ہوتی اگر امام احمد رضا قدس سرہ کی تصریح اس کے خلاف نہ ہوتی۔

خلاف کی نشاندہی کے لئے جو عبارت نقل ہے وہ سراسر ہماری حمایت میں ہے نہ جانے تنقید نگار نے کہاں سے سمجھا کہ یہ خلاف میں ہے اس کا ثبوت اس کے ذمہ واجب ہے۔ آخر میں یہ بھی سماعت فرمائیں کہ تنقید نگار نے لکھا ہے کہ جماعت سے کلام محل عادی ہے اسے مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ناطق بندوں کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت کے کلام سے ایسے مستند فرمایا۔ لیکن سوال سے ہوتا ہے کہ خود باری تعالیٰ کیسے کلام فرماتا ہے جب کہ یہ ناطق بندوں کے ساتھ خاص ہے ثانیا! یہ کہ لاؤڈ اسپیکر سے کلام واقع نہیں بلکہ اس کے مشابہ آواز پیدا ہوتی ہے ثالثا یہ کہ کسی شے کے لئے کسی امر کے محال عادی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس امر کے صدور کے لئے کچھ حالات وآلات درکار ہیں اور یہ شے ان حالات وآلات سے عادی ہے اس لئے عادتاً اس امر کا صدور اس شے سے محال ہے لیکن اگر شے میں وہی حالات وآلات پیدا کر دیئے جائیں تو یہ محال عادی نہیں۔ علماء کرام

محال عادی کے بیان میں لکھتے ہیں کہ یہ بنظر الیٰ قدرۃ اللہ و بنظر الیٰ قدرۃ العبد ممکن ہوتا ہے لیکن حالات وآالات کی فقدان کی وجہ سے اس کا صدور نہیں مظال میں فرماتے ہیں جیسے ان چیزوں کا فضاؤں میں اڑنا جس میں اڑنے کے اسباب وآلات نہیں۔ لوہا یا کسی بھی دھات کا اڑنا محال عادی نہیں لیکن ان میں اگر مختلف قسم کے آلات لگا دیئے جائیں تو یہی لوہا وغیرہ کبھی جہاز کبھی راکٹ بن کر اڑ جاتا ہے حاصل کلام یہ کہ آلات معدہ اور حالات مساعدہ اور اس باب موجبہ اور علل موجدہ بہم پہونچ جانے کے بعد محال عادی محال نہیں رہتا بنابریں لاؤڈ اسپیکر میں بھی برقی، مقناطیسی دھات میں عامل ہوتا ہے برقی مقناطیسی دھات اپنے کم وبیش جذب وکشش کی وجہ سے طول وعرض میں پھیلتے ہوئے آہنی جھلی میں اسی جیسا ارتعاش پیدا کرتی ہے جیسا کہ آواز دباؤ کی وجہ ڈائفرام میں ارتعاش پیدا ہوا تھا تو یہاں حالات وآلات نے اس محال عادی کے میدان سے خارج کر دیا یہ امام احمد رضا کے فرمان کے خلاف ہرگز نہیں خود تنقید نگار کو یہ اعتراف ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے گھوں گھوں کی آواز نکل سکتی ہے جیسے کہ تنقیدی جائزہ میں موجود ہے۔ جب ایسا ہے تو آلات کے ذریعہ (ض) (ر) اور ب کے سر بھی ضرور نکل سکتے ہیں اب اگر یہ تینوں سر بڑی تیزی کے ساتھ آپس میں مل جائیں تو کیا ضرب کا لفظ ممنوع نہ ہوگا؟۔

چلتے چلتے یہ بھی سن لیجئے۔ علم الاصوات میں ہے کسی چیز کی ارتعاش کے یہ آواز پیدا ہوتی ہے اور لرزش بند ہو جانے پر آواز بھی بند ہو جاتی ہے۔ جس کی ارتعاش سے یہ آواز پیدا ہوئی وہ شے آواز کا فاعل اور جس سے ملامتکیف میں پیدا ہوئی وہ منفعل ہوتا ہے۔ بانسری ڈھول ٹن اور لوہا کے ارتعاش سے جب آواز پیدا ہوتی ہے تو یہ آواز بانسری، ڈھول، ٹن اور لوہا کی ہوتی ہے اور جب انسان کے گلو سے ارتعاش پیدا ہو تو یہ آواز انسان کی ہوتی ہے۔ البتہ بانسری، ڈھول، ٹن اور لوہا کے چونکہ بے جان ہوتے ہیں اس لئے ان میں یہ ارتعاش خود بخود پیدا نہیں ہوتا بلکہ کوئی اپنی پھونک یا چوٹ مار کر پیدا کرتا ہے اس لئے ان آوازوں کو بحسب التاثیر بانسری، ڈھول، ٹن اور لوہا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور بحسب الایجاد (یعنی ان بے جان چیزوں کو کسی نے بجایا) اس کے محرک کی طرف منسوب کیا

جاتا ہے بے جان لاؤڈ اسپیکر کے ڈائفرام پر جب آواز کا دباؤ ہوتا ہے تو اس دباؤ کے اختلاف کی وجہ سے بجلی کے جھٹکے مختلف ہوجاتے ہیں اور پھر مقناطیسی دھات میں جذب وکشش کے درجے مختلف ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے ہارن کے پردے میں کم وبیش کھنچاؤ کی وجہ سے ارتعاش اور اس ارتعاش سے آواز پیدا ہوئی جو آواز خود اس پردے کی ہوتی ہے متکلم کی نہیں۔ اس لئے بحسب التاثیر یہ آواز لاؤڈ اسپیکر کی آواز بحسب الایجاد متکلم کی طرف منسوب ہوگی نہ کہ یہ آواز ہی متکلم کی مانی جائے گی۔ اس لئے تنقید نگار کا یہ کہنا کہ جس علت کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو متکلم کی آواز کا غیر قرار دیا جاتا ہے اسی علت سے انسان کی فطری آواز بھی متکلم کی آواز کو متکلم غیر ہوجائے گی قطعا صحیح نہیں۔ اگر کوئی حاجی صاحب بیٹری سے چلنے والی بچوں کا کھلونا موٹر چالو کردے اور وہ موٹر کعبہ کے اردگرد سات چکر لگاکر اس کے پاس واپس اگر رک جائے تو کیا یہ طواف بھی حاجی صاحب کی طرف سے منسوب ہوگا اور یہ طواف حاجی صاحب کا مانا جائے گا۔ اسی طرح پلاسٹک کا ایسا انسانی پیکر جس کے اندر ہر اس اعضاء میں خم وموڑ پیدا ہوسکے جن اعضاء میں انسان کے خم وموڑ پیدا ہوتا ہے۔ تو اگر ایسا انسانی پیکر کوئی مقتدی کی صف میں کھڑا کردے اور پھر آلات یا اپنے جوراح سے امام کے ساتھ قیام نہ رکوع، سجود، قعدہ وغیرہ کراتے رہے تو کیا اس لئے جان پیکر کے انتقالات کو اس کے محرک کی طرف منسوب کرکے یہ حکم دیا جائے گا کہ یہ اس کے محرک کی نماز ہے اگر کوئی باوضو شخص کسی مردہ کا شکم دبائے جس کی وجہ سے بول وبراز خارج ہوجائے تو کیا اس محرک کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اگر کوئی باروزہ شخص مردہ کے حلق میں سے پانی پیٹ میں اتار دے تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے اذا اجتمع المباشر والمسبب الخ سے یہاں استدلال قطعاً صحیح نہیں۔ باقی اور باتیں آپ کی بر بنائے بناء الفاسد علی الفاسد فاسد ہیں اس پر روشنی ڈالنے کی حاجت نہیں۔ ہذا آخر ماردنا تعرضہ فی الجواب واللہ تعالیٰ اعلم بالخیر والصواب۔

تنقیدی جائزہ پر سری سری نظر کا خلاصہ یہ ہوا کہ تنقید نگار کی ساری باتیں بے بنیادی ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کی ساخت بتائی ہے کہ اس کی آواز متکلم کی عین آواز نہیں مزید اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ بجلی ایک ایسی توانائی ہے جو نہ شکل رکھتی ہے اور یہ آواز کی اشاعت کا واسبہ ہے البتہ آرمیچر کے واسطے سے نئی آواز پیدا کرنے کے لئے ممد ومعان ہے ہاں یہ کبھی آواز میں اور کبھی آواز اس میں تبدیل ہوجاتی ہے تلقن من الخارج چونکہ مفسد اقتدا اور مفسد صلوٰۃ ہے اس لئے۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا درست نہیں بلکہ باطل ہے۔ اس کی آواز کا غیر مانتے ہوئے جنہوں نے اس پر اقتدا درست مانا ہے اور قیاس کے لئے جتنی نظیریں اس بات میں انہوں نے پیش کیں۔ اس نے خطا کی۔ یہ نظیریں سب اس پر دال ہیں کہ یہ مفسد نماز نہیں ان نظیروں کی اس پر قطعاً دلالت نہیں کہ یہ مفسد اقتدا بھی نہیں ہے۔ یہ سب معروضات میری طرف سے تنقیدی جائزہ پر بطور سرسری نظر ہے اور امید ہے کہ جناب مفتی مطیع الرحمٰن صاحب بھی حسب التماس کچھ لکھا ہے اس لئے اب ان سے پیش کرنے کی اپیل ہے ساتھ ہی تنقید نگار کے اصل مقالہ پر ان کے کئے گئے ایرادات کی پیش کش کی بھی گزراش ہے جس کا وجوب تنقید نگار پر اب بھی باقی ہے۔۔

نوٹ:۔ باہم مل کر کسی پیچیدہ امر کی تحقیق کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک آدمی دوسرے کے نظریہ اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کے سلسلہ میں تمثلات اور تغیرات میں چوک کرتا ہے تو اس کی اصلاح کردی جائے اور اگر ان کے عبارات میں تعقید وابہام ہو تو اس کی تتبین وتسہیل کردی جائے لیکن اگر ہر ایک اپنے نظریہ کو دوسرے پر اس طرح تھوپنا چاہے کہ نا قابل قبول ہونے کی صورت میں اس سے قلمی معرکہ آرائی پر اتر جائے تو یہ تحقیق نہیں اظہار قابلیت کا ایک ذریعہ ہے یقیناً لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ بھی باہم تعاون کے ذریعہ ایک نتیجہ خیز موقف تک پہونچ سکتا ہے لیکن ردابطال حوصلہ اسے کبھی بھی تحقیق کے سرحد تک پہونچنے نہیں دے سکتا، آگے ہم ایک نیدی رسالہ کا اردو ترجمہ پیش کرتے نہیں جو نیکرفون سے متعلق ہے۔

(ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، فروری، ۱۹۸۸ء)

لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی یا نقلی

عرصۂ دراز سے یہ اختلاف چلا آ رہا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز متکلم کی اصلی آواز ہے یا اس کی ہو بہو نقل ہے۔علما تو علما سائنس دانوں کے مابین اختلاف ہے۔جس کے نتیجے میں بحالت نماز اس کے استعمال میں بھی اختلاف چلا آ رہا ہے۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر امور ذیل پر اچھی طرح غور کر لیا جائے تو یہ عقدہ آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا ہے۔

(۱) انسان کے منہ کی بناوٹ۔

(۲) آواز کی حقیقت

(۳) آواز سننے کی کیفیت

(۴) آواز کا ظاہری وعادی سبب اور اس کا واقعی سبب

(۵) لاؤڈ اسپیکر کی تشریح اور اس کا طریقۂ عمل۔

دھن انسانی:۔ انسان کی ہوائی نالی کے منہ پر دو تار لگے ہوئے ہیں جن کے ارد گرد ایک جالی ہے۔اس کے علاوہ منہ میں ناچنے والی زبان اور مختلف زاویوں پر بست وکشاد کرنے والے

دو ہونٹ ہیں۔

آواز کی حقیقت:۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

ایک جسم کا دوسرے جسم سے بہ قوت ملنا، قرع ہے؟ اور بہ سختی جدا ہونے کو قلع کہتے ہیں۔ہوا یا پانی میں قرع یا قلع واقع ہوتا ہے تو اس میں ایک خاص تشکل وتکیف پیدا کرتا ہے، اسی تشکل وتکیف مخصوص کا نام آواز ہے۔

(الکشف وشافیا، فی حکم فونو جرافیا، گراموفون کے احکام کی تشفی بخش توضیح، از امام احمد رضا قدس سرہ)

جب ہم بولتے ہیں تو دہن کی مخصوص ساخت کی وجہ سے پھیپھڑوں کی ہوا۔ان تاروں اور جالی اور ناچنے والی زبان اور لبوں سے متصادم ہو کر، ایک نئی شکل اختیار کرتی ہے جسے، اشکال حرفیہ کہا جاتا ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

یہ شکل وکیفیت مخصوصہ جو ہوا یا پانی میں قرع یا قلع واقع ہونے سے پیدا ہوتی ہے جس کا نام آواز ہے۔کئی طرح کی ہوتی ہے۔اور بولنے کے وقت زبان وگلوے متکلم کی حرکت سے جو اشکال حرفیہ، منہ کے اندر کی ہوا میں بنتی ہیں انہیں ''الفاظ وکلمات'' کہتے ہیں (الکشف شافیا)

کیفیت سمع:۔ سننے کی کیفیت کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

یہ ہوائے اول (یعنی جس پر ابتداً قرع یا قلع واقع ہو کر شکل بنی، جیسے بولنے کی صورت میں متکلم کے منہ کے اندر کی ہوا اگر بعینہٖ سامع کے کان میں ہوتی تو یہیں وہ آواز سننے میں آ جاتی۔مگر ایسا نہیں لہٰذا حکیم عزت حکمتہ نے اس آواز کو سامع کے کان میں پہونچانے ،یعنی سمع کے کان میں جو ہوا بھری ہے، اس میں تشکلات مخصوصہ بنانے کے لئے ہوا میں موجی سلسلہ قائم فرمایا، ظاہر ہے کہ ایسے نرم وتر اجسام میں تحریک سے موج بنتی ہے؟

آگے چن کر لکھتے ہیں:۔

لہٰذا قرع اول سے جو ہوائے اول متحرک و متشکل ہوئی ہے اس کی حرکت نے برابر والی ہوا کو قرع کیا۔اس سے وہی اشکال ہوائے دوم میں بنیں اس کی حرکت نے متصل کی ہوا کو دھکا دیا۔اب اس ہوائے سوم میں وہ اشکال پیدا ہوئیں۔ یونہی ہوا کے حصے موجیں مارتے ہوئے ایک دوسرے کو قرع کرنے لگے۔اور قرع سے وہی اشکال ہوا کے حصوں میں بنتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ کان کے سوراخ میں جو ایک پٹھا بچھا،اور پردہ رکھا ہے۔ یہ موجی سلسلہ اس تک پہونچا وہاں کی آس پاس کی ہوا نے متشکل ہو کر،اس پٹھے کو بجایا۔ یہاں جوف کے سبب ہوا بھری ہے۔اس قرع سے،اس میں بھی اشکال و کیفیات کہ جن کا نام آواز والفاظ تھا، پیدا کیں،اور اس ذریعہ سے لوح مشترک میں چھپ کر،نفس ناطقہ کے سامنے حاصل ہوئیں۔اور محض باذن اللہ تعالیٰ ادراک سمعی حاصل ہوا۔الخ
(الکشف شافیا)

آواز کا سبب ظاہری وواقعی:۔ فلاں چیز فلاں چیز کے لئے ظاہری اور عادی سبب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہراً اور عادۃً ایسا ہوتا ہے کہ پہلی چیز کے ہونے سے دوسری چیز پائی جاتی ہے مثلاً مرغی کے انڈے سینا چوزہ برآمد ہونے کے لئے ظاہری وعادی سبب ہے کہ ظاہراً وعادتاً دیکھا جاتا ہے کہ مرغی جب انڈے سیتی ہے تو انڈوں سے چوزے پیدا ہوتے ہیں۔اور واقعی سبب کا مطلب یہ ہے کہ نگاہ ظاہر اور عادت عام سے قطع نظر کوئی خاص امر واقعی میں ہو جس کی وجہ سے ظاہری اور عادی سبب موثر ہوا ہے۔مثلا جب غور کیا جائے کہ انڈے سینے سے چوزے کیوں برآمد ہوتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ انڈے سے چوزے نکلنے کے لئے انڈوں کو ایک خاص حرارت،ایک معین مدت تک درکار ہے۔ایک مدت تک مرغی کے انڈے سینے سے انڈوں کو وہ حرارت اس مقدار مطلوب میں حاصل ہو جاتی ہے اور انڈے سے چوزے پیدا ہو جاتے ہیں۔تو چوزہ بننے کا واقعی سبب خاص مدت تک، مناسب حرارت انڈے کو پہنچنا ہے اور مرغی کا انڈے سینا ظاہری وعادی سبب ہے۔شے اپنے سبب واقعی کے بغیر نہیں ہو سکتی لیکن سبب ظاہری وعادی کے بغیر ہو سکتی ہے۔اس لئے

اگر مرغی انڈے کو نہ سیئے بلکہ کسی مشین کے ذریعے اتنی مناسب حرارت انڈے کو ملتی رہے تو چوزہ بن جائے گا۔

اسی طرح نطفہ کو بچہ بننے کے لئے ماں کا رحم سبب ظاہری ہے۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر رحم کی ساخت کی کوئی تھیلی بنائی جائے اور اس میں وہ ساری کیفیت فراہم ہو جائے جو مدت حمل میں رحم کے اندر پائی جاتی ہے تو اس تھیلی میں رکھا ہوا نطفہ بچہ بن جائے گا۔الغرض وجود شے سبب ظاہری پر موقوف نہیں بلکہ سبب واقعی پر موقوف ہے۔البتہ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو ظاہری سبب ہے وہی واقعی سبب بھی ہے۔

سبب ظاہری وواقعی کی توضیح ومثال سمجھنے کے بعد اب آواز کے سبب ظاہری وعادی اور اس کے سبب واقعی کو سمجھنا ہے۔امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

آواز کا ظاہری وعادی سبب قریب،قرع یا قلع ہے۔اور الفاظ وکلمات کا ظاہری وعادی سبب قریب، زبان وگلوئے متکلم کی حرکت قرعی وقلعی ہے آواز والفاظ سننے کا ظاہری وعادی سبب'' کان کے اندر جو ہوا ہے اس کا آواز والفاظ سے متشکل ہونا ہے۔اور اس کے تشکل کا سبب،کان کی باہر کی ہوائے متشکل کا اسے قرع کرنا ہے۔اور اس قرع کا سبب بذریعہ تموج،حرکت کا وہاں تک پہونچنا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:۔

''موجی سلسلہ کا انقطاع،انعدام سماع کا باعث ہوگا۔اس لئے کہ کان تک پہونچنا،موجی سلسلہ ہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔اور موجی سلسلہ کے انقطاع سے آواز والفاظ معدوم نہ ہوں گے۔ بلکہ جب تک تشکل باقی،آواز والفاظ باقی رہیں گے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معاملہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرع سے یا قلع سے جو تشکلات پانی یا ہوا میں واقع ہوتے ہیں،اگر وہی تشکلات قرع وقلع کے بغیر حاصل ہوں تو یہ بھی آواز ہی ہوں گے۔اسی طرح زبان وگلوئے متکلم کی حرکت قرعی وقلعی، جو کیفیت مخصوصہ وشکل خاص ہوا میں بنائی ہے اگر بعینہ

وہی کیفیت مخصوصہ اور شکل خاص کسی ذریعہ سے بنائی جائے تو وہ بھی یقیناً الفاظ وکلمات ہوں گے جو ہوا کے تموج سے سنے جاسکیں گے۔ اسی طرح تکیف اور تشکل جو الفاظ وکلمات ہیں۔ بجائے پانی یا ہوا کے کسی لچک دار دھات پر بنادیئے جائیں تو وہ بھی کلمات والفاظ ہی ہوں گے۔ لیکن وہ مسموع نہ ہوں گے کیونکہ ان میں موجیں نہیں اس لئے سننے کا سبب ظاہری موجود ہی نہیں۔ البتہ آواز والفاظ حقیقۃً موجود ومحفوظ ہیں۔

ریکارڈ اور فوٹو گراف میں وہی تشکل اور تکیف جسے الفاظ وکلمات کہتے ہیں۔ موجود ہوتا ہے لیکن وہاں تموج نہ ہونے کی وجہ سے مسموع نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی ذریعہ سے وہی تشکل اور تکیف موجیں مارنے والے نرم وتر اجسام میں اتار دیئے جائیں تو بعینہ وہی الفاظ وکلمات سننے میں آئیں گے۔

حاصل کلام یہ کہ آواز کے لئے فی نفسہ نہ تو قرع وقلع کی ضرورت ہے اور نہ پانی اور ہوا کی ضرورت ہے بلکہ دراصل آواز جن جن اشکال مخصوصہ اور کیفیات خاصہ کا نام ہے وہ کسی طرح خواہ جذب وکشش سے یا قرع وقلع سے کہیں بھی خواہ پانی یا ہوا میں، یا کسی لچکیلی دھات یا کاغذ میں پیدا ہوجائیں وہ آواز ہیں، الفاظ وکلمات ہیں۔

اب جس جسم میں یہ شکل وکیفیت پیدا ہوئی وہ خود موجیں مارتا ہوا کان تک پہونچے، یا اگر (اس میں مثلاً تموج نہیں اور) اس سے وہی مخصوص شکل اور کیفیت، کسی طرح کسی موجیں مارنے والے جسم میں پیدا ہوجائے پھر وہ موجیں مارتا ہوا کان تک پہونچ جائے۔ تو وہ شکل خاص (آواز والفاظ) یقیناً مسموع ہوگی۔

لاؤڈ اسپیکر:۔ آواز چونکہ شکل مخصوص اور کیفیت مخصوصہ کا نام ہے اور کیفیت وتشکل ہمیشہ جسم میں بنتی ہے اس لئے آواز اور الفاظ وکلمات کے لئے ایک ایسا جسم ہونا ضروری ہے جس میں وہ خطوط ونقوش بن سکیں جن سے شکل ابھر آتی ہے (اسی لئے آواز ہمیشہ جسم ہی کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ اور اگر وہ جسم مرئی (دیکھا جانے والا) ہوگا تو اس میں پیدا شدہ شکل خاص بھی مرئی

(دیکھی جانے والی) ہوگی جیسے ریکارڈ پر دائرہ نما خطوط سے بنی ہوئی شکل مرئی ہے۔ تو گویا آواز والفاظ یہاں مرئی ہیں۔ البتہ یہاں موجیں نہ ہونے کی وجہ سے مسموع نہیں۔ فتامل۔ اور اگر وہ جسم خود ہی غیر مرئی ہو تو وہ شکل بھی غیر مرئی ہوگئی۔

خلاصۂ کلام:۔ آواز کی ماہیت، اس کے سننے کی کیفیت اور اس کے سبب ظاہری سبب واقعی کی معرفت سے درج ذیل نتائج سامنے آئے۔

(۱) آواز موجوں کا نام نہیں، بلکہ کسی جسم میں پیدا شدہ شکل خاص اور کیفیت مخصوصہ کا نام ہے۔

(۲) آواز ہمیشہ جسم میں بنتی ہے۔

(۳) آواز کے لئے قرع یا قلع ہونا ضروری نہیں بلکہ صرف تشکل پیدا ہونا ضروری ہے خواہ کسی طرح یہ شکل پیدا ہو

(۴) جب تک شکل باقی ہے آواز باقی ہے خواہ تموج نہ ہونے کے باعث، سننے میں نہ آئے۔

(۵) تموج خود آواز نہیں بلکہ آواز سننے کا ذریعہ ہے۔

(۶) ان تشکلات وکیفیات کا سلسلہ جب تک باقی ہے اور ان کی کاپیوں کا سلسلہ جب تک جاری ہے۔ سلسلۂ آواز باقی اور آواز وہی (پہلی آواز) ہے۔ البتہ سلسلہ لوٹا، آواز ختم، پھر اگر اس کے بعد ویسے ہی تشکلات کا یہ سلسلہ چلا اور آواز مسموع ہوئی تو آواز بھی دوسری ہوگی۔ آواز کی وحدت (ایک ہونے) کا دارومدار سلسلہ کی حدت پر ہے تموج کی وحدت پر نہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں، تجدد تموج، جب تجدد سماع ہوا نہ کہ تجدد صوت (الکشف شافیا)

فرض کیجئے زید وعمر ومشابہ الصوت ہیں اور ساتھ ہی بہترین نقال ہے۔ ایسی صورت میں زید بول رہا ہے اور عمرو اس کی نقل کر رہا ہے۔ دونوں کے گلو وزبان میں ایک جیسا شکل وتکیف بن رہا

ہے۔لیکن دونوں کے مابین باہم ربط سلسلہ پیہم نہیں بلکہ زید کا کلام ایک موجی سلسلہ کے واسطے سے عمرو کے کان میں پہونچا اور سلسلہ ختم عمرو اپنے ارادہ سے پھر ویسا ہی کلام اپنے منہ سے نکالتا ہے اور پھر وہ ایک موجی سلسلہ کے توسط سے آگے بڑھ کر ایک تیسرے شخص خالد کے کان میں پہونچتا ہے۔

تو یہاں اگر چہ کلام ایک ہے لیکن زید کے ذہن سے عمرو کے ذہن تک تشکلات میں اتصال اور سلسلۂ باہم نہیں بلکہ عمرو کے کان پر ایک سلسلہ جو زید کے ذہن سے شروع ہوا تھا، ختم ہوتا ہے اور اس کے کان سے اس کے ذہن کے مابین سلسلہ منقطع رہتا ہے۔ پھر اس (عمرو) کے ذہن سے ایک دوسرا نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو خالد کے کان پر جا کر ختم ہوجاتا ہے۔اس لئے خالد نے جو آواز سنی وہ زید کی آواز نہیں بلکہ عمرو کی آواز ہے جو آواز زید کی نقل ہے اصل نہیں۔

(۷) چونکہ پانی، ہوا اور دوسرے سیال مادوں میں تموج اور تشکل لازم وملزوم ہوتے ہیں اس لئے کسی ایک کے فنا سے دوسرے کا بھی فنا ہونا ضروری ہے۔امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

ایک حد پر ہوا کا یہ موجی سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔اور اس حد سے باہر جو ہوا ہے اس میں الفاظ وآواز کی کاپی نہیں اترتی۔لہٰذا آواز والفاظ یہیں تک ختم ہوجاتے ہیں (الکشف شافیا)

آواز کے بارے مین امام احمد رضا قدس سرہ کی تشریحات ذہنی ہیں جو سفینۃ الراغب، شرح مواقف، مطالع الانورا، حاشیہ شرح مواقف للچلپی، شرح تجودی للقوشجی، اور حاشیہ شرح مواقف للملا عبدالحکیم السیالکوٹی وغیرہ میں اہل فلسفہ سے منقول وماخوذ ہیں۔

لاؤڈ اسپیکر کی موٹی تصویر۔ لاؤڈ اسپیکر کیا کرتا ہے اور اس کا طریقۂ عمل کیا ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے موٹے طور پر اس کی ساخت جاننا ضروری ہے۔لاؤڈ اسپیکر میں بنیادی تین ٹکڑے ہوتے ہیں (۱) مائک (۲) ایمپلی فائر (۳) اسپیکر (ہارن) ان تینوں کے مابین تار کا رابطہ ہوتا ہے۔

کیفیت تشکلی یعنی آواز کے لئے، طول وعرض ہیں، پھیلا ہوا لچکدار جسم ہونا ضروری ہے تا کہ اس میں صوتی خطوط کی لہریں بن سکیں، اس لئے مائک اور ہارن میں اسی قسم کا پردہ لگا رہتا ہے، البتہ

مائک اور ہارن کے مابین تار میں ایسا کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ جب انسان بولتا ہے تو اس کی آواز سے مائک کے پردے میں حسب الفاظ مختلف درجہ کا کم وبیش دباؤ پڑتا ہے جس سے اس میں ارتعاش ہوتا ہے اور پھر اس ارتعاش سے کیفیت تشکلی (آواز) پیدا ہتی ہے۔ مائک کے پردہ پر کم وبیش دباؤ کی وجہ سے، پھر وہ منسلک تار کے اندر رواں بجلی کی مقدار میں کمی بیشی اور رفتار میں ناموزونی پیدا ہوجاتی ہے اور اس سے بجلی کے جھٹکے کم وبیش ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کم وبیش جھٹکے دار بجلی جب تار کے راستے سے ہارن کی طرف بڑھتی ہے تو آخر میں ایک مقناطیسی دھات پر اثر کرتی ہے۔ (یہ دھات قدرتی مقناطیسی نہیں بلکہ بجلی کی رو سے ایک جعلی مقناطیس ہے) اور اپنے کم وبیش جھٹکے کی وجہ سے اس برقی مقناطیس دھات پر مختلف درجہ کم وبیش جذب وکشش رکھتی ہے۔ ہارن کا لچکدار پردہ چونکہ لوہے کا ہوتا ہے اور مقناطیسی دھات سے بہت قریب ہوتا ہے اس لئے اس کے کم وبیش جذب وکشش کی وجہ سے وہ پردہ کبھی زیادہ کبھی کم کھینچتا ہے۔اس کم وبیش کھینچاؤ کی وجہ سے اس میں بالکل ویسا ہی ارتعاش پیدا ہوجاتا ہے جیسا کہ مائک کے پردہ میں ارتعاش ہوتا ہے۔ پھر ہارن کے پردے کے ارتعاش سے اس کے متصل ہواؤں میں ارتعاش اور کیفیت تشکل آواز پیدا ہوجاتی ہے۔

لیکن مائک سے ہارن تک کا یہ عمل اتنا خفیف ہوتا ہے کہ قابل سماعت نہیں جیسے بلبلے پھوٹتے میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے لیکن نہ قابل سماعت ہوتا ہے، اسی طرح ہان کے پردہ پر ارتعاش ناقابل سماعت ہوتا ہے۔ بیچ میں ایمپلی فائر اسے طاقتور اور قابل سماعت بنانے کے لئے معاون ومددگار ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آواز کو بلند اور پست بنانے کیلئے ایمپلی فائر کے بٹن کو مختلف انداز سے گھمایا جاتا ہے بیچ میں ایمپلی فاصلہ نہ تو ہوتو آواز قطعاً مسموع نہ ہوگی۔

لاؤڈ اسپیکر کی ساخت اور عمل سے ظاہر ہے کہ وہ کیفیت تشکلی جسے آواز کہتے ہیں، اس کا سلسلہ ذہن متکلم سے شروع ہوکر مائک کے پردہ پر ختم ہوجاتا ہے۔ پھر وہاں سے بجلی کے جھٹکے اور ان جھٹکوں سے مقناطیسی اثر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے بعد ہارن کے پردے میں تشکلی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

مائک اور ہارن کے مابین نہ کوئی لچکیلی سطح ہے، نہ کوئی پردہ اور نہ کوئی تشکل وتکیف، بلکہ تار کے اندر فقط بجلی رواں ہے جو بولنے سے پہلے بھی تھی اور بعد میں بھی رہتی ہے۔ البتہ اس بجلی کے جھٹکے الگ الگ ہیں مگر یہ جھٹکے مائک کے پردہ کی کیفیت تشکلی (آواز جیسے نہیں کہ انہیں بعینہ متکلم کی آواز کہیں، کیفیت تشکل ہمیشہ جسم میں ہوتی ہے اور یہ بجلی جسم نہیں ہوتا اور نہ تار اور اس کے اندر رواں بجلی میں تداخل لازم آئیگا۔

ہارن کے پردے سے پیشتر مقناطیسی دھات کے اندر کم وبیش جذب وکشش الگ چیز ہے اور کیفیت تشکلی الگ چیز۔ ہر شخص جانتا ہے کہ مقناطیس میں کشش تو ہوتی ہے لیکن کیفیت تشکلی (آواز) نہیں ہوتی۔ اس لئے بات واضح ہوجاتی ہے کہ متکلم کی آواز مائک کے پردے پر ختم ہوجاتی ہے اور اس کا سلسلہ جس کی وجہ سے تجدد امثال تھا، ٹوٹ جاتا ہے۔

پھر ہارن کے پردے سے ایک نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس کی صورت بالکل ایسی ہے جیسے متکلم، زید کی آواز مسلسل ہواؤں کے تموج سے عمر کے سامعہ تک پہونچی اور سلسلہ ٹوٹ گیا لیکن عمرو کے حس مشترک اور عقل کے ادراک کی راہوں سے وہ اس کی زبان تک پہونچی۔ اور زبان سے وہی کلام خارج ہوکر ایک تیسرے شخص خالد تک پہونچا۔ یہ دوسری آواز جو عمرو کی زبان سے نکلی نہ وہ پہلی آواز (زید کی آواز) ہے۔ نہ اس کی صدا (لوٹتی آواز) بلکہ دونوں سے الگ یہ ایک اور آواز اسی طرح لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز، نہ پہلی آواز کی ادا ہے اور نہ اس کی صداد بلکہ یہ دونوں سے بالکل جدا ہے۔

شبہ اور اس کا ازالہ۔ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اشقالات کو جائز کہنے والے، امام احمد رجا قدس سرہ کے کلام سے سند لاتے ہیں کہ ''فوٹو گراف'' ایک آلہ ہے اور اس سے بعینہ متکلم کی آواز مسموع ہے۔ یہاں بھی یہی صوت ہے۔

لیکن یہ قیاس مع الفارق ہے۔ فوٹو وہی کیفیت تشکلی موجود ہے جو متکلم کے حلقوم وزبان کے قرع وقلع سے پیدا ہوئی تھی۔ ریکارڈ پر یہ کیفیت تشکلی محسوس ومبصر ہے اور یہی کیفیت تشکلی آواز ہے

لیکن تموج نہ ہونے کے باعث فوٹو استعمال کرتے وقت اس کیفیت تشکلی سے ہوا میں بھی ویسے ہی کیفیت تشکلی پیدا ہوجاتی ہے اور ہوا کے تموج سے اب مسموع بھی ہوتی ہے۔

یہاں آواز فوٹو میں محفوظ کرنے سے پہلے بھی تھی۔ فوٹو میں بھی آواز ہے۔ کیفیت تشکلی کا سلسلہ کہیں پر منقطع نہیں (البتہ ایک زمانے میں بھی یعنی جب فوٹو استعمال نہ ہوا اس کیفیت کا مسموع ہونا منقطع ہے مگر آواز منقطع نہیں) اس لئے یہاں بعینہ متکلم کی آواز موجود ہے۔ لاؤڈ اسپیکر میں یہ بات نہیں، یہ بھی اگرچہ ایک آلہ ہے لیکن یہاں مائک کے پردے اور ہارن کے پردے کے درمیانی تار میں کیفیت تشکلی (آواز) منقطع ہے یہاں صرف جھٹکے دار بجلی یا مقناطیسی جذب وکشش ہے اس لئے درمیان میں آواز ختم ہے اور ہارن سے نیا صوتی سلسلہ قائم ہوا ہے، اس لئے یہ نہ متکلم کی آواز بعینہ ہے اور نہ اس کی صدا و آواز بازگشت۔ ہاں لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز کے لیے متکلم کی اصلی آواز سبب بعید ہے۔ یہاں منطقی استدلال نہیں کہ احتمالات پیدا ہوں بلکہ اصول ایجاد پر بتایا ہے کہ مائک کے پردہ سے لے کر کان کے پردہ تک علمی سلسلہ یوں قائم ہے کہ مائک کا پردہ اپنے ارتعاش کی وجہ سے رواں بجلی میں عامل ہے۔

رواں بجلی اپنی ناموزوں چال کی وجہ سے برقی مقناطیسی دھات میں عامل ہے اور مقناطیسی دھات اپنے کم وبیش وجذب وکشش کی وجہ سے ہارن کے پردہ کے اندر عامل ہے۔ رہا خود تار تو وہ اس سلسلۂ عمل میں نہ عامل ہے اور نہ معمول بلکہ وہ فقط بجلی کی گزرگاہ ہے۔ اس لئے یہاں یہ احتمال ہی سرے سے ختم ہوجاتا ہے کہ ممکن ہے تشکلات (آواز) کی کاپیاں تار کے پردہ سے لے کر کان کے پردہ تک عملی سلسلہ یوں قائم ہے کہ مائک کے اندر پیدا ہورہی ہیں۔

تاہم اگر یہ بات ہوتی تو اگر ایمپلی فائر کے بعد تار کو ہارن سے منسلک کئے بغیر ہوا میں چھوڑ دیا جائے تو چاہئے کہ تار اور ہوا کے دمیان اتصال اور ہوا کے نرم وتر ہونے کی وجہ سے ان تشکلات (آواز) کی کاپیاں ہوا میں اتر جائیں اور ہوائی موجی سلسلہ کی وجہ سے مسموع ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

تنزلاً: اگر تار میں وہی تشکل کی کاپی بھی تسلیم کر لی جائے تو برقی مقناطیسی دھات میں مختلف درجہ کا جذب وکشش ہے اور تشکلات وہاں نہیں تو یہاں آکر تشکل کا سلسلہ ٹوٹ گیا البتہ یہ مختلف درجہ کا جذب وکشش بذریعۂ تحریک آواز پیدا کرتی ہے جسے ہمارے زبان وگلو بذریعہ تحریک ہوا میں آواز پیدا کرتے ہیں لیکن زبان وگلو کی خود تحریک کا نام آواز نہیں۔ یوں ہی بجلی کے جھٹکے اور مقناطیس کے جذب وکشش خود آواز نہیں۔

صدا:۔ صدا بھی متکلم ہی کی اصلی آواز ہوتی ہے پہاڑ یا در و دیوار کی آواز نہیں۔ بلکہ ان سے ٹکرا کر لوٹی ہوئی آواز ہوتی ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

بہرحال کچھ بھی یہی اتنا یقینی ہے کہ آواز (صدا) وہی آواز متکلم ہے، خواہ پہلی ہی ہوا اسے لئے پلٹ آئی یا اس کے قرع سے آواز کی کاپی دوسرے میں اتر گئی۔ (الکشف شافیا)

نتیجۂ گفتگو:۔ مذکورہ بالا امور سے واضح ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز متکلم کی آواز نہیں، نہ اس کی طرف سے لوٹی ہوئی (صدا) بلکہ یہ دونوں سے جدا ایک دوسری آواز ہے۔

موجودہ گراموفون:۔ موجودہ دور میں ریکارڈ پر سوئی کے ذریعہ خراشیں ڈالی جاتی ہیں پھر گراموفون میں ریکارڈ رکھ کر سوئی کے ذریعہ اس کی کاپیاں ہوا میں اتاری جاتی ہیں اس لئے یہ بھی بعینہ متکلم کی آواز نہیں۔ دور سابق میں فوٹوگراف میں یہ صورت نہ ہوتی تھی بلکہ اس کے اصول ایجاد اس سے الگ تھلگ تھے جیسے دور حاضر کے انسائیکلو پیڈیا اور دائرۃ المعارف کے مطالعہ سے قدرے سمجھا جا سکتا ہے۔

وہاں کاپیاں مسلسل ہوتی تھیں اس لئے فوٹوگراف کی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہوتی تھی یہاں وہ بات نہیں بلکہ یہاں تو ایسا ہے کہ جیسے لوہے کی ایک چھڑی کا ایک سرا آگ میں اور دوسرا بارود، کے ڈھیر میں رکھا دیا جائے تو جوں ہی اس چھڑی کے واسطے سے آگ کی حرارت والے سرے پر پہونچے گی فوراً وہاں آگ بھڑک اٹھے گی یہاں ایسا نہیں کہ وہی آگ بھڑک اٹھی بلکہ یہ دوسری آگ ہے جو بوجہ حرارت پیدا ہوئی ہے۔ (بقیہ آئندہ)

(ماہنامہ فیض الرسول، جنوری ۱۹۸۷ء)

گزشتہ سے پیوستہ

لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی یا نقلی

مادہ اور توانائی کی قدیم تحقیق

علم طبعیات میں بجلی، روشنی، حرارت، مقناطیس اور آواز یہ الگ الگ پانچ توانائیاں ہیں لیکن عالم صرف ان توانایوں میں منحصر نہیں بلکہ ان کے علاوہ کچھ مادے بھی ہیں جن سے عالم امکان رواں دواں اور آباد ہے۔ اس طرح عالم دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک مادہ دوسری توانائی۔

جدید تحقیق: لیکن تحقیق جدید نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ ایک ہی شے ہے جو کبھی مادہ کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی توانائی کے بھیس میں۔ اس لئے مادہ توانائی میں بدل سکتا ہے اور توانائی مادہ کے بھیس میں۔

اس لئے مادہ توانائی میں بدل سکتا ہے اور توانائی مادہ میں خود توانائی ایک دوسرے میں۔

بجلی اور روشنی اور آواز کی رفتار بجلی روشنی اور آواز کی ایک مخصوص رفتار ہے جب یہ اپنی اصلیت پر باقی رہتی ہے تو اسی رفتار سے چلتی اور حرکت کرتی ہے لیکن اگر یہ اپنا روپ چھوڑ کر دوسرے کا روپ اختیار کرے تو اس کی رفتار بھی بدل جاتی ہے۔ مثلاً اگر آواز بجلی یا روشنی میں بدل جائے تو اس کی رفتار

فی سکنڈ گیارہ سوفٹ کے بجائے تین لاکھ چھیاسی ہزار تین سوپچیس میل فی سکنڈ ہوجاتی ہے۔لیکن روپ بدلے بغیر اس میں یہ رفتار کبھی ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ جب آواز ریڈیائی لہروں میں بدل جاتی ہے تو ایک سکنڈ کے اندر دنیا کے تمام ریڈیو تک پہونچ جاتی ہے اور پھر تکنیکی طور پر ریڈیائی لہریں صوتی لہروں میں منتقل ہوجاتی ہیں۔آواز اپنی صوتی لہروں کے ساتھ باقی رہتے ہوئے اتنی سرعت کے ساتھ پوری دنیا میں نہیں پہونچ سکتی اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ مائک سے لے کر ہارن تک برقی لہریں رہتی ہیں۔صوتی لہریں نہیں رہتی۔ورنہ اس کی یہ سرعت کبھی ممکن نہ ہوتی۔

(۲) بجلی ایک غیر مبصر اور غیر مرئی توانائی ہے جو شکل وضخامت، وزن ورنگ کی معروض نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ اس کی پیمائش یا وزن خط واحدی یا ثقل واحدی سے نہیں ہوتی۔بلکہ اس کے یونیٹ، جولی وغیرہ نکلتے ہیں اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ جب برقی رو اور بجلی کی لہروں میں کوئی شکل نہیں تو وہاں صوتی لہر اور آواز کیونکر ہوسکتی ہے اس لئے کہ آواز مخصوص تشکل کا نام ہے جو کسی مادہ میں ہوتا ہے۔

(۳) آواز کسی طرح نرم تر جسم میں پیدا ہونے والی ایک مخصوص شکل وکیف کا نام ہے چونکہ بجلی جسم ہی نہیں تو اس کی مخصوص لہر آواز نہیں ہوسکتی اور نہ بجلی کی لہروں سے برقی تار میں کوئی مخصوص شکل وکیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو ہم آواز کہہ سکیں وہ تو صرف پاور کی گزرگاہ ہے۔

(۴) آواز اور بجلی دومختلف ومتضاد توانائیاں ہیں یہی وجہ ہے کہ نہ تو بجلی میں آواز ہوسکتی ہے اور نہ آواز میں بجلی۔البتہ دونوں ایک دوسرے کے روپ میں بطریقہ کون وفساد بدل سکتے ہیں۔

(۵) بالغرض اگر برقی تار میں آواز ہو تو اس برقی تار کو متحرک ہونا چاہیئے کیونکہ تشکل بغیر تحرک ناممکن ہے اور اجزائے صوت بغیر اجزائے تشکل متصور نہیں حالانکہ یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ برقی تار بوقت کلام متحرک نہیں ہوتا حساس سے حساس حرکت پیما آلہ بھی اسے ساکن ہی قرار دیتا ہے۔

(۶) چونکہ توانائیاں ہوتی ہیں اور کیفیت کی کوئی شکل نہیں ہوتی البتہ بعض کیفیتیں خود شکل ہوتی ہیں لہٰذا توانائیوں کے لئے کوئی شکل نہیں ہوسکتی اس کے پیش نظر بجلی، حرارت روشنی مقناطیس اور آواز

کے لئے کوئی شکل نہ ہوگی۔علاوہ ازیں چونکہ آواز خود نرم وتر جسم کی شکل ہے اگر اس کے لئے کوئی شکل ہو تو شکل کے لئے شکل ہوگی اور سلسلہ غیر متناہی حد تک پہونچ جائے گا۔جب بجلی میں شکل نہیں تو اس میں آواز کیونکر متصور ہوگی۔

(۷) بجلی خود شکل نہیں ورنہ وہ بجلی نہیں بلکہ آواز ہوجائے گی۔اور اگر آواز ہو بھی تو یہ بجلی متکلم کی پیدا کردہ نہیں کہ متکلم کی پیدا کردہ آواز قرار دے سکیں بالغرض اگر بجلی میں تشکل ہو تو یہ اس لئے باطل ہے کہ تشکل مادہ میں ہوتا ہے اور بجلی مادہ نہیں بلکہ توانائی ہے۔علاوہ ازیں دفعہ۲ کے خلاف ہوگا اور اگر بجلی سے برقی تار میں تشکل پیدا ہوتا ہے تو یہ تشکل متکلم کی پیدا کردہ نہیں بلکہ بجلی کا پیدا کردہ ہے مزید برآں برقی تار میں حرکت لازم آئے گی حالانکہ اس میں حرکت نہیں ہوتی جیسا کہ دفعہ ۵ میں مذکور ہوا اگر خود آواز تار میں تشکل پیدا کرتی ہو تو تار کے نرم وتر نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر البطلان ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں چند امور خاص طور سے قابل لحاظ ہیں، جو لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا درست ماننے کے لئے بطور منع پیش کئے جاسکتے ہیں۔

اقتداء کی تعریف :۔ اپنی نماز کو امام کی نماز کے ساتھ مربوط کرنا اقتدا ہے ان کی شرطوں میں یہ بھی ہے کہ انتقالات کا علم خود امام یا مکبر سے سن کر یا ان لوگوں کی رویت سے حاصل ہو داخل صلوٰۃ کی تلقین یا اس کے افعال کو محسوس کرکے اپنی ادائیگی نماز کو امام کے تابع کرنا ہی اقتدا ہے۔

ویشترط ان لا یفصل بینهما حائط کبیر یشبه معه العلم بانتقالات الامام فان لم یشبه العلم بانتقالات الامام سماع او رویة صح الاقتداء (مراقی الفلاح صفحہ ۱۷۵)

قوله لسماع ای من الامام او المقتدی ومثله الرویة (طحطاوی علی المراقی صفحہ ۱۷۵)

والحائل لایمنع الاقتداء ان لم یشبه حال امامه لسماع اورویة (درمختار صفحہ

(۳۹۴

قولہ لسماع ای من الامام اوالمکبر تتار خانیہ قولہ اورویۃ ینفی ان یکون الرویۃ لسماع لافرق فیھا بین ان یریٰ انتقالات الامام اواحد المقتدیین (شامی صفحہ ۳۹۴)

(۱)مفسدات کے اقسام:۔

(الف)مفسد صلوٰۃ بالذات فقط مثلا نمازی (امام یا منفرد) کا کسی سے گفتگو کرنا۔

(ب)بالذات مفسد صلوٰۃ اور بالواسطہ مفسد اقتداء جیسے مقتدی کا کلام کرنا۔

(ج)بالذات مفسد اقتداء اور بالواسطہ مفسد صلوٰۃ جیسے عمل قلیل کے ساتھ مقتدی کا امام سے آگے بڑھ جانا۔

(د)بالذات مفسد صلوٰۃ بھی اور بالذات مفسد اقتداء بھی جیسے مقتدی کا صف چھوڑ کر عمل کثیر کے ساتھ امام سے آگے بڑھ جانا۔

(۲)**مفسدات باعتبار تحقیق**:۔منفرد یا امام چونکہ کسی کی اقتداء میں کرتا اس لئے ان دونوں کے حق میں مفسد کی صرف پہلی قسم پائی جاسکتی ہے۔

نماز باجماعت میں چونکہ مقتدی اپنے امام کی اقتداء کرتا ہے اس لئے اس کے حق میں مفسد کی چاروں صورتیں پائی جاسکتی ہیں۔

(۳)امام ومنفرد کی نماز کو مفسد کی پہلی قسم سے اور مقتدی کی نماز کو مفسد کی تمام قسموں سے محفوظ ہونا صحت صلوٰۃ کے لئے ضروری ہے۔

قسم ثانی اور قسم رابع چونکہ مفسد صلوٰۃ بالذات ہے خواہ مفسد اقتداء بالذات ہو یا بالواسطہ اس لئے برتقدیر قسم ثانی ورابع جو امر فی نفسہ مفسد صلوٰۃ نہیں اس سے اقتداء بھی باطل نہیں لہٰذا صحت صلوٰۃ کے لئے یہ ثابت کردینا کافی ہوگا کہ فلاں امر مفسد صلوٰۃ نہیں چونکہ مفسد کی تیسری قسم بالذات مفسد اقتدا اور بالواسطہ مفسد صلوٰۃ ہے۔

اس لئے اس تقدیر پر صحت صلوٰۃ کے لئے ثابت کرنا ضروری ہے کہ فلاں فلاں امور جس طرح مفسد صلوٰۃ نہیں اسی طرح مفسد اقتداء نہیں۔ یہاں فقط یہ ثابت کردینا کافی نہیں ہے کہ فلاں امور مفسد صلوٰۃ نہیں۔

(۴)لاؤڈ اسپیکر کے متجوزین نے اس کی آواز کو غیر متکلم مانتے ہوئے صحت صلوٰۃ کی جتنی نظیر پیش کی ہیں وہ سب اسی بات پر دال ہیں کہ یہ مفسد صلوٰۃ نہیں لیکن مفسد اقتداء نہ ہونے پر ان کی کوئی دلالت نہیں!

(۵)لاؤڈ اسپیکر کی آواز متکلم کی آواز نہ ہونے کی تقدیر پر نمازی کا ایسی آواز پر پیروی کرنا نہ تو داخل کی تلقین سے ہوا ہے اور نہ داخل صلوٰۃ کے افعال کو محسوس کر کے لہذا در حقیقت یہ اقتدا ہی نہیں۔

(۶)غیر ذی روح کے افعال کو اس کے محرک کی طرف بحسب الایجاد منسوب کیا جاتا ہے جیسے ڈھول اور بانسری کی آواز بجانے والے کی طرف اگر منسوب ہوگی تو بحسب الایجاد منسوب ہوگی نہ کہ ڈھول اور بانسری کی آواز بجانے والے کی آواز قرار دی جائے گی۔ اسی طرح قتل کی نسبت بندوق چلانے والے کی طرف بحسب الارشاد منسوب ہوتی ہے علاوہ ازیں کہ یہ انتساب نفع وضرر کے اعتبار سے ہوتا ہے وہ بھی باب عقوبات وضمانت ہیں تا کہ اہدار نفس ومال مجازاً لازم نہ آئے اور سماجی وتمدنی جرح واقع نہ ہو پھر اگر امام قرأت اس لئے کررہا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے آواز نکلے تو نماز ہی باطل ہے اور اگر بلا ارادہ القاء کررہا ہے تو یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا۔ اور نہ امام کو آواز کا سبب قرار دے سکتے ہیں لہٰذا قاتل پر قیاس باطل ہے۔

آواز کے اقسام:۔ متکلم کی طرف منسوب ہونے والی آواز کی چند قسمیں ہیں۔

(۱)متکلم کی فطری آواز جو اس کے حلقوم کے قرع وقلع سے پیدا ہوا اور اس کی مسلسل کا پیاں نرم وتر جسم پر اترتی چلی جارہی ہو۔

(۲)دوسری متکلم ہی کی آواز لیکن غیر فطری یعنی کسی چیز سے ٹکرار کر رجعت قہقری کرتے ہوئے واپس لوٹے اس طرح اس میں دو حرکتی ذاتیہ وارجعہ ہونے کی وجہ سے صوتی لہر منکسر ہوگئی۔

(۳) وہ آواز جو دراصل متکلم ہی کی فطری آواز ہے لیکن اس کی کاپی نرم وتر جسم پر بنتے ہی وہ جسم خشک ہوگیا اور صوتی تشکل اس میں محفوظ ہوگیا پھر کسی طریقہ سے رکے ہوئے تشکل وتموج کا سلسلہ چل پڑا جیسے فوٹو گراف سے مسموع آواز۔

(۴) وہ آواز جو دراصل متکلم کی آواز تو نہیں لیکن متکلم ہی کی آواز کے مشابہ ہو اور اس سے یوں پیدا ہو کہ ایک مقام پر جا کر اس کی آواز ختم ہوگئی اور پھر کسی چیز میں تشکل صوتی کے بجائے کچھ اور اثر پیدا کر دیا اور یہ اثر کہیں جا کر پھر صوتی تشکل ایجاد کرتا ہو جیسے دور حاضر میں مشین سے پیدا شدہ آواز۔ اول فطری آواز ہے باقی غیر فطری۔

عبادات میں معتبر آواز:۔ شریعت مطہرہ میں عبادات مقصودہ کا تعلق فقط فطری آواز سے ہے دوسری آوازیں عبادات محضہ میں نہ باعتبار ایجاب شے معتبر ہیں اور نہ باعتبار ادائے واجب۔ اسی لئے ہمارے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز چونکہ چوتھی قسم سے ہے اس لئے نہ تو وہ عبادات محضہ میں معتبر اور نہ اس پر اقتداء درست جس طرح دوسری اور تیسری قسم میں بھی چونکہ فطری آواز نہیں اس لئے اس سے سجدۂ تلاوت بھی واجب نہیں ہوتا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ غیر فطری آواز شرعاً معتبر نہیں اور جو شرعاً معتبر نہیں اس آواز پر اقتدا درست نہیں صغریٰ کا ثبوت یہ ہے کہ اگر یہ آواز معتبر ہوتی تو اس آواز سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا۔ ثانی باطل فالمقدم مثلہ۔

کبریٰ کا ثبوت یہ ہے کہ شرعاً غیر معتبر آواز پر اقتداء درست ہو تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا کہ وہ غیر معتبر بھی ہو اور اس پر اقتدا درست ہونے کی وجہ سے معتبر بھی ہو۔

ازالۂ اشتباہ:۔ گنبد سے سنی جانے والی آواز دراصل فطری آواز اور از قسم اول ہے کہ آواز گنبد کی اندرونی سطح سے مس ہوتی ہوئی اور اسی کی طرح خم کھاتی ہوئی سامع کے کانوں تک پہونچتی ہے۔ وہاں آواز ٹکرا کر قہقری کرتی ہوئی واپس نہیں ہوتی بلکہ تموج صوت کی راہیں جیسی ہوتی ہیں ویسی آواز گھومتی ہوئی چلتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء کرام اس آواز سے سجدۂ تلاوت کے وجوب کے

قائل ہیں۔ یعنی آواز نہ پھیل سکی بلکہ گنبد ہی کی طرح مڑتی ہوئی ہم تک پہونچی البتہ وہ آواز جو گنبد سے ٹکرا کر رجعت قہقری کرتی ہوئی چلتی ہے وہ محض صدا ہے اس سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں الغرض مڑتی ہوئی آواز اور پلٹی ہوئی آواز دونوں کا حکم سجدۂ تلاوت کے باب میں جداگانہ ہے۔

الغرض یہاں آواز کی دو حرکت، ذاہبہ اور راجعہ نہیں بلکہ مسند متدیرہ ہے اور قسم دوم کی حرکت ذاہبہ اور راجعہ ہوتی ہے جس کے درمیان تخلل سکون ہوتا ہے۔

التفریق بین مایتعلق به الوجوب ومایتعلق به الاداء

عبادات محضہ کا وجوب غیر کے افعال سے بھی ہوتا ہے اور بلا قصد وارادہ بھی ہوا ہے لیکن اس کی ادائیگی نہ تو افعال غیر سے ہوتی ہے اور نہ بلا قصد وارادہ۔ یعنی مایتعلق بہ الوجوب کی نسبت مایتعلق بہ الاداء میں شدت رعایت اور غایت اہتمام ہوتا ہے لیکن ماثبت بہ الوجوب کے لئے ادنیٰ درجہ کا ہونا کافی ہے جیسے وجوب صلوٰۃ کے لئے آخر وقت کافی ہے برخلاف مایتعلق بہ الاداء کے اس کے لئے ادنیٰ درجہ کافی نہیں بلکہ مایسع فیہ الاداء ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اگر وجوب صلوٰۃ کا سبب وقت کامل ہو تو اداء وقت ناقص میں نہیں کر سکتے۔

اس تمہید کے بعد بحسن وخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ جنس آواز کی جو نوع مایتعلق بہ الاداء کے لئے مایتعلق بہ الوجوب کے کم از کم مساوی ہونا ضروری ہے اس کی بہ نسبت اسوۂ حال میں نہیں ہونا چاہیئے۔

سجدۂ تلاوت اور نماز (اور خود باہم نمازیں) اگرچہ بعض وجوہات کے اعتبار سے باہم ممتاز ہیں لیکن ادائیگی کے اعتبار سے جملہ شرائط وموانع میں یکساں حکم رکھتے ہیں لہٰذا اس کا حکم حکم صلوٰۃ ہے اس لئے جو آواز اس میں موجب نہیں اس آواز سے اس کی ادائیگی بھی درست نہیں۔ صدائے بازگشت جو دراصل محاکات سے ہے جب اس سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے تو اس پر اقتداء کر کے نماز کی ادائیگی کیوں کر درست ہو سکتی ہے۔

الــغــرض:۔ جو چیز عبادات محضہ کے اندر باب ایجاب میں شرعاً معتبر نہیں وہ باب ادا

میں بھی شرعا معتبر نہیں کیونکہ ایجاب کی بہ نسبت اداء میں زیادہ رعایت واہتمام ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء درست قرار نہیں دیا کہ جب وجوب کے لئے بعینہ آواز درکار ہے تو عبادت کی ادائیگی کے لئے صدائے بازگشت کیوں کر کافی ہوگی۔ جب کہ صدائے بازگشت اصلی آواز سے فی نفسہ اسوۂ حال میں ہے علی سبیل التنزیل اگر مان بھی لیا جائے کہ عدم جواز کا ثبوت قوی دلائل سے نہیں لیکن چونکہ اس میں عرصۂ دراز سے علماء وفقہاء کا اختلاف چلا آرہا ہے اور وہ اختلاف اس بات پر دال ہے کہ اس کا جواز وعدم جواز مشکوک فیہ ہے امور سے مہتم بالشان عبادت نماز کو محفوظ رکھنا ضروری ہے جیسا کہ فتح القدیر کی مندرجہ ذیل عبارت اس پر شاہد ہے۔ الواجب صون الصلوٰۃ عن الزوائد الا ماشک فی مشروعیتہ فیہا (فتح القدیر صفحہ ۴۰۷)

ان ساری بحثوں سے یہ اشکال بھی حل ہوگیا کہ زیر بحث مسئلہ میں سب وجوب اور صحت ادائے واجب یہ دو مختلف چیزیں ہیں سجدۂ تلاوت کے لئے سبب وجوب آیت سجدہ کی قرأت یا کسی مکلّف سے اس کی سماعت ہے۔ لہٰذا صدائے بازگشت موجب سجدہ نہیں نماز کا سبب وجوب اوقات ہے وغیرہ وغیرہ۔ رہ گئی شرط صحت ادا تو وہ نماز اور سجدۂ تلاوت دونوں میں یکساں ہے۔ مثلاً طہارت و استقبال وغیرہ اس تمہید کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر صحت ادائے واجب کا سجدۂ تلاوت کے سبب وجوب پر قیاس صحیح نہیں اس لئے کہ نماز میں اس کا تعلق ہے صحت ادا سے برخلاف سجدۂ تلاوت کے کہ اس میں اس کا تعلق اس کے سبب وجوب سے ہے۔ بینہما بون بعید۔

مثلا خارج عن الصلوٰۃ کی قرأت سے سجدۂ تلاوت واجب تو ہوتا ہے لیکن اس سے صلوٰۃ واقتداء صحیح نہیں توجہ الی القبلہ اور طہارت وغیرہ صحت ادائے صلوٰۃ کے لئے شرط تو ہے لیکن وجوب سجدہ کے لئے شرط نہیں۔

خلاصہ:۔

(۱) غیر ذی روح کے افعال کو اس کے شرک کی طرف باعتبار ایجاد منسوب کیا جاتا ہے نہ باعتبار صفت، ڈھول، ہارن اور بانسری بجانے والے کی طرف ان چیزوں کی آواز بحسب الایجاد

منسوب کی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ڈھول، ہارن اور بانسری کی آواز کو بجانے والوں کی آواز قرار دی جائے گی لہٰذا لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو متکلم کی ایجاد کردہ کہہ سکتے ہیں لیکن متکلم کی آواز نہیں مان سکتے۔ علاوہ ازیں افعال کا یہ انتساب باعتبار نفع وضرر کے مانا جاتا ہے نہ کہ خود یہ افعال محرک کے افعال مانے جاتے ہیں۔ لہٰذا لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے اگر کسی کی نیند میں خلل ہو یا کسی مسافر کو ٹرین کی آمد کا علم ہو اس قسم کی نفع ونقصان بولنے والوں کی طرف راجع قرار پائے گا نہ کہ آواز ہی متکلم کی مانی جائے گی علاوہ ازیں یہ انتساب یا محرک کیطرف شرع نے باب عقوبات، ضمانت ومعاملات میں مانا ہے تا کہ اہدار نفس یا اضاعت مال مجازاً لازم آئے اور سماجی وتمدنی زندگی میں حرج واقع نہ ہو یہ انتسابات عبادات میں بھی ہے۔ اس کی نظیر مجوزین نے نہیں پیش کی۔ لہٰذا یہ انتساب نماز کے اندر لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں ثابت نہیں۔ پھر یہ انتساب محرک کی طرف اس وقت ہوتا ہے جب کہ محرک بالقصد ان بے جان آلہ سے ان افعال کا ثبوت چاہتا ہو۔ اس لئے اگر امام پوری قرأت میں لاؤڈ اسپیکر سے آواز بلند کرنے اور دوسروں تک پہونچنے کے لئے لاؤڈ اسپیکر سے آواز بلند کرنے اور دوسروں تک پہونچنے کے لئے لاؤڈ اسپیکر پر عامل اور اس کا محرک ہے تو تنافی ہونے کی وجہ سے نماز ہی باطل اور اگر لاؤڈ اسپیکر خود ہی آواز کھینچ لیتا ہے۔

اور یہ محض قرأت کرتا ہے اور کچھ قصد نہیں تو یہ نہ محرک ٹھہرا اور نہ عامل اس لئے متکلم کی طرف انتساب بھی نہیں۔

(۶) فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مکبر فقط اعلام وتلقین کے لئے تکبیر کہے اس تکبیر سے دخول نماز کا ارادہ نہیں کیا تو نہ خود اس کی نماز صحیح اور نہ اس کی آواز پر اقتدا کرنے والوں کی نماز درست۔ اس لئے دوسروں نے ایسے شخص کی آواز پر اقتداء کی جو شریک نماز نہیں۔ یہی صورت لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو متکلم کی آواز کے غیر ماننے کی صورت میں ہے۔ لہٰذا لاؤڈ اسپیکر پر اقتداء درست نہیں۔ اس کا یہ جواب دینا چوں کہ لاؤڈ اسپیکر مکلّف نہیں اور مکبر مکلّف ہے اس لئے دونوں میں فرق ہوگیا۔ صحیح نہیں، اس لئے اگر امام کے پاؤں تلے کسی ہارن کا بٹن ہو اور وہ برائے اعلام وتلقین کے بلا عمل کثیر بٹن

دبادے اوراس کی آواز پرلوگ اقتداء کرلیں تو چاہیئے کہ اقتداء بھی درست ہو کیوں کہ ہارن بھی غیر
مکلّف چیز ہے۔ اسی طرح تربیت یافتہ طوطا اگر امام کے انتقالات کی تلقین کرے تو یہ بھی صحیح ہونا
چاہئے۔

(۷) چاہیئے کہ اگر لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء درست ہوتو امام ریڈیواسٹیشن میں امامت کرتا
ہواور مقتدیوں کا سلسلہ جملہ شرائط اقتداء کے ساتھ دورتک پہونچ جائے اوران لوگوں کے سامنے
ریڈیوفٹ کردیا جائے اسی طرح امام کے منہ کے سامنے ریسورفٹ کردیا جائے اور مقتدیوں ٹیلیفون
میں امام کی تکبیرات سن رہے ہوں۔ بجائے ریڈیو صف بہ صف ٹی وی فٹ کردیئے جائیں تو ان تمام
صورتوں میں یڈیائی نماز، ٹیلیفونی نماز، اور ٹیویائی نماز درست ہونی چاہیئے، خود غور کیجئے یہ عبادت ہوئی
یا کھیل تماشہ ہوا۔

(۸) رہی یہ بات کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پھر کون سی آواز ہے۔ تو بحمدہ تعالیٰ ہم نے اپنے
مضمون، لاؤڈ اسپیکر کی آواز، اصلی یانقلی، میں اچھی طرح سمجھایا ہے کہ وہ نہ تو اصلی آواز ہے اور نہ
اس کی صدا ہے۔

بلکہ یہ نقلی آواز ہے۔ جس طرح ڈھول پرلکڑی کی آواز پیدا کرتی ہے یا پھونک بانسری میں
آواز پیدا کرتی ہے یا ہاتھ کا دباؤ ہارن میں آواز پیدا کرتا ہے اسی طرح متکلم کی اصلی آواز کے دباؤ
سے اس جیسی آواز لاؤڈ اسپیکر سے بنتی ہے۔ ترجمہ کرنے والا لاؤڈ اسپیکر بھی اس پردال ہے۔

(۹) اگر انتقالات کا علم بوجہ من الوجوہ کافی ہوتا تو علمائے سلف لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر یوں
استدلال کرتے کہ چونکہ اس سے بہرحال انتقالات کا صحیح علم ہوجاتا ہے۔ اس لئے اقتداء درست۔
حالانکہ علمائے سلف نے ایسا نہیں کیا بلکہ اولاً یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ آواز بعینہ متکلم کی آواز
ہے اوراسی پراقتداء درست قراردیئے۔

(۱۰) بلاآلہ یا باواسطہ آلہ پیدا شدہ اسی طرح بلاآلہ یا بواسطہ آلہ مسموع آواز حقیقۃً آواز ہی
ہے خواہ انسان کی پیدا کردہ ہو یا آلہ سے پیدا کردہ ہو یا صدائے بازگشت سے مسموع ہو سبھی حقیقۃً

آواز ہی ہے۔

اسلئے جس آواز کا سننا حرام ہے وہ ہرحال حرام میں ہے خواہ وہ کسی صورت سے پیدا ہوا ور کسی
طرح سے مسموع ہو اور جس آواز کا سننا مباح ہے وہ ہرحال میں مباح ہے خواہ کسی صورت سے
پیدا ہوا ور کسی طرح سے مسموع۔

الغرض حرمت وحلت کا تعلق آواز حقیقی سے ہے۔ اس میں اضافت الی المتکلم معتبر نہیں لہٰذا
دھوکہ نہ ہو کہ امام احمد رضا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بواسطہ آلہ پیدا شدہ آواز پراحکام شرع صادر
فرمائے ہیں۔

اس لئے لاؤڈ اسپیکر کی آواز متکلم ہی کی آواز ہے۔ نماز میں حقیقۃً آواز ہونا ہی کافی نہیں۔
بلکہ اس حقیقی آواز کا منجاب مصلی مسموع ہونا شرط ہے۔

(ماہنامہ فیض الرسول اپریل، مئی ۱۹۸۷ء)

ٹی وی اور وی ڈیو کی تصویر اصلی یا فرضی

عملی تجربہ کی روشنی میں

ٹی وی کی تصویر ارباب علم ودانش کی نظر میں:۔ بیسویں صدی کی حیرتناک ایجاد، ٹی وی اور وی ڈیو سے جہاں کہیں سرمایہ داروں کے عشرتکدوں میں عوام جوشیوں کی بہار آ گئی وہیں ارباب علم ودانش کے لئے فکر ونظر کا ایک باب بھی کھل گیا ہے اس کے اسکرین پر بننے والی متحرک تصویروں کے بارے میں اگر غور کیا جائے تو دو قسم کے نظریئے قائم کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا نظریہ:۔ یہ ہے کہ اس کی تصویریں آئینہ سے نظر آنے والی عکوس کی طرح ہیں۔ آئینہ سازی کے دور اول سے لے کر اب تک یہ اصول تھا کہ کسی کا عکس آئینہ میں اترنے کے لئے اس کا آئینہ کے روبرو ہونا ضروری تھا۔ لیکن سائنسی ترقی نے یہ ثابت کر دیا کہ آئینہ پر عکس اترنے کے لئے اس کے روبرو ہونا شرط نہیں۔ چنانچہ ہزاروں حجابات کے باوجود ٹی وی کے اسکرین پر عکوس اترنے لگے۔ الغرض ٹی وی کی تصویریں آئینہ ہی کے عکوس کی طرح ہیں۔ البتہ سائنسی ترقی نے شعاعوں کے انعکاس میں کافی حد تک کمال اور خوبیاں پیدا کر دی ہیں۔

دوسرا نظریہ:۔ یہ ہے کہ ٹی وی کے اسکرین پر بننے والی تصویر آئینہ کے عکوس کی طرح ہرگز نہیں بلکہ آئینہ پر چھپی ہوئی تصویریں کے مثل ہے۔ نیز یہ عکوس وظلال (پرچھائیاں) نہیں بلکہ حقیقی تصویریں ہیں جو دودھیا نیم شفاف شیشے کی سطح پر بجائے کسی اور مادہ کے شعاعوں سے بنتی ہیں۔

موقف اول کی لزومی توضیح:۔ اس طرح کی جاسکتی ہے کہ کرنوں اور شعاعوں کا اصول یہ ہے کہ وہ سطح عاکس پر جتنے درجے کا زاویہ بناتی ہوئی واقع ہوتی ہیں ٹھیک اتنے ہی درجے کا زاویہ بناتی ہوئی واپس لوٹ جاتی ہیں۔ یعنی زاویہ، شعاع اور زاویہ انعکاس دونوں بالکل برابر ہوتے ہیں۔ اور جو چیزیں خطوط شعاعیہ کی سیدھ پر واقع ہوتی ہیں وہی چیزیں سطح عاکس سے دوسری طرف خطوط منعکسہ کی سیدھ پر نظر آتی ہیں۔ اس طرح آئینوں کے واسطہ سے چیزوں کے عکوس محسوس ہونے لگتے ہیں۔ یہ عکوس صور متوجہ ہوتے ہیں جو شعاعوں کے انعکاس کی وجہ سے نظر آتے ہیں۔ یہ عکوس کوئی متحقق تصویریں نہیں ہوتے۔ کرنیں آئینہ کی سطح پر نہ تو تصویریں بناتی ہیں اور نہ آئینہ سے آر پار ہوتی ہیں اور نہ ہی فی الحقیقت آئینہ کی دوسری طرف کہیں تصویریں بنتی ہیں۔ بلکہ نظر آنے والی تصویریں دراصل وہی صورتیں ہیں۔ مثلاً احول (بھینگی آنکھ والا) ایک چیز کو دو دیکھتا ہے باوجود یکہ وہاں دو چیزیں نہیں۔ اسی طرح ٹی وی کے اسکرین پر نظر آنے والی تصویریں بھی شعاعوں کے انعکاس سے بنتی ہیں جو فی الواقع نہیں، بلکہ وہمی تصویریں ہیں جو اسکرین کی دوسری طرف نظر آ رہی ہیں۔

موقف دوم کی لزومی توضیح:۔ اسکرین پر نظر آنے والی تصویریں دراصل شعاعوں کے وقوع سے اس کی سطح پر بنتی ہیں۔ جیسے رنگوں سے پرنٹیڈ تصویریں شیشے کی سطح پر ہوتی ہیں ٹھیک اسی طرح شیشے کی سطح پر وہ تصویریں بھی ہوتی ہیں جو انعکاس کے اصولوں سے آزاد ہیں۔ یہ تصویریں حقیقی ہیں وہمی نہیں۔ یہ تصویریں آئینوں کے عکوس کی طرح نہیں۔ بلکہ کاغذ اور دیوار کی تصویروں کی مثل ہیں۔ یہ تصویریں متوہمہ نہیں بلکہ متحققہ ہیں جیسے بلانیٹیوریم (BRLANE TORIUM) کی گنبد نما چھت کی اندرونی سطح پر چاند، سورج اور دیگر سیارے مثلاً زحل، زہرہ، عطارد اور مشتری کے ارد گرد گردش کرنے والی چز ند اور سیاہ حلقہ اور کہکشائیں اور بارہ برجوں کی تصویریں مثلاً شیر، بچھو، مچھلی

وغیرہ اور درجۂ دقیقہ کی پٹی یہ سای صورتیں شعاعوں سے بنی نظر آتی ہیں۔ بالکل اسی انداز کی ٹی وی کی سطح پر تصویریں بنتی نظر آتی ہیں۔ جو شعاع کا سلسلہ نقطع ہوتے ہی ختم ہوجاتی ہیں۔ جیسے پلانیٹوریم میں تصویریں شعاعوں ک یانقطاع سے ختم ہوجاتی ہیں اور جس طرح پردۂ فلم میں شعاعوں کاے نقطاع سے تصویریں ختم ہوجاتی ہیں۔

ان دونوں موقفوں کو مدنظر رکھتے ہوئے علم مناظر کے اصول کے پیش نظر دو مضامین بالترتیب ستقامت ڈائجسٹ اور ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف کے توسط سے ہدیۂ ناظرین ہوچکے ہیں۔ اب یہ تیسرا مضمون عملی تجربہ پر مبنی نذر ناظرین ہے۔ آئینوں سے نظر آنے والے عکوس اور کسی سطح پر بننے والی تصویروں کے مابین فرق واضح کرنے کے لئے علم مناظر کے اصول کے مطابق کچھ تجربات ہیں۔

آیئے ہم اور آپ بھی ان تجربوں کو آزمائیں اور پھر معلوم کریں کہ اسکرین پر بننے والی تصویریں حقیقی ہیں یا فرضی۔

تجربہ (۱) ایک مستوی مسطح آئینہ کے مقابل کھڑے ہوکر اس میں نظر آنے والے عکوس کا مشاہدہ کرلیں اور پھر آپ دھیرے دھیرے آئینے کے قریب جاکر آئینے کے دائیں بائیں جانب آنکھیں اس طرح قریب کریں کہ آپ کی شعاع بصری آئینہ کی سطح سے مماس بن کر گزرے تو آپ پر واضح ہوجائے گا کہ اب سابقہ مشاہدہ میں آئے ہوئے عکوس نظر نہیں آئیں گے۔ لیکن اگر آئینہ کی پرنٹڈ تصویر میں آپ بھی عمل کریں تو جس طرح بالمقابل کھڑے ہونے کی صورت میں وہ تصویریں نظر آئیں گی اسی طرح شعاع بصری کے خط مماس ہونے کی صورت میں آئینہ کی سطح نظر آرہی ہے اور عکوس چونکہ آئینہ کی سطح پر نہیں ہیں اس لئے وہ نظر بھی نہیں آرہے ہیں۔ پرنٹڈ کی صورت میں چونکہ تصویریں سطح پر بنتی ہیں اس لئے اس کا نظر آنا لازمی ہے۔ اس تجربہ سے جہاں کی عکوس اور تصویروں کا فرق واضح ہوا وہاں یہ عقدہ بھی حل ہوگیا کہ عکوس واقعی وہمی اور فرضی ہیں۔ حقیقی تصویریں نہیں۔

تجربہ (۲) ایک مستطیل آئینہ کے بالمقابل، زید وعمرو اور بکر تینوں یوں کھڑے ہوں کہ زید کی

شعاع بصری آئینہ پر عمودی طور پر واقع ہورہی ہو۔ اور زید کے دائیں اور بائیں کچھ دوری پر عمرو وبکر اس وضع پر کھڑے ہوں کہ عمرو کی شعاع بصری دائیں جانب آئینہ کی سطح پر ۱۵ ڈگری کا زاویہ بنارہی ہو اور بکر کی بھی شعاع بصری بائیں جانب آئینہ کی سطح پر اتنے ہی ڈگری کا زاویہ بنارہی ہو۔

تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ تینوں اشخاص الگ الگ طور پر الگ الگ منظروں کا مشاہدہ کریں گے۔ زید خود اپنے اور اپنے مسامت واقع شدہ منظروں کا مشاہدہ کریں گے۔ عمرو بکر کا عکس اس کے مشاہدے میں نہیں آسکے گا۔ اور عمرو خود اپنا یا زید کے عکس کا مشاہدہ نہیں کرسکتا بلکہ وہ بکر اور اس کے مسامت واقع شدہ منظروں کا مشاہدہ کرسکے گا۔ لیکن اگر بعینہٖ یہی عمل پرنٹیڈ آئینوں میں کیا جائے تو زید، عمرو اور بکر تینوں ایک ہی منظر کا مشاہدہ کریں گے ان لوگوں کے مشاہدات الگ الگ نہ ہوں گے۔ پہلی صورت میں چونکہ صورتیں آئینہ کی سطح پر نہیں ہیں اس لئے مشاہدہ الگ الگ ہوگا۔ دوسری صورت میں چونکہ صورتیں آئینہ کی سطح پر ہیں اس لئے مشاہدہ ایک ہوگا۔ اس تجربہ سے بھی جہاں عکوس اور تصویروں میں فرق معلوم ہوا۔ وہاں عکوس کے بارے میں یہ علم بھی ہوا کہ آئینوں کی سطح پر نہیں بنتے۔ یہ فرضی اور وہمی ہیں۔

تجربہ (۳) اگر آپ تجربہ (۱) اور (۲) کے بجائے ایک تیسرا تجربہ کریں یعنی خود ہی ٹی وی سٹ کے کنارے دائیں یا بائیں جانب آنکھیں سٹا کر دیکھیں تو واضح طور پر آپ یہ محسوس کریں گے کہ تصویریں اسکرین کی سطح پر بن رہی ہیں۔ لیکن اگر یہی عمل آئینوں میں کریں تو صاف معلوم ہوگا کہ تصویر آئینوں کی سطح پر نہیں بنتی بلکہ اس کی دوسری طرف کہیں معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اب نظر نہیں آتی۔

زاویۂ وقوع اور زاویۂ شعاع دونوں بالکل برابر ہوتے ہیں۔ اس لئے علم مناظر میں ثابت کیا گیا ہے کہ شعاعوں کی عمودی صورت میں شے اور اس کے عکس کے مابین کی دوری آئینہ اور شے کے مابین دوری کی دوگنی ہوگی۔ یعنی آئینہ سے شی جتنی دور ہوگی اتنی ہی دوری پر آئینہ کی دوسری سمت میں عکس نظر آئے گا لیکن اگر شعاعیں آئینہ کی سطح پر ترچھی واقع ہوں تو یہ دوسری سطح اور شعاعوں کے

مابین بننے والے زاویۂ حادہ کے انفراج کی دوگنی ہوگی۔یعنی شی اوراس کے عکس کے مابین ضعف الجیب (2SIN) کا فاصلہ ہوگا اورتصویر دونوں ہی صورت میں ہمیشہ امتداد ماخذ شعاع کے مخالف سمت پر نظر آئے گی۔یعنی جدھر سے شعاعیں آرہی ہیں ادھر نہیں بلکہ اس کے مخالف سمت میں نظر آئے گی اس ضابطہ کے پیش نظر اگر آپ آدھی رات کے وقت کسی آئینہ میں بدر کامل کے جلوہ کا نظر ہرکیں گے تو اس کا عکس تجربات سابقہ کے پیش نظر آئینہ کی سطح پر نہیں ہوگا۔ بلکہ پیش کردہ ضابطۂ انعکاس کی بنیاد پر۲لاکھ چالیس ہزار میل گہرائی میں نظر آئے گا۔اور کھلی ہوئی حقیقی ہے کہ شعاعیں آئینہ سے گزر کر ٹخن زمین سے پار ہوکر۲ لاکھ چالیس ہزار میل گہرائی میں نہیں پہونچیں۔ بلکہ کرنوں اور شعاعوں کے بیان شدہ اصول کے پیش نظر، آئینہ کی سطح عاکس سے ٹکرا کر واپس لوٹ گئیں۔اس سے واضح ہوگیا کہ عکوس حقیقی تصویر نہیں بلکہ فرضی اور وہمی صورت ہیں۔

ان حالات سے گزر کر اب ٹی وی اور وی ڈیو کے اسکرین پر بننے والی صورتوں کو مذکورہ بالا تجربات کی روشنی میں جانچ کرکے ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ یہ آئینہ کے عکوس کی طرح ہیں۔ پلانیٹو ریم اور کاغذ ودیوار کی تصویر کی طرح۔اگر آپ کے گھر میں خود ہی ٹی وی ہوتو پھر اپنے ہی گھر میں اور اگر آپ ٹی وی رکھنا پسند نہیں کرتے تو محض تجربہ کے لئے کسی ٹی وی رکھنے والے کے گھر میں پہونچ جائیں۔تو آپ پر بخوبی واضح ہوجائے گا کہ اس کی تصویریں آئینوں کے عکوس سے بہت الگ ہیں۔

اس کے بارے میں موقف ثانی ہی صحیح ہے۔موقف اولیٰ ہرگز صحیح نہیں اوراس کی مزید توثیق (2SIN) کے فارمولہ سے بھی حاصل ہوجائے گی کہ اگر یہ عکوس ہوتے تو یہ ٹی وی کے اندر نہیں بلکہ کہیں امتداد ماخذ شعاع کے مخالف سمت میں نظر آئے جیسا کہ موقف اول کی فروعی توضیح میں بتایا گیا ہے۔ٹی وی اور اسکرین پر بننے والی تصویریں بالکل ایسی ہیں جیسی سنیما ہال میں پردۂ سیمی پر بنتی ہیں اور دونوں ہی حقیقی ہیں۔ان میں کوئی بھی آئینوں کے عکوس کی طرح وہمی اور فرضی نہیں کوئی۔ پردۂ سیمیں پر شعاعوں کی ایسی سیٹنگ علمی ریل کے واسطے سے ہوتی ہے۔ٹی وی میں موصل اور وی ڈیو میں کیسٹ کے توسط سے ہوتی ہے۔واسطے اگرچہ الگ الگ ہیں لیکن ذوالواسطہ تینوں جگہ ایک ہی

نوع کا ہے۔یہی حال پلانیٹیوریم میں بھی ہے۔ہاں یہ بات ممکن ہے کہ کہیں یہ واسطہ فی الثبوت سے سفیر محض ہے اور کہین غیر سفیر محض لیکن سفیر اور غیر سفیر سے ذوالواسطہ نہیں کیا فرق پڑتا ہے وہاں تو سب یکساں ہیں۔اس لئے حکم شرعی بھی یکساں ہی ہوگا۔

اب بات سمٹ کر یہاں آگئی کہ ہمیں یہ پہلے ہی سے معلوم ہے کہ تصویر متوہمہ کیف سے ہے اور کیف عرض ہے۔اس لئے اس کا قیام محل ہی میں ہوگا۔لہٰذا تصویر حقیقی وہی ہے جو محل میں کسی مادہ سے بنتی ہے۔آئینہ کے عکوس نہ تو کسی مادہ سے بنتے ہیں اور نہ کسی محل میں ہوتے ہیں اس لئے یہ حقیقی تصویر نہیں لیکن چونکہ یہ بھی منظر کی عکاسی کرتے ہیں اس لئے اسے بھی تصویر (کا وہمی وفرضی) کہتے ہیں حقیقی نہیں۔

موقف کی توضیح، تجربات اوراور (2SIN) کے فارمولہ سے ثابت ہوگیا کہ ٹی وی وغیرہ کی تصویریں اصلی اور حقیقی تصویریں ہیں۔آئینہ کے عکوس کی طرح فرضی اور وہمی نہیں۔

هذا ما ظهر لی الی الان ولعل الله یحدث بعد ذالک امرا.

(ماہنامہ فیض الرسول مئی ۱۹۸۶ء)

دوسری قسط

ٹی وی اور ویڈیو کی تصویر اصلی یا فرضی

مخدومنا الکریم استاذنا المکرّم حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب قبلہ سے جب کہ وہ بقصد حج وزیارت سفر کے دوران الہٰ اباد اسٹیشن پر پہونچے تو اپنے بہت سے احباب کے ساتھ مجھے بھی شرف ملاقات حاصل ہوا۔ آپ نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ معلوم ہوا کہ تمہارا کوئی مضمون ٹیلی ویژن اور وی ڈیو سے متعلق ماہنامہ فیض الرسول کے توسط سے شائع ہوا ہے لیکن سفر کی تیاری میں مصروف ہونے کی وجہ سے میری نظر سے نہیں گزرا۔ واپسی حج پر انشاءاللہ اسے ضرور دیکھوں گا ساتھ ہی چند ایسے وجوہات کا بھی ذکر فرمایا جو ٹیلی ویژن اور وی ڈیو کے اسکرین پر بننے والی تصویروں اور آئینہ میں نظر آنے والی تصویروں کے مابین مشابہت پیدا کرتے ہیں جن کی وجہ سے اول الذکر کے جواز کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ وقت کی قلت کی وجہ سے مزید اور گفتگو نہ ہوسکی۔ البتہ حضرت کا آخری حکم تھا کہ ان وجوہات پر بھی کامل توجہ کے بعد ایک مضمون لکھ کر بطور ضمیمہ برائے اشاعت فیض الرسول ضرور بھیجو!

اب چونکہ حضرت مخدوم ومکرم کی واپسی کا وقت قریب ہے اس لئے ان وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے چند کلمات سپرد قلم کئے جارہے ہیں تاکہ مسئلہ واضح سے واضح تر ہوجائے۔

اپنے سابق مضمون کا ابتدائی حصہ یہاں پیش کرنا ضروری ہے تاکہ آنے والی تشریحات مفید ہوسکیں۔ عصر جدید کی ایجادات کے لئے شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے یہ تصفیہ کرلیا جائے کہ یہ آلۂ جدیدہ کس فن سے متعلق ہے اور یہ کس اصول پر ایجاد کیا گیا ہے تاکہ اس کی صحیح حقیقت کے سامنے آجائے اور پھر حکم شرعی معلوم کیا جائے مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے فساد وصحت کے مسئلہ کے لئے اولاً یہ ضروری ہے کہ باب صوتیات اور لاؤڈ اسپیکر کے بنانے کا اصول سمجھ لیا جائے اور پھر حکم شرعی معلوم کیا جائے۔ اسی طرح ٹی وی کی تصویروں کے لئے اسے اولاً علم مناظر کے اصول پر پرکھ لینا ضروری ہے تاکہ صحیح صورت سامنے آجائے اسی وجہ سے ہم نے اسے علم مناظر کے اصول پر پرکھتے ہوئے لکھا کہ یوں تو تصویریں بہت طرح کی ہوتی ہیں اور بہت سی جگہ ملتی نظر آتی ہیں لیکن علم المناظر والمرایا میں بتایا گیا ہے کہ تصویریں فی الحقیقت دوطرح کی ہوتی ہیں اگر تصویر کسی پردے پر بنے تو اصلی ورنہ فرضی ہے۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

تکنیکی یا دستکاری کے عمل سے پیدا ہونے والی ایسی شبیہ جو کسی چیز کی حکایت صوری کرتی ہے تصویر کہلاتی ہے (اور اگر آنے والی شعاعوں کے احتجاب سے کوئی سایہ بنے تو اسے پرچھائیں کہتے ہیں) تصویر اگر قلم، برش یا دیگر آلات کے ذریعہ رنگ ولون کے تال میل یا چند خراشوں کی مدد سے جزءً جزءً (تھوڑی تھوڑی کرکے) عالم وجود میں آئے تو ترسیمی اور اگر نور وضیاء کی کرنوں اور شعاعوں کے امتزاج سے یا کسی ذی تصویر مادہ کے اتصال سے بیک وقت ظہور پذیر ہو تو ارتسامی کہلاتی ہے۔ ذی تصویر مادہ کے اتصال سے بننے والی تصویر ارتسامی انطباعی اور نور وضیاء کی شعاعوں کی مدد سے بننے والی ارتسامی عکسی ہے پھر عکسی تصویر اگر کسی چیز کی سطح پر بنے تو حقیقی ورنہ فرضی ہے۔ فرضی تصویروں کے علاوہ تمام تصویریں اصلی ہیں اس کی وضاحت مندرجہ ذیل مثالوں سے سمجھی جاسکتی ہے۔

(۱) قلم وبرش، پینٹنگ فوارہ کے ذریعہ قرطاس ودیوار پر بنی تصویریں یا کسی چیز پر کندہ کی

ہوئی تصویریں اسی طرح فن پارچہ بیزی یا کشیدہ کاری سے اتاری ہوئی صورتیں وغیرہ وغیرہ ترسیمی ہیں۔

(۲) مہر، ٹھپہ، یا پیس کے ذریعہ بنی ہوئی تصویریں ارتسامی انطباعی ہیں۔

(۳) فلمی ریل یا بذریعہ کیمرہ اتاری ہوئی تصویریں اسی طرح پردۂ فلم ٹیلی ویژن یا ویڈیو کے اسکرین پر نظر آنے والی تصویریں ارتسامی عکسی حقیقی ہیں) یہ تمام تصویریں اصلی ہیں جو سطح پر بنتی ہیں)

(۴) آئینہ اور پانی میں نظر آنے والی تصویریں اسی طرح بحری فضاؤں یا ریگستانوں میں نظر آنے والی تصویریں ارتسامی عکسی مگر فرضی ہیں۔

زیر بحث مسئلہ میں عکسی کی ان دونوں قسموں یعنی حقیقی اور فرضی کے مابین قدرے التباس باقی ہے اس لئے اس کی مزدی وضاحت درکار ہے۔ جس طرح ترسیمی یا انطباعی تصویریوں کے لئے کچھ چیزیں بمنزلہ علت مادیہ ہوتی ہیں مثلاً فن پارچہ بیزی یا کشیدہ کاری سے اتاری ہوئی تصویروں کے لئے دھاگہ عمل مادیہ ہے۔

پریس، مہر ٹھپہ سے بننے والی تصویروں کے لئے اور وبرش وغیرہ سے تیار شدہ تصویروں کے لئے رنگ ولون علت مادیہ ہیں اور کندہ کی ہوئی تصویروں کے لئے خراشیں علت مادیہ ہیں اسی طرح عکسی حقیقی کے لئے بھی علت مادیہ ہوتی ہیں۔ سطور مذکورہ بالائیں اس کی دوطرح کی مثالیں پیش کی گئی ہے۔

(۱) فلمی ریل یا بذریعہ کیمرہ اتاری ہوئی تصویریں۔

(۲) پردۂ فلم ٹیلی ویژن یا وی ڈیو کے اسکرین پر نظر آنے والی تصویریں۔

ان میں سے دوسری صورت میں شعاعیں بمنزلہ علت مادیہ ہیں اور پہلی صورت میں رنگ و لون علت مادیہ ہیں لیکن چونکہ رنگ ولون کی ایسی سٹینگ بذریعہ شعاع ہوتی ہیں اس لئے اسے بھی عکسی کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ضابطہ میں یوں عرض کیا گیا کہ ''نور وضیا کی کرنوں کی مدد سے نظر آنے

والی تصویریں ارتسامی عکسی ہیں'' برخلاف فرضی تصویروں کے کہ وہاں مذکورہ بالا امور میں سے کچھ بھی تا آنکہ شعاعیں بھی علت مادیہ نہیں ہوتی بلکہ شعاعیں سطح عاکس سے ٹکرا کر ایک مخصوص زاویہ بناتے ہوئے واپس لوٹ جاتی ہیں پھر ان شعاعوں کے انعکاس سے جن جن چیزوں پر خطوط منعکسہ واقع ہوتے ہیں اس کی متوہمہ تصویر سطح عاکس سے نظر آتی ہے یہ متوہمہ تصویریں جہاں نظر آتی ہیں وہاں شعاعیں ہرگز نہیں پہونچتی تو پھر رنگ ولون کی بات کیا۔ مثلا آئینہ جب مہ وخورشید کے بالمقابل ہوتو چاند یا سورج کی تصویر آئینہ ک یواسطے بالترتیب ۲ لاکھ ۴۰ ہزار یا ۹ کروڑ کے فاصلہ پر قعر میں نظر آتی ہے۔ شعاعیں آئینہ سے پار ہوکر اور تخن زمین سے گزر کر اتنی دوری پر ہرگز نہیں پہنچتی تو وہاں ان شعاعوں سے بالذات تصویر کا بننا اور شعاعوں کا ان کے لئے بمنزلہ علت مادیہ ہونا کجا، اور نہ وہاں واقعۃ کوئی جسم کہ وہاں اس کا رنگ ولون ان تصویروں کے لئے علت مادیہ بن سکے۔

بلکہ ان شعاعوں کے انعکاس سے اس کی متوہمہ تصویریں محسوس ومبصر ہوتی ہیں اسی وجہ سے علم مناظر میں اسے فرضی تصویر کہتے ہیں۔ جیسے بعض آدمی جوں ہی آنکھ بند کرتے ہیں تو کچھ دوری پر انہیں تل نظر آتا ہے حالانکہ واقعہ ایسا نہیں۔ (جیسے سائنس دانوں کا قول کہ آسمان نہیں اور نظر آنے والی شی ایک متوہم شے ہے) چونکہ اصلی تصویروں کے لئے مذکورہ بالا چیزیں علت مادیہ کی منزل میں ہوتی ہیں۔ یہ مادہ اپنے اندر جیسا رنگ ولون رکھتا ہے تصویریں بھی اسی رنگ میں نمایاں ہوتی ہیں بشرطکہ تصویر اور ناظر کے مابین کوئی رنگین شفاف چیز حائل نہ ہو۔ یعنی اصلی تصویروں کے لئے وہی رنگ ہونا کوئی ضروری نہیں جو ذی تصویر کا نیوچرل یا اوریجنل رنگ ہے لیکن فرضی تصویروں کے لئے چونکہ مذکورہ بالا امور علت نہیں اس لئے یہ مختلف رنگ ولون میں ظہور پذیر نہیں ہو پاتیں بلکہ ذی صورت کے فطری رنگ ولون اور یجنل کلر ہی میں نظر آتی ہیں۔

اور چونکہ شی سے اپنی علت مادیہ اور صوریہ کے قرار سے قرار اور زوال سے زائل ہوجاتی ہے اس لئے جس تصویر میں اس کی علت مادیہ جتنی دیر میں زائل ہوجائیگی اتنی دیر میں تصویر کا زائل ہونا ضروری ہے الغرض تصویر کی اصلیت یا فرضیت اس کے مادہ کے قرار یا زوال پر موقوف نہیں ہے بلکہ

کسی مادہ سے بننے یا بلا کسی مادہ کے نظر آنے اور سطح پر بننے یا سطح پر نہ بننے سے ہوتا ہے جہاں آفتاب کی شعاعیں عمودی (یعنی کھڑی) واقع ہوں وہاں اگر برف پر بذریعہ مہر انطباعی تصویر بنائی جائے تو ہو نظر پھرتے ہی فنا ہو جائے گی لیکن اگر منطقہ باردہ میں وہی صورت ہو تو ایسا قطعاً نہیں ہوگا بلکہ اگر کولڈ اسٹورچ میں ہو تو بہت عرصہ تک پائیدار ہوگی۔ تصویر اصلی دونوں جگہ ہے لیکن ایک جگہ حرارت سے برف کے پگھلنے سے روشنائی فوراً بہ جائے گی دوسری جگہ انجماد پر قرار رہنے کی وجہ سے روشنائی پائیدار رہے گی اس لئے پہلی صورت میں تصویر غیر قار اور دوسری صورت میں قار ہے حالانکہ دونوں تصویریں واحد نوعی ہیں۔

تصویر عکسی خواہ حقیقی ہو یا فرضی چونکہ دونوں شعاعوں کی مدد سے نظر آتی ہیں اس لئے جب ٹی وی اسٹیشن کا کیسٹ سے شعاعوں کا وصول ختم ہو جائے گا یا آئینہ پر مقابل کے ہٹنے سے شعاعوں کا سلسلہ ٹوٹ جائے گا تو تصویریں یقیناً فنا ہو جائیں گی ایک میں علت مادیہ کے فنا اور دوسرے میں سبب محض کے فنا ہونے کی وجہ سے اس لئے ایسی صورت میں دونوں کے فناء ہونے کو جو کہ عدم محض ہے وحدت نوعی کی علت قرار دینا قطعاً صحیح نہیں (شعاعوں کا عدم وصول خواہ شخص کے ہٹنے یا بجلی کے فیل ہونے یا اور کسی وجہ سے ہو بات ایک ہی ہوگی) مذکورہ بالا تشریحات سے حقیقی اور فرضی تصویریں ایک دوسرے سے یوں ممتاز ہیں۔

(۱) حقیقی تصویر سطح کے ساتھ جسم میں حال اور جسم اس کا محل ہوتا ہے یعنی یہاں علاقۂ حلول ہوتا ہے فرضی تصویر نہ حال ہے اور نہ وہاں اس لئے محل ہے آئینہ وغیرہ اس کا محل نہیں بلکہ فقط آلہ اور محض مراٰۃ ہے۔

(۲) حقیقی تصویروں شعاعوں سے بنتی ہیں یعنی شعاعیں اس کے لئے بمنزلہ علت مادیہ ہیں جب کہ فرضی تصویر کے لئے شعاعیں بمنزلۂ علت مادیہ نہیں بلکہ سبب محض ہیں۔

(۳) حقیقی تصویر وقوع شعاع سے بنتی ہے اور فرضی فقط وقوع سے نہیں بلکہ انعکاس سے نظر آتی ہے یہی انعکاس اصل قریب ہے۔

(۴) چونکہ اصلی تصویر حال ہوتی ہے اس لئے یہ سطح سے بڑی نہیں بن سکتی اور فرضی تصویر حال نہیں ہوتی اس لئے وہ سطح کے طول وعرض کی پابند نہیں بلکہ سطح سے بڑی بن سکتی ہے۔

(۵) اصلی تصویر چونکہ سطح میں حال ہے اس لئے اس کا مقام بھی معین یہ اپنی جگہ نہیں چھوڑتی اور فرضی تصویر کا آئینہ وغیرہ میں حلول نہیں اس لئے اس کا مقام معین نہیں بلکہ ناظر کے اعتبار سے اس کا مقام بدلتا رہتا ہے۔

(۶) فرضی تصویر جبکہ خود کسی تصویر کی صورت نہ ہو بلکہ مجسم کی صورت ہو تو مختلف وضع دیکھی جانے والی صورت میں اس کا مبصر اور غیر مبصر حصہ بدلتا جائے گا لیکن اصلی تصویر میں یہ ممکن نہیں۔

(۷) حقیقی تصویر کا انتقال اپنے محکی عنہ کے انتقال مکانی کے بغیر فقط اس مادہ کے انتقال سے کہ جس میں تصویریں بنی ہیں ممکن ہے لیکن فرضی تصویر چونکہ کسی مادہ میں نہیں بنی ہوتی اس لئے یہاں یہ صورت ممکن نہیں۔

(۸) اصلی تصویر مختلف کلر میں بن سکتی ہے فرضی تصویر فقط اوریجنل اور قدرتی کلر میں دیکھی جاسکتی ہے مختلف رنگوں میں نہیں۔

(۹) اصلی تصویر متحققہ ہوتی ہے اور فرضی تصویر متوہمہ ہوتی ہے۔

(۱۰) حقیقی تصویر کا فاصلہ منبع شعاع سے اتنا ہی ہوتا ہے جتنا فاصلہ منبع شعاع کا موقع شعاع سے ہوتا ہے اور فرضی تصویریں اس کا دوگنا فاصلہ ہوتا ہے۔

(۱۱) فرضی میں ناظر و تصویر کا موقع انعکاس سے مختلف الجہت ہونا ضروری ہے حقیقی میں نہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان سارے امتیاز کے وجوہات کے پیش نظر جب پردۂ فلم ٹیلیویژن اور وی ڈیو کے اسکرین پر نظر آنے ولی تصویروں میں غور کیا جاتا ہے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تصویریں اصلی ہیں آئینہ اور پانی میں نظر آنے والی تصویروں کی طرح فرضی اور وہمی نہیں۔

۱، ٹی وی وغیرہ کی تصویر اسکرین میں حال ہوتی ہیں اور یہاں علاقۂ حلول ہوتا ہے۔

۲، شعاعیں یہاں علت مادی ہوتی ہیں۔

۳، یہاں وقوع شعاع سے تصویریں بنتی ہیں انعکاس سے نہیں۔

۴، یہاں تصویریں سکرین سے بڑی نہیں بن سکتیں۔

۵، یہاں ان تصویروں کا مقام اسکرین کے حصہ میں معین ہوتا ہے ناظر کی وضع کی تبدیلی کے اعتبار سے تصویریں ہٹتی نظر نہیں آتی۔

۶، یہاں مختلف وضع سے دیکھی جانے والی صورت میں بھی مبصر حصہ برقرار رہتا ہے مبصر اور غیر مبصر میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

۷، یہاں ٹی وی کے مختلف سمت گھمانے پر تصویریں بھی ساتھ میں گھوم جاتی ہیں۔

۸، یہاں اوریجنل کلر ضروری نہیں۔

۹، یہاں تصویر متحققہ ہوتی ہے متوہمہ نہیں۔

۱۰، یہاں تصویر کا منبع شعاع سے وہی فاصلہ ہوتا ہے جو موقع شعاع کا منبع شعاع سے ہوتا ہے۔

۱۱، یہاں ناظر اور تصویر بہ نسبت موقع شعاع متحد الجہت ہوتے ہیں مختلف الجہت نہیں اس لئے صاف ظاہر ہے کہ پردۂ فلم ٹی وی اور وی ڈیو کے اسکرین پر بننے والی تصویریں عکسی حقیقی اور اصلی ہیں جواز روئے شرع دائرہ حرمت میں علی تفصیلہا محصور ہیں یہ آئینہ میں نظر آنے والی تصویروں کی طرح نہیں کہ، (۱) آئینہ میں حال نہیں (۲) شعاع علت مادیہ نہیں (۳) انعکاس سے بنتی ہے وقوع شعاع نہیں (۴) مختلف وضع سے مبصر اور غیر مبصر بدلتی رہتی ہے (۵) یہاں تصویریں سطح سے بڑی بنتی ہیں (۶) سطح میں اس کا مقام معین نہیں وغیرہ وغیرہ۔

مضمون سابق میں مذکور ہے کہ جن علت مادیہ سے تصویریں بنتی ہیں مثلاً رنگ روغن یا شعاعیں وغیرہ انہیں کنٹرول کر کے مخصوص انداز سے کسی سطح پر پھیلا دینا کہ جس سے صورت ابھر آئے یہ تصویر سازی ہے۔ وی ڈی وکیسٹ یا ٹیلیویژن کے اسٹیشن میں لگے ہوئے موصل جنہیں مخصوص کیمروں کے ذریعہ حقیقی منظر کی شعاعوں سے متاثر کر کے اس قابل بنا دیا جاتا ہے کہ اسکرین کے

پشت سے آنے والی شعاعوں کو نہایت ضابطہ کے ساتھ وہ اسکرین پر پھیلا کر حقیقی منظر کا عکس پیش کر سکے یہ عمل تصویر سازی ہے جسے قلم و برش اپنے قابو میں رکھ کر اسے دیوار پر اس طرح پھیرے کہ صاحب قلم کی مرضی کے مطابق صورت نمایاں ہو جائے۔

وی ڈیو اور ٹیلی ویژن کی سٹ اور موصل کی حیثیت ایسی ہے جیسے قلم کہ اگر چہ قلم میں کوئی تصویر نہیں رہتی لیکن یہ رنگ ولون کو مخصوص انداز میں پھیلا کرتا ہے، اس طرح کیسٹ وغیرہ اگر چہ اس میں تصویر نہ سہی لیکن یہ شعاعوں کو مخصوص انداز میں اسکرین پر ڈالتی ہیں۔ البتہ دونوں میں فرق ضرور ہے کہ ایک میں دستکاری عمل ہے دوسرے میں مشینری عمل کار فرما ہے۔ وی ڈیو، اور ٹیلی ویژن کے اسکرین اسی لئے دودھیا اور نیم شفاف ہوتے ہیں تا کہ مشینری عمل سے شعاعیں وہاں ٹھہر کر تصویر میں ڈھل جائیں اور لوگ اسے مخالف سمت سے دیکھ سکیں اگر کامل شفاف ہوں تو شعاعیں آر پار ہو جائیں گی اور تصویریں نہ بن سکیں گی یا کامل کثیف ہوں تو تصویریں تو بن جائیں گی لیکن لوگ انہیں نہ دیکھ سکیں گے یہاں یہ فرق بیکار ہے کہ قلم چلانے والے فاعل مختار اور مشنری عمل فاعل مختار نہیں۔ اس لئے کہ اگر کسی مشین کی گرفت میں قلم ایسا واقع ہو کہ مشین اسے مخصوص انداز میں حرکت میں لا کر تصویر بنا دیئے تو کیا وہ تصویر حقیقی اور اصلی نہ ہوگی کڑھائی کی ایسی مشین ایجاد میں آچکی ہے کہ مشین خود بخود چلتی ہے اور مخصوص بیل بوٹے اور تصویر کشیدہ ہوتی رہتی ہیں۔ اسی طرح روبورٹ یعنی مشینی انسان کہ اپنے ہاتھوں سے مختلف آلوں کے ذریعہ تصویریں اتارتا ہے تصویر حقیقی اور فرضی دونوں میں چونکہ شعاعوں کا دخل ہوتا ہے ایک میں بطور علت مادیہ اور دوسرے میں بطور انعکاس اسی لئے شعاعوں کے عدم سے تصویر کا عدم دونوں ہی صورت میں ہو جاتا ہے۔ اس طور پر کہ علت تامہ کا عدم عدم محلول کی علت ہوتا ہے نہ اس طور پر کہ دونوں ایک ہی نوع کی ہیں اس لئے آئینہ کے عکوس اور ٹی وی، یا ویڈیو کی تصویر میں یکسانیت سمجھنا صحیح نہیں ایک متوہمہ اور دوسرا متحققہ ہے دونوں یکساں نہیں، جمہور متکلمین اور اصولین کا اتفاق ہے کہ بقاء عرض محال ہے یعنی اعراض قار نہیں ہوتے بلکہ غیر قار ہوتے ہیں البتہ اس کا قار محسوس ہونا تجدد امثال کی وجہ سے ہے یعنی اعراض کے افراد موجود و معدوم ہوتے رہتے ہیں

اوراسی وجود وعدم کے باہمی ارتباط سے اعراض قائم نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اعراض کوحسی قار کہتے ہیں حقیقی قار نہیں کہتے قطع نظر عن البحث یہ بات طے ہے کہ یہ عملاً تصویر کوعرض ہی مانتے اوراسے غیر قار کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہی جمہور متکلمین واصولیین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ تصویریں حرام ہیں یعنی حرمت کے لئے حقیقی قار ہونا ضروری نہیں سمجھتے۔علم مناظر کے اس فارمولا کے پیش نظر کہ ۱/۱۰،سکنڈ میں مسلسل نظر آنے والی متعدد مشابہ واحد شخصی نظر آتی ہیں ٹیلی ویژن اور وی ڈیو میں شعاعوں سے بننے والی تصویریں پیہم اسی اعتبار سے بنتی اور فنا ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ بھی واحد شخصی نظر آتی ہیں لیکن اعراض کے افراد چونکہ مختلف پوز کے نہیں ہوتے اس لئے وہاں تجدد امثال ہونے کے باوجود تصویریں متحرک نظر نہیں آتیں۔برخلاف ٹی وی اور وی ڈیو اور پردۂ فلم میں شعاعوں سے بننے والی تصویریں چونکہ مختلف پوز کی ہوتی ہیں اسی لئے یہ تحریریں متحرک نظر آتی ہے اور جو تصویریں یہاں بھی مختلف پوز کی نہیں ہوتی متحرک نظر نہیں آتی مثلاً کسی مکان کی تصویر یا کسی پیڑ وغیرہ کی تصویر آئینہ میں نظر آنے والی تصویر حقیقۃً عرض نہیں بلکہ صور متوہمہ ہیں اس لئے وہاں تجدد امثال نہیں اسی لئے مضمون سابق میں بتایا گیا ہے کہ ٹی وی وی ڈیو کی تصویریں تجدد امثال کی بہترین مثال پیش کرتی ہیں اور آئینہ کی تصویر تجدد امثال کی مثال پیش نہیں کرتی۔رہا قار حسی کا سوال تو جس طرح دیوار وقرطاس کی تصویریں جمہور متکلمین واصولیین کے نزدیک قار حسی ہیں اسی طرح پردۂ فلم ٹی وی، اور وی ڈیو کے اسکرین پر بننے والی تصویریں بھی قار حسی ہیں البتہ ایک متحرک ہے اور دوسری نہیں جس کی وجہ سے سطور بالا میں مذکور ہوئی۔اس کی مثال سایہ سے دی جاسکتی ہے۔

اب تک کے مضمون سے یہ واضح ہوگیا کہ حقیقی تصویریں اور فرضی تصویریں فی الحقیقت متباین ہیں اور دونوں نوعیں الگ الگ ہیں مثلاً ایک متحققہ دوسری متوہمہ ایک میں وقوع شعاع اصل قریب دوسری میں انعکاس شعاع اصل قریب ایک میں خود شعاعیں علت مادیہ دوسری میں شعاعیں علت مادیہ نہیں بلکہ سبب محض ایک کا وجود وجود الاعراض وجود ہا فی محالہا کے پیش نظر انضمامی اور حال اور دوسرے کا وجود غیر انضمامی اور غیر حال وغیرہ وغیرہ۔اسی لئے دونوں میں وجود شعاع اور حرکت وغیر

قار کے اشتراک اور انعدام شعاع کی وجہ سے دونوں میں فنائے صورت کی وجہ سے ایک کو مقیس علیہ اور دوسرے کو مقیس قرار دے کر حکم واحد نافذ کرنا صحیح نہیں۔ٹی وی اور وی ڈیو کی تصویریں بالکل پردۂ فلم کی تصویروں کی طرح ہیں دونوں ایک ہی فارمولا کے پیش نظر متحرک نظر آتی ہیں اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ آواز ارتعاش مادہ اور قرع وقلع سے پیدا ہوتی ہے یہ ارتعاش اگر کسی دھات سے پیدا کردیا جائے جب بھی آواز ہی ہے یہی ارتعاش اگر ٹیپ رکارڈ کے فیسٹے (کیسٹ) سے پیدا کریا جائے تب بھی آواز ہے البتہ کوئی آواز جو کہ بلا ارتعاش مادہ مسموع ہو جیسے پردۂ گوش کی خرابی سی سیٹی وغیرہ سنتے ہیں تو یہ آواز نہیں بلکہ ایک امر متوہم ہے جو آواز کی طرح معلوم ہوتی ہے رہی یہ بات کہ تصویر کی حرمت سے نجات کی یہ تدبیریں بتائی گئی ہیں کہ اسے سربریدہ کیا جائے یا اس مخصوص عضو کو جو کہ حیات کی عکاسی کرتا ہے مٹادیا جائے وغیرہ وغیرہ یہ باتیں ٹی وی اور وی ڈیو کی تصویر کے ساتھ ممکن نہیں اس لئے یہ وہ تصاویر نہیں جو شرع میں حرام ہیں۔

تو عرض یہ ہے کہ کسی امر سے حصول نجات کی اگر مخصوص تدبیریں بتائی گئی ہیں تو ان تدابیر کے فقدان سے حصول نجات کا فقدام لازم آتا ہے کہ نہ یہ کہ نفس امر ہی کا فقدان ہو جائے،مثلاً مرض کی کسی نوع کی ہلاکت سے نجات حاصل کرنے کے لئے حکیم نے کچھ مخصوص تدابیر بتائیں تو اگر یہ تدابیر وہاں ممکن نہ ہوئیں تو یہ کہاں لازم آیا ہے کہ وہ مرض مہلک ہی نہیں ہے۔علاوہ ازیں ٹی وی اور وی ڈیو میں یہ ممکن ہے کہ علت مادیہ میں شامل ہونے والی ان تمام شعاعوں سے وہ شعاعیں جو سر بتاتی ہیں انہیں روک دیا جائے یا اسکرین کے اس مقام کو جہاں سر کا حصہ حال ہے اسے کامل شفاف یا کامل کثیف کردیا جائے یا اتنے حصہ کو کاغذ کی چپی سے چھپا دیا جائے جیسے کاغذ کی تصویروں کی حرمت سے نجات حاصل کرنے کے لئے الگ الگ عمل کرنا پڑتا ہے اسی طرح یہاں بھی الگ الگ عمل کیا جائے تو سربریدہ اور دوسری تدبیریں واقع ہوسکتی ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ علت مادیہ کا محل سے زوال جن جن صورتوں میں بھی ہوتا تصویر زائل ہوجائے گی۔البتہ سربریدگی کے امکان کو اگر حرمت قرار دیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو

شعاعیں اپنے انعکاس سے فرضی تصویر دیکھاتی ہیں ان میں سے وہ شعاعیں جو سر بتاتی ہیں ان کا روکنا ممکن ہے یا نہیں اگر ممکن ہے تو فرضی تصویر بھی حرام وھو خلاف المفروض اگر ممکن نہیں تو اصلی اور فرضی میں فرق واضح ہوگیا اور ٹی وی وغیرہ میں چونکہ ایسا ممکن اس لئے حرام ہے۔

نوٹ

فرضی تصویر چونکہ بلا علت مادیہ نظر آتی ہے اور متوہمہ ہوتی ہے۔ حقیقۃً وہاں تجدد امثال ممکن نہیں۔ ذی صورۃ خواہ کتنا ہی بطی السیر ہو پھر بھی متحرک نظر آتا ہے ۱؍۱۰۱، سکنڈ میں وہاں وجود وعدم کا تسلسل نہیں ہوتا مگر حساً قار غیر متجدد الامثال نظر آتا ہے اس لئے مضمون سابق میں اسے غیر قار متجدد الامثال کہا گیا ہے کہ ورنہ متوہم شے کی جانب حرکت وسکون، قرار وزوال کی نسبت حقیقۃً صحیح نہیں۔
(ولنا فیہ مجال التحقیق)

ٹی وی، وی ڈیو فلم کے پردۂ سیمیں پر نظر آنے والی تصویریں اصلی اور متحرک ہونے کی وجہ سے ذی روح کی حیات کی عکاسی زیادہ کرتی ہیں اس لئے یہاں بدرجۂ اتم حرمت کا حکم ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ہذا ما ظہر لی الان ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

(ماہنامہ فیض الرسول، ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۵ء)

ٹی وی اور ویڈیو

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب! سلام ومسنون

مندرجہ مضمون دراصل ہمارے اس خط کا جواب ہے جسے میں نے استاذنا المکرّم خواجۂ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ حضرت کا عطا کردہ جواب چونکہ بہت مفید ہے اس لئے برائے اشاعت حاضر ہے۔ امید کہ جلد ہی کسی شمارے میں اس مضمون کو جگہ عنایت کریں گے۔

فقط والسلام
مطیع الرحمٰن مضطرؔ پورنویؔ

گرامی منزلت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب! سلام مسنون

آپ کا خط موصول ہوا۔ ساتھ ہی ٹی وی اور وی ڈیو سے متعلق مضامین کے کچھ اقتباسات بھی موصول ہوئے آپ نے ان اقتباسات پر کچھ تبصرہ کرنے کو فرمایا ہے میں اس کا اہل نہیں تاہم آپ کے اطمینان کے لئے فی الحال چند سوالوں کے جوابات بالترتیب حاضر ہیں۔ بقیہ سوالوں کے

جوابات آئندہ خطوں کے ذریعہ دیئے جائیں گے۔سوالات کے جوابات بالترتیب مسطور ہیں۔

سوال نمبر (۱): ٹی وی، وی ڈیو اور فلم کے ذریعہ نظر آنے والی تصویروں کا حکم آئینہ سے نظر آنے والی تصویروں کی طرح کیوں نہیں؟

جواب: آپ نے یہ محاورہ سنا ہی ہوگا کہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی۔ ہر لہریں لیتا ہوا منظر دریا نہیں ہوتا۔ممکن ہے چمکتی ہوئی چیز ذرہ ہو اور لہریں لیتا ہوا منظر سراب! یہ ایک خیالی سونا اور وہمی دریا ہے اور کچھ نہیں، اس لئے ان وہمی چیزوں کا حکم خود اصلی سونا اور حقیقی دریا کے لئے نہیں ہوسکتا۔ان وہمی چیزوں کو مقیس علیہ اور حقیقی چیزوں کو مقیس قرار دے کر مطلقاً یکساں حکم نافذ کرنا صحیح نہیں ہے یہی کچھ حال آئینہ کی تصویر اور ٹی وی کی تصویر کا ہے۔پہلی تصویر وہمی اور فرضی دوسری تصویر حقیقی اور اصلی ہے۔اس لئے اس اصلی کو وہمی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

ایسا تو ممکن ہے کہ متحقق چیزوں کا حکم غیر متحقق کو دیا جائے لیکن ایسا کہیں نہیں دیکھا اور سنا گیا کہ متحقق کو غیر متحقق کا خصوصی حکم دیا گیا ہو۔

اس قیاس فاسد کی بنیاد اولاً مودودی صاحب نے ڈالی پھر اس کی اس خطا کو حق سمجھ کر کچھ اور علماء نے اپنالیا۔ ہمارے سابقہ مقالوں میں یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ سطح عاکس سے نظر آنے والی تصویریں علم وفن کی روشنی میں اصلی تصویریں نہیں بلکہ وہمی ۔۔۔۔۔ ہیں۔اور کسی محل میں حال ہوکر بننے والی تصویریں اصلی اور حقیقی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آئینہ کو مراۃ (کھانے والا آلہ) کہا جاتا ہے۔محل تصویر نہیں۔آئینہ اور شیشہ کا فرق ملحوظ ہے۔

فرضی اور وہمی تصویروں میں کئی وجوہ سے امتیاز اور فرق موجود ہے جو ہمارے سابقہ مضامین سے ظاہر ہے۔

آپ ماہنامہ فیض الرسول کے ان شماروں کو بغور ملاحظہ فرمائیں جن میں ہمارا مقالہ شائع ہوا ہے۔

سوال (۲): کیا بواسطہ آلہ اور بے توسط آلہ سنی جانے والی آوازوں کا حکم جس طرح یکساں

ہے اسی طرح بواسطہ آلہ اور بے توسط آلہ نظر آنے والے جانداروں کا حکم بھی یکساں ہے۔

جواب: آلہ اور بغیر آلہ سنی جانے والی آواز کا یکساں حکم دیکھ کر آلہ اور بغیر آلہ دیکھی جانے والی چیزوں کے لئے یکساں حکم کرنا صحیح نہیں۔

آلہ کے واسطے سے سنی جانے والی آواز اور انسان کے منہ سے سنی جانے والی آواز دونوں ہی حقیقۃً آواز ہی ہوتی ہیں۔یہاں اصل اور ظل کا فرق نہیں ہوتا اس لئے دونوں ہی آوازوں کے لئے یکساں حکم ہے۔جو آواز بغیر آلہ سنی جاسکتی ہے وہ آواز آلہ کے واسطے بھی سنی جاسکتی ہے۔لیکن بلا آلہ اور بواسطۂ آلہ نظر آنے والی چیزوں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دونوں حقیقۃً ایک ہی قسم کی چیزیں ہوں بلکہ یہ دونوں کبھی ایک ہی چیز ہوتی ہیں اور کبھی دونوں میں اصل اور ظل کا فرق ہوتا ہے جس سے نظر آنے والی چیزیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔

(الف) نظر آنے والی چیز اصل چیز ہوتی ہے کسی کا ظل نہیں جیسے کوئی ضعیف البصر آدمی چشمہ کے واسطے سے چاند یا اور کوئی دور کی چیز دیکھتا ہو۔

(ب) نظر آنے والی چیز اصلی چیز نہیں بلکہ اس کا ظل اور اس کی تصویر فرضی ہوتی ہے جیسے سطح عاکس سے نظر آنے والی چیز۔

(ج) نظر آنے والی چیز نہ اصلی شے ہے اور نہ اس کی فرضی تصویر ہے بلکہ اس کی اصلی تصویر ہے جیسے ٹی وی سے نظر آنے والی چیز یا اصلی شے کی تصویر اصلی کی اصلی تصویر ہے جیسے پردۂ فلم پر نظر آنے والی تصویریں۔

الف اور ب میں یہ ضابطہ ہے کہ جس حقیقی منظر کو بلا آلہ دیکھ سکتے ہیں اسے بواسطہ آلہ بھی دیکھ سکتے ہیں اور جس کا دیکھنا بلا آلہ ممنوع ہے اس کو بواسطہ آلہ بھی دیکھنا ممنوع ہے۔لہٰذا کسی غیر محرم کو جس طرح بلا آلہ دیکھنا ممنوع ہے اسی طرح بواسطہ آئینہ یا چشمہ بھی دیکھنا ممنوع ہے لیکن دوسرے جاندار کو جس طرح بلا آلہ دیکھنا روا ہے اسی طرح بواسطہ آئینہ یا چشمہ لگا کر دیکھنا بھی روا ہے۔

رہا، ج: تو اس میں کلیۃً یہ حکم صحیح نہیں مثلاً کسی جاندار کو بلا آلہ دیکھنا روا تو ہے لیکن اس کی تصویر

اصلی (جو آلہ سے نظر آتی ہے) دیکھنا روا نہیں۔

سوال (٣): یہ کہنا جو فلم صرف مرد اور جانوروں کی تصویروں پر مشتمل اور دیگر حرام و ناجائز نغمات وحرکات سے پاک ہو تو بر بنائے متحرک اور غیر قار جائز ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ اس کی اصل حرام ہے اس لئے حرمت اصل سے آئی یہ کہاں تک صحیح ہے؟

جواب: یہ بالکل بے بنیاد بات ہے یہ اس لئے کہ فلم کی ریل میں بنی ہوئی تصویریں بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں نیز اپنے مخصوص رنگ اور ریل کی سیاہی سے ایسی گڈ مڈ ہو جاتی ہیں کہ اگر کسی کھڑے ہوئے انسان کے سامنے زمین پر رکھ دی جائیں تو اس انسان کو واضح طور پر اس کے خط خال اور اعضاء آنکھ، کان، منہ، ناک، ہونٹ، وغیرہم نمایاں نظر نہیں آتے ایسی تصویروں کا بھی بنانا اگرچہ حرام ہے لیکن ان کے رکھنے اور دیکھنے میں رخصت ہے۔ ان ہی تصاویر کو پردۂ فلم پر بڑا کر کے دکھایا جاتا ہے۔ اصل ریل میں تصویر کے چھوٹی ہونے کی وجہ سے رخصت ہے۔ اور پردۂ فلم پر متحرک اور غیر قار ہونے کی وجہ سے حرمت نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی ایسی فلم تیار ہو جو جانوروں کی تصاویر پر مشتمل ہو لیکن دیگر حرام و ناجائز نغمات وحرکات سے پاک ہو تو اس کا دیکھنا روا ہونا چاہیئے۔ اس لئے فلم کو دیکھنے کی حرمت کا مدار ریل کے اندر بنی تصویر نہیں بلکہ وہ فی نفسہ حرام ہے۔ آپ خود غور فرمایئے کہ حرمت کی بناء قار اور جامد کو قرار دینا مسئلہ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتا ہے۔

مزید برآں فلم کی دو ریلیں ایسی ہوں کہ ایک میں جانور کا اوپر والا جبڑا اور بقیہ سر کا حصہ اور دوسری ریل میں نیچے والا جبڑا اور جسم کا باقی حصہ ہو۔ یا کسی جانور کا شق ایمن (دایاں حصہ) ایک ریل میں اور شق ایسر (بایاں حصہ) دوسری ریل میں ہو یعنی دونوں ریلوں میں جانوروں کے الگ الگ ایسے دو ٹکڑے ہوں کہ ان ٹکڑوں میں سے کوئی بھی حیات کی عکاسی نہ کرتا ہو ان دنوں کو باہم متصل کر دیا جائے تو ایک کامل تصویر بن جاتی ہے۔ ان دونوں ریلوں کو پروجیکٹر میں ایسا فٹ کر دیا جائے کہ دونوں باہم ایک انچ کے فاصلہ کے ساتھ متوازی اور محاذی ہوں اور جب ان پر مشین سے اس طرح روشنی ڈالی جائے کہ کرنوں کی مدد سے پردۂ سیمیں پر کامل تصویر بن جائے۔ تو اگر یہ فلم ناجائز

نغمات وحرکات سے پاک ہو تو اس کا دیکھنا جائز ہونا چاہیئے کہ پردۂ فلم پر متحرک اور غیر قار ہونے کی وجہ سے ان تصاویر کا دیکھنا روا ہے اور اس کی اصل یعنی دونوں ریلوں میں تصویر کے الگ الگ ٹکڑے حیات کی عکاسی نہ کرنے کی وجہ سے حرام نہیں تو پھر حرمت کہاں سے آئیگی۔

اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حرمت کا مدار وہ نہیں جسے بنایا گیا ہے۔ بلکہ تصویر کی اصلیت ہے اس لئے صرف مردوں اور جانوروں پر مشتمل فی نفسہ حرام ہے۔

سوال (٤) کیا واقعی صرف وہی تصویریں حرام ہیں جو ساکن اور قیام پذیر ہیں۔ متحرک غیر قیام پذیر تصویر کی حرمت ثابت نہیں۔

جواب: تصویروں کی حرمت سے متعلق نصوص اپنے عمومات کی وجہ سے ہر قسم کی اصلی تصویر کو شامل ہیں۔ اس میں کہیں تخصیص نہیں البتہ چھوٹی غیر واضح تصویروں کے رکھنے وغیرہ کی رخصت ہے۔

مزید برآں یہ کہ علماء نے تصویروں کی حرمت میں یہ وجہ بھی ذکر کی ہے کہ اس میں مضاہاۃً لخلق اللہ (اللہ کی تخلیق سے مشابہت اختیار کرنا) ہے۔ کاغذی تصویریں جو ساکن ہیں اس میں زیادہ مضاہات ہے یا فلم اور ٹی وی کی تصویریں جو متحرک چلتی پھرتی، اور ہنستی بولتی نظر آتی ہیں اس میں زیادہ مضاہات ہے؟ یقیناً اول کی بہ نسبت ثانی میں مضاہات شدیدہ ہے لہٰذا اگر اول بعبارۃ النص حرام ہے تو ثانی بدلالۃ النص حرام ثابت ہے انظر فی الاصول اس لئے متحرک اور غیر قیام پذیر تصویریں بھی حرام ہیں۔

مزید بر مزید یہ کہ جاپان کی صنعت نے ایسی کاغذی تصویر پیش کی ہے جو در اصل تصویروں کا مجموعہ ہے اور باہم مدغم ہے اور یہ دونوں تصویریں ایسے کاغذ پر ثبت ہوتی ہیں جس میں کاغذ کی شکن سے ایسی لہریں بن گئی ہے جس کی وجہ سے انسان بیک وقت اس کاغذ کی پوری سطح نہیں دیکھ سکتا۔ کاغذ کی ان لہروں اور ابھار کے ایک سمت ایک تصویر کے اجزا ہوتے ہیں اور دونوں تصویریں مختلف وضع کی ہوتی ہیں مثلاً ایک میں لب متصل ہے اور دوسری میں شگفتہ۔ انسان جب اس کی طرف دیکھتا

ہے تو فقط ایک ہی تصویر نظر آتی ہے خواہ یہ یا وہ لیکن اگر ہوا یا اور کسی وجہ سے اس میں جنبش ہوتی ہے تو پیہم دونوں تصویریں اس طرح سے نظر آتی ہیں جیسے ایک ہی تصویر ہو اور فی الحال مسکراتی ہے اور آنکھیں مارتی ہے یعنی بالفعل متحرک نظر آتی ہے یعنی یہاں بھی وہی فریب نظر ہوتا ہے جو سنیما میں ہوتا ہے یہ زائل وہ حاصل وہ زائل یہ حاصل ان دونوں زوال وحصول کی وجہ سے تصویر متحرک نظر آتی ہے تو چاہیئے کہ ایسی تصویریں بھی روا ہوں۔ ببیں ایں خطا کجا کجا می رسد۔

علاوہ ازیں اگر حرمت کا مدار جمود وقیام کو دیا جائے تو الکٹرانک رقاصہ (ایک قسم کا کھلونا) بھی جائز قرار پائے گا۔ جیسا کہ معلوم ہوا ہے کہ اس کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ جس طرح الکٹرانک گھڑیوں میں اوقات بتالنے والے ہندسے روشنی کی شکل میں نمودار ہوتے اور مسلسل مٹتے جاتے ہیں اور دوسرے ہندسے نمودا ہوتے ہیں اسی طرح اس کھلونے کو ایسا تیار کیا گیا ہے کہ بٹن دباتے ہی مختلف مقامات میں روشنی کے ایسے نقطے نمودار ہوتے ہیں جس سے ایک لڑکی کی ضیائی تصویر نمودار ہوتی ہے پھر لب وچشم بنانے والے نقطے مخصوص کیفیت کے ساتھ جلتے بجھتے ہیں جس کی وجہ سے لڑکی کی تصویر مسکراتی اور آنکھیں مارتی نظر آتی ہے کچھ دیر بعد پھر پوری تصویر بنانے والے نقطے ایسے جلتے بجھتے ہیں کہ جس سے اس لڑکی کی دوسری وضع اور پھر تیسری وضع چوتھی وضع مسلسل ایسی نمودار ہوتی ہے کہ جس سے وہ تصویر رقصاں نظر آتی ہے کبھی بل کھاتی اور لہنگا لہراتی اور کبھی خم کھاتی اور مسکراتی اور کبھی ہاتھوں کو فضاء میں لہراتی اور کبھی سینے پہ باندھتی کبھی اپنے چولی کو اوپر اٹھاتی اور نیچے گراتی نظر آتی ہے ظاہر ہے۔ یہ تصویر آئینہ والی اور ٹیلی ویژن والی نہیں بلکہ الگ اور مختلف ہے مگر متحرک اور غیر قار ضرور ہے یہاں نہ ریز کا مسئلہ ہے نہ راز کا۔ تو چاہیئے کہ اس کا دیکھنا، خریدنا، وغیرہ وغیرہ، روا ہو جبکہ بٹن دبانے سے پیشتر کوئی تصویر نہیں ہوتی۔

یہاں سوال یہ بھی تو ہے ٹی وی اور وی ڈیو کی متحرک تصویروں کی حرمت کے لئے جس طرح دلیل مانگی جارہی ہے اسی طرح کوئی روبوٹ (مشینی انسان) کی حرمت اور بنارس کی مانس مندر میں متحرک مجسموں کی حرمت کے لئے بھی دلیل مانگ سکتا ہے (رام چندر اور سیتا کے بن باس کے

واقعات متحرک مجسموں کے ذریعہ بنارس کے مانس مندر میں دکھائے جاتے ہیں۔

اعجاز وکرامت سے ہٹ کر دیکھئے تو کہیں بھی شرع میں متحرک مجسموں کی حرمت کے لئے عہد سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کوئی دلیل نہیں ملتی تو کیا یہ مجسمے بھی جائز قرار پائیں گے۔ ببیں معاملہ کجا کجا می رسد۔

سوال (۵) کیا واقعی ٹی وی کی تصویریں متحرک اور غیر قار ہیں یا اس کی حرکت ۱/۱۰ سکنڈ کے فارمولے کے تحت ہے؟

جواب: آپ جانتے ہیں کہ تصویر اصلی جو متحقق اور حال فی فالمحل ہے وجودہا فی انفسہا وجودہا فی محالہا۔ ہے۔ یہ عرض ہے اور متکلمین عرض کا محل سے انتقال محال فرماتے ہیں۔ تو جب تصویر میں انتقال مکانی نہیں تو متحرک کیوں کر ہو سکتی ہے۔ بلکہ وہاں سکون بھی نہیں اس لئے کہ حرکت وسکون میں عدم وملکہ کا تقابل ہے جہاں ملکہ کی صلاحیت نہیں وہاں عدم کی بھی صلاحیت نہیں اس لئے تصویروں میں سکون بھی نہیں کما قلنا فی المقالۃ السابقۃ۔ اس لئے حرکت وسکون کو ملار حلت وحرمت قرار دینا صحیح نہیں۔

تنزلا اگر مان بھی لیا جائے تو جب تک تصویر میں حرکت ہوگی اس وقت تک تصویر موجود رہے گی کہ حرکت بغیر متحرک محال ہے۔ اور حرکت کے لئے زمانہ ضروری ہے تو جتنے زمانہ تک حرکت ہوگی اتنے زمانہ تک تصویر کو وجود ضروری ہوا۔ مثلا کوئی ۳ گھنٹے تک اسٹیج پر تقریر کرتا رہا اس تین گھنٹے تک اس کی تصویر ٹی وی پر متحرک رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی تصویر ۲ گھنٹے تک موجود رہی تصویر کا ٹیلی ویژن کے اسکرین پر ۳ گھنٹے تک مستمر اور موجود رہنا کیا یہ استمرار وجود اس کی بقا کے لیے کافی نہیں؟ یا بقا کے لئے سال دوسال یا صدیاں درکار ہیں؟

اس لئے متحرک اور غیر قار یعنی غیر قیام پذیر کا قول قول بالتضاد ہے۔ اس لئے یہی صحیح ہے کہ اس کی حرکت ۱/۱۰ سکنڈ کے فارمولے کے تحت ہے۔ جیسا کہ مقالات سابقہ میں مفصلا مذکور ہے۔

سوال (۶) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح ٹی وی کی تصویریں جعل وضع کے تحت ہیں اسی

طرح آئینہ کے عکوس بھی جعل وصنع کے تحت ہیں البتہ پانی میں نظر آنے والی تصویر جعل وصنع سے پاک ہے تو اگر جعل کی وجہ سے حرمت مان لی جائے تو چاہیئے کہ آئینہ کی تصویریں بھی حرام ہوں؟

جواب:۔ دنیا جانتی ہے کہ جو چیز موجود وممکن ہوتی ہے وہی کسی صنع کے یا جعل کے تحت ہوتی ہے اور متخیلہ موہومہ کا وجود حقیقی نہیں اس لئے وہ کسی صنع اور جعل کے تحت بھی نہیں اس لئے آئینہ کے عکوس جو محض فرضی اور وہمی ہیں اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس میں بھی قطعی طور پر جعل انسانی کا دخل ہے صحیح نہیں ہاں تصویر حقیقی چونکہ وجود اصلی رکھتی ہے اس لئے وہ ضرور کسی جعل اور صنع کے تحت ہوسکتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ تصویر اصلی بذات خود اور اس کا محل اور بواسطہ آلہ نظر آنے کی صورت میں خود آلہ تینوں اصلی وجود رکھتے ہیں اس لئے یہاں تینوں کسی نہ کسی جعل وصنع کے تحت ہوتے ہیں۔ رہی فرض تصویر تو وہاں فقط مرأۃ ہی کا وجود اصلی ہوتا ہے باقی اور کچھ نہیں اس لئے یہاں فقط آلہ اور مرأۃ ہی کسی جعل کے تحت ہوتے ہیں رہا محل یا خود فرضی تصویر تو یہ کسی جعل کے تحت نہیں ہوتے۔ فافترقا ووضح الحق وزہق الاشتباہ۔

سوال (۷) بعض لوگ کہتے ہیں کہ غیر مرئی نہیں کچھ انسانی ہاتھوں کے قابو میں نہیں ۔ برخلاف آرٹسٹ کے اس کا قلم اس کے ہاتھوں کے قابو میں رہتا ہے۔ اس لئے ٹی وی، وی ڈیو کی صنعت گری کو آرٹسٹ کے قلم کی صنعت گری پر قایس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: دستی علم میں آلات واسباب فاعل مختار کے قابو میں ہوتے ہیں اور مشینری عمل میں مشین کے قابو میں ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب تک مشین میں کوئی خرابی نہیں ہوتی ہے معاملہ بالکل صحیح ہوتا ہے۔ لیکن اگر ٹی وی کی مشین کے بعض پرزوں میں معمولی خرابی ہوتا تو کبھی تصویر کے ایسے دوٹکڑے ہوجاتے ہیں کہ اوپر کا آدھا حصہ نیچے کا آدھا حصہ اوپر ہوجاتا ہے۔ اگر یہاں بھی شعاعیں ایسی ہی آزاد ہوتیں جیسے آئینہ میں تو جس طرح آئینہ میں اعضاء کا ادل بدل ناممکن ہوتا ہے ٹی وی میں بھی ناممکن ہوتا، اس لئے یہی صحیح ہے کہ کیسٹ اور موصل کی حیثیت ان تصاویر کی بہ نسبت ایسی ہی ہے جیسے قلمی تصویر کی بہ نسبت قلم وبرش کی۔ کہ نہ کیسٹ میں تصویر اور نہ قلم وبرش میں تصویر

لیکن دونوں تصویر حقیقی کے بنانے کا آلہ ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک مشینری آلہ اور دوسرا دستی آلہ ہے۔

سوال (۸) آپ کے مطبوعہ مقالات پڑھے آپ نے اصل سوال کے جواب میں کچھ تبصرہ نہیں فرمایا ہے امید ہے کہ آپ تبصرہ ضرور کریں گے؟

جواب:۔ اصل مسئلہ کے جواب میں صحیح طور پر نہیں سوچا گیا جس کی وجہ سے یہ خرابیاں لازم آئیں ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ پہلے ٹی وی اور وی ڈیو سے نظر آنے والی تصویر کی تحقیق کی جاتی کہ آیا یہ وہمی ہے (جیسے آئینہ کے عکوس) یا یہ حقیقی طور پر، پھر حقیقی تصویر ثابت کرنے کے بعد یوں لکھتے کہ جب ان تصاویر کا بنانا اور دیکھنا حرام تو جن وسائط سے یہ بنائی جاتی ہیں اور نظر آتی ہیں وہ بھی مبادی الحرام حرام کی وجہ سے حرام ہیں۔ لہٰذا اس کا بنانا اور بنانے میں تعاون کرنا سب حرام تعاون علی الاثم ہے۔ اس لئے کیسٹ وغیرہ تیار کرنا اور کرانا سب حرام ہے اگر چہ اس میں تصویر نہ سہی۔ مثلاً رقص وسرور کی محفل آراستہ کرنے کے لئے چندہ وغیرہ دینا اور تعاون کرنا حرام ہے اگر چہ چندہ وغیرہ دینے میں بالفعل رقص وسرور نہیں۔ یہ پتھر کی طرح نہیں کہ جو بالقوہ مجسم بن سکتا ہے بلکہ پتھر کو صنم تراشی کے لئے رکھنا، اس پر آلہ چلانے کے مثل ہے کہ اگر چہ یہ بالفعل مجسمہ تو نہیں مگر تجسیم کے لئے معاون ہے۔ یا پھر ٹی وی وغیرہ کی تصاویر کو مثل عکوس وہمی ثابت کرنے اور پھر کیسٹ وغیرہ بنانے کو روا قرار دیتے لیکن یہاں ایسا نہیں کیا گیا بلکہ معاملہ اس کے برعکس یوں لکھا (کیوں کہ کیسٹ میں کسی قسم کی تصویر نہیں ہوتی اس لئے خود اس کا بنانا جائز اور اس کے واسطے سے ٹی وی وغیرہ پر بننے والی تصویریں بھی بربنائے تحرک وغیر قیام جائز) یہ انداز میری نظر میں مستحسن اور پسندیدہ نہیں تھا اس لئے ہم نے اس پر تصدیق کرنے کے لیے بجائے مستقل مضمون لکھا۔

سوال (۹) حضرت مدنی میاں صاحب نے ازہری میاں صاحب کے سوالات پر کچھ مواخذہ بھی فرمایا ہے اس بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ کیا یہ سوالات صحیح ہیں؟

جواب: رہا یہ سوال کہ ازہری میاں کے سوالات کے سلسلہ میں مدنی میاں کا خود ازہری

میاں سے سوال کرنا اور ساتھ ہی ''یہ ثابت کیجئے وہ ثابت کیجئے'' فرمانا کہاں تک صحیح ہے تو اس سلسلہ میں ہماری ناقص سمجھ کام نہیں کرتی چونکہ بحث ومباحثہ کے آداب تو یہ ہیں کہ مجیب صرف سائل کے سوالات کے جوابات دے لیکن خود ہی ان سے سوالات کے سلسلہ میں مواخذہ اور مطالعہ کرنا یہ آداب بحث کے خلاف ہے۔ رہا ازہری میاں کے سوالات کو کسی تاویل سے مستقل ایک جواب قرار دیا جائے تو پھر ان سے مواخذہ کرنا درست ہوگا لیکن ایسی تاویل تاویل بمالا یرضیٰ بہ القائل ٹھہر جائے گی کیونکہ اس صورت میں ازہری میاں کے سوالات کے بعد قاضی عبدالرحیم صاحب کا صح الجواب لکھنا درست ہوگا اور مدنی میاں صاحب کا صح الجواب اور صح السوال کی بحث قائم کر کے قاضی صاحب کی بات رد کرنا صحیح نہ ہوگا اس لئے اس سوال کا جواب اور تحقیق خود صاحب مضمون سے کریں۔

سوال (۱۰) تصویر اور عکس میں کون سی نسبت ہے؟

جواب: تصویر اور عکس سے مراد واضح کئے بغیر اس کے مابین نسبت قائم کرنا ایک بے معنی سی بات ہے اس لئے اگر تصویر سے مراد اصلی تصویر اور عکس سے مراد فرضی تصویر ہو تو اس کے مابین تباین کی نسبت ظاہر ہے۔ اور اگر تصویر سے مراد اصلی تصویر اور عکس سے مراد شعاعوں کی مدد سے نظر آنے والی تصویر ہو خواہ اصلی ہو یا فرضی۔ تو عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔ ویڈیو ٹی وی کی تصویر اصلی تصویر اور عکسی تصویر دونوں ہے لیکن کاغذی تصویر اصلی تصویر اور عکسی تصویر دونوں ہے لیکن کاغذی تصویر اصلی تصویر تو ہے عکسی نہیں۔ آئینہ کی تصویر عکسی تو ہے اصلی نہیں۔ اور اگر تصویر سے مراد مطلقاً شبیہ ہو خواہ اصلی ہو یا فرضی۔ اور عکس سے مراد شعاعوں سے نظر آنے والی تصویر ہو تو جب تو عام خاص مطلق ہے۔ ہر عکس تصویر ہے لیکن ہر تصویر عکس نہیں۔ مثلاً کاغذی تصویر، تصویر تو ہے (بقیہ صفحہ ۹ پر)

(ماہنامہ فیض الرسول، جون، جولائی ۱۹۸۶ء)

صدقۂ فطر کے وزن پر آخری معروضہ

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، ماہنامہ جام نور دہلی اور ماہنامہ مظہر حق بدایوں شریف میں میرا ایک مضمون بعنوان ''صاع اور کلوگرام کا باہمی معادلہ'' شائع ہوا۔ اس مضمون کی تحریر کا باعث یہ ہوا کہ جب ہم نے امام احمد رضا کی تحریر میں تین مسلمات (۱) نصف صاع برابر ۵ء۱۷۵ بھر (۲) اور بھر برابر ۲۵ھ۱۱/ ماشہ (۳) اور تولہ برابر ۱۲/ ماشہ دیکھا۔ اور ایک بات چاندی، سونے کے بڑے کاروبار کرنے والے دہلی کے جوئیلرس چھنومل جے پال سنگھ جین ۱۳۲۷/ چاندنی چوک دہلی کی کتاب میں یہ دیکھا کہ ۲ تولہ برابر ۳۵ گرام تو ان چاروں باتوں کی روشنی میں حساب کرنے سے یہ پتہ چلا کہ نصف صاع برابر ایک کلو ۹ سو بیس گرام ہوتا ہے۔ جب کہ ہم سنیوں کے مابین عمل در آمد صدقۂ فطر کا وزن ۲ کلو ۴۷ گرام بتایا جاتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حساب لگانے میں ہمارے علماء سے سہو ہو گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اگر کوئی حساب داں جب کبھی بھی اس کی جانچ پڑتال، چھان پھٹک کرے گا تو یہ گمان نہ کرے کہ ان کی جماعت کے لوگوں کو حساب بھی کرنا نہیں آتا۔ پھر یہ کہ **الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ الحکیم فحیث وجدھا فھوا احق بھا** '' کے پیش نظر ہماری جماعت کا ہمیشہ طرۂ امتیاز رہا کہ ہم نے ہمیشہ سچی حقیقت کو برملا قبول کیا۔ اس لئے اگر سہو سے ایسا ہو گیا ہو تو فوراً ہمیں سچی حقیقت کو قبول کر لینی چاہیئے۔ اس لیے اس مضمون کی اشاعت مندرجہ بالا تین رسالوں میں کر دی گئی۔ تا کہ علمائے

کرام ان دونوں حسابوں کو چیک کر کے آخری فیصلہ صادر فرمادیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنا کوئی پختہ یقین ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ یہ لکھا ''میرا خیال ہے کہ نصف صاع اور کلوگرام کے مابین معادلہ قائم کرنے میں ان علماء سے سہو ہوگیا ہوگا اور پھر یہ بھی لکھا ''درج ذیل مضمون میں دور حاضر کے مقررات کی روشنی میں معادلہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور علمائے کرام ومفتیان عظام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر پیش کردہ مساوات میں بھول ہوگئی ہو تو ہمیں اس سے باخبر کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔

ہمارے اس مضمون کے جواب میں محبّ محترم حضرت نظام الدین رضوی صاحب قبلہ (جامعہ اشرفیہ مبارک پور) نے ایک مضمون لکھا جس میں انہوں نے دہلی کے جوئیلرس کی کتاب میں درج شدہ مساوات کو بلا کسی حوالہ اور دلیل کے رد فرمایا۔ اور اس بارے میں صرف اتنا لکھا کہ ''انگریزی روپئے کا وزن ۱۱رگرام ۶۶۴رملی گرام، یہ بھی سب کو تسلیم ہے''، ہم نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ اصل اساس بحث تو یہی بات ہے کہ تولہ اور گرام کے مابین باہمی کونسا رشتہ ہے ہم نے جوئیلرس کی کتاب کے حوالہ سے رشتہ کو یوں درج کیا کہ ۱رتولہ برابر ۱۱ء۶۶۴رگرام اور آپ فرماتے ہیں کہ یہ وزن تولہ کا نہیں بلکہ بھر کا ہے۔ ہم نے اپنی بات پر حوالہ پیش کیا۔ لیکن آپ نے اپنی بات پر کوئی حوالہ نہیں پیش فرمایا۔ اس لئے ہماری ہی بات کو ترجیح حاصل ہے۔

مفتی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''علاوہ کسی بھی پڑھے لکھے سونار، جوئیلرس سے پوچھ لیجئے۔ وہ بھی اس کی تصدیق کرے گا اور اگر کہیں انگریزی عہد کا سکہ بغیر گھسا ہوا محفوظ حالت میں مل جائے تو اسے کمپیوٹر آلۂ وزن پر خود تول کر مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے'' مفتی صاحب کے حکم کے موجب ہم نے پڑھے لکھے سونار اور جوئیلرس سے بھی دریافت کیا۔ لیکن کسی نے بھی مفتی صاحب کی بات کی تائید نہیں کی۔ بلکہ سبھوں نے یہی بتایا کہ تولہ جو بارہ ماشے کا ہوتا ہے۔ اسی کا وزن ۱۱ء۶۶۴رگرام ہے۔ اور مزید ہم نے اور کتابوں کا مطالعہ بھی کیا کہیں بھی مفتی صاحب کے قول کی تائید نہ مل سکی۔ ہر

جگہ یہی ملا کہ تولہ جو ۱۲ر ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس کا وزن ۱۱ء۶۶۴رگرام ہے۔ یہ وزن ۱۱ء۲۵ ماشے کا نہیں ہے۔ مفتی صاحب کے مضمون کے جواب میں یہ باتیں ہم نے لکھ کر ماہنامہ اشرفیہ کو بھیج دیا ہے۔ علالت طبعی اور درازی عمر کی وجہ سے یہاں وہاں دوڑ بھاگ کرنے میں ہمارے لئے زحمت تھی۔ اس لئے ہم نے جواب الجواب والے مضمون میں دوسرے دانشوروں کو اس عمل نیک کی دعوت دی ہے۔ تاکہ وہ لوگ خود یہ کام انجام دے دیں۔ لیکن ہمارے دانشوروں کو چاہیئے کہ تحقیقات کے درمیان درج ذیل باتوں کو دھیان میں رکھ کر ہی تحقیق کریں۔ ورنہ پھر غلطی کا احتمال وامکان باقی رہ جائے گا۔

حکومت برطانیہ نے جب ہندوستان میں اپنے نام کا سکہ ڈھالا تو اس کا وزن کامل ۱۲ر ماشہ تھا۔ چونکہ اس سکہ کا وزن ایک تولہ تھا۔ اس لئے اس کی قیمت (۱رتولہ چاندی کی قیمت، سکہ ڈھالنے کی اجرت) ایک تولہ چاندی سے زیادہ تھی۔ صرافہ کے یہاں ایک روپیہ کے سکہ سے اگر کوئی شخص چاندی خریدتا تو اسے ایک تولہ سے زائد چاندی ملتی تھی۔ لیکن بعد کو اس کا چلن ختم کر کے برطانیہ نے ۱۱؍۴؍۳ ماشہ بطور کٹوتی کم کر دی۔ اور پھر یہ سکہ باقاعدہ رائج ہوگیا۔ یہی سکہ بھر کے نام سے مشہور ہوگیا ۔ اسی سکہ کے اعتبار سے کم دام کی موٹی چیزوں کی خرید وفروخت کے لئے سیر، چھٹانک، وغیرہ کا تول مقرر ہوگیا۔ لیکن قیمتی باریک اشیاء کی خرید وفروخت کے لئے تولے، ماشے رتی وغیرہ کا رواج برقرار رہا۔ اس طرح ان چیزوں کا ناپ تول پرانے سکے سے بھی جاری رہا۔ اسے اب یوں سمجھئے کہ انگریزی روپئے دو وزن کے ہوگئے ایک منسوخ الرواج (بین العوام) ج ۱۲ر ماشہ کا تھا۔ اور دوسرا رائج الوقت یعنی ۱۱؍۱؍۴ ماشے کا (بحوالہ حضرت ملک العلماء)

امام احمد رضا نے انگریزی عہد کے رائج سکے کا وزن ۱۱ء۲۵ر ماشے لکھا ہے۔ اسی حساب سے صدقہ فطر کا وزن ۱۷۵ء۵ر بھر تحریر فرمایا ہے۔ امام احمد رضا نے اس طرف ان الفاظ میں ارشاد بھی فرمایا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں ''صاع اس انگریزی روپیہ رائج الوقت سے دوسو اٹھاسی بھر ہے۔ اور تولوں سے دوسو ستر تولے۔ یہ روپیہ (یعنی رائج الوقت) سوا گیارہ ماشہ بھر ہے (فتاویٰ رضویہ، ص

۴۹۸) انگریزی روپیہ سکہ رائجہ سوا گیارہ ماشے ہے۔(ایضاً ۲۰۳) سکہ رائجہ ہند سے دوسوا ٹھاسی روپئے بھروزن ہوا کہ یہ روپیہ سوا گیارہ ماشے ہے۔(ایضاً ص۲۱۳) چونکہ سیر کے اوزان مختلف تھے اسی لئے شروع میں فرمایا کہ اسی کے سیر سے۔اسی طرح انگریزی عہد کے سکے مختلف تھے اس لئے یہاں فرمایا کہ سکہ رائجہ ہند سے''

قدیم سکہ اور تولہ چونکہ دونوں ہی ۱۲/ ماشے کے تھے۔اسی لئے جوئیلرس، دوافروش، عطر فروش اور علم کیمیا کے ماہرین اپنے کاروبار میں اس قدیم سکے کو بھی استعمال کرتے رہے۔اور تولہ کی جگہ اسی قدیم سکہ کو بھی عمل میں لاتے رہے اور جب میٹرک پیمانہ نافذ ہوا تو ان لوگوں نے اسی قدیم سکہ یا تولہ کو جو ۱۲/ ماشے کا تھا گرام میں تحویل کرکے لکھا کہ ا/تولہ ۶۶۴ء۱۱ گرام ہوتا ہے۔اور ساتھ ہی رتی وغیرہ کا بھی گرام سے معادلہ پیش کیا کہ مثلاً ۴ رتی کا وزن ۴۸۶ء گرام ہوتا ہے۔

اس لئے دانشوروں کو چاہئے کہ سکہ تول کر معلوم کرتے وقت جوئیلرس لیس ضرور دریافت کرلیں کہ یہ وزن ۱۲/ ماشے یعنی ایک تولہ کا ہے یا ۲۵ء۱۱/ ماشے یعنی بھر کا ہے۔

(نوٹ) لوگ بتاتے ہیں کہ اگر سکہ پر بے تاج گنجے سر والی تصویر ہو تو یہ قدیم سکہ ہے۔اور اگر سکہ پر باتاج سر والی تصویر ہو تو یہ جدید سکہ ہے۔بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ اس اختلاف کے تصفیہ اور صدقۂ فطر کے وزن کی تنقیح کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ سکہ تول کر معلوم کرنے کے بجائے تولہ، ماشہ اور رتی کو تول کر گرام معلوم کیا جائے۔دواساز کمپنی ہمدرد دواخانہ دہلی میں ماشہ، رتی کا چلن تھا۔وہاں سے رابطہ قائم کیا جائے تو مسئلہ بآسانی حل ہوسکتا ہے۔اس سلسلہ میں ہم نے مزید حوالے فراہم کئے ہیں۔جس میں رتی اور گرام کے مساوات درج ہیں ملاحظہ ہو۔

(۱) ص۲۸، ۲/رتی۔۲۴۳ء گرام کے برابر اس حساب سے تولہ کا وزن ۶۶۴ء۱۱/ ہوتا ہے۔

(۲) ص۲۸، ۳/رتی۔۳۶۴ء گرام کے برابر اس حساب سے تولہ کا وزن ۶۶۸ء۱۱/گرام ہوتا ہے۔

(۳) ص۲۸، ۴/رتی۔۴۸۶ء گرام کے برابر اس حساب سے تولہ کا وزن ۶۶۴ء۱۱/گرام ہوتا ہے۔

(۴) ص۲۸ء۵ رتی۔۶۰۷ء گرام کے برابر اس حساب سے تولہ کا وزن ۶۵۴ء۱۱/ ہوتا ہے۔

(۵) ص۹، ا/تولہ یعنی ۹۶ رتی ۶۶۴ء۱۱/گرام کے برابر اس حساب سے تولہ کا وزن ۶۶۴ء۱۱/گرام ہوتا ہے۔

(۶) ص۷، ۲ تولہ ۵، ڈھائی رتی یعنی ساڑھے ۱۹۷/ رتی ۲۴ گرام کے برابر اس حساب سے تولہ کا وزن ۶۶۶ء۱۱/گرام

(۷) ص۷، ا/تولہ ۲ ۴/۳ رتی یعنی ۴/۳ ۹۸ رتی ۱۲/گرام کے برابر اس حساب سے تولہ کا وزن ۶۶۶ء۱۱/گرام۔

(۸) ص۸، ۷/تولہ، ۳ رتی یعنی ۶۷۵ رتی ۵۲ گرام کے برابر اس حساب سے تولہ کا وزن ۶۶۷ء۱۱/ گرام۔

مندرجہ بالا مساوات میں تولے کا وزن کم سے کم ۶۵۴ء۱۱/گرام ہے۔جس کی رو سے صدقۂ فطر کا وزن ا/کلو ۹ سو ۷ا/گرام ۴۴۴ ملی گرام ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ تولے کا وزن ۶۶۸ء۱۱/گرام ہے۔اس کی رو سے صدقۂ فطر کا وزن ا/کلو ۹ سو ۱۹/گرام ۷۴ ملی گرام ہوتا ہے۔

ان متذکرہ بالا مساواتوں میں سے ۴/مساواتوں میں خالص رتی کو استعمال کیا گیا ہے۔تولہ اور بھر کا استعمال نہیں ہے کہ یہ شبہ ہو کہ تولہ بول کر بھر مراد لیا ہے۔اور چونکہ ۸/رتی سے ماشہ اور ۱۲/ماشہ سے تولہ ہوتا ہے۔اور ۲۵ء۱۱/ماشہ سے بھر ہوتا ہے۔اس لئے تولے کا وزن ۹۶ رتی اور بھر کا وزن ۹۰ رتی مسلم من المسلمات ہے۔مندرجہ بالا مساوات کہ ۴ رتی ۴۸۶ء گرام ہوتا ہے۔اس کی رو سے ا/تولہ ۶۶۴ء۱۱/گرام اور صدقۂ فطر کا وزن ۰۸۹ء۱۹۱۹/گرام ہوتا ہے جو ایک کلو ۹/سو بیس گرام ہوتا ہے۔

بقیہ مساواتوں میں تولہ کے ساتھ رتی کا بھی استعمال ہوا ہے۔اس لئے یہاں یہ شک ہوسکتا ہے کہ یہاں تولہ بول کر جوئیلرس نے بھر مراد لیا ہے۔لیکن یہ شبہ غلط ہے۔یہاں برہان قوی موجود ہے۔کہ یہاں تولہ سے تولہ ہی یعنی ۱۲/ماشہ مراد ہے۔اس لئے کہ جب ۴ رتی کا وزن چار سو

چھیاسی ۴۸۶ ءرگرام ہوتو ۱۲/ماشہ یعنی ۹۶/رتی کا وزن ۶۶۴ ء۱۱/گرام ہوتا ہے۔اور بھر یعنی ۲۵ ء۱۱/ ماشہ کا وزن ۹۳۵ ء۱۰/گرام ہوتا ہے۔ جوئیلرس نے تولہ کا وزن ۶۶۴ ء۱۱/گرام لکھا ہے۔جس سے ثابت کہ یہاں تولہ سے تولہ ہی مراد ہے۔اگر بھر مراد ہوتا تو اس کا وزن ۹۳۵ ء۱۰/گرام لکھا ہوتا۔اس طرح آپ جس مساوات کو چاہیں اسے رتی بنا کر تحقیق کر سکتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے بھر کا وزن ۱۱/گرام ۶۶۴ ملی گرام بتاتے ہیں اور تولے کا وزن ۱۲/ گرام ۴۴۱ گرام مانتے ہیں۔ جو جوئیلرس کے کسی بھی کتاب میں درج شدہ نہیں ملا۔اور نہ کسی جوئیلرس نے ایسا بتایا بہرحال ان وجوہات پر ہم نے دونوں کے حسابوں کے مابین فرق ہوگیا۔

''ایک کتاب سے مزید ماشہ اور گرام کا موازنہ پیش کیا جارہا ہے۔(۱)۱/گرام: ۰۲۶ ء۱/ ماشہ (۲) ۲ گرام: ۰۵۱ ء۲ ماشہ (۳) ۳/گرام: ۰۷۷ ء ماشہ (۴) ۴ گرام: ۱۰۲ ء ماشہ (۵) ۵ گرام: ۱۲۸ ء۵ ماشہ۔

مزید ایک کتاب سے اور حوالے پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۱/تولہ: ۶۶۴ ء۱۱/گرام۔۱/ماشہ: ۹۷۲ ء۰ گرام ۱/رتی: ۱۲۱۵ ءگرام۔ ہر کتاب میں یہی درج ہے کہ گرام کا وزن ماشہ سے زیادہ ہے اور ماشہ گرام سے کم۔لیکن مفتی صاحب نے تولہ کا وزن ۱۲/گرام ۴۴۱ ملی گرام مانا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ماشہ گرام سے زیادہ وزن رکھتا ہے۔تو ظاہر ہے کہ صدقۂ فطر کا وزن اس حساب سے بڑھ جائے گا۔اور یہ امام احمد رضا کی منشاء کے خلاف ہوجائے گا کہ آپ نے فرمایا صاع اس انگریزی رائج الوقت سے دوسو اٹھاسی بھر ہے اور تولوں سے دوسو ستر تولے۔روپیہ (یعنی روپئے الوقت) سوا گیارہ ماشے بھر ہے (فتاویٰ رضویہ ص ۴۹۸)

حکومت برطانیہ کے سکہ ڈھالنے کا واقعہ جو مذکور ہوا کہ پہلے ان لوگوں نے ۱۲/ماشہ کا سکہ ڈھالا اور پھر ۲۵ ء۱۱/ماشہ کا سکہ رائج کردیا جو مابین الناس بھر کے نام سے مشہور ہوا اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہمارے علماء کرام میں سے جنہوں نے سب سے پہلے بھر کا وزن گرام میں تبدیل کیا۔

انہوں نے انگریزوں کے قدیم سکے کو جو ۱۲/ماشہ کا تھا بھر سمجھا اور تول کر بتایا کہ بھر ۶۶۴ ء۱۱/ گرام ہوتا ہے۔اور جوئیلرس حضرات نے تولہ کو تول کر جو ۱۲/ماشہ کا تھا تول کر بتایا کہ تولہ ۶۶۴ ء۱۱/گرام ہتو ہے ان دونوں باتوں میں چونکہ محول پیمانہ دونوں جگہ ۱۲/ماشہ کا تھا۔اس لئے محول الیہ پیمانہ میں بھی دونوں جگہ ایک ہی جواب نکلا۔لیکن سہو کا آغاز یہاں سے ہوا کہ ہمارے حساب داں نے اس قدیم سکہ کو ۲۵ ء۱۱/ماشہ کا بھر سمجھ لیا اور پھر اسے بھر سمجھ کر صدقۂ فطر کا وزن مقرر فرمایا۔کاش ہمارے حساب داں قدیم سکے کے بجائے جدید سکہ رائج الوقت کو تولتے تو پھر حساب لگانے یا سکہ کے اینچ وپیچ میں نہ پڑ کر تولہ ماشہ اور رتی سے تحویل فرماتے تو یہ خطا نہ ہوتی۔ہم ذیل میں دانشوروں کے لئے چند مسلمات لکھ رہے ہیں اس کی روشنی میں مسئلہ کو حل فرمائیں تو سارے اختلاف دور ہوجائیں گے۔امام احمد رضا کی منشاء پوری ہوگی۔ جوئیلرس کی کتاب میں درج شدہ اوزان بھی صحیح ہوں گے۔اور ہمارے حساب داں نے جو وزن لکھا ہے وہ بھی موافق ہوجائیں گے۔

(۱) تولے سے صدقہ فطر کا وزن تقریبا ۵۳۱ ء۱۶۴/ جو تقریبا ۲۷۳ ء۴۷ ۱۹۷/ماشہ تقریبا ۹۷۶ ء ۱۵۷۹۴/رتی ہوتی ہے ان رتیوں کو گرام میں تبدیل کرکے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ صدقۂ فطر کا وزن تقریباً کتنا ہے۔

(نوٹ) جوئیلرس حضرات کی کتابوں سے درج کردہ حوالہ میں میں موازنہ کے اندر قدرے تفاوت اس کی وجہ یہ ہے کہ موازنہ قائم کرنے میں کہیں سوویں اور کہیں ہزارویں کا فرق ہے اس لئے رفع واسقاط کا عمل کرلیا جاتا ہے۔ یہ تفاوت قابل توجہ نہیں ہوتی۔اور کبھی موازنہ میں تقریب سے اور کبھی تدقیق سے اور کہیں غایت تدقیق سے عمل کیا جاتا ہے اس لئے اس کی وجہ سے فرق ہوجاتا ہے۔اور کہیں عشاریہ میں سات مرتبہ کہیں پانچ مرتبہ اور کہیں تین مرتبہ کا عمل ہوتا ہے جس سے بھی قدرے فرق پڑ جاتا ہے۔اس لئے اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔

(ماہنامہ کنزالایمان، دہلی، اگست ۲۰۰۴ء)

علم توقیت کا نقاب پوش ضابطہ

علم توقیت ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعہ یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اگر آفتاب اپنے مخصوص مدار کے کسی مخصوص حصہ پر ہوتو گھڑی کے اعتبار سے وہ کون سا وقت ہوگا۔ اسی فن ''توقیت'' کے ذریعہ ہمارے علمائے کرام طلوع فجر، طلوع شمس، زوال شمس، عصر، غروب اور عشا کے اوقات استخراج کرتے ہیں۔

آفتاب اپنے مدار پر گردش کرتے ہوئے جب مطلوب الوقت مقام پر پہنچتا ہے تو فن توقیت کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے کہ آفتاب دائرہ نصف النہار سے جانب شرق یا جانب غرب اپنے مدار کے کس حصہ پر ہے۔ مثلا بوقت عصر آفتاب نصف النہار سے اب تک اپنے مدار کے کتنی بڑی قوس طے کرچکا ہے۔ قوس کی مقدار معلوم کو پندرہ سے تقسیم کرنے پر گھنٹہ منٹ نکل جاتا ہے۔ یا قوس کے درجہ اور دقیقہ کو ۴ سے ضرب دیا جاتا ہے۔ درجہ کے ضرب سے منٹ پر اور دقیقہ کے ضرب سے سکنڈ حاصل ہوجاتا ہے، یہ وسطی ٹائم ہوتا ہے پھر تعدیل ایام اور تعدیل مروج کے ذریعہ اسٹینڈرڈ ٹائم حاصل ہوجاتا ہے۔

علم توقیت کے ذریعہ اوقات کے استخراج کے لئے کتنے ضابطے ہیں صحیح طور پر اس ناچیز کو

معلوم نہیں البتہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری اور ان کے ارشد تلمیذ حضرت ملک العلماء علیہما الرحمۃ والرضوان کی کتابوں کے مطالعہ سے تین طریقوں کا مجھے علم ہے۔

(۱) **بذریعہ تعدیل النہار**:۔ اس طریقہ میں پہلے تعدیل النہار کے ذریعہ ''قوس نہاری'' یا قوس لیلیٰ''، معلوم کی جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد قوس مطلوب الوقت حاصل کیا جاتا ہے مگر اس طریقہ میں یہ کمی ہے کہ اس سے فقط دو وقت یعنی طلوع وغروب ہی کا ٹائم معلوم ہوسکتا ہے۔

(۲) **بذریعہ زاویہ قطبی**:۔ اس طریقہ میں تین خطوں کے ذریعہ ایک مثلث بنتا ہے، ان تین خطوں میں سے ایک خط تمام العرض، دوسرا خط بعد کوکب اور تیسرا خط قرص آفتاب سے قطب تک۔ اس مثلث کا وہ زاویہ جو قطب کے پاس بنتا ہے اس سے قوس سے مطلوب الوقت معلوم ہوجاتا ہے۔ یہی طریقہ آج کل تمام توقیت دانوں کے یہاں رائج ہے۔

(۳) **بذریعہ سہم**: اس کے ذریعہ (مزید کچھ اعمال کے بعد) قوس مطلوب حاصل ہوجاتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں اس کا استعمال موجود ہے۔ ہم یہاں اسی تیسرے عدیم العمل روپوش ضابطہ پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ روشنی ڈالنے سے پہلے کچھ مقررات کا ذکر مستحسن سمجھتے ہیں۔

عالم کے دونوں قطبوں کے مابین فلک الافلاک کے اوپر پورب پچھّم مفروضہ دائرہ عظیم کو ''معدل النہار'' کہتے ہیں۔ اس دائرہ کے دونوں جانب یعنی شمال وجنوب میں برابر دوری پر متوازی دوائر صغار جو گنتی میں تقریبا ۹۰-۹۰ ہوتے ہیں اس کو ''مدارات یومیہ شمسیہ'' کہتے ہیں۔ آفتاب سال بھر میں دو دن معدل النہار اور بقیہ دنوں میں مدارات یومیہ پر گردش کرتا رہتا ہے۔ معدل النہار اور مدارات کا وہ حصہ جو افق کے اوپر ہو، اسے ''قوس نہاری'' اور جو افق سے نیچے ہو اسے ''قوس لیلی'' کہتے ہیں۔

آفتاب معدل النہار یا مدارات پر گردش کرتے ہوئے جب قوس نہاری کے اس نقطہ پر پہنچ جائے کہ جس وقت کسی بھی مقیاس کا سایہ فئی الزوال کے علاوہ ایک مثل یا دو مثل ہوجائے تو وقت عصر کا آغاز ہوجاتا ہے اور اگر قوس لیلی کے ایسے نقطہ پر پہنچ جائے کہ قرص آفتاب مکمل طور سے آنکھ سے اوجھل ہوجائے تو غروب کا وقت مانا جاتا ہے اور اگر ایسے نقطہ پر پہنچ جائے کہ شفق ابیض غائب

ہو جائے تو وقت عشا کا آغاز مان جاتا ہے۔فن توقیت کے ذریعہ یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ دائرہ نصف النہار سے ابتدائے عصر یا غروب تک یا آغاز وقت عشا تک آفتاب نے اپنے مدار کا کتنا حصہ طے کرلیا ہے۔اس کو معلوم کرنے کے لئے ذیل میں کچھ اور باتیں درج کی جاتی ہیں جن کا دھیان میں رکھنا ضروری ہے۔

وہ دائرہ جو سمت الراس اور سمت القدم کے ساتھ ساتھ آفتاب کا مرکز ہوکر گزرے اس کو ''دائرۃ الارتفاع'' کہتے ہیں۔بوقت خاص اس دائرہ کا وہ قوس جو سمت الراس اور آفتاب کے مابین ہوتی ہے اسے توقیت اصطلاح میں ''بعد سمتی'' یا ''کوکب'' کہتے ہیں۔یہ بعد کوکب عشا کے لئے ۱۰۸ر درجہ اور غروب کے لئے تقریبا ۴۹ـ۹۰ یعنی ۹۰ درجہ ۴۹ دقیقہ طے ہے۔البتہ عصر کے لئے یہ قوس ہر دن الگ الگ ہوتی ہے جو حضرت مفتی سید محمد افضل حسین کی تالیف ''زبدۃ التوقیت'' کے ص ۱۶ر تا ص ۲۷ میں درج ہے جس کے استخراج کا قاعدہ بندہ ناچیز نے ''مفید التوقیت'' میں درج کردیا ہے۔

عصر کا بعد سمتی یعنی بعد کوکب ۹۰ سے تفریق کرنے پر جو باقی ہو، اس کو ارتفاع وقت برائے عصر کہتے ہیں اور غروب کے بعد کوکب سے ۹۰ اور اسی طرح عشاء کے بعد کوکب سے ۹۰ ڈگری تفریق کرنے پر جو باقی ہو، اسے بالترتیب انحطاط وقت برائے غروب یا انحطاط وقت برائے عشاء کہتے ہیں۔

عرض البلد اور میل شمسی اگر دونوں جہت شمال وجنوب میں متحد ہوں تو دونوں کا تفاضل اور اگر مختلف ہوں تو دونوں کے مجموعہ کو ''بعد فوقانی'' کہتے ہیں۔۹۰ ڈگری سے اگر اسے تفریق کرلیں تو باقی غائب ارتفاع ہے جو برائے استخراج وقت عصر کام آتی ہے اور اگر عرض البلد و میل دونوں متحد ہوں تو دونوں کے مجموعہ اور مختلف ہوں تو دونوں کے تفاضل کو ''بعد تحتانی'' کہتے ہیں۔اگر بعد تحتانی کو ۹۰ ڈگری سے تفریق کرلیں تا باقی غایت انحطاط ہے جو برائے استخراج اوقات غروب وعشا کام آتی ہے۔ایک ہی متعین عرض البلد کے لئے میل شمسی کے اختلاف کی وجہ سے یہ غایت ارتفاع اور غایت انحطاط بدلتی رہتی ہے۔

آفتاب جس مدار پر گردش کرتا ہے دائرہ نصف النہار اس کو دو برابر حصے میں تقسیم کردیتا ہے، آپ ان ہر دونوں حصوں کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرلیں اس طرح مدار کے چار برابر حصے ہوگئے۔ہر ایک حصہ کی مقدار ۹۰ـ۸۹ ڈگیر ہوگئی۔فرض کیجئے آفتاب نصف النہار کے اس نقطہ سے جو سمت الراس پر ہے حرکت کرتے ہوئے مدار کے اس نقطہ تک پہنچ گیا جہاں سے وقت عصر کی ابتدا ہوتی ہے تو اس صورت میں آفتاب نصف النہار سے گردش کرتے ہوئے ایک پورا ربع اور دوسرے ربع کا کچھ حصہ طے کرلیا یعنی ۹۰ ڈگری سے آگے بڑھ گیا لیکن ابھی دوسرے ربع کے ۹۰ ڈگری تک پہنچنے کے لئے کچھ باقی رہ گیا۔آگے آنے والا ضابطہ جس سے سہم دریافت کیا جاتا ہے، برائے عصر اس قوس کا سہم ہوتا ہے جس قوس کو آفتاب نے طے کرلیا ہے اور غروب وعشا میں اس قوس کا سہم حاصل ہوتا ہے جو آفتاب کی گزر سے باقی ہے۔

فرض کیجئے سامنے والا دائرہ (اج ءب) مدار آفتاب ہے جس کا مرکز (و) اور خط (او ب) نصف النہار ہے جس نے مدار کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔خط (او ب) نصف النہار ہے جس نے مدار کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔خط (ج وء) دوسرا خط ہے جو ان ماسبق دونوں حصوں کو برابر حصے میں تقسیم کرتا ہے، اس طرح مدار کے چار برابر حصے ہوگئے۔ایک حصہ (اج) دوسرا (ج ب) تیسرا (ب ء) اور چوتھا (ءا) ان میں سے ہر ایک حصہ ۹۰ـ۹۰ ڈگری کا ہے۔آفتاب نصف النہار سے چل کر نقطہ (ہ) تک آ گیا یعنی قوس (اہ) طے کرلیا جو وقت عصر کی ابتدا ہے لیکن (ہ ج) باقی رہ گیا۔(ہ) اس قوس کی جیب ہے جسے آفتاب نے طے کیا ہے (اب) اس قوس کا سہم ہے، نصف قطر اور سہم کے مابین تفاصل (ک و) ہے یعنی نصف قطر کا اتنا سہم پر زائد ہے جو یہاں (ہ ج) قوس کی جیب (ہ ر) کے برابر ہے۔

ان میں سے جتنی چیزوں کی نشاندہی کی گئی سبھی مقدار کے اعتبار سے مجہول ہیں لیکن ان مجہول امور کے متعلق کچھ باتیں معلوم ہیں مثلاً مدار کے نقطہ کا ارتفاع جس پر آفتاب بوقت نصف النہار تھا یعنی غایت ارتفاع۔اسی طرح اس نقطہ کا ارتفاع جس پر آفتاب فی الحال ہے یعنی ارتفاع وقت اور وہ مقام جس کی بہ نسبت دونوں ارتفاع ہے یعنی عرض البلد اور معدول سے اس مدار کی دوری

جس میں یہ دونوں نقطے فرض کئے گئے ہیں یعنی میل۔ یہ چار باتیں معلوم ہیں اس لئے ان معلومات سے ان کی جیب اور جیب اتمام بھی معلوم ہے تو گویا ہمیں یہاں بہت سی باتوں کا علم ہے اس لئے ان معلومات اور علم مثلث وزیج میں مذکورہ اصول کے ذریعہ ہم آفتاب کی طے کردہ قوس یعنی (اہ) کا سہم معلوم کرسکتے ہیں جس کا ضابطہ درجہ ذیل ہے۔

جیب غایب انحطاط × جیب ارتفاع وقت = تفاضل جیبین

جیب اتمام میل × جیب اتمام عرض = جیب اوسط

تفاضل جیبین ÷ جیب اوسط = مقدار سہم قوس مطلوب

لہٰذا اس ضابطہ سے (اک) کی مقدار معلوم ہوگئی اور نصف قطر (جس کی مقدار اہل ہندسہ کی اصطلاح میں (۱) ایک مقرر ہے) اس مقدار سہم کو تفریق کرنے پر (ک و) کی مقدار معلوم ہوگئی اور چونکہ یہ (ہر) کے برابر ہے اور خط (ہ ر) قوس (ہ ح) کی جیب ہے اس لئے اس جیب کے ذریعہ قوس (ہ ح) کی مقدار معلوم ہوگئی اور جب ہم اس قوس کو ۹۰ درجہ سے تفریق کریں گے تو قوس (اہ) معلوم ہوجائے گی اور جب اس قوس کو ۱۵/ سے تقسیم کریں گے تو وقت عصر معلوم ہوجائے گا۔

(نوٹ) مذکورہ بالا قاعدہ سے ارتفاع وقت کی صورت میں آفتاب کی طے کردہ قوس کا سہم معلوم ہوتا ہے اور انحطاط وقت کی صورت میں باقی ماندہ قوس کا سہم معلوم ہوتا ہے۔ بوقت غروب یا عشا چونکہ آفتاب اپنے مدار کے رابع ثانی کا کچھ حصہ طے کرلیا ہوتا ہے اور کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہے اس لئے اس باقی حصہ کا سہم حاصل ہوتا ہے نصف قطر سے اس سہم کو تفریق کرنے پر حاصل تفریق ربع ثانی کے طے شدہ قوس کی مقدار معلوم ہوجاتی ہے اور ہمیں یہ معلوم ہے کہ ربع اول ۹۰ ڈگری ہے اس لئے بذریعہ جیب حاصل کردہ اس قوس کو ۹۰ پر بڑھا کر ۱۵/ سے تقسیم کرنے سے وقت غروب یا وقت عصر حاصل ہوجاتا ہے۔

نوٹ: یہاں عصر وغرب اور عشا کے اوقات کے استخراج کا قاعدہ بتایا گیا ہے۔ طلوع شمس اور طلوع فجر کے لئے اتنے طویل عمل کی ضرورت نہیں بلکہ اگر ۱۲/ سے وقت غروب کو تفریق کریں تو طلوع اور اگر وقت عشا کو تفریق کریں تو طلوع فجر حاصل ہوجاتا ہے۔

انتباہ:

(۱) ضابطہ مذکورہ کا عمل دو طرح سے کیا جاتا ہے

(۱) بذریعہ ستینیہ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں استعمال کیا گیا ہے

(۲) بذریعہ اعشاریہ: اس کا بھی استعمال دو طرح سے ہوتا ہے

(۱) اعداد عام کے ذریعہ (۲) لوگارثمی اعداد کے ذریعہ۔

لوگارثمی اعاد کے مطابق عمل کرنے کی صورت میں تفاضل جیبین کو لوگارثم میں تحویل کرلیا جاتا ہے۔ جیب اتمام اور جیب اتمام عرض میں بجائے ضرب کے جمع کیا جاتا ہے اور تفاضل جیبن کو جیب اوسط پر تقسیم کرنے کے بجائے جیب اوسط کو تفریق کیا جاتا ہے۔

(۲) حضرت مفتی سید افضل حسین صاحب نے اپنی تالیف زبدۃ التوقیت میں قاعدہ ثانیہ کا مدار، اسی ضابطہ پر رکھا ہے۔ البتہ انہوں نے کسی مصلحت کی وجہ سے فن توقیت میں استعمال ہونے والے اصطلاحات کو دوسرے اصطلاحات میں بدل دیا ہے مثلاً جیب اوسط کو حاصل جمع اور تفاضل جیبن کو فضل اعظم واصغر وغیرہ اور تفاضل جیبین کو جیب اوسط سے تقسیم کرنے پر جو خارج قسمت ہوتا ہے ان کو محفوظ اعظم واصغر وغیرہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ زبدۃ التوقیت میں اس ضابطہ کا عمل بذریعہ لوگارثمی کیا گیا ہے۔

(ماہنامہ کنز الایمان، اگست ۱۹۹۸ء)

عشا کا وقت

کن کن تاریخوں میں کہاں کہاں نہیں آتا

محبّ محترم حضرت مولانا مفتی آل مصطفیٰ مصباحی (استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی) اپنی ایک ملاقات کے دوران یہ ارشاد فرمایا کہ کئی بیرونی ممالک مثلا ہالینڈ، برطانیہ وغیرہ سے آئے دن یہ سوال آتا ہے کچھ مقامات سے متعلق علمائے کرام کا فرمان ہے کہ وہاں عشا کا وقت نہیں آتا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ کون کون سے مقامات ہیں جہاں ایسا ہوتا۔

حضرت مفتی آل مصطفےٰ صاحب نے اس ناچیز سے فرمایا کہ اگر اس کے متعلق کوئی ضابطہ ہوتو تحریری شکل میں لاکر کسی رسالہ میں اسے شائع کردیا جائے تاکہ اس کا افادہ عام ہوجائے، موصوف کی تکمیل خواہش کے لئے ہم نے زیج وہیئت ومثلث کی روشنی میں ایک ضابطہ وضع کیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ کہاں کس کس تاریخ میں عشا کا وقت آتا ہے۔ اور کہاں کہاں کن کن تاریخوں میں نہیں آتا۔ اس کے لئے اولاً دو باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

(۱) تاریخ کا میل شمسی (۲) شہر کا تمام عرض البلد پھر درج ذیل ضابطے سے مطلوب حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اگر عرض البلد اور میل شمسی دونوں متحد الجہت ہوں یعنی عرض ومیل دونوں شمالی یا دونوں جنوبی ہوں تو شفق ابیض کے وجود وبقا اور غیوبت کے لئے درج ذیل ضابطے ہیں۔

۱۔ اگر تمام عرض البلد کی مقدار (میل شمسی + ۱۸) کے مجموعہ سے زائد ہوتو شفق ابیض ضرور غائب ہوگی اور وہاں عشا کا وقت بھی ضرور ہوگا۔

۲۔ اگر تمام عرض البلد کی مقدار (میل شمسی + ۱۸) کے مجموعہ کے برابر ہوتو شفق ابیض غائب بھی نہ ہوگی کہ فجر مستطیر کا وقت شروع ہوجائے گا۔

۳۔ اگر تمام عرض البلد کی مقدار (میل شمسی + ۱۸ کے مجموعہ سے کم ہومگر میل شمسی کے برابر نہ ہوتو شفق ابیض تو کجا شفق احمر بھی غائب نہ ہوگی۔

۴۔ اگر تمام عرض البلد کی مقدار میل شمسی کے برابر ہوتو وہاں آفتاب اپنی پوری گردش میں غروب ہی نہ ہوگا۔

۵۔ اگر تمام عرض البلد کی مقدار میل شمسی سے بھی کم ہوتو وہاں کئی کئی دن تک آفتاب غروب نہ ہوگا۔

۶۔ اگر تمام عرض البلد صفر ہوتو وہاں تقریبا ۶/ماہ تک آفتاب غروب نہ ہوگا۔

نوٹ: اگر عرض ومیل مختلف الجہت ہوں یعنی ان میں سے ایک شمالی اور دوسرا جنوبی ہوتو وہاں وقت عشا کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام العرض اور میل دونوں کا مجموعہ ۱۸/درجہ سے زائد ہو، ۱۸/درجہ کے برابر یا کم ہونے کی صورت میں وہاں عشاء کا وقت نہیں آئے گا اور اگر تمام عرض منفی ہوتو اس صورت میں میل کا ۱۸/درجہ سے زائد ہونا ضروری ہے کم یا برابر ہونے کی صورت میں عشا کا وقت نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا ضابطوں میں میل شمسی اور تمام عرض البلد چونکہ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ان دونوں پر ہلکی روشنی ڈال دینا مناسب ہے۔

۱۔ دائرہ نصف النہار کی وہ قوس جو معدل النہار اور سمت الراس کے مابین واقع ہوتی ہے اسے عرض البلد کہتے ہیں۔ عرض البلد کو ۹۰ درجہ سے تفریق کرنے پر جو باقی رہتا ہے اسے تمام عرض البلد کہتے ہیں۔ دنیا بھر کے مشہور شہروں کا عرض البلد مع جہت جغرافیہ سے تعلق رکھنے والے اٹلس میں درج ہوتا

ہے۔ بلفظ دیگر خط استوا سے کسی شہر کی اتر یا دکھن کی دوری، وعرض البلد شمالی یا عرض جنوبی کہتے ہیں۔

۲۔(الف) فلک الافلاک کے دونوں قطبوں کے ٹھیک بیچ پورب پچھم مفروضہ دائرہ معدل النہار کہتے ہیں۔

(ب) دائرہ معدل النہار کو برقول تدقیق ۲۳ درجہ ۲۷ دقیقہ کے زاویہ پر کاٹتے ہوئے گزرنے والے دائرہ کو منطقۃ البروج کہتے ہیں اور زاویہ کی اس مقدار کو اصطلاح میں میل کلی کہتے ہیں۔

(ج) دونوں دائرے چونکہ علی التناصف باہم تقاطع کرتے ہیں اس لئے منطقۃ البروج کا نصف حصہ معدل النہار سے بجانب شمال اور دوسرا نصف حصہ بجانب جنوب رہتا ہے یہ دائرہ آفتاب کی گزرگاہ ہے اس لئے جب تک آفتاب حصہ شمال میں رہتا ہے میل شمالی اور جب حصہ جنوبی میں ہوتا ہے میل جنوبی ہوتی ہے۔

(د) آفتاب اس دائرہ پر روزانہ اپنی مخصوص رفتار سے بجانب شرق سفر کرتا ہوا تقریباً ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے میں پورا دورہ کر لیتا ہے اس پورے دورے میں آفتاب معدل النہار اور منطقۃ البروج کے نقطۂ تقاطع پر پہونچ کر معدل النہار پر آجاتا ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ معدل النہار سے اتر یا دکھن جانب دور بٹتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ معدل النہار سے اتر یا دکھن جانب دور بٹتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ مدل النہار سے تدقیقا ۲۳ درجہ ۲۷ دقیقہ دور ہٹ جاتا ہے اور پھر دھیرے دھیرے معدل النہار سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ تا آنکہ پھر دوسرے نقطہ تقاطع پر آکر آفتاب معدل النہار پر پہونچ جاتا ہے۔

(ہ) معدل النہار سے آفتاب کی ان شمالی یا جنوبی دوریوں کو اصطلاح میں میل شمسی شمالی یا میل شمسی جنوبی کہتے ہیں اور دونوں نقطۂ تقاطع کو اعتدالین کہتے ہیں۔ (د) ان دونوں اعتدالوں میں سے وج بھی آفتاب سے قریب ہو اسے اقرب اعتدال کہتے ہیں۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نقطۂ تقاطع میں آفتاب معدل النہار پر ہوتا ہے اور میل منفی ہوتا ہے اس کے علاوہ دوسرے دنوں میں آفتاب معدل النہار سے تو اتر ہوتا ہے اور میل شمالی ہوتا ہے یا پھر دکھن ۔۔۔ اور میل جنوبی ہوتا ہے۔ اعتدالین میں سے جو بھی آفتاب سے قریب ہو اسے اقرب اعتدال کہتے ہیں۔

۳۔(الف) میل شمسی کا استخراج بذریعہ جدول، بذریعہ آلات یا پھر بذریعہ حساب ہوتا ہے۔۔۔۔ میں ماہ بماہ تاریخوار روزانہ کے میل کا جدول ہوتا ہے امام احمد رضا اسی سے کام لیتے تھے استاذنا الکریم حضور ملک العلماء نے اپنی کتاب توضیح التوقیت میں المنیک ہی کے حوالے سے درج کیا ہے اور اس سے مفتی سید افضل حسین صاحب نے زبدۃ التوقیت میں نقل فرمایا ہے اس لئے ان جدولوں سے میل شمسی معلوم کرنا سہل ہے۔

(ب) آلہ کے طور پر متقدمین اسطرلاب اور ربع مجیب استعمال فرماتے تھے، جواب رائج نہیں، (ج) بذریعہ حساب استخراج کرنے میں علم مثلث کروی، اصول ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، اہل زیج نے اسی طریقہ کو اپنایا ہے، جس سے غایت درجہ تدقیق کے طور پر میل حاصل ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے ''جیب بعد از اعتدال اقرب × جیب میل کلی۔ جیب میل یعنی اگر بعد از اعتدال اقرب کے جیب کو میل کلی یعنی ۲۳ درجہ ۲۷ دقیقہ کے جیب سے ضرب دیں تو حاصل ضرب مطلوب میل کی جیب ہوگی جسے تقویس کرنے پر میل حاصل ہو جاتا ہے۔

جب آپ کسی تاریخ کا میل شمسی، خواہ شمالی ہو یا جنوبی معلوم کر لیں اور ساتھ ہی کسی شہر عرض البلد حاصل کر لیں تو پھر مندرجہ بالا ضابطوں سے بآسانی یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کس کس تاریخ میں کہاں کہاں شفق ابیض اور وقت عشا کا کیا حال ہوگا۔

(ماہنامہ اشرفیہ، اپریل ۲۰۰۲ء)

ہلال اوراس کی رویت

خالق کائنات نے لافانی دستور حیات کلام پاک میں ہلال سے متعلق ارشاد فرمایا

:**یسئلونک عن الاهلة قل هی مواقیت للناس والحج** (القرآن پ۵،ع۸سورہ بقرہ)

تم سے نئے چاندکو پوچھتے ہیں تم فرمادووہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اورحج کے لئے۔

خوبصورت مکھڑے والا ہنستا ہوا چاند جو ہر سال ہمارے لئے عیدورمضان کا پیغام لاتا اور ہر ماہ بدروہلال کی صورت میں ایک دلکش نظارہ پیش کرتا ہے دراصل نظام شمسی کا ایسا سیارہ ہے جس کی تخلیق رب کائنات نے انسانوں اورحج کے لئے وقت کی علامت کے طور پرفرمائی ہے۔اس کی دلکشی ہی کی بات ہے کہ انسان جہان رنگ وبو میں آنکھیں کھولتے ہی مہ ونجوم اور کہکشاں کی پر پیچ زلفوں میں کسی نہ کسی طرح اپنے دل کو اسیر پاتا ہے۔علماء ہیئت ونجوم نے قرنوں ان کی وادی میں گل گشت کرنے کے بعد جو کچھ شمس وقمر کے متعلق جانکاری حاصل کی یہاں ان کی تلخیص عطرالوردین کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

جس طرح موجودات میں علم کے اعتبار سے تین طرح کی ہستیاں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ایک ایسی ذات جو بذات خودعلم والی ہےاور دوسروں کو بھی اپنی عطا سے صاحب علم بناتی ہے جیسے رب کائنات۔

۲۔ایسی ذات جو بالذات علم والی تو نہیں لیکن دوسرے سے علم حاصل کر کے خود بھی صاحب علم ہوتی ہے اور اپنے اس علم سے دوسروں کو فیض پہنچاتی ہے۔جیسے انبیاء علیہم السلام اور علماء کی ذات۔

۳۔ایسی ذات جو غیر سے اکتساب علم تو کرتی ہے لیکن اپنے علم سے دوسروں کو فیض پہنچانے سے محروم ہے۔جیسے عوام الناس،اسی طرح العلم کالنور کے پیش نظر روشنی کے تعلق سے بھی قدرت نے تین طرح کے جسموں کو پیدا فرمایا۔

۱۔ایسا جسم جو بالذات روشن ہے اور اپنی روشنی سے دوسرے جسموں کو بھی روشن کرتا ہے جیسے سورج۔

۲۔ایسا جسم جو بالذات خودتو روشن نہیں لیکن دوسرے جسم سے روشنی حاصل کر کے خود بھی روشن ہے اور دوسرے جسموں کو بھی منور کرتا ہے جیسے چاند۔

۳۔ایسا جسم جو بالذات روشن نہیں بلکہ دوسرے جسموں سے روشنی حاصل کر کے خود روشن ہوتا ہے لیکن دوسرے جسموں کو روشن نہیں کرسکتا جیسے درودیوار۔

بیان سابق سے یہ واضح ہوا کہ نیل گوں مائل بہ سیاہی رنگت رکھنے والا چاند جو نظام شمسی کے دائرہ گردش میں مصروف عمل ہے وہ بالذات روشن نہیں بلکہ سورج کے بالمقابل ہونے کی وجہ سے منور ہوتا ہے اور اپنی چمکیلی سطح سے بذریعہ انعکاس شعاع کائنات کو بھی روشن کرتا ہے۔

ماہتاب اگر چہ ہماری زمین کی بہ نسبت حجم میں ۱/۴ ہے لیکن آفتاب زمین سے ساڑھے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرص آفتاب کو افق پر طلوع اور غروب ہونے میں ۲ رمنٹ ۲۴ سکنڈ کا وقت لگ جاتا ہے اور ہم جس دھرتی پر مصروف خرام ہیں یہاں سے چاند کا فاصلہ دولاکھ چالیس ہزار میل (۲۴۰۰۰۰) اور سورج کا فاصلہ نو کروڑ اکتیس لاکھ میل (۹۳۱۰۰۰۰۰) کے لگ بھگ ہے۔جہاں سے چاند کی روشنی تقریبا سوا سکنڈ اور سورج کی روشنی ساڑھے آٹھ منٹ میں خلائے بسیط اور عناصر

کے کروں سے سفر کرتے ہوئے ہماری دھرتی پر جلوہ بار ہوتی ہے۔

کبھی کبھی ایک ہی چیز میں بیک وقت دوسمتوں کی چال ہوتی ہے مثلا ہم جس ٹرین پر بیٹھے ہیں اس ٹرین کی ساری چیزیں اور مسافر ٹرین کی رفتار سے اسی سمت کو جارہے ہیں جدھر ٹرین بل کھاتی ہوئی بھاگ رہی ہے لیکن اسی ٹرین پر مونگ پھلی بیچنے والا کبھی اس کے مخالف سمت بھی سامان فروخت کرتے ہوئے جاتا نظر آتا ہے۔ اس مونگ پھلی والے میں بیک وقت دو چالیں ہیں۔ ایک اس کی ذات جو ٹرین کے مخالف سمت ہے دوسری اس کی تبعی جو ٹرین کے موافق ہے۔

اسی طرح چاند، سورج میں بھی بیک وقت دو چالیں ہیں۔ ایک اس کی ذات چال اور دوسری اس کی تبعی چال۔ بحکم خداوندی دونوں ہی جانب مغرب سے جانب مشرق کی طرف اپنے گھیرے میں بالذات رواں دواں ہیں اور اس چال سے بھی کئی گونا گوں تیزی کے ساتھ آسمان کے تابع ہوکر مشرق سے مغرب کی طرف جادہ پیما ہیں بالتبع چال کی وجہ سے دونوں مشرق میں طلوع ہوکر مغرب میں ڈوبتے نظر آتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں ہی گھنٹے میں آسمان کا پورا دورہ یعنی ۳۶۰ ڈگری طے کر لیتے ہیں۔

علماء ہیئت دائرہ کے محیط اور گھراؤ کو ۳۶۰ حصے کر کے ہر حصہ کو درجہ اور ڈگری کہتے ہیں اور پھر درجہ ۶۰ حصے مان کر ہر حصے کو دقیقہ اور دقیقہ کے ساٹھویں حصہ کو ثانیہ اور اسی طرح ساٹھ ساٹھ حصے کر کے ثلاثہ، رابعہ وغیرہ کہتے ہیں۔ آفتاب و ماہتاب کا مدار چونکہ دائرہ نما ہے۔ اس لئے اس میں بھی ایسے ہی درجہ، دقیقہ اور ثانیہ وغیرہ مانتے ہیں۔ رصدگاہوں میں برسوں مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ سورج اپنی ذات چال سے روزانہ ۵۹ دقیقہ ۸ ثانیہ ۲۰ ثالثہ طے کرتا اور چاند روزانہ ۱۳/ درجہ ۱۰/ دقیقہ ۳۵ ثانیہ اور ۲ ثالثہ طے کرتا ہوا پورب کی طرف محوخرام ہے جس کے نتیجے میں سورج ایک سال میں اور اندا ایک مہینہ ہی میں پورا دورۂ کامل طے کر لیتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا کہ چاند خود منور نہیں بلکہ آفتاب کے بالمقابل ہونے کی وجہ سے اس کا آدھا حصہ منور ہو جاتا ہے اور پھر بطریقہ انعکاس ہماری دنیا روشن ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ ماہتاب کی رفتار آفتاب کی رفتار سے لگ بھگ بارہ

گونا زیادہ ہے اس لئے ماہتاب بڑی تیزی کے ساتھ بھاگتے ہوئے آفتاب کے قریب آتا ہے اور پھر اسی تیزی کے ساتھ آگے نکل جاتا ہے یہاں تک کہ دوری بڑھتے بڑھتے ۱۸۰/ درجہ کی ہوتی ہے اور پھر آگے گھومتے ہوئے آفتاب کے قریب پہنچ جاتا ہے اور پھر آفتاب سے آگے نکل جاتا ہے اس دوڑ بھاگ اور آنکھ مچولی کی وجہ سے چاند اور سورج کے درمیان قرب و بعد کے اعتبار سے وضعیں بدلتی رہتی ہیں اور ہم چونکہ آفتاب کو نیچے فرش گیتی سے دیکھ رہے ہیں اس لئے چاند کا روشن حصہ ہمیں مختلف صورت میں نظر آتا ہے قمری مہینہ کے ابتدائی دنوں میں بصورت ہلال، ۷/ تاریخ کو نصف دائرہ اور ۱۴/ تاریخ میں بدر کامل اور پھر ۲۱/ تاریخ کو آدھا چاند اور آخر میں ۲۷/ تاریخ کو چاند چھپ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آئندہ ماہ کی یکم تاریخ کو پھر ہم چاند کو ہلالی صورت میں دیکھتے ہیں بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ہلال افق پر رات کی طول کے چودہویں حصہ تک رہتا ہے یعنی اگر رات ۱۴/ گھنٹے کی ہو تو ہلال ایک گھنٹہ تک افق پر رہے گا دوسری شب دو گھنٹہ تیسری شب تین گھنٹہ، لیلۃ البدر میں ۱۴/ گھنٹے۔ لیلۃ البدر کے بعد طلوع بھی اسی حساب سے ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو ۵/ ڈگری کے زاویہ پر دو نقطے پر کاٹتے ہوئے گزرنے کی وجہ سے یہ دونوں نقطے چاند اور سورج کے لئے چوراہے ہیں۔ ایک نام راس او دوسرے کا دب ہے جسے عقدتین بھی کہتے ہیں ان دونوں نقطوں میں ۱۸۰/ ڈگری کی دوری ہے اگر چاند سورج دونوں ہی کسی ایک چوراہے پر یا اس کے آس پاس پہنچ جائیں تو ایسی صورت میں سورج اور زمین کے درمیان چاند حائل ہونے کی وجہ سے سورج کی روشنی بتمامہ دھرتی پر نہیں پہنچ پاتی۔ جسے ہم سورج گہن سے یاد کرتے ہیں اور یہ ۲۸۔ ۲۹ یا ۳۰ تاریخ قمری ہی میں ہوسکتا ہے اور اگر چاند سورج الگ الگ چوراہے یا الگ الگ چوراہے کے پاس ہوں جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان ۱۸۰/ ڈگری کی دوری ہوگئی ہے تو ایسی صورت میں چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہونے کی وجہ سے سورج کی روشنی چاند تک نہیں پہنچ پاتی اور چاند اس صورت میں اپنی فطری رنگت میں نظر آنے لگتا ہے جسے دنیا چاند گہن سے جانتی ہے اور یہ ۱۳۔ ۱۴۔ یا ۱۵، تاریخ قمری ہی میں ممکن ہے۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ چاند روزانہ ۲۰۔ ۳۵۔ ۱۰۔ ۱۳/ درجہ اور سرج ۲۰۔ ۸۔ ۵۹ دقیقہ کے حساب

سے پورب کی طرف بڑھتا رہتا ہے اس لئے دونوں کے درمیان روزانہ ۴۲۔۲۶۔۱۱۔۱۲/ درجہ کی دوری بڑھتی جاتی ہے اس دوری کو ہیئت کی زبان میں ''سبق'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ گو کہ سورج بھی اپنی چال سے پورب کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ لیکن ماہتاب کے اس سبق کے اعتبار سے سورج چاند کی بہ نسبت گویا ساکن رہتا ہے۔ یعنی چاند کی سوری سورج سے روزانہ اتنی (سبق) ہی بڑھتی جاتی ہے۔

شب ہلال سے ۲۷/ یوم ۷/ گھنٹہ ۴۴ منٹ چلنے کے بعد چاند اماؤس میں آجاتا ہے اور دنیا کہتی ہے ہے چاند چھپ گیا۔ ہیئت کی زبان میں اسی حالت کو محاق کہتے ہیں۔ اس مخصوص وقت میں چاند کا رخ روشن سورج کی طرف اور تاریک حصہ فرش گیتی کی طرف ہوتا ہے۔ چاند دو یوم پانچ گھنٹہ تک اماؤس میں رہتا ہے۔ اور جب ۲۹/ یوم ۱۲/ گھنٹہ ۲۴ منٹ کی مدت پوری ہوجاتی ہے و ماہتاب اپنی اسی وضع سابق میں پہنچ کر بصورت ہلال نظر آنے کے قابل ہوجاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ چاند روزانہ بقدر ''سبق'' سورج کی بہ نسبت طے کرتا جاتا ہے۔ اس لئے پورے دورۂ کامل کو لامحالہ ۲۹ یوم ۱۲/ گھنٹہ ۴۴/ منٹ میں طے کرلے گا۔ بلفظ دیگر یوں کہیے کہ سبق اور اس کی طے کرنے کی مدت اور مدار کا درجہ (۳۶۰) یہ تینوں باتیں معلوم ہیں البتہ پورے دورۂ کامل (۳۶۰) کو طے کرنے کی چونکہ مدت معلوم نہیں اس لئے ہم ارثماطیقی میں ذکر کردہ قاعدۂ اربعہ متناسبہ کے ذریعہ معلوم کرسکتے ہیں۔ اس کی صورت یوں ہوگی۔

طرف	وسط	وسط	طرف
یوم واحد	سبق معلوم	ایام مجہول	۳۶ درجہ

اس تناسب میں یوم اور ۳۶۰ ڈگری طرفین ہیں۔ سبق معلوم اور ایام مجہول وسطین ہیں۔ اس لئے اقلیدس کے مقالہ ۵ شکل نمبر ۱۶/ کے مطابق طرفین کے حاصل ضرب اور وسطین کے حاصل ضرب برابر ہوں گے۔ لہٰذا اگر طرفین کے حاصل ضرب کو ہم وسطین کے معلوم شدہ رکن یعنی سبق سے تقسیم کریں تو نتیجہ برآمد ہوگا کہ چاند ۲۹ دن ۱۲/ گھنٹہ ۴۴ منٹ میں پھر اپنی وضع سابق میں آجائے گا

اور یہی حقیقی قمری یوم کی مقدار ہوگی اور جب اس مقدار کو ہم بارہ سے ضرب دیں تو حاصل ضرب ۳۵۴ دن ۸ گھنٹہ ۴۸ منٹ یعنی ۳۴۵، ساڑھے گیارہ دن سال قمری حقیقی ہوگا۔ سورج چونکہ اپنی ذات رفتار سے پورے دورۂ کامل کو تقریباً ۳۶۵ دن ۶/ گھنٹہ یعنی ۳۶۵۔ ایک بٹا چار دن میں طے کرتا ہے۔ اس لئے یہ شمسی سال کی مدت ہوگی اور اس کا بارہواں حصہ یعنی ۳۰ دن ۱۰/ گھنٹہ ۱۲/ منٹ ماہ شمسی حقیقی کی مدت ہوگی۔ لیکن علم ہیئت میں بحث تعدیلات کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ مقام اوج، حضیض اور حالت صعود و ہبوط میں سورج کی چال بہ نسبت منطقۃ البروج یکساں نہیں ہوتی۔ اس لئے آفتاب ۱۲/ برجوں کو مختلف مدت میں طے کررہا ہے۔ اسی اعتبار سے شمسی مہینے کبھی ۳۰، کبھی ۳۱/ اور کبھی ۲۸ کے مانے جاتے ہیں لیکن ہر سال میں چونکہ ۶، ۶ گھنٹہ زائد ہوتا جاتا ہے اس لئے چوتھے سال میں ۶×۴=۲۴ گھنٹہ زائد ہونے کی وجہ سے فروری ۲۹ کا یعنی کبیسہ مانا جاتا ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ سال شمسی قمری سال سے ۱۰/ یوم ۲۱/ گھنٹے ۱۲/ منٹ زائد ہوتا ہے جسے عام لوگ ۱۱/ یوم کہتے ہیں اور ماہ شمسی حقیقی ماہ قمری حقیقی سے ۲۱/ گھنٹے ۲۸ منٹ بڑا ہوتا ہے۔

رویت ہلال کی شام کو غروب آفتاب کے وقت چاند سورج کے درمیان ایک مخصوص وضع ہوتی ہے جس کی وجہ سے چاند ہلالی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس مخصوص وضع کے حامل ہونے کے لئے علمائے ہیئت نے کئی شرطیں بتائی ہیں جن میں سے ایک اہم شرط یہ ہے کہ چاند اور سورج کے مابین ایک معین فاصلہ سے کم فاصلہ نہ ہونا چاہئے۔ جس کو علم ہیئت کی اصطلاح میں ''بعد معدل'' کہا جاتا ہے۔ اس معین فاصلہ کی مقدار میں علمائے ہیئت مختلف الخیال ہیں۔ علامہ برجندی نے ''زیج سلطانی'' کی شرح میں سب کے اقوال اور تمام شرطوں ے ذکر کے بعد فرمایا ہے۔

''بالجملہ ضبط آں بر سبیل تحقیق متعسر است بلکہ متعذر روازیں جہت بطلمیوس در مجطی تعرض ہلال نہ کردہ است''۔

لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب چاند اور سوج دونوں کی تقویم کے درمیان دس سے بارہ ڈگری تک کا فاصلہ ہوتا ہے یا بلفظ دیگر غروب آفتاب کے بعد جب چاند افق پر چالیس منٹ سے ۴۸

منٹ تک موجود رہتا ہے تو رویت ہلال ہوجاتی ہے یعنی اگر چاند اور سورج کے غروب میں چالیس منٹ کا تفاوت ہو تو چاند نظر آسکتا ہے اور اگر اس سے زیادہ کا فرق ہو تو رویت ہلال میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

چاند ہلالی شکل میں آنے کے بعد پھر اپنی منزل طے کرتا ہوا بڑھتے بڑھتے بدر کامل ہوجاتا ہے اور پھر گھٹنا شروع ہوجاتا ہے۔ تا آں کہ آگے چل کر ۲۷ ویں شب میں اماوس میں آجاتا ہے اور پھر اماوس ختم ہوتے ہی چاند اور سورج میں وہی وضع لوٹ آتی ہے جس وضع میں چاند ہلالی شکل میں نظر آیا تھا۔ بار دیگر اس وضع میں لوٹنے کی مدت ساڑھے انتیس یوم کی ہوتی ہے۔ اسی لئے عربی مہینہ ۲۹ سے کم اور ۳۰ سے زائد کا نہیں ہوتا۔

زیج سلطانی میں لکھا ہے کہ عربی مہینے چار ماہ مسلسل ۳۰۔۳۰ یوم اور ۳ مہینے ۲۹۔۲۹ یوم کے ہوسکتے ہیں اس سے زائد نہیں۔

چونکہ رویت ہلال کی شام کو چاند سورج سے کم از کم ۱۰ ڈگری پورب رہتا ہے اور روزانہ بقدر ''سبق'' یعنی ۴۲۔۲۶۔۱۲ درجہ کے حساب سے سورج کی بہ نسبت تیز گامی سے آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اس لئے دوسری شب کو چاند سورج کے درمیان ۴۲۔۲۶۔۲۲ ڈگری کی دوری ہوجاتی ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں ۲۹ تاریخ کو ہلال نظر نہ آیا تو وہاں ۳۰ تاریخ کو رویت ضروری ہوگی جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پوری دنیا میں رویت ہلال میں صرف ایک دن کا فرق ہوسکتا ہے۔ اس سے زائد ممکن نہیں۔ اس لئے یہ بات غلط ہے کہ عرب میں رویت ہلال ہمارے ہندوستان سے دو یوم پیشتر ہوجاتی ہے۔ اور عید قرباں اور حج ہمارے یہاں کی تاریخ سے وہاں دو دن پیشتر ہوجاتے ہیں۔

رویت ہلال کا معاملہ جہاں کہیں ''بعد معدل'' کی تعیین اور دیگر شرائط پر موقوف ہے وہاں اس کا معاملہ افق پر گرد وغبار کی مقدار اور اسی طرح افق کے اوپر فضا کی رطوبت، یبوست، حرارت اور برودت کی مخصوص کیفیات وکمیات اور ساتھ ہی اس جگہ واقع شدہ بادل کی کثافت ولطافت کے اوپر بھی موقوف ہے حساب زیادہ سے زیادہ یہ بتا سکتا ہے کہ ۲۹ کی شام کو چاند اور سورج میں اتنا فاصلہ

رہے گا اور یہ وضع ہوگی لیکن حساب دوسری ان چیزوں کو نہیں بتا سکتا جن پر رویت موقوف ہے اور نہ یہ بتا سکتا ہے کہ فلاں نے چاند دیکھ لیا۔ یا فلاں فلاں مقام پر رویت ہوگئی۔ الغرض چاند دیکھنا انسان کا ایسا ذاتی فعل ہے جسے حساب سے نہیں بتایا جاسکتا۔

بہر حال ماسبق کی مذکورہ باتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ رویت ہلال کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کسی بھی طرح حساب کے قابو میں نہیں آسکتا اس لئے شارع علیہ السلام نے الدین یسر کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ ''صوموا لرویتہٖ وافطروا لرویتہٖ فان غم علیکم فاقدروا ثلثین۔

''یعنی ہلال دیکھ کر روزہ رکھو اور ہلال دیکھ کر افطار کرو اگر کسی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ دن کا مہینہ مانو اور شمار کرو''۔

جس طرح آفتاب الگ الگ شہروں میں مختلف اوقات میں طلوع ہوا کرتا ہے اسی طرح ماہتاب بھی الگ الگ شہروں میں مختلف اوقات میں نظر آتا ہے۔ تا آنکہ جس طرح لگ بھگ ایک ہزار میل پورب پچھم کی دوری پر طلوع آفتاب میں ایک گھنٹہ کا فرق ہوتا ہے اسی طرح رویت ہلال میں بھی ایک گھنٹہ کا فرق ہوسکتا ہے شرح چغمینی میں ہے۔

رویۃ الہلال تختلف باختلاف المساکن، اسی اختلاف مساکن کو علماء اختلاف المطالع سے تعبیر کرتے کہیں گو کہ کچھ علماء اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے۔ لیکن محققین نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا کہ یلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب الخ۔

امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ میں اس بحث کو اتنا منقح فرمادیا ہے کہ اختلاف المطالع کے اعتبار کی کوئی راہ ہی نہیں نکلتی۔ اس لئے یہاں اس کی بحث سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔ اہل ذوق حضرات فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ فرمائیں یہی ان کے لئے کافی ہے۔

مقدمۃ الواجب واجبۃ کے پیش نظر شریعت مطہرہ نے شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، کے چاند دیکھنے کی ہدایت فرمائی ہے اور مسلمانوں پر مذکورہ مہینوں کا چاند دیکھنا واجب کفایہ فرمایا۔ فقہائے کرام، علمائے عظام نے چاند کے ثبوت کے لئے ۷ طریقے بیان فرمائے ہیں۔

ا۔شہادۃ علی الرویۃ ۔۲۔شہادۃ علی الشہادۃ ۔۳۔شہادۃ علیٰ حکم القاضی ۔۴۔شہادۃ علیٰ کتاب القاضی ۔۵۔استفاضہ۔۶۔اکمال عدت ۔۷۔اعلان ۔

شہادۃ علی الرویۃ:۔یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی بعض صورتوں میں رمضان المبارک کے چاند کے لئے صرف ایک مسلمان عاقل بالغ غیر فاسق کی گواہی کافی ہے۔اور باقی مہینوں کے لئے دو مرد مسلمان عادل یا ایک مرد اور دو عورتیں مسلمان عادلہ غیر فاسقہ کی گواہی ضروری ہے۔

شہادۃ علی الشہادۃ:۔یعنی گواہوں نے چاند خود نہ دیکھا بلکہ دیکھنے والوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور اپنی گواہی پر انہیں گواہ کیا۔پھر انہوں نے ان کی گواہی کی گواہی دی۔

شہادۃ علیٰ حکم القاضی:۔یعنی دوسرے کسی اسلامی شہر میں حاکم اسلام کے حضور رویت ہلال پر شہادتیں گزریں اور اس نے ثبوت ہلال کا حکم دیا۔دو عادل گواہ اس گواہی اور حکم کے وقت دار القضا میں موجود تھے انہوں نے اپنے شہر میں حاکم اسلام کے حضور اس کی گواہی دی۔

شہادۃ علی کتاب القاضی:۔یعنی قاضی شرع کے سامنے شرعی گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور وہ خط دو عادل گواہوں کے سپرد کیا۔ان گواہوں نے باحتیاط اس خط کو قاضی کے سامنے پیش کر کے اس پر گواہی دی۔

استفاضہ:۔یعنی جب اسلامی شہروں میں ثبوت ہلال ہو گیا وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب نے بیک زبان اپنے علم سے اس بات کی خبر دی کہ فلاں شہر میں ثبوت ہلال ہو گیا۔

اکمال عدت:۔یعنی جب کسی وجہ سے ۲۹؍کی رویت ثابت نہ ہوسکی تو جب ایک مہینے ۳۰؍دن پورے ہو جائیں تو ماہ متصل کے ہلال کا ثبوت خود بخود ہو جاتا ہے۔

اعلان:۔یعنی قاضئ شہر کی خدمت میں شہادت گزری اور اس نے اس شہادت پر ثبوت ہلال کا حکم دے دیا اور اپنے اس حکم کو اپنے شہر کے ہر شخص تک پہنچانے کی غرض سے اعلانِ عام کروا دیا۔اس طرح اس قاضی کے حدود قضا میں رہنے والے تمام افراد کو ثبوت حلال کا علم ہو گیا۔

شریعت مطہرہ نے الزام حکم علیٰ الغیر دو طرح نافذ فرمایا ہے ایک بربنائے حجت، دوسرے بربنائے ولایت، رویت ہلال کے ثبوت کے اول چار طریقے از قبیل شہادت ہیں اور آخری طریقہ از قبیل ولایت ہے۔رہا اکمال اور استفاضہ تو دراصل ان صورتوں میں ثبوت رویت ہلال خود بخود ہو جاتا ہے۔اس صورت میں الزام الحکم علی الغیر ہی موجود نہیں کہ حجت یا ولایت کی حاجت ہو۔ثبوت ہلال کا یہ طریقہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بذات خود کسی نے چاند اپنی نظر سے دیکھا تو اس پر صوم یا افطار خود بخود من جانب شرع لازم ہو جاتا ہے۔یہاں الزام الحکم علیٰ الغیر نہیں۔اعلان کے از قبیل ولایت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے لوگوں پر جن کی ولایت تسلیم کی ہے ان کے اعلان سے لوگوں پر حکم کا نفاذ بھی تسلیم کیا ہے۔دنیوی مثال میں اسے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک پرنسپل کا کوئی اعلان صرف اس کے ماتحت چلنے والے ادارے کے جملہ طلبہ اور متعلقین کے لئے ہی نافذ ہوتا ہے دوسرے ادارے کے متعلقین کے لئے نہیں۔ایک ضلع کے حاکم کا کوئی اعلان اس ضلع کے تمام باشندوں کے لئے حکم نافذ کرتا ہے۔دوسرے اضلاع کے باشندوں کے لئے نہیں۔یہی وجہ ہے کہ بازار میں روزمرہ طرح طرح کے اعلانات ہوتے رہتے ہیں۔کہیں بیڑی کا اعلان کہیں دواؤں کا اعلان کہیں منجن وغیرہ کا اعلان ہوتا ہے۔لیکن بازار میں خرید و فروخت یا رہنے سہنے والوں پر اس اعلان پر عمل کرنا ضروری نہیں لیکن اگر حاکم کی طرف سے یہ اعلان ہو کہ کل بازار بند رہے گا تو اس کی تعمیل ضروری قرار پاتی ہے اور اس پر عمل ضروری ہو جاتا ہے۔

رویت ہلال میں بھی اعلان کی یہی حیثیت ہے کہ اعلان کرنے والے حاکم قاضی یا قائم مقام قاضی کی حدود قضا جن حلقوں کو محیط ہے صرف انہیں حلقوں میں ان کے اعلان سے حکم نافذ ہوگا اور اس سے رویت ہلال کا ثبوت مانا جائیگا۔خواہ یہ اعلان بذریعۂ روشنی یا نقارہ یا توپ یا لاؤڈ اسپیکر یا ریڈیو سے ہو۔جو لوگ اعلان کرنے والے کے حدود قضا سے خارج ہیں ان کے لئے اس اعلان سے رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ازکی الہلال میں ہے کہ ’’ائمہ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذاتِ خود آ کر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں۔ہرگز

نہیں سنیں گے‘‘

جب شریعت مطہرہ کا یہ مزاج ہے کہ جس قاضی کے اعلان پر اس کے شہر میں صوم وافطار کا حکم نافذ ہوتا ہو اگر وہی قاضی یا اس کا فرستادہ آدمی دوسرے شہر میں جا کر بیان کرے تو شرعاً معتبر نہیں۔ تو پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ بذریعہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اس کے اعلان سے دوسرے شہر میں صوم وافطار روا ہو اور جب ریڈیو، ٹیلی ویژن کی نا اعتباری کا یہ حال ہے تو تار، ٹیلیفون، خط اور اخبار کیسے قابل اعتماد ہوسکتے ہیں اور ان سے کیوں کر رویت ہلال کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے اعلان کی چار ہی صورتیں ہیں۔

۱۔خود قاضی مقام نشریات میں پہنچ کر اعلان کرے۔
۲۔اس کی ٹیپ شدہ آواز سے اعلان ہو۔
۳۔قاضی کے علاوہ کوئی آدمی نشریات میں پہنچ کر اعلان کرے۔
۴۔قاضی کے علاوہ کسی آدمی کے ٹیپ شدہ آواز سے اعلان ہو۔

بہر تقدیر ان تمام صورتوں میں خود قاضی یا اس کے علاوہ کسی کی آواز ریڈیائی لہروں کے توسط سے لوگوں تک پہنچتی ہے۔ البتہ ٹیلی ویژن میں آواز کے ساتھ ساتھ اس کی تصویر بھی بن گئی۔ اور اعلان کنندہ شناخت میں آگیا۔ لیکن ابھی ابھی ازکی الہلال کے حوالہ سے گزرا کہ ’’ائمہ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذات خود آکر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں۔ ہرگز ہرگز نہیں سنیں گے‘‘۔

ذرا ٹھنڈے دل سے کلیجے پر ہاتھ رکھ کر اس شرعی معاملہ اور دینی مسئلہ کو سوچیے کہ جب قاضی یا اس کا اپنا آدمی سراپا مجسم براہ راست بیان دے۔ جب بھی دوسرے شہروں میں ان لوگوں کا بیان ثبوت ہلال میں معتبر نہیں تو ریڈیائی لہروں کے توسط سے ان لوگوں کی آنے والی آواز یا اسکرین پر بننے والی تصویر کی وجہ سے ان لوگوں کا اعلان ثبوت ہلال کیوں کر معتبر ہوگا۔ وہاں دو بدو بالمشافہ سراپا مجسم کا بیان اور یہاں پس پردہ بالواسطہ با تصویر کا اعلان۔ ایمانی فراست بھی شاہد ہے کہ جب وہی

معتبر نہیں تو یہ کیوں کر معتبر ہوسکتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قاضی سے بالذات وہ جملہ امور متعلق ہوتے ہیں جو قطع خصومات اور دفع منازعات کے قبیل سے ہیں۔ رویت ہلال کا مسئلہ فی نفسہ حقیقتاً قضا سے متعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ثبوت ہلال کے بعض احوال میں شہادت گزاری کی ضرورت پڑتی ہے۔ شہادت لینا اور اس کا قبول ورد کرنا قاضی کا کام اور اس کا وظیفہ ہے۔ اس واسطہ سے رویت ہلال کی بعض صورت قاضی سے متعلق ہوجاتی ہے۔ اس لئے کسی ایسے آدمی کو قاضی نامزد کر دینا کہ فقط رویت ہلال ہی کے باب میں اس کا اعلان مانا جائے۔ دیگر امور متعلقہ بالقضا میں اس قاضی کی ضرورت نہیں بلکہ وہاں دیگر امور کو اپنے حلقہ کے کسی دوسرے قاضی سے متعلق قرار دیا جائے تو شرعاً قاضی کا تسلیم کرنا نہیں ہوا بلکہ اپنے ہوا وہوس کی اتباع میں ایک بدعت ہوئی۔ لہٰذا پورے ملک میں اس قسم کا اقضی مان کر ان کے اعلان کو پورے ملک میں الزام الحکم علی الغیر کے لئے کافی سمجھنا دراصل شریعت میں رخنہ ڈالنا اور دخل اندازی ہے۔

اس لئے جن شہر و بلاد میں جن اعلم علمائے بلد کے حکم سے اقامت جمعہ وعیدین ہوتی ہے جن کی طرف مسائل دینیہ میں رجوع ہوتا ہے اور اسلامی طرز پر دفع منازعہ اور قطع خصومہ کے لئے جن کو حکم مانا جاتا ہے اور اسلامی طرز پر دفع منازعہ اور قطع خصومہ کے لئے جن کو حکم مانا جاتا ہے ان بلاد میں فقط انہیں کا اعلان رویت ہلال کے ثبوت کا باعث ہوسکتا ہے۔ دوسرے کا نہیں پاکستان، عرب اور دوسرے ممالک کے اعلان کرنے والے چونکہ ہمارے ملک میں ولایت نہیں رکھتے۔ اسی طرح دہلی کے مقیم دوسرے شہروں میں اقامت جمعہ وعیدین کا حق نہیں رکھتے اور نہ روزمرہ کے مسائل دینیہ میں وہ حاکم نامزد ہوتے ہیں اس لئے دوسرے شہروں کے لوگ شرعاً ان کے زیر ولایت بھی نہیں۔ لہٰذا یہ اعلانات ان کے لئے شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

روزہ وافطار، عید وقربانی وغیرہ مقدس ومحترم اسلامی عبادات ورسومات ہیں۔ اس لئے ہمیں رضائے رب حاصل کرنے کے لئے ہر حال میں اسلامی اصول اور اسلامی روش پر ہی چلنا اور اس کے

مطابق عمل کرنا چاہئے۔ اپنے جذبات کی ترنگ میں آکر اسلامی اصول سے ہٹ کر روزہ رکھنا یا عید منانا خدا کی خوشنودی کا باعث ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ایسی عبادت بارگاہ قدس میں درجۂ قبولیت حاصل کرسکتی ہے۔

(ماہنامہ کنز الایمان دہلی، دسمبر ۲۰۰۳ء)

کہ جا ہا سپر باید انداختن

قصور خامہ فرسائی کو پہلے درگزر کیجئے
پھر اس کے بعد اس عاجز کی باتوں پر نظر کیجئے

سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی جانب غلط طور پر منسوب کردہ پاکستانی فتویٰ اور اسی کے مطابق پاکستانیوں کا ہوائی جہاز سے بلندی پر جا کر ۲۸/۲۷ کی شام کو چاند مشاہدہ کرنے کا واقعہ برسوں سے ہندوستان میں زیر بحث ہے فتویٰ کا اصل مضمون یہ ہے کہ:

چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے۔ اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شہادت شرعی پر قاضی شرع حکم دے گا۔ چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہو وہاں سے دیکھنا چاہیئے۔ رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا اس لئے کہیں ۲۹/ اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے۔ اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۸/۲۷ کو بھی (چاند) نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۸/۲۷ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا۔ اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا۔ ایسی حالت میں جہاز سے ۲۹ کا چاند دیکھنا کب معتبر ہوگا۔

ہم سے جب اس فتویٰ کے متعلق فنی طور پر استفسار کیا گیا تو ہم نے اس فتویٰ کے تعلق سے یہ لکھا کہ اس میں کئی لفظی خامیاں اور متعدد فنی نقائص ہیں جو کسی طرح سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کے جلالۃ العلم ہونے سے میل نہیں کھاتیں۔ جب کہ فتاویٰ رضویہ اور دیگر علوم وفنون کے ذخائر پر ہر دم آپ کی نگاہیں مرکوز رہتی تھی اس لئے ان کی ذات اور بلند وبالا صفات اور فتویٰ کے ان نقائص پر نظر رکھتے ہوئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ کہا جائے کہ ''یہ فتویٰ جعلی ہے اور پاکستانیوں کا ۲۸/۲۷ تاریخ کو بذریعۂ ہوائی جہاز سے چاند دیکھنا بھی اختراعی ہے''۔ ہمارا یہ مضمون اور پھر اس کے بعد اس کا وضاحتی بیان ''ماہنامہ کنز الایمان اور ماہنامہ اشرفیہ'' دونوں میں شائع ہوا۔ اور پھر اس کے بعد عزیزی لائبریری کے اراکین نے ایک کتابچہ کی شکل میں اسے شائع کر دیا۔

یاد رہے کہ ہمارے مضامین میں جہاں کہیں ہیئت وزیج سے مدد لی گئی ہے وہیں مضمون کو منقولات کے حوالوں سے بھی مزین کیا گیا ہے۔ ہمارے مضمون میں متعدد معنوی قباحتوں کے بیان کرنے کے ضمن میں ایک دو نہیں بلکہ چھ سات قباحتوں کا تذکرہ ہے۔ لیکن کچھ علماء نے ساری قباحتوں کو نظر انداز فرما کر فقط ہیئت وزیج ہی کو موضوع بحث بنایا۔ اور اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اول فول، آئیں بائیں شائیں اور الم گلم لکھنا اور بکنا شروع کر دیا۔ اور جب ادھر سے ان کو تسلی بخش جواب مل گیا تو پھر بغلیں جھانکنے لگے۔ سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض ہیئت وزیج کو نامعتبر مان لیا جائے تو پھر دوسری قباحتوں کا کیا جواب ہے؟ جب تک ساری قباحتوں کا علمی اور تسلی بخش جواب نہیں ہوتا میرا مضمون اور نظریہ بہر حال سالم ہے۔ اور پاکستانی فتویٰ اور پاکستانی واقعہ کا جعلی ہونا روز اول سے آج تک اپنی جگہ برقرار ہے۔

کافی عرصہ گزرنے کے بعد محبّ محترم حضرت علامہ مولانا غلام مجتبیٰ صاحب اشرفی (شیخ الحدیث دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف) نے ایک مضمون لکھا جس میں انہوں نے پوری وضاحت کے ساتھ ہمارے نظریہ کی بنیاد جن باتوں پر تھی ان کی مکمل تائید فرمائی۔ ساتھ ہی ایک ایسی صورت بھی پیش کی جس سے پاکستانی فتویٰ اور واقعہ دونوں درست ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ ان کا طریقہ کار یہ رہا

کہ انہوں نے تفاسیر اور دیگر کتب کی روشنی میں ہیئت وزیج کی تائید کی اور یہ لکھا کہ ان تاریخوں میں چاند چھپ جاتا ہے جو کہیں سے بھی نظر نہیں آ سکتا۔ یعنی ۲۸/۲۷ کی صبح یا اس سے پہلے یعنی فجر مستطیر کے وقت جانب مشرق میں چاند نظر آتا ہے اس کا انکار ہدایت اور مشاہدہ کا انکار ہے اور پھر اسی کو مبنی قرار دے کر پاکستانی جعلی فتویٰ کے صحت انتساب اور پاکستانی واقعہ کے تعلق سے یہ لکھا کہ۔ اب اگر کوئی عالم دین یا قاضی شہر عوام الناس کو خاموش کرنے کے لئے الزامی طور پر یہ لکھ دے کہ اگر چاند دیکھنے ہی کی بات ہے اور شریعت کا لحاظ اور اس کی رعایت و پاسداری مقصود و منظور نہیں تو ستائیسویں تاریخ کو (بوقت فجر مستطیر) چاند دیکھ لو (الی ان قال) تو کیا اس عالم دین یا قاضی شہر کا الزامی جواب زجراً وتوبیخاً عوام الناس کی تفہیم کے لئے مناسب نہ ہوتا؟ یعنی پاکستانی فتویٰ اور پاکستانی واقعہ میں جو ۲۸/۲۷ کے تعلق سے باتیں ہیں وہ ۲۷/۲۶ تاریخ کی صبح کی بات ہے۔ اور پاکستانی حضرات نے بذریعہ ہوائی جہاز ۲۷/۲۶ کی صبح کو چاند دیکھ کر فتویٰ کی تصدیق کی تھی جس کی وجہ سے ہلال کمیٹی منسوخ کر دی گئی۔

اس کے جواب میں ہم نے لکھا کہ میں اشرفی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بحمدہ تعالیٰ تفسیروں کے حوالوں سے میرے موقف کی تائید فرمائی ہے کہ ۲۸/۲۷ تاریخوں میں بوقت شام کہیں سے بھی چاند نظر نہیں آ سکتا۔ البتہ اشرفی صاحب کے آخری پیراگراف کے تعلق سے مجھے کچھ تامل اور کلام ہے کہ پاکستانی جعلی فتویٰ میں ۲۸/۲۷ تاریخ کی شام کے تعلق سے یہ مذکور ہے کہ۔ جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۸/۲۷ کو بھی (چاند) نظر آ سکتا ہے۔ اور اشرفی صاحب نے اس فتویٰ اور واقعہ کو ۲۷/۲۶ کی صبح پر محمول فرما دیا۔

مقالات نعیمی کا بغور مطالعہ فرمائیں تو یہ واضح ہو جاتا ہے، کہ پاکستانی ہلال کمیٹی کا طریق کار ۲۹ تاریخ کی شام کو بذریعہ ہوائی جہاز پرواز کر کے چاند دیکھنے پر جاری تھا اسی کے تعلق سے وہاں کے مقامی علماء کرام نے ہلال کمیٹی سے مخالفت کی تھی اور پھر دنیا بھر کے مختلف دارالافتاء سے رابطہ قائم کیا گیا اور بحسب بیان راوی بریلی شریف سے بھی استفتاء کیا گیا اور یہاں سے وہی جواب گیا جو اوپر

درج ہے جو آج تک زیر بحث ہے جس میں ایک سطر یہ بھی ہے کہ ’’جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آ سکتا ہے۔

اصل فتویٰ کو پھر سے ایک بار پڑھ لیں اس میں درج ہے کہ ’’رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا اس لئے کہیں ۲۹/ اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آ سکتا ہے تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا۔

ماسبق و مالحق کو جب ہم دیکھتے ہیں تو عبارت کے یہ ٹکڑے ’’چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا‘‘ اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد۔ بطریقہ اقتضاء النص اس پر دال نہیں کہ گفتگو ۲۷/۲۸ کی شام کے وقت افق غربی کے پاس بعد غروب قمر، رویت ہلال کی ہو رہی ہے۔ اور اشرفی صاحب نے اس کی تاویل اور توجیہہ یہ کی کہ یہاں ۲۷/۲۸ کی صبح کے وقت چاند دیکھنا مراد اور مقصود ہے۔ اس توجیہہ سے پتہ چلتا ہے کہ اشرفی صاحب نے نہ تو استفتاء پر غور کیا اور نہ اس کے جواب پر بلکہ اپنے مخصوص ذہن و دل میں جو آیا لکھتے چلے گئے یہ بھی غور نہیں کیا کہ اس بچگانہ توجیہہ اور طفلانہ تاویل کے بعد یہ فتویٰ مجنون کے بڑ اور سودائی کی شوریدہ سری کا معجون مرکب بن گیا۔ سوال ۲۹/ تاریخ کی شام کو ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کے تعلق سے تھا یعنی یہ مسئلہ بوقت غروب شمس کے تعلق سے تھا اور اشرفی صاحب نے توجیہہ کر کے جواب ۲۷/۲۸ کی صبح چاند دیکھنے کے تعلق سے کر دیا۔ بھلا سوئے سوال کیا تھا اور توجیہہ کی بنیاد پر جواب کیا ہو گیا۔ من چہ می سرایم و طنبورم چہ می سراید، سوالے چنین و جوابے چنان۔ یہی نہیں بلکہ صبح کے وقت چاند نظر آنے کی بات کو ہوائی جہاز ے بلندی پر جانے کے بعد کے ساتھ جوڑ دیا جب کہ ان تاریخوں میں صبح کے وقت اگر چاند نظر آتا ہے تو سطح ارض ہی اس کے لئے کافی ہے اس کے لئے ہوائی جہاز سے بلندی پر جانے کی قطعا حاجت نہیں۔ تو پھر یہ فتویٰ کیا ہوا، دیوانگی اور پاگل پن کا پلندہ ہو گیا۔ اور معاذ اللہ اس قسم کی شوریدہ سری اور دیوانگی کی بات کو اشرفی صاحب نے مفتی اعظم کے سر تھوپنے کی کوشش کی جو سخت گستاخی اور بہت

بڑی سنگین گستاخی ہے۔ اس کی وجہ سے تو مفتی اعظم ہند کے تعلق سے اشرفی صاحب کی عقیدت مشتبہ نظر آتی ہے۔

پھر یہ کہ اس عبارت کا مقصود یہ تھا کہ جہاں کہیں سے ۲۷/۲۸ کو چاند نظر آ سکتا ہے وہاں سے ۲۹/ کا چاند دیکھنا غلط ہے۔ ۲۶/۲۷ کی صبح کو چونکہ سطح ارض ہی سے چاند نظر آتا ہے تو فتویٰ کے مقصود کے پیش نظر اشرفی صاحب کی توجیہہ سے فاسد لازم آتا ہے کہ ۲۹ تاریخ کو سطح ارض سے چاند دیکھنا غلط ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لازم آتا ہے کہ فتویٰ جامع الاضداد ہے کہ خود اس میں فتویٰ درج ہے کہ۔
’’چاند کو سطح ارض یا ایسی جگہ سے دیکھنا چاہئے جو زمین سے ملی ہوئی ہو‘‘

اشرفی صاحب نے اپنے حالیہ مضمون میں بار بار اس کا اعادہ فرمایا ہے کہ ہم نے ایک احتمالی تجویز پیش کی ہے‘‘ اشرفی صاحب کو چاہئے کہ اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرما دیں کہ یہ احتمال ناشی عن دلیل یا لاعن دلیل ہے یا خلاف دلیل تاکہ خود ان کو اور دیگر اہل علم حضرات کو اس احتمال کی حیثیت اور قدر و قیمت بھی معلوم ہو جائے۔

ان ساری باتوں سے کالشّمس فی نصف النہار یہ روشن ہے کہ ۲۶/۲۷ کے فجر مستطیر کے وقت چاند دیکھنے کی بات پاکستانی فتویٰ میں درج نہیں بلکہ ۲۷/۲۸ کی شام کو افق غربی پر چاند دیکھنے کی بات چل رہی ہے۔ فتویٰ کی عبارت کا یہ ٹکڑا تو اس بات پر اس قدر کھل کر دال ہے کہ اس پر حجت قائم کرنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے وہ ٹکڑا ملاحظہ ہو کہ ’’جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷/۲۸ کو بھی چاند نظر آ سکتا ہے‘‘ حالانکہ ۲۷/۲۸ کی صبح کو بلندی پر گئے بغیر ہی چاند نظر آتا ہے۔ لہٰذا اشرفی صاحب نے صحت انتساب کے لئے جو تاویل کی ہے وہ موقع و محل اور سیاق و سباق سبھی کے مخالف اور نہایت ہی کچی بات ہے۔ اشرفی صاحب کو سوچنا چاہئے کہ رویت ہلال کے مسئلہ کو ۲۶/۲۷ کی صبح سے کیا تعلق کہ فتویٰ میں وقت فجر مستطیر کے حوالہ سے بات کہی گئی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ہم نے اشرفی صاحب کے آخری پراگراف پر کلام کر کے شائع کر دیا کہ پاکستانی فتویٰ کا جو نقطۂ عروج ہے جس کی وجہ سے یہ مسئلہ ہندوستان میں زیر بحث ہے حضرت اشرفی

صاحب نے اس کی طرف قطعاً توجہ نہیں فرمائی اور جوفتویٰ میں مذکور نہیں اسی کو مبنی بنا کر صحت انتساب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔مضمون کے آخر میں بطور تمثیل ہم نے یہ بھی لکھا کہ پاکستانی فتویٰ اور جہاز کے ذریعہ ۲۷/۲۸ کی شام کو چاند دیکھ کر اس کی تصدیق سراسر اس افواہ کی طرح ہے کہ ’’جس دن امام حسین کی شہادت ہوئی تھی اس دن سورج گہن تھا (نوٹ) اس جگہ مبیضہ تیار کرنے والے نے عبارت میں ایک لفظ ’’ہوا‘‘ کا اضافہ کر دیا ہے، حالانکہ سورج گہن ۱۰/ تاریخ کو ہرگز نہیں ہوتا وہ ۲۸/۲۹ تاریخ کو ہوتا ہے یا اس افواہ کی طرح ہے کہ ’’غوث اعظم کے ایام شیرخوارگی میں اس دور کے علماء کرام نے عید کے ہلال کے تعلق سے فیصلہ اس پر رکھا کہ اگر بچہ دودھ پی رہا ہے تو ہلال ہو گیا ورنہ نہیں‘ حالانکہ ثبوت ہلال کا مدار رویت پر ہے کسی بچہ (خواہ ولی ہو یا غوث) اس کے دودھ پینے یا نہ پینے پر نہیں۔

میرے مضمون سے چونکہ اشرفی صاحب کے صحت انتساب کا سوچا سمجھا پلان ریت کی دیوار کی طرح ملیا میٹ ہو گیا اس لئے میرے جواب سے اشرفی صاحب کے ناقابل تسخیر انا کو سخت دھچکا لگا۔اس لئے اصل مبحث سے گریز فرما کر دوسری ضمنی بحث چھیڑ دی اور صحت انتساب کے لئے ایک نیا طریقہ ایجاد فرمایا حالانکہ اس عظیم شخصیت کو چاہیئے تھا کہ وہ یا تو میرا نشان لگا ہوا سوال کا برملا اعتراف کرتے یا پھر اس کا تسلی بخش جواب دیتے اور پھر اس کے بعد ضمنی باتوں پر بحث کرتے اس کو اشرفی صاحب ہی بتا سکتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔اصلی مبحث سے کترا کر ضمنی بحث کے ذریعہ ہماری ذات کو کیوں نشانہ بنایا گیا۔(ماہنامہ کنزالایمان اکتوبر ۲۰۰۱ء)

اشرفی صاحب نے اپنے حالیہ مضمون میں جو کچھ قلم بند فرمایا ہے اس کی تلخیص یہ ہے (۱) پاکستانی فتویٰ اور واقعہ کو کرامت کے باب کے حوالہ کر دیا جائے (۲) اس پر حضرت شاہ مولانا غلام حسین کے زائچہ باراں سے استدلال (۳) امام عالی مقام کے یوم شہادت میں سورج گہن والی کرامت کا انکار (۴) حضرت غوث پاک کے ایام شیرخوارگی جس کا تذکرہ میرے مضمون میں ہے اسے انکار کرامت پر محمول کرنا (۵) پھر انکار کرامت کی بحث اور اس سے معجزہ کے انکار کا لزوم۔

ہم انشاء اللہ المولیٰ ترتیب کے ساتھ ان پانچوں باتوں پر اپنی عرضداشت پیش کریں گے۔لیکن اس سے پہلے چند باتیں پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے (۱) اشرفی صاحب نے اپنے مضمون کو اس طرح قلم بند فرمایا اور ایسی ایسی باتیں اس میں لکھی ہیں کہ جس سے مضمون بالکلیہ پند ونصیحت اور وعظ کا میدان معلوم ہوتا ہے جو بنیادی باتیں تھیں اس پر زیادہ توجہ نہ دے کر غیر ضروری باتوں سے اپنے مضمون کو طویل کر دیا ہے۔جس کی وجہ سے مجھے بھی اس کی اتباع کرنی پڑی ہے (۲) اشرفی صاحب کے مضمون پڑھنے کے بعد واضح طور پر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اشرفی صاحب، ہمارے ان مضامین کو جو ماہنامہ کنزالایمان اور ماہنامہ اشرفیہ کے علاوہ کتابچہ کی شکل میں شائع ہوئے ہیں اس کے پڑھے بغیر ہی اپنے مضمون کو ترتیب دیا ہے۔اور اگر پڑھا ہے تو یقیناً اکثر باتیں ذہول کی نذر ہو گئی ہیں یہی وجہ ہے کہ جن باتوں کا جواب ہمارے مضامین میں موجود ہے ان باتوں کو پھر سے اشرفی صاحب نے اعادہ فرمایا ہے اشرفی صاحب سے میری پرخلوص گزارش ہے کہ آپ کم ازکم میری خاطر ہی سہی ایک بار اس کتابچہ کو ضرور پڑھ لیں۔ہوسکتا ہے اس سے بہت سی مفید باتیں سامنے آجائیں۔

ہمارے توضیحی بیان والے مضمون میں موجود ہے کہ یہاں یہ بات بھی ان احباب کو ملحوظ رکھنا چاہیئے تھی کہ ’’اس پاکستانی مسئلہ میں جو لوگ اس کی حقانیت پر اصرار کرتے اور انتساب کو صحیح مانتے ہیں وہ لوگ اصولاً مدعی کی حیثیت رکھتے ہیں اور میں چونکہ انتساب کا انکار کرتا اور واقعہ کی صحت پر اعتماد نہیں رکھتا اس لئے میرا موقف سائل کا موقف ہے۔اصرار کرنے والے حضرات کے لئے مجھ پر طعن وتشنیع کرنے کے بجائے یہ ضروری تھا کہ وہ لوگ دلائل وبراہین سے اپنا مدعا ثابت کرتے اور ہمارے شبہات کو رد کرتے۔لیکن افسوس کہ یہ لوگ اصول سے ہٹ کر محض افتاد طبع کی بنیاد پر طعن وتشنیع کو ہی اپنا وظیفہ بنائے ہوئے ہیں (اور اس سے اوپر پیراگراف میں یہ بھی درج ہے کہ) ادھر ہم نے اپنے احباب سے (بالخصوص مولانا اعجاز انجم صاحب سے) یہ بھی عرض کیا تھا کہ آپ حضرات پاکستانیوں سے رابطہ قائم کریں، وہاں کی حکومت کی تحویل میں اس کا ریکارڈ ضرور محفوظ ہوگا۔ان سے

فتویٰ کی فوٹو کاپی طلب کریں اور پاکستانی لائبریریوں سے وہ اخبارات حاصل کریں جن میں یہ خبر شائع ہوئی۔ اگر یہ چیزیں فراہم ہوجاتی ہیں تو ہم کو اپنا مضمون مسترد کرنے میں کوئی تردد نہ ہوگا۔ ورنہ بصورت دیگر ہم کچھ اور معروضات پیش کریں گے جن سے ہمارے موقف کی مزید وضاحت ہوجائے گی۔ اب چونکہ کوئی ایسی بات نہیں پیش کی گئی جس کی وجہ سے مجھے اپنے مضمون کو مسترد کرنا ضروری ہوتا۔ ادھر بعض احباب نے میرے مضمون کو سرسری طور پر ملاحظہ کرنے کے بعد نہایت ہی منفی رویہ اختیار کرکے ہماری ہوا خیزی کرنا چاہی اس لئے مجبور ہوکر ان احباب کی خدمت میں یہ دوسرا مضمون پیش کررہے ہیں تاکہ ہمارے موقف کی اچھی طرح وضاحت ہوجائے۔

مندرجہ بالا اصول بحث کے پیش نظر ہم نے اشرفی صاحب کے مضمون سابق کے جواب میں پھر اعادہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''پروفیسر مسعود صاحب سے میرے مضمون کے جواب کے لئے کہنے سے بہتر یہ تھا کہ ان سے پوچھتے کہ آپ تو ماہر رضویات ہیں اور آپ کا مستقل قیام پاکستانی ہی میں ہے کیا جنرل ایوب کے دور حکومت میں سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کے فتویٰ کے تعلق سے جو خبر گرم ہے اس کے متعلق آپ کا کیا علم ہے وغیرہ وغیرہ الخ جسے تفصیل کے ساتھ اشرفی صاحب نے اپنے حالیہ مضمون میں درج فرمایا ہے اور اس پر اشرفی صاحب نے اپنا من مانی تبصرہ بھی فرمایا ہے اور حیرت تو یہ کہ اس کے بعد کا مضمون اشرفی صاحب نے یکسر بھلا دیا۔ اس میں درج ہے کہ ''پھر ماہر رضویات کو بھی چاہئے تھا کہ وہ یہ جواب عنایت فرماتے'' کہ بھئی پاکستان میں اس قسم کی کسی روایت کی دھوم دھام نہیں اگر ہوتی تو بھلا ہم کیسے ماہر رضویات ہیں کہ ان سے بے خبر رہیں۔ یہ ساری باتیں تو ہم نے ہندوستان کے علماء کرام کی تقریروں اور تحریروں سے معلوم کیا کاش اگر اشرفی صاحب کے ذہن میں یہ تحریر ہوتی تو اتنا من مانی تبصرہ نہ فرماتے۔

الحاصل یہ کہ اب تک مدعی حضرات نہ یہ ثابت کرسکے کہ سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند نے ایسا فتویٰ پاکستانیوں کو دیا تھا اور نہ یہ متحقق ہوسکا کہ پاکستانیوں نے ۲۷/۲۸ کی شام کو ہوائی جہاز سے پرواز کرکے چاند دیکھ لیا تھا۔ بلکہ مولانا اعجاز صاحب کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ پاکستانیوں نے تو صاف جواب دے دیا کہ یہاں اس قسم کی کوئی خبر گرم نہیں البتہ ہندوستانی علماء کی تقریر وتحریر کے ذریعہ ہم لوگوں کو اس کا علم ہوا۔ اور اس طرح اس کا چرچا شروع ہوگیا۔ یعنی ثبوت فراہم کئے بغیر سب کچھ ہوا ''تو یہ ہوا ہیئت دانوں کی تحقیق پر زبردست طمانچہ'' اور اس میں بطور حوالہ فتاویٰ رضویہ کی ان عبارتوں کو نقل کردیا جو نصوص دربارۂ قواعد رویت ہلال نہیں'' کہ ہیئت کی ان باتوں کا جو دربارۂ رویت ہلال ہیں ان کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں۔ اور جب ادھر سے امام احمد رضا کے ان احتجاج کو پیش کیا گیا جو زیج وہیئت پر مبنی ہے اور فتاویٰ رضویہ جلد نہم سے یہ عبارت نقل کی گئی کہ ''اسی طرح بہت سے اجزائے حکمت مثل ریاضی، ہندسہ وحساب وجبر ومقابلہ وارثماطیقی وسیاحت ومرایا ومناظر وجرثقیل وعلم مثلث کروی ومثلث مسطح وسیاست مدن وتدبیر منزل ومکائد حروب وفراست وطب وتشریح وبیطرہ بیزرہ جہ وعلم زیجات واسطرلاب وآلات رصدیہ ومواقیت ومعاون ونباتات وحیوانات وکائنات الجو وجغرافیہ بھی شریعت مطہرہ سے مضادت نہیں رکھتے بلکہ ان میں بعض بلا واسطہ بعض بالواسطہ امور دینیہ میں نافع ومعین صفحہ ۸۱۔ اور آگے یہ تحریر ہے ''اور تعلیقات میں ہزارہا صورتیں نکلیں گی جن کا حکم بغیر ان علوم کے ہرگز نہ کھلے گا اور فقیہ کو ان کی طرف رجوع سے چارہ نہ ملے گا'' تو پھر زبردست طمانچہ ہیئت دانوں کی تحقیق کو پلٹ کر خود اس کے منہ پر پڑنے لگا اور اب حال یہ ہے کہ نہایت حسرت ویاس کے ساتھ کو بکو پھر رہے ہیں۔ اور ادھر جب سے اشرفی صاحب کا مضمون ''ارباب شرع کے نزدیک چاند کی ۲۸ منزلیں'' منصۂ شہود پر آیا تو زبردست طمانچہ کے زد میں آنے والے کا جو کچھ بھی رہا سہا ہوش وحواس تھا وہ بھی رخصت ہوگیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اب تک مدعی حضرات اپنے دعویٰ کا ثبوت نہیں پیش کرسکے بلکہ ان مفروضہ کو متحقق مان کر یہی کہتے رہے کہ ایسا کیوں نہیں ہوسکتا، ویسا کیوں ممکن نہیں، یہ بھی تو احتمال ہے وہ بھی تو ممکن ہے کیا یہ محال بالذات کہ اس کا وقوع ہو بھی نہیں سکتا، یہاں یہ احتمال ہے یہاں یہ امکان ہے کیا فلاں موقع پر ایسا نہیں ہوا تھا تو یہاں ایسا ہی ہوسکتا ہے وغیرہ ذلک، یہ باتیں ایک ناگپوری سے لے کر حضرت اشرفی صاحب سمیت مدعیان، جی کھول کر الاپتے اور لکھتے بولتے رہے۔ اس لئے

ضروری کہ امام احمد رضا کا وہ فرمان جو ایسے موقع کے لئے فرمایا ہے مضمون میں درج کر دیا جائے تاکہ خود مدعی حضرات اور ان کے حامی کے ساتھ ساتھ قارئین کرام بھی مستفید ہوں امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔اقوال و وقعات کا کام فرضیات سے نہیں چلتا۔ مدعی کا مطلب شاید اور ممکن سے نہیں نکلتا یہ لوگ طریقہ استدلال میں محض نابلد ہیں۔اگر کوئی شے مشاہدہ یا دلیل سے ثابت ہوا اور اس کے لئے ایک سبب متعین ہو مگر اس میں کچھ اشکال ہے جو چند طریقوں سے رفع ہوسکتا ہے اور ان میں کوئی طریقہ معلوم الوقوع نہیں وہاں احتمال کی گنجائش ہے کہ جب فہم متحقق اور اس کا یہ سبب متعین تو اشکال واقع یقیناً مندفع، تو یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ شاید یہ طریقہ ہو لیکن ناثابت بات کے ثابت کرنے میں فرض واحتمال کا اصلاً محل نہیں کہ یوں تو وہ ہمارے اس فرض کے تابع ہوئی۔ یوں فرض کریں تو ہوسکے نہ کریں تو نہ ہوسکے۔اسے مدعا کے لئے وہی کافی جانے گا جو مجنون ہو۔ پھر اگر شے ثابت اور متحقق ہے اور یہ سب متعین نہیں تو دفع اشکال بر بنائے احتمال ایک مجنونانہ خیال اور اگر سرے سے شے ہی ثابت نہیں اور نہ اس کے لئے یہ سبب متعین تو پھر اس میں اشکال تو کسی احتمال سے اس کا علاج کر کے شئ اور سبب دونوں ثابت مان لینا دوہرا جنوں اور پورا اضلال پھر اگر علاج کے بعد بھی ثابت نہ بنے جیسا کہ یہاں ہے تو جنونوں کی گنتی ہی نہ رہی۔ یہ نکتہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ بعض جگہ مخالف دھوکا نہ دے سکے (فوز مبین)

اب پاکستانی جعلی فتویٰ اور اختراعی واقعہ کے مثبتین اور منکرین کے احوال واقوال اور کوائف وحالات کو مدنظر رکھتے ہوئے قارئین کرام خود ہی فیصلہ کریں کہ فوز مبین کی مندرجہ بالا عبارت کی روشنی میں کون مجنون ہے؟ اور کس میں کتنے جنون ہیں؟ (نوٹ) اعلیٰ حضرت کے فرمان پر قربان جایئے کہ آپ نے اپنے دور کے متعلق فرمایا کہ ”جیسا کہ یہاں ہے“ اور آج زیر بحث مسئلہ میں سو فیصد منطبق کہ ”جیسا کہ یہاں ہے“۔

سرگذشت حالات ملاحظہ فرمانے کے بعد اب قارئین کرام ان باتوں کو ملاحظہ فرمائیں جو اشرفی صاحب کے حالیہ مضمون میں درج ہے۔

اشرفی صاحب نے مجھے بطور نصیحت مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اگر آپ مفتی اعظم ہند کے اس فرمان کو ان کی کرامات کہہ دیتے تو آپ کے علم میں چار چاند لگ جاتا۔لیکن سوال یہ ہے کہ اولاً تو اس کا ثبوت ہی نہ ہوسکا کہ مفتی اعظم ہند نے ایسا فتویٰ دیا ہے اور نہ ہی یہ ثابت ہوسکا کہ پاکستانیوں نے ۲۷/۲۸ تاریخ کو بذریعہ ہوائی جہاز پرواز کر کے چاند دیکھ لیا تھا۔تو بھلا پھر کوئی پاگل ہی ہوگا کہ ناثابت شدہ بات کو مفتی اعظم ہند کی کرامت میں شمار کرے گا کم از کم ہم سے ایسا نہیں ہوسکتا ثانیاً یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کل آپ تطبیق کے لئے اپنے سابقہ مضمون میں تو یہ فرمار ہے تھے کہ ۲۶/۲۷ کو فجر مستطیر کے وقت چاند دیکھنا ثابت ہے اس کا انکار بداہت کا انکار ہے اور یہاں پاکستانی فتویٰ میں یہی مراد ہے۔کیا ایسی بداہت کو کرامت کہا جاسکتا ہے۔اور اگر اس بداہت کو نہیں بلکہ ۲۷/۲۸ کی شام کو رویت مان لیا جائے اور پھر اس کو کرامت شمار کیا جائے تو سوال ہے کہ آخر اتنی جلدی نظریہ میں ایسی تبدیلی کیسے واقع ہوگئی۔کیا یہ وہی بات نہیں جسے فوز مبین میں امام احمد رضا نے فرمایا کہ ایسی بات کہنا جنون در جنون ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے سامنے کچھ ایسے اشکالات ہیں کہ جن کی وجہ سے ہم نہ اس فرمان کو فتویٰ کہہ سکتے اور نہ اسے باب کرامت کے ساتھ وابستہ کر سکتے ہیں۔(۱) چونکہ فتویٰ میں ۲۷/۲۸ کی شام کو چاند نظر آنے کی تعلیل بذریعہ امور طبیعیہ اور نوعیہ بذریعہ اسباب عادیہ موجود ہے ”اصل فتویٰ میں یہ عبارت موجود ہے کہ ”کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا اس لئے کہیں ۲۹/ اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے“ اور اس فتویٰ میں یہ بھی ہے ”اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷/۲۸ کو بھی چاند نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۷/۲۸ تاریخ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا ایسی حالت میں جہاز سے چاند دیکھنا کب معتبر ہوگا“ جب کہ کرامت میں ایسی تاویل وتوجیہ نہیں ہوتی ورنہ پھر وہ کرامت کیا ہوئی۔

مندرجہ بالا فتویٰ کی پوری عبارت بہانگ دہل یہ کہہ رہی ہے کہ اس فتویٰ کا تعلق کرامت سے ہرگز نہیں بلکہ فقیہانہ بصیرت سے ہے۔اگر غور کیا جائے تو فتویٰ کا آغاز ہی واضح کر رہا ہے کہ آگے

آنے والے حکم کا کرامت سے کوئی تعلق اور کوئی رشتہ نہیں ملاحظہ ہو۔'' چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شہادت شرعی پر قاضی شرع حکم دے گا۔ چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہو وہاں سے دیکھنا چاہیئے۔ جہاز سے چاند دیکھنا تو غلط ہے'' یہ ساری باتیں واضح کر رہی ہیں کہ اس فتویٰ کا کرامت سے کوئی رشتہ نہیں (۲) خود اشرفی صاحب بھی یہی سمجھ کر اسے سابقہ مضمون میں تطبیق دیتے ہوئے رقم طراز ہیں'' کہ اب اگر کوئی عالم دین یا قاضی شہر عوام الناس کو خاموش کرنے کے لئے الزامی طور پر یہ کہہ دے کہ اگر چاند دیکھنے کی ہی بات ہے اور شریعت کا لحاظ اور اس کی رعایت اور پاسداری مقصود و منظور نہیں تو ۲۷ رہی کو چاند دیکھ لو'' اور آگے ارشاد ہے'' تو کیا اس عالم دین اور قاضی شہر کا یہ الزامی جواب زجراً وتوبیخاً عوام الناس کی تفہیم کے لئے مناسب نہ ہوگا؟ کہ وہ رویت ہلال کے مسئلہ میں شرعی اصول کے پابند ہو جائیں (۳) یہ تھا فتویٰ میں مفتی صاحبان حکم شرع بیان کرتے ہیں اپنی کرامت کا اظہار نہیں کرتے (۴) ۲۸ر تاریخ کو رویت ہلال چونکہ محال شرعی ہے یعنی جس طرح ۲۸ دن کا مہینہ ہونا محال شرعی اسی طرح ۲۸ تاریخ کو چاند دیکھنا بھی محال شرعی ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں۔ رویت ہلال میں جس قدر عقلی بات ہے کہ شرع مطہر نے قبول فرمائی مثلاً ۲۸ کو چاند نہیں ہوسکتا اتنی تو قواعد شرعیہ میں آگئی'' (فتاویٰ رضویہ) ۲۸ کو چاند نظر نہ آیا جب قواعد شرعیہ میں آگیا تو لامحالہ اس دن چاند دیکھنا محال شرعی ہوا۔ محال شرعی کے متعلق اشرفی صاحب کا فرمان خود موجود ہے کہ اس کے خلاف ہو نہیں سکتا۔ دوسری جگہ اشرفی صاحب فرماتے ہیں اور محال شرعی کا وجود ہرگز ہرگز ممکن نہیں'' لہٰذا محال شرعی سے کرامت کا تعلق نہیں ہوسکتا (۵) فرمان رسول علیہ السلام الشہر ہکذا ہکذا الخ سے ثابت ہوتا ہے کہ شرعی مہینے ۲۹ر یا ۳۰ر کے ہوں گے نہ ان سے کم نہ ان سے زیادہ۔ رسول کریم علیہ السلام کا فرمان کہ'' صوموا الرویۃ وافطروا الرویۃ'' سے یہ بھی ثابت ہے کہ ماہ رواں کی نہایت اور ماہ آئندہ کی بدایت رویت ہلال سے ہے۔ لہٰذا حدیث اول سے جس طرح یہ ثابت کہ ۲۸ر یوم کا مہینہ ہونا محال شرعی ہے اسی طرح حدیث ثانی سے یہ ثابت کہ ۲۸ر تاریخ کو رویت ہلال ہونا بھی محال شرعی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا نے

فرمایا کہ اتنی بات تو قواعد شرعیہ میں آگئی مثلاً ۲۸ر کو چاند نظر نہیں آسکتا'' اور محال شرعی کے متعلق اشرفی صاحب خود فرماتے ہیں جیسا کہ اوپر درج کہ اس کا وجود ہرگز ہرگز ممکن نہیں اس لئے یہ کرامۃً بھی نہیں ہوسکتا ہے ۲۷/۲۸ کی شام ہوائی جہاز سے بلندی پر جانے کے بعد چاند نظر آجائے۔ اگر ایسا ہوتا تو اعلیٰ حضرت اپنے دوست کے اس واقعہ کے متعلق جو جد الممتار میں منقول ہے یہی فرماتے کہ ۲۸ر تاریخ کو رویت میرے دوست کی کرامت سے ہوئی۔ حالانکہ آپ فرماتے ہیں دراصل شاید ان کو اشتباہ ہو گیا اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مفتی احتشام الدین کے پیش کردہ اعتراض کے جواب میں اشرفی صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے کہ ۲۸ر تاریخ کو بطور کرامت ہلال نظر آسکتا ہے البتہ ۲۸ر دن کا مہینہ بطور کرامت بھی نہیں ہوسکتا'' ایسا جواب دراصل خود فریبی کا نتیجہ ہے۔

اس واقعہ کو مفتی اعظم ہند کی کرامت میں شمار کرنے کا مشورہ دینے میں بھی اشرفی صاحب کی خفیہ زیرکی کی جھلک واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ اگر ایسا ہوتا ہے تو مستقبل میں لوگوں کو مفتی اعظم اور ان کے مریدوں کی تضحیک کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ لوگ محفلوں میں بیٹھ کر یہ تبصرہ کریں گے کہ بریلی شریف کے مفتی اعظم ہند نے پاکستانیوں کو یہ فتویٰ دیا کہ ہوائی جہاز سے ۲۷/۲۸ کو بھی چاند نظر آسکتا ہے اور جب یہ فتویٰ کسی طرح بھی علم وفن کے معیار پر نہ اتر سکا تو ان کے مریدوں نے جان چھڑانے کے لئے اس قصہ کو مفتی اعظم کی کرامت کے خانہ میں ڈال دیا۔ ان کے جاہل مریدوں کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ جس طرح ۲۸ر دن کا مہینہ ہونا محال شرعی اسی طرح ۲۸ر تاریخ کو ہلال نظر آنا محال شرعی اور محال شرعی سے کرامت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا'' اشرفی صاحب کی اس قسم کی زیرکی سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مفتی اعظم ہند کے تعلق سے ان کی عقیدت مشتبہ ہے ورنہ وہ ایسی لایعنی باتیں کیوں سوچتے رہتے، کرامت کا انکار تو مذہب معتزلہ نے کیا ہے اشرفی صاحب کو چاہیئے کہ یہ بھی واضح کر دیں کہ محال شرعی کے کرامت کے طور پر وقوع کا اقرار کس کا مذہب ہے اور کس کا عقیدہ ہے۔

پاکستانی جعلی فتویٰ کو ہم اگر فتویٰ کا درجہ دیں تو یہ بھی نہیں ہو پاتا (۱) ۲۸ تاریخ کو چاند دیکھنا محال شرعی اور محال شرعی کے وجود کا حکم فتویٰ میں دینا صحیح نہیں بلکہ سراسر باطل جب کہ یہاں فتویٰ میں

موجود ہے کہ بلندی پر جانے کے بعد ۲۷/۲۸ کو بھی چاند نظر آ سکتا ہے۔اور پاکستانیوں نے اس تاریخ کو چاند دیکھ بھی لیا تھا(۲)۲۸ر تاریخ کو شرعاً اور از روئے ہیئت ورتیج کے ساتھ ساتھ عادۃً بھی چاند دیکھنا محال ہے۔محال عادی کے بارے میں مسلم الثبوت میں ہے **ولا یجوز شرعاً لقوله تعالیٰ لا یکلف الله نفسا الا وسعها** (۳)۲۸ر کو رویت از قبیل خرق عادت ہو تو پھر فتویٰ نہیں اور اگر از قبیل خرق عادت نہیں تو پھر کرامت نہیں۔لہٰذا اس فتویٰ کو فتویٰ ماننا درست نہیں۔(۴)ان کے علاوہ اس کو فتویٰ ماننے میں وہ ساری قباحتیں لازم آتی ہیں جو میرے مبسوط مقالہ میں موجود ہیں۔

الغرض اس فتویٰ کو فتویٰ ماننا یا اس باب کو کرامت سے شمار کرنا دونوں باتیں یہاں نہیں ہو پاتیں۔اگر بار خاطر نہ ہو تو اشرفی صاحب سے معذرت کے ساتھ یہ عرض ہے کہ آپ نے مجھے ایسے فتویٰ کے بارے میں باب کرامت سے ماننے کی نصیحت کی ہے جس کا اب تک ثبوت نہ ہوسکا بلکہ فوز مبین کی روشنی میں اس کی حیثیت نا قابل التفات ہے ایسے موقع پر میری بھی آپ سے گزارش ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے مسئلہ میں (جس کا وجود ثبوت ہے) آپ نے خواہ مخواہ مفتی اعظم ہند کی مخالفت کی آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ لاؤڈ اسپیکر کے اس فتویٰ کو باب کرامت میں مان کر وہی حکم دیتے جو حضور مفتی اعظم ہند نے دیا ہے اسی طرح یہاں کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ علماء متقدمین اور سلف صالحین کی جن باتوں پر امام احمد رضا نے کلام فرما کر تطفل کے الفاظ استعمال کئے ہیں وہاں اعلیٰ حضرت کو یہی کہنا چاہیئے تھا کہ یہ ہمارے اسلاف کی کرامتیں ہیں۔اور آپ کو چاہیئے کہ آپ ان تطفلات کے متعلق اپنے نظریہ کے پیش ہر جگہ لکھ دیں کہ خلاف مشائخ کسے رہ گزید۔کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید۔تا کہ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے آپ کی عقیدت یہاں بھی نمایاں ہو جائے۔

اور امام احمد رضا نے جن تحقیقات کی بنا علم ہیئت پر رکھا ہے اس کے متعلق ناگپوری صاحب کو چاہیئے کہ ہر جگہ وہ اپنے وسیع معلومات کے مطابق یہ لکھ دیں کہ ہیئت دانوں کی تحقیق پر زبردست طمانچہ''

الحاصل یہ کہ جعلی فتویٰ چونکہ محض کسی کا گڑھا ہوا ہے جس کا ثبوت لاکھ تجسس اور تفتیش کے بعد

بھی نہ ہوسکا اور پاکستانی حضرات بھی اس کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ یہاں اس کی کوئی دھوم دھام نہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہ جعلی فتویٰ مفتی اعظم ہند کے فتویٰ سے نہیں جوڑا جاسکتا ہے ورنہ فتویٰ کا محال عادی کے حکم پر مشتمل ہونا لازم آئے گا اور خود اس میں ایسی باتیں موجود ہیں کہ جن کی وجہ سے اسے کرامت سے بھی وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔اس لئے اشرفی صاحب کے دانشمندانہ مشورہ میں کسی طرح عمل نہیں کرسکتا یعنی اگر علامہ موصوف خود ہی یہ کام کردیں تو پھر ہم ہی نہیں بلکہ جملہ مسلمانان ہند وغیرہ ان کے شکر گزار رہوں گے۔

حضرت مولانا شاہ غلام حسین صاحب حسینی کے تعلق سے جو کچھ اشرفی صاحب نے پیش فرمایا ہے وہ ہرگز ان کے مطلوب کا موید نہیں۔اس کی قدرے تفصیل ملاحظہ فرمائیں تا کہ میری بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔علم نجوم دراصل اس علم کو کہتے ہیں جس میں نیرین اور دیگر سیارات کی تقویمات،قمر کے منازل اور ان کے حالات اور وضع وغیرہ سے بحث ہوتی ہے۔کچھ لوگ ان ہی حالات اور اوضاع کی روشنی میں زائچہ تیار کرتے ہیں اور دنیا بھر کے بارے میں مثلاً بارش،نوزائیدہ بچے کی عمر اور اس کی زندگی کے احوال کیا کیا ہوں گے۔کون سی شادی سازگار ہوگی کون سی باعث رنج والم۔کس ملک میں کیا ہوگا وغیرہ وغیرہ بتاتے ہیں یعنی عرف میں جس کے جاننے والے کو نجومی کہتے ہیں۔حضرت مولانا غلام حسین صاحب کے واقعہ کا تعلق اصلی علم نجوم سے نہیں تھا بلکہ موخر الذکر علم نجوم سے تھا پہلے والے علم کو علم نجوم حقیقۃ اور دوسرے کو عرفاً ومجازاً کہا جاتا ہے۔ورنہ اس کا نام علم احکام النجوم ہے۔امام احمد رضا نے اسی موخر الذکر علم نجوم کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ''اس کے بعد استخراج اسہام ہے جس میں سہم السعادۃ،سہم الغیب ضروری سمجھے جاتے ہیں اس کے بعد احکام بننے کا وقت ہے جو محض جہل وجزاف ہے(فتاویٰ رضویہ۲۱۲۔۱۹۵) جس کا حاصل یہ ہے کہ زائچہ کی رو سے جو احکام بنائے جاتے ہیں وہ محض جہل وجزاف ہے۔ظاہر ہے کہ حضرت مولانا غلام حسین صاحب نے جو زائچہ پیش کر کے حاکم بتاتے تھے وہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک محض جہل وجذاف تھا۔اعلیٰ حضرت کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں تھا کہ واقعی زائچہ میں سیارگان کی وضع اور قمر کی منزل ایسی نہیں کہ جسکی وجہ

سے بارش نہیں ہو پاتی۔ اگر زائچہ بارش کے مطابق ہو جائے تو پھر بارش ضرور ہوگی۔ اعلیٰ حضرت نے فقط مجارۃ کے طور پر گھڑی کی سوئی گھما کر مولانا کو خاموش فرمادیا۔ تلخیص المفتاح میں، **وقولھم ان نحن الا بشر مثلکم من باب مجاراۃ الخصم لیعثر حیث یراد تبکیتہ لالتسلیم الا نتفاء الرسالۃ.**" اور پھر رب العزت کی قدرت سے بارش ہوگئی۔ اس واقعہ کا منشا یہ نہیں ہے کہ جس طرح سوئی گھما کر بارہ بجائے گئے تھے اسی طرح رب العزت نے تمام سیارگان کو ایسی وضع پر پہونچا دیا تھا کہ جس وضع سے بحسب علم الاحکام بارش ہوتی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ مولانا غلام حسین صاحب نے علم الاحکام کی رو سے جو کچھ فرمایا تھا امام احمد رضا نے اس کی تائید کردی جسے فتاویٰ رضویہ میں خود ہی فرمادیا ہے کہ "اس کے بعد احکام بکنے کا وقت ہے جو محض جہل وجزاف ہے" علم الاحکام کی رو سے اگر سیارگان کے مابین وہ وضع نہ بھی ہو (جو ان کے عقیدے کے مطابق بارش کے لئے ضروری ہے) جب بھی رب العزت اپنے فضل وکرم سے بارش برسادیتا ہے بارش کیلئے سیارگان کی وضع میں تبدیلی لانا کوئی ضروری نہیں جو ایسا کہے وہ محض بکواس ہے لہٰذا اس تفصیل سے واضح ہوا کہ اس واقعہ سے اشرفی صاحب کا مطلوب ہرگز پورا نہیں ہوتا۔

سورج گہن اور ایام شیر خوارگی کے واقعہ پر بحث کرنے سے پہلے بطور تمہید ایک بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اصطلاح شرع میں بزرگوں کی کرامت وہ محال عادی ہوتا ہے جو بطور خرق عادت ظہور پذیر ہو اور اس کے ساتھ ہی وہ اس صاحب کمال بزرگ کے فضل وشرف پر دلا بھی ہو۔ ویسے عرفاً بزرگانہ، وہ اوصاف جن سے کسی بزرگ کی مرتبت اور منزلت واضح ہو اسے بھی کرمت کہتے ہیں جیسے کسی بزرگ کو دینی امور میں محنت شاقہ برداشت کرتے ہوئے دیکھنے پر لوگ کہتے ہیں کہ بھئی یہ تو ان کی کرامت ہے اور جسے حضرت مولانا غلام حسین صاحب چشتی کے واقعہ میں جو اعلیٰ حضرت کی کرامت مذکور ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے ورنہ اس دن بارش ہو یا محال عادی نہ تھا۔ ہمارے اشرفی صاحب کے مابین زیر بحث کرامت اصطلاحی بے عرفی نہیں۔ اب آپ حضرات آنے والے مضمون کو پڑھیں اور غور کر کے فیصلہ کریں۔

دوسری قسط

کہ جاہا سپر باید انداختن

اس واقعہ کو مفتی اعظم ہند کی کرامت میں شمار کرنے کا مشورہ دینے میں بھی اشرفی صاحب کی خفیہ زہر کی جھلک واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے اگر ایسا ہو جائے تو مستقبل میں لوگوں کو مفتی اعظم اور انکے مریدوں کی تضحیک کا موقع ہاتھ آجائے گا اور محفلوں میں بیٹھ کر یہ تبصرہ کریں گے کہ بریلی شریف کے مفتی اعظم ہند نے پاکستانیوں کو یہ فتویٰ دیا کہ ہوائی جہاز سے ۲۸/۲۷ کو بھی چاند نظر آسکتا ہے اور جب یہ فتویٰ کسی طرح بھی ان کے علم وفن کے معیار پر نہ اتر سکا تو ان کے مریدوں نے جان چھڑانے کے لئے اس قصہ کو مفتی اعظم ہند کی کرامت کے خانے میں ڈال دیا۔ انکے جاہل مریدوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ جس طرح ۲۸/دن کا مہینہ ہونا محال شرعی اسی طرح ۲۸/تاریخ کو ہلال نظر آنا بھی محال شرعی ہے۔ اور محال شرعی سے کرام کا کوئی تعلق نہیں ہوتا"۔ اشرفی صاحب کی اس قسم کی زیرکی سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مفتی اعظم ہند کے تعلق سے ان کی عقیدت مشتبہ ہے ورنہ وہ ایسی لایعنی باتیں کیوں سوچتے رہتے۔ کرامت کا انکار تو مذہب معتزلہ ہے۔ اشرفی صاحب کو چاہئے کہ یہ بھی واضح کردیں کہ محال شرعی کے کرامت کے طور پر وقوع کا اقرار کس کا مذہب ہے اور کس کا عقیدہ

ہے۔

پاکستانی جعلی فتویٰ کو اگر ہم فتویٰ کا درجہ دیں تو یہ بھی نہیں ہو پتا۔

(۱) ۲۸ر تاریخ کو چاند دیکھنا محال شرعی اور مھال شرعی کے وجود کا حکم فتویٰ میں دینا صحیح نہیں بلکہ سراسر باطل ہے جب کہ یہاں فتویٰ میں موجود ہے کہ بلندی پر جانے کے بعد ۲۸/۲۹ر کو بھی چاند نظر آسکتا ہے۔ اور پاکستانیوں نے اس تاریخ کو چاند دیکھ بھی لیا تھا۔

(۲) ۲۸ر تاریخ کو شرعاً از روئے ہیئت وزیج کے ساتھ عادۃ بھی چاند دیکھنا محال ہے۔ محال عادی کے بارے میں مسلم الثبوت میں ہے **ولا یجوز شرعاً لقوله تعالیٰ ولا یکلف الله نفسا الا وسعها۔**

(۳) ۲۸ر تاریخ کو رویت از قبل خرق عادت ہو تو پھر فتویٰ نہیں اور اگر از قبل خرق عادت نہیں تو پھر کرامت نہیں۔ لہٰذا اس فتویٰ کو فتویٰ ماننا درست نہیں۔

(۴) ان کے علاوہ اس کو فتویٰ ماننے میں وہ ساری قباحتیں لازم آتی ہیں جو میرے مبسوط مقالہ میں موجود ہیں۔

الغرض اس فتویٰ کو فتویٰ ماننا یا اس کو باب کرامت سے شمار کرنا دونوں باتیں یہاں نہیں ہو پاتیں۔ اگر بار خاطر نہ ہو تو اشرفی صاحب سے معذرت کے ساتھ یہ عرض ہے کہ آپ نے مجھے ایسے فتویٰ کے بارے میں باب کرامت سے ماننے کی نصیحت کی ہے جس کا ب تک ثبوت نہ ہو سکتا ہے بلکہ فوز مبین کی روشنی میں

(دس نمبر صفحہ چھوٹا ہوا ہے)

جس کا حاصل یہ ہے کہ زائچہ کی رو سے جو احکام بتائے جاتے ہیں وہ محض جہل وخراف ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت مولانا غلام حسین صاحب نے جو زائچہ پیش کر کے احکام بتائے تھے وہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک محض جہل وخراف تھا۔

اعلیٰ حضرت کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں تھا کہ واقعی زائچہ نہیں سیارگان کی وضع اور قمر کی منزل ایسی

نہیں کہ جس کی وجہ سے بارش نہیں ہو پاتی اگر زائچہ بارش کے مطابق ہو جائے تو پھر بارش ضرور ہوگی۔ اعلیٰ حضرت نے فقط مجاراۃ کے طور پر گھڑی کی سوئی گھما کر مولانا کو خاموش فرما دیا۔ **تلخیص المفتاح وقولهم ان نحن الا بشر مثلكم من......** اور پھر رب العزت کی قدرت سے بارش ہوگئی۔ اس واقعہ کا منشاء یہ نہیں ہے کہ جس طرح سوئی گھما کر بارہ بجائے گئے تھے اسی طرح رب العزت کی تمام سیارگان کو ایسی وضع پر پہنچا دیا تھا کہ جس وجہ سے بسبب علم الاحاکم بارش ہوتی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ مولٰینا غلام حسین صاحب سے علم الاحکام کی رو سے جو کچھ فرمایا تھا امام احمد رضا نے اس کی تائید کر دی جیسے فتویٰ رضویہ میں خود ہی فرمایا ہے کہ ”اس کے بعد احکام بکنے کا وقت ہے جو محل جہل وخراف ہے“ علم الاحکام کی رو سے اگر سیارگان کے مابین وہ وضع نہ بھی ہو (جو ان کے عقیدے کے مطابق بارش کے لئے ضروری ہے) جب بھی رب العزت اپنے فضل وکرم سے بارش برسا دیتا ہے بارش کے لئے سیارگان کی وضع میں تبدیلی لانا کوئی ضروری نہیں جو ایسا کہے وہ محض بکواس ہے لہٰذا اس تفصیل سے واضح ہوا کہ اس واقعہ سے اشرفی صاحب کا مطلب ہرگز پورا نہیں ہو پایا۔

سورج گہن اور ایام شیر خوارگی کے واقعہ پر بحث کرنے سے پہلے بطور تمہید ایک بات کو ذہن نشیں رکھنا ضروری ہے کہ اصطلاح شرع میں بزرگوں کی کرامت ہو محال عادی ہوتا ہے جو بطور خرق وعادت ظہور پذیر ہو اور ساتھ ہی وہ اس صاحبِ کمال گز رگ کے فضل وشرف پر دال بھی ہو۔ ویسے شرفاء بزرگان وہ اوصاف جسے کسی بزرگ کی مرتبت کہتے ہیں کہ بھئی یہ تو ان کی کرمات ہے اور جسے حضرت مولانا غلام حسین صاحب حسینی صاحب چشتی کے واقعہ میں جو اعلیٰ حضرت کی کرامت مذکورہ ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے ورنہ اس دن بارش ہونا محال عادی نہ تھا۔ ہمارے اور اشرفی صاحب کے مابین زیر بحث کرامت اصطلاحی ہے عرفی نہیں۔ اب آنخضرت آنے والے مضمون کو پڑھیں اور غور کر کے فیصلہ کریں۔

شرفی صاحب نے یوم شہادت میں سورج گہن کے مسئلہ میں مجھے منکر کرامت کہا ہے۔ معتزلی کا ہم مذہب بلکہ اس سے بھی گئے گزرے گردانا ہے۔ اولاً تو ہمارے مسودہ میں یہ تھا کہ یہ افواہ ہے کہ

اس دن سورج گہن تھا جس سے واضح ہے کہ فلکی نظام کے مطابق اس دن سورج گہن تھا جیسے کوئی کہے کہ میں مدرسہ سے جس دن گھر جارہا تھا اسی دن ہم گری ٹرین تھی۔ تو اس سے واضح طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ریلوے نظام کے مطابق اس دن ہم گری ٹرین کا دن تھا اس لئے ہمارا یہ کہنا صحیح ہے کہ نظام فلکی کے لحاظ سے اسی دن سورج گہن نہیں تھا۔

(بارہ نمبر صفحہ چھوٹا ہوا ہے)

وقت یہ جواب دے کر مطمئن کر دیا تھا کہ کتابوں میں سورج گہن کے واقعہ کو بطور کرامت بیان کیا ہے۔ ہم نے اسے کرامت نہیں بطور عادت پیش کیا ہے جو بہر حال غلط ہے اسی طرح دودھ پینے کے واقعہ کی جو صورت کتابوں میں درج ہے وہ کچھ اور ہے اور ہم نے جس صورت کو افواہ کہا ہے اس لئے ہماری تحریر اور کتابوں کے مضمون میں کوئی تعارض و تناقض نہیں۔ کوئی خود اشرفی صاحب سے دریافت کرے کہ جس دن امام عالی مقام کی شہادت ہوئی کیا اس دن سورج گہن تھا یا بطور کرامت سورج کو گہن لگ گیا تھا۔ تو وہ بھی پکار اٹھیں گے کہ اس دن سورج گہن نہیں تھا بلکہ بطور کرامت گہن لگ گیا تھا اگر اس دن سورج گہن کا دن ہوتا تو پھر یہ کرمت کیسی ہوتی۔ اسی طرح اشرفی صاحب سے یہ پوچھے کہ غوث اعظم کے ایام شیر خوارگی میں اس دور کے علماء نے ہلال عید کے ثبوت کا دار و مدار آپ کے دودھ پینے یا نہ پینے پر رکھا تھا؟ تو خود اشرفی صاحب پکار اٹھیں گے کہ ہرگز نہیں تو پھر جب ہم اور اشرفی صاحب دونوں کا عقیدہ یکساں ہے تو انکار کرامت اور اعتراف کرامت میں ہم دونوں کے مابین کیا فرق ہے۔ اگر ہم معتزلہ کے ہم مذہب تو وہ بھی معتزلہ کے ہم مذہب اگر ہم معتزلہ سے گئے گزرے تو وہ بھی معتزلہ سے گئے گزرے ٹھہرے۔

واقعہ یہ ہے اشرفی صاحب کو کسی مضمون میں معنوی تحریف کرنے کا خاص ملکہ ہے۔ پاکستانی فتویٰ میں ۲۸/۲۷ کی شام کا جو معنی تھا اسے انہوں نے تحریف کر کے ۲۶/۲۷ کی صبح کا جامہ پہنا دیا۔ پروفیسر مسعود صاحب سے اصل فتویٰ کے تعلق سے کئی طرح کے سوالات کرنے کا ہم نے تذکرہ کیا لیکن اشرفی صاحب نے یہاں بھی اس کو ایک نیا رنگ دے دیا۔ سورج گہن اور غوث پاک کے تعلق

سے جو کچھ ہم نے لکھا تھا اسے کرامت کے انکار پر ڈھال دیا۔

اشرفی صاحب نے اپنے حالیہ مضمون میں جن باتوں کو بنیاد بنا کر بہت کچھ لکھا ہے ہم نے ان سبھی باتوں پر مختصر انداز میں کچھ نہ کچھ لکھ دیا۔ اس لئے اب مجھے مزید کچھ لکھنے کی حاجت نہیں تھی لیکن چونکہ اشرفی صاحب نے اصل مبحث سے گریز فرما کر ضمنی باتوں کو اصل مبحث بنا دیا ہے اس لئے میں ان سے اجازت چاہوں گا کہ مجھے بھی بطور بحث اس میں کچھ حصہ لینے کی اجازت دیں تا کہ کچھ دیر اور باقی رہے اور دوستانہ انداز میں کچھ دیر تک نوک جھونک چلتی رہے۔

(۱) فن زیج وہیئت و دیگر علوم عقلیہ سے قطع نظر کسی عظیم معزز شخص کی موت وشہادت، حیات وزیست یا حادثہ عظیمہ کی بنا پر عادت مستمرہ کے خلاف، بطور خرق عادت سورج گہن یا چاند گہن کا واقعہ کا رونما ہونا سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالیشان فرمان کے پیش نظر جو آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر ملال پر ارشاد فرمایا تھا باطل ومردود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں قال زیاد ابن علاقہ سمعت المغیرۃ بن شعبۃ یقول ''انکشفت الشمس علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم مات ابراہیم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا

(۱۴ رنمبر صفحہ چھوٹا ہوا ہے)

کے بلکہ اس بے بھی گئے گزرے گردانتے ہیں اس لئے العیاذ باللہ اشرفی صاحب کے اصول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔۔۔۔۔ کا کرامت کے منکر اور معتزلہ کے ہم مذہب بلکہ اس سے بھی گئے گزرے ہونا لازم آتا ہے۔ اور اس سے اشرفی کی عقیدت وعقیدہ رسول اللہ کے تعلق سے مشتبہ ہوتی نظر آرہی ہے۔

(۲) چمنی بازار شریف میں قیام کے دوران جب میں استاذنا الکریم حضرت علامہ ومولانا یوسف پٹھوی سے شرف زیارت حاصل کرنے کے لئے کٹیہار پہونچا تو آپ نے اپنے پیر ومرشد کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سورج گہن کے لئے ضروری ہے کہ نیرین باہم راس یا

ذنب میں اجتماع کی حالت میں واقع ہوں۔اس کا پتہ لگانا عام لوگوں کو تو کیا اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ کو بھی نہیں ہوتا کہ کس سال کے کس مہینے میں کس وقت اجتماع مرئی ہوگا۔تعلیم یافتہ لوگوں کو اس کا پتہ رصدگاموں میں کام کرنے والے اہل تنجیم کی تالیف کردہ کتاب سے ہوتا ہے۔سورج کی روشنی خواہ کسی وجہ سے ماند پڑ جائے۔خواہ حیلولۃ القمر ہو یا نہ ہو عام لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ آج سورج کو گہن لگا ہے حالانکہ یہ بات صحیح بھی ہوسکتی ہے اور فہم کی غلطی بھی ہوسکتی ہے اس لئے جن لوگوں کو زیج وغیرہ سے تعلق نہیں وہ کسی دن بھی سورج کی ضیاء ماند پڑ جانے پر یہ کہہ سکتا ہے کہ آج سورج گہن ہے"۔اور فرمایا" کہ سورج گہن میں حقیقۃً کسی اعتبار سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی نہ اس کے نور اور ضیاء میں اور نہ کسی صفت میں حقیقۃً میں تغیر ہوتا نہ نور مدھم ہوتا اور ضیاء ماند پڑ جاتی ہے۔وہاں فقط یہ ہوتا ہے کہ ناظر اور آفتاب کے مابین اجتماع مرئی کی وجہ قیلولۃ القمر ہوتا ہے جس کی وجہ سے سورج کی پوری روشنی ناظر کی طرف نہیں پہونچتی اس لئے اس میں امام عالی مقام کے یومِ شہادت کے رنج والم کا اثر فی الحقیقت نہیں۔بلکہ رنج والم کا اثر اس میں ہے کہ خود شمس بذاتہ متغیر ومتبدل ہوجائے۔اس لئے اس دن بطور کرامت یہ ہوا تھا کہ سورج کی روشنی مدھم اور ماند پڑ گئی تھی یعنی آفتاب خود بھی متاثر ہوکر اپنی عادت مستمرہ سے ہٹ گیا تھا دن میں ظلمت وتاریکی چھا گئی تھی اسی کو کچھ لوگوں نے سورج گہن سے تعبیر کردیا ورنہ سورج گہن نہیں تھا امام عالی مقام کی شان محبوبیت نمایاں نہیں ہوئی"۔اس قول پر کمال درجہ کی کرامت بھی ثابت ہوتی ہے اور علم وفضل کے خلاف لازم بھی نہیں آتا۔سورج گہن کے متعلق اہل ہیئت نے بھی یہی کہا ہے۔**لان الخسرف امر عارض للقمر فی ذات بخلاف الکسوف فانه امر لعرض للشمس بالنسبة الیٰ ابصار (شرح حیثمی)**

کرامت وہ خرق عادت چیز ہوتی ہے جس کی وجہ سے صاحب کرامت کی فضیلت وشرف اور بزرگی ثابت ہو۔لہٰذا سورج گہن کو امام حسین کی کرامت شمار کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ جس دن زید کا انتقال ہوا تھا اس دن ایک انڈا جس راستے خارج ہوا تھا سی راستے سے پھر کود کر مرغی کے پیٹ میں خود بخود چلا گیا تھا تو یہ اگرچہ خارق عادت ہے لیکن اس سے زیادہ کی فضیلت

ثابت نہیں ہوتی اس لئے اس کو زید کی کرامت (صفحہ ۱۶/ چھوٹا ہوا ہے) اور اگر ثلث دور کی وضع ہوگی تو ۱۰/ تاریخ ہوگی۔اور اسی طرح اگر ۲۸/ یا ۲۹ تاریخ ہوگی تو اجتماع کی وضع ہوگی اور اگر اجتماع کی وضع ہوگی تو ۲۸/ یا ۲۹ تاریخ ہوگی وقس علیہ البواقعی۔تلازم سے واضح ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے ثبوت سے دوسرے کا ثبوت سے اور ان میں سے کسی ایک کے انتصاب سے دوسرے کا انتصاب بھی ہے جس طرح امور شمس کے واقعہ میں ہے کہ آفتاب کی مخصوص وضع نہ رہی تو مغرب کا وقت بھی نہ رہا اور دوسری وضع پیدا ہوگئی تو عصر کا وقت ہوگیا۔غروب شمس کی وجہ سے جو تاریخ بدل گئی تھی سورج کے پلٹ آنے کی وجہ سے تاریخ ماضی بھی لوٹ آئی اور حضرت علی نے اپنی نماز بوقت عصر ادا کی۔کرامت یا اعجاز سے جو چیز عالم وجود میں آتی ہے تو وہ اپنے جملہ خواص ولوازم کے ساتھ آتی ہے مثلاً اگر کوئی لکڑی کا ٹکرا بوجہ کرامت سونا بن جائے تو اس میں سونا کے جملہ خواص ولوازم بھی ضرور پائے جائیں گے اور لکڑی کے جملہ خواص ولوازم ختم ہوجائیں گے اب یہ سونا احتراق کے قابل نہ رہ کر نا قابلِ احتراق ہوجائے گا اس میں تفریق کے بجائے تطرق کی صفت پیدا ہوگی اس میں خشبی ثقل نوعی کے بجائے ذہبی ثقل نوعی پیدا ہوجائے گی اس لئے اگر بطور کرمات نیرین میں اجتماع کی حالت ہوجائے گی تو اجتماع نیرین کے جملہ خواص ولوازم بھی موجود ہوجائیں گے لہٰذا زیر بحث مسئلہ میں یہ کہنا ہوگا کہ ۱۰/ تاریخ کی وضع ختم ہوگئی تو ۱۰/ تاریخ کی بھی رخصت ہوگئی اور اجتماع کی وضع پیدا ہوگئی تو ۲۸/ ۲۹ تاریخ ہوگئی۔یعنی بہرِ تقدیر سورج گہن امام عالی مقام کی شہادت یوم عاشورہ کو نہ ہوکر ۲۸/ ۲۹ تاریخ کو ہوئی۔

(۴) چاند سورج دونوں ہی روزانہ جانب شرق سے طلوع ہوکر اور جانب غرب میں غروب ہوتا ہے اس کا خلاف محال عادی ہے۔

(۲) یوم عاشورہ بوقت شہادت، سورج سے ماہتاب تقریباً ۱۲۸، ۱۳۰، درجہ کے مابین (یعنی تقریباً ثلث دور) جانب مشرق میں تھا اور افق سے تقریباً ۳۸ یا ۴۰ درجہ حالت انحطاط میں تھا۔

(۳) سورج گہن کے لئے (خواہ عادۃ ہو یا کرامۃً) نیرین کا حالت اجتماع میں ہونا ضروری ہے اس

لئے زیرِ بحث مسئلہ میں اجتماع کی حالت پیدا ہونے کے لئے

١۔ یا تو سورج ١٢٩؍درجہ بڑی تیزی سے طے کرتے ہوئے پھر پلٹ کر چاند کے پاس پہونچ گیا۔

٢۔ یا سورج بڑی تیزی سے چل کر افق غربی میں ڈوب گیا اور پھر اسی تیزی کے ساتھ کل ٢٣١ درجہ طے کر کے چاند کے پاس پہونچ گیا۔

٣۔ یا خود چاند ہی بڑی تیزی کے ساتھ ١٢٩؍درجہ طے کر کے سورج کے پاس پہونچ گیا۔

٤۔ یا چاند اپنے مقام سے پلٹ کر پھر افق غربی پر طلوع کر کے اور پھر بہت تیزی کے ساتھ چل کر آفتاب سے آملا۔ باقی آئندہ (ماہنامہ کنزالایمان، مارچ ٢٠٠٢ء۔ پیام مظہر حق، مارچ ٢٠٠٢ء)

صاع اور کلوگرام کے معادلے پر اتمام حجت

مکرمی مولانا خوشتر نورانی صاحب! السلام علیکم...... چند سال قبل صاع اور کلوگرام کے معادلے کے سلسلے میں استاذ گرامی امام علم وفن حضرت خوجہ مظفر حسین صاحب قبلہ نے اپنی تحقیق پیش کی تھی، جس سے بعض اہل علم نے اختلاف رائے کیا تھا، اس سلسلہ میں اس وقت کے اہل سنت کے بعض رسائل میں اہل علم وتحقیق کے درمیان مضامین اور مقالات کا تبادلہ بھی ہوا تھا، یہ ایک خالص علمی اور تحقیقی بحث تھی مگر اس میں بعض ایسے لوگ بھی شامل ہوگئے جو اس قسم کے علمی موضوعات پر رائے زنی کرنے کی مطلوبہ اہلیت اور صلاحیت سے آراستہ نہیں تھے، لہٰذا حضرت خواجہ صاحب نے اپنے مضمون ''آخری معروضہ'' کی اشاعت کے بعد خاموشی اختیار فرمالی تھی۔ اس کے بعد یہ بحث بھی تقریباً ختم ہی ہوگئی تھی۔ اب دو تین سال کے بعد ابھی تین چار ماہ قبل ایک صاحب نے از سرِ نو اس موضوع پر دادِ تحقیق دی ہے اور خواجہ صاحب کی تحقیق کے بارے میں علمی حلقوں میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں، اس کے پیش نظر حضرت نے ضروری سمجھا کہ اس سلسلہ میں ایک بار پھر اپنے موقف کی وضاحت

کردی جائے، لہٰذا حضرت نے اپنی علالت اور کمزوری کے باوجود چند بنیادی امور ایک طالب علم کو
املا کروا کر وہ صفحات مجھے اس حکم کے ساتھ ارسال فرمادیئے کہ میں ان کو مضمون کی شکل میں ترتیب
دے کر جام نور میں اشاعت کے لئے آپ کو ارسال کردوں، حضرت کے حکم کی تعمیل میں مضمون حاضر
ہے............ اسید الحق محمد عاصم قادری صدقۂ فطر کے بارے میں اب تک یہی سمجھا جاتا رہا کہ
175.5 بھر صدقۂ فطر کا وزن ہے، جو گرام کے اعتبار سے ۲ کلو ۴۵ یا ۴۷ گرام ہوتا ہے، اسی بنیاد پر
نتیجہ نکالا گیا کہ ''بھر'' کا وزن 11.664 گرام ہے، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہے کہ ایک تولہ
12.4416 گرام کا ہوا۔

ہمارے والد گرامی مرحوم و مغفور ہمدرد دواخانہ دہلی سے ادویہ اور بالخصوص سرمۂ مفید منگایا کرتے تھے،
سرمہ کی شیشی پر سرمہ کا وزن ایک تولہ لکھا ہوتا تھا، لیکن جب عشری پیمانے نافذ کئے گئے تو شیشی پر
بجائے ایک تولہ کے ''10'' گرام لکھ کر آنے لگا، جب ہمدرد دواخانہ سے بذریعہ خط معلوم کیا گیا تو
ان لوگوں نے جواب دیا کہ ''اب پرانے پیمانے منسوخ ہوگئے، اب تمام ادویہ کی خرید وفروخت نئے
پیمانوں سے کی جائے گی، چونکہ گرام کا وزن ماشے سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے یہ 10 گرام سرمہ
10 ماشے سے زیادہ ہے۔

ہم نے ابتداء میں عرض کیا کہ اب تک کے حساب کے مطابق ایک تولہ کا وزن 12.4416 گرام
ہے، جس سے ظاہر ہے کہ گرام کا وزن ماشے سے کم ہوتا ہے، مگر ہمدرد دواخانہ کے مذکورہ خط سے
معلوم ہو رہا ہے کہ گرام ماشے کے مقابلہ میں بھاری ہوتا ہے۔ ان دونوں نتائج کا تضاد ہماری الجھن کا
سبب بنا، اس الجھن کو رفع کرنے کے لئے ہم نے فیض آباد کے ایک جویلر سے ملاقات کی اور اس
کے پاس موجود سکے کو اپنے سامنے وزن کروایا تو اس سکے کا وزن 11.664 گرام تھا، اس کے بعد
میں نے ان سے تولہ، ماشہ، اور رتی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے باپ دادا
کے پاس دہلی سے چھپی ہوئی ایک کتاب تھی اس میں تولہ، ماشہ اور رتی وغیرہ کا موازنہ درج تھا،
تلاش کرنے پر وہ کتاب ملی اس میں ایک تولہ کا وزن 11.664 گرام درج تھا اور اسی حساب کے

اعتبار سے ماشہ اور رتی کا موازنہ بھی درج تھا (جو ہم آگے چل کر بیان کریں گے) ان تمام معلومات
کو جب میں نے ذہن میں یکجا کیا تو الجھن میں مزید اضافہ ہوگیا، معاً مجھے اپنے استاذ محترم تلمیذ اعلیٰ
حضرت ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک ارشاد یاد آگیا، حضرت
نے فرمایا تھا کہ ''جب حکومت برطانیہ نے ہندوستان میں اپنے نام کا سکہ ڈھالا تو اس کا وزن کامل
12 ماشہ تھا، چونکہ اس کا وزن ایک تولہ ہوا اس لئے اس کی قیمت (ایک تولہ چاندی کی قیمت + سکہ
ڈھالنے کی اجرت) ایک تولہ چاندی سے زیادہ تھی، اگر کوئی شخص صراف سے ایک روپئے کے عوض
چاندی خریدتا تو اس کو ایک تولے سے زیادہ چاندی ملتی تھی، لیکن بعد میں حکومت برطانیہ نے اس سکے
کا رواج ختم کر کے 11.1/4 ماشے کا سکہ ڈھالنا شروع کردیا، اور سکہ ڈھالنے کی اجرت میں 3/4
ماشہ بطور کٹوتی کم کردیا، یہ سکہ باقاعدہ رائج ہوگیا اور یہی سکہ ''بھر'' کے نام سے مشہور ہوا، اس سکے
کے اعتبار سے خرید وفروخت کے لئے سیر اور چھٹانک وغیرہ کا تول مقرر ہوگیا، اب یوں ہوگیا کہ
انگریزی سکے دو وزن کے ہوگئے ایک منسوخ الرواج (بین العوام) جو 12 ماشے کا تھا اور دوسرا رائج
الوقت یعنی 11.1/4 ماشے کا''

فتاویٰ رضویہ جلد چہارم مسئلہ نمبر ۱۱۶، کے سوال نمبر ۲ کے تحت درج ہے کہ ''صاع کتنے سیر کا، سیر
کتنے روپئے بھر کا، روپئے کتنے ماشے کا اور کون روپیہ، شرع سے اس میں کیا حکم ہے'' اس کے جواب
میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ ''سیر مختلف ہوتے ہیں، صاع کا حساب ہر جگہ سیر سے بدلے گا، صاع
اس انگریزی روپیہ رائج الوقت سے 288 روپئے بھر اور تولوں سے 270 تولہ، ایک روپیہ سوا گیارہ
ماشہ بھر ہے'' (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۴۹۸)

اس سوال جواب پر اگر غور کیا جائے تو حضرت ملک العلماء کے سابق الذکر ارشاد کی مکمل تائید ہوتی
ہے، اس میں سائل کے یہ الفاظ کہ ''روپیہ کتنے ماشہ کا اور کون روپیہ'' صاف اشارہ کررہے ہیں کہ اس
دور میں روپئے ایک سے زیادہ قسم کے ہوتے تھے جن کے وزن بھی الگ الگ تھے۔ اسی لئے اعلیٰ
حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''انگریزی روپیہ رائج الوقت'' اور ساتھ ہی وزن بھی بتادیا کہ

''سوا گیارہ ماشہ والا'' اس سے معلوم ہوا کہ روپئے سے یہاں ''رائج الوقت'' مراد ہے ''منسوخ الرواج'' مراد نہیں ہے اور اس کا وزن ''سوا گیارہ ماشہ'' ہے ''بارہ ماشہ'' نہیں۔

ہمارے ایک خط کے جواب میں مفتی قاضی شہید عالم رضوی (استاذ جامعہ نوریہ بریلی) نے لکھا ''میں نے اور مولانا حنیف صاحب پرنسپل جامعہ نوریہ نے صدقۂ فطر کی مقدار کا حساب لگایا تو اس کا وزن تقریبا 1 کلو 920 گرام ہی آیا، حساب میں جس مساوات کو بنیاد بنایا تھا وہ یہ ہے ''1 تولہ=11 گرام 664 ملی گرام'' یہ مساوات ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے شائع ہونے والے رسالے ماہنامہ معارف رضا میں تقریبا چار پانچ سال پہلے شائع ہوا تھا''۔

اسی دوران مجھے ایک پیتل کا باٹ ملا، جس پر انگریزی میں ۲۰ تولہ (20Tula) لکھا ہوا تھا، اس کو ہم نے تولہ اور اس کے بیسویں حصے کا حساب لگایا وہ بھی 11.664 گرام ہی نکلا، اس سے بھی یہ بات صاف ہوتی ہے کہ ایک تولہ کا موازنہ 11.664 گرام ہے نہ کہ بھر کا۔ اسی نوع کا ایک باٹ دارالعلوم فیض العلوم محمد آباد گوہنہ کے استاذ حضرت علامہ نصر اللہ صاحب کے پاس بھی موجود ہے، جس کو تحقیق کرنا ہو ان کے پاس جا کر کرسکتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ فیض آباد کے جوئیلر کی کتاب میں دیئے گئے موازنہ، معارف رضا میں دیا گیا موازنہ، اور پیتل کے باٹ سے حاصل شدہ موازنہ سبھی اس پر متفق ہیں کہ '' 1 تولہ =11.664 گرام'' کا ہوتا ہے۔ فریق ثانی نے جو سکہ تولا تو وہ بھی 11.664 گرام ہی نکلا، جس سے واضح ہے کہ یہ سکہ 12 ماشہ کا ہے، اور اعلیٰ حضرت نے جس سکے کو بھر فرمایا ہے وہ سوا گیارہ ماشہ کا ہے، انگریزی عہد میں دو قسم کے سکوں کا ثبوت اور ان کا وزن ملک العلماء کے ارشاد اور فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے ابھی ہم نے ذکر کیا، لہٰذا یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ فریق ثانی نے جس سکے کو تول کر صدقۂ فطر کا تعین کیا ہے وہ ''بھر'' نہیں بلکہ تولہ برابر ہے۔

مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب نے بھی بھر اور گرام کے موازنے کے سلسلے میں کوشش کی اور ایک عمدہ طریقے سے تحقیق کی، یعنی انہوں نے اس میں اجزاء سافلہ یعنی گرین وغیرہ سے متصاعداً رتی، ماشہ اور

تولہ تک رسائی حاصل کی، انہوں نے کچھ ایسی کتابوں کے حوالے بھی دیئے جو بین الاقوامی سطح پر مستند اور مقبول ہیں، ان کتابوں کے بارے میں یہ شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ''ان میں ہندوستان کے بعض قصبات و دیہات کے اطلاقات کو استعمال کرتے ہوئے بھر کو تولہ لکھ دیا ہے۔ مفتی صاحب نے اپنے مضمون میں آٹھ موازنے درج کئے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں کہ ''11.25 ماشہ کا وزن حوالہ نمبر 1 سے 7 کے مطابق 10.963 گرام اور حوالہ نمبر 8 کے مطابق 10.973 گرام ہے۔ اس سے چند سطر پہلے انہوں نے چار حوالوں سے تولہ کا موازنہ وہی لکھا ہے جو دوسرے جوئیلرس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے، ماہنامہ مظہر حق بدایوں، شمارہ دسمبر ۲۰۰۴ء)

ماہنامہ کنز الایمان شمارہ اگست ۲۰۰۴ء میں ہمارا مضمون بعنوان ''آخری معروضہ'' شائع ہوا تھا، اس میں ہم نے مختلف کتابوں کے پندرہ حوالے درج کئے تھے، جن میں ماشہ رتی کا موازنہ گرام سے تھا، ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک تولہ برابر 11.664 گرام اور بھر برابر 10.935 گرام ہے۔ ہمارے فریق مخالف نے بھی سکہ تولا تو وہ بھی 11.644 گرام نکلا، جس سے واضح ہے کہ یہ سکہ 12 ماشہ والا ہے، بھر والا نہیں۔

پھر ہم نے بھی اجزائے سافلہ کے ذریعہ حساب لگا کر دیکھا، یعنی ''سرخ'' عطار کی دکان سے حاصل کر کے تولا، تو یہ بھی اسی پر متفق ہے کہ ایک تولہ برابر 11.644 گرام ہے، بلکہ 96 ''سرخ'' کا وزن 11.644 گرام سے کچھ کم ہی نکلا، تو بھلا ہمارے فریق مخالف کے تولہ یعنی 12.4416 گرام کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟

ہم نے جوئیلرس کی جن کتابوں کا حوالہ دیا تھا ان کے وزن کو فریق مخالف نے یہ کہہ کر کم کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''جوئیلرس نے بھر کو تول کر موازنہ قائم کیا ہے مگر اس کو قصبات اور دیہات کی بولی اور عرف کے مطابق تولہ لکھا دیا ہے''۔ یہ بات بہت کمزور ہے، اس لئے کہ اگر 11.644 گرام تولہ کا نہیں بلکہ بھر کا وزن ہے تو پھر ان کتابوں میں درج ماشہ اور رتی کا موازنہ سراسر غلط ہوگا، کیونکہ ماشہ تولہ کا بارہواں حصہ بھر کا نہیں، اسی طرح رتی تولہ کا 1/96 یعنی 69 واں حصہ ہے بھر کا 96 واں حصہ

نہیں، اسی بنیاد پر پوری کتاب میں موازنہ دیا گیا ہے اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ کتاب میں جہاں تولہ کا لفظ ہے اس سے بھر مراد ہے اور اس کو قصبات کی بولی کے مطابق تولہ لکھ دیا گیا ہے تو پھر تو پوری کتاب ہی غلط ہو جائے گی۔

فریق مخالف نے ہم سے ایک مطالبہ یہ کیا ہے کہ ''بلکہ اگر اس جویلر نے تولہ کا وزن ہی بتایا ہے تو یہ کسی انگریزی دور کا سکہ وزن کر کے ثابت کیا جائے کہ اس انگریزی سکہ کا وزن مذکورہ بالا سکوں سے تین ماشہ کی مقدار کم ہے'' (ماہنامہ ''پیام حرم'' جمداشاہی، شمارہ ستمبر، اکتوبر ٢٠٠٦ء)

اس مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے ہم مزید ایک دلیل پیش کرتے ہیں، اور وہ یہ کہ ہم نے وہ سکہ تلاش کرلیا ہے جسے امام احمد رضا نے انگریزی دور کا سکہ رائج الوقت 11.25 ماشہ کا فرمایا ہے، اس سکہ کے ایک طرف جارج پنجم کی تصویر ہے، تصویر کے اوپر KING-GEORGE-ROR ONE-RPEE لکھا ہے، اس سکہ کو ہم نے دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد کے تین مدرسین مولانا مختارالحسن بغدادی، مولانا عبدالقدوس مصباحی اور مولانا محمد رئیس مصباحی صاحب وغیرہ کی موجودگی میں کمپیوٹرائز میزان پر تولا تو وہ 11.050 گرام ثابت ہوا (یعنی گیارہ گرام اور گرام کے 5/100 حصہ) جویلر کے موازنے کے مطابق اس وزن میں 0.115 گرام یعنی ایک ہزار حصوں میں سے ایک سو پندرہ حصہ زائد ہے۔ اتنا فرق ہے اس لئے ہے کہ قدیم زمانہ میں کمپیوٹرائز میزان نہ تھے بلکہ سونا چاندی تولنے کے دوسرے چھوٹے ترازو تھے جو زیادہ حساس نہیں ہوتے تھے، اس لئے ان ترازوؤں سے تولی ہوئی اشیاء میں ہم وزن ہونے کے باوجود قدرے تفاوت رہ جاتا تھا، سکہ ڈھالنے کے لئے اسی ترازو کو استعمال کرتے تھے۔ خود اسی سکہ کو دیکھئے کہ جب چاندی تولنے والے ترازو پر تولا تو 11 گرام تھا، لیکن کمپیوٹرائز میزان پر اس کا وزن 11.050 گرام ہوگیا، لہٰذا یہ معمولی تفاوت کوئی ایسی چیز نہیں جس کو زیر بحث لایا جائے۔ مولانا قاضی شہید عالم صاحب کے جس خط کا ہم نے پیچھے تذکرہ کیا تھا اسی خط میں انہوں نے گیارہ سکوں کے اوزان لکھے ہیں جن میں خود بھی تفاوت موجود ہے، ہم نے حساب لگایا تو یہ تفاوت 0.230 گرام (یعنی ایک ہزار حصوں میں 230 حصے)

کا تفاوت نکلا۔ اسی طرح مولانا عبدالحی فرنگی محلی صاحب نے بھر کا وزن کیا اور فرمایا کہ بھر کا وزن 11.5 ماشہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ اتنا معمولی تفاوت آنا کوئی خاص بات نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فریق مخالف نے اپنے موقف کی تائید میں حضرت مفتی افضل حسین صاحب کا حوالہ دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مفتی افضل حسین صاحب نے نظر الفتاویٰ میں بھر کا وزن 11.664 گرام ثابت کر کے صدقۂ فطر کا وزن دوکلو پینتالیس گرام لکھا ہے، اس کے جواب میں عرض ہے کہ منظر الفتاویٰ ہم نے دیکھی مگر ہمیں اس میں یہ حوالہ نہیں مل سکا، ہاں البتہ اس میں امام احمد رضا کے بیان کے مطابق صدقۂ فطر کا قدیم وزن دوسیر تین چھٹانک اٹھنی بھر کی تحقیق موجود ہے۔ اور اگر مفتی افضل حسین صاحب نے کسی کتاب میں ایسا لکھا ہے تو یہی ماننا پڑے گا کہ انہوں نے بھی صراف کی دکان سے وہی والا سکہ تولا ہوگا جس کے بارے میں ہم پیچھے تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔

ہم اپنے فریق مخالف سے گزارش کرتے ہیں کہ جس طرح ہم نے جویلرس کی مختلف کتابوں سے تولہ، ماشہ، رتی کے موازنہ سے یہ دکھایا ہے کہ تولہ برابر 11.664 گرام ہوتا ہے، معارف رضا میں شائع شدہ موازنہ، مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کے اجزائے سافلہ کے حساب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے اور پھر خود ہم نے عطار کی دکان سے ''سرخ'' تولا تو اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ تولہ برابر 11.664 گرام ہے، اور اس سے لازم آتا ہے کہ بھر کا وزن برابر 10.935 گرام ہوتا ہے، اسی طرح آپ حضرات بھی کسی کتاب، کسی حساب یا اجزائے سافلہ سے یہ دکھائیں کہ تولہ کا وزن 12.4416 گرام ہوتا ہے، اور اس سے لازم کہ بھر 11.664 گرام ہے۔ آپ حضرات جس سکہ کو تول کر بتاتے ہیں وہ خود ہی متنازع فیہ ہے، آپ حضرات کہتے ہیں کہ یہ بھر ہے جب کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ بھر نہیں بلکہ تولہ کا وزن ہے، لہٰذا اس سکہ کو تول کر اپنا موقف ثابت کرنا، ''مصادرہ علی المطلوب'' کی قبیل سے ہے۔

خلاصہ کے طور پر آخر میں ایک بار ہم پھر عرض کردیں کہ انگریزی عہد میں دو طرح کے سکے ڈھالے جاتے تھے، ایک 12 ماشہ کا اور دوسرا 11.1/4 ماشہ کا، پہلا والا سکہ عملاً منسوخ الرواج ہوگیا جب کہ

دوسرا والا مابین العوام رائج رہا، سب سے پہلے جن صاحب نے جویلر کی دکان پر جا کر سکے کو تولا ہوگا وہ وہی پہلا والا سکہ ہوگا اور اسی کو انہوں نے ''رائج الوقت'' گمان کرلیا اور یقین کرلیا کہ سکہ رائج الوقت 11.664 گرام کا ہوتا ہے۔ فریق ثانی بار بار جویلرس کی دکان کے سکوں کو تولنے کا حوالہ دے رہا ہے اور یہ گمان کررہا ہے کہ 11.25 ماشہ 11.664 گرام ہوتا ہے، حالانکہ پہلے ضروری تھا کہ یہ معمول کیا جائے کہ یہ سکہ بارہ ماشہ والا ہے یا 11.25 ماشہ والا، پھر اس کے بعد اگر موازنہ قائم کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

اس اختلاف کا اثر نہ صرف یہ کہ صدقۂ فطر کے نصاب پر پڑے گا بلکہ سونے چاندی کا نصاب بھی اس اختلاف کے نتیجہ میں متاثر ہوگا، اس لئے کہ جویلرس کے مطابق چاندی کا نصاب 612.36 گرام ہوتا ہے، جب کہ فریق ثانی کے حساب سے چاندی کا نصاب 653.184 گرام ہوتا ہے، فرض کریں کہ اگر جویلرس کا حساب صحیح ہو لیکن فتویٰ فریق ثانی کے حساب پر ہو تو کتنے لوگوں کا گناہ گار ہونا لازم آئے گا، اور اگر بالفرض فریق ثانی کا ہی قول درست ہو لیکن فتویٰ جویلرس کے حساب کے مطابق ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ جس پر زکاۃ واجب نہیں تھی اس کو بھی ادا کرنا ہوگی اس سے کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا بلکہ یہ ادائیگی، صدقۂ نافلہ ہوکر باعث اجر وثواب ہوگی، یہی حال سونے کے نصاب کے متعلق بھی ہوگا کہ جویلرس کے حساب سے اس کا نصاف 87.48 گرام جب کہ فریق ثانی کے قول کے مطابق اس کا نصاب 93.312 گرام ہوگا، لہٰذا یہاں بھی گناہ اور اجر وثواب کی وہی صورت بنے گی جو چاندی کے نصاب میں ہم نے عرض کیا ہے۔ اسی طرح اس اختلاف کا اثر مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی کے وزن پر بھی پڑے گا، نیز دین مہر میں بھی یہی حال ہوگا کہ جویلرس کے حساب سے اقل مہر 30.6592 گرام ہوگا، اس لئے 30.618 گرام کا تسمیہ غیر صحیح اور مہر مثل واجب ہوگا، بلکہ اس اختلاف کا اثر قربانی کے وجوب پر بھی پڑے گا جیسا کہ ظاہر ہے۔

(ماہنامہ جام نور، دہلی، مئی ۲۰۰۷ء)

پہلی قسط

شمالی امریکہ کی سمت قبلہ

تحقیق کے آئینے میں

انسان کی تخلیق کا اصل مقصد عبادت الٰہی ہے۔ اور یہ واضح حقیقت ہے کہ تمام عبادتوں میں سب سے اہم نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے شرائط، فرائض واجبات اور سنن ومستحبات دوسری عبادتوں کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی شخص فریضۂ نماز سے پورے طور پر اسی وقت عہدہ برآ ہوسکتا ہے جب وہ ان شرائط اور دیگر امور سے واقف بھی ہو۔ اور ان پر عمل پیرا ہوکر نماز بھی ادا کرتا ہو۔ بصورت دیگر، اس کی نماز صحیح یا کامل نہیں ہوسکتی۔

نماز میں دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ، سمت قبلہ کا مسئلہ بھی شرط کی حیثیت سے شامل ہے۔ شریعت طاہرہ نے قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کو شرط قرار دیا ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ بلا عذر شرعی اور استثنائی صورتوں کے اگر کوئی نمازی غیر قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی، باطل محض ہوگی۔

قرآن کریم میں کعبہ (مسجد حرام) کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم متعدد جگہوں میں مذکورہ ہے، ارشاد ہے:

قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلة ترضھا فول وجھک شطر المسجد الحرام.

تمہارا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر دو۔

(۲) **وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ.**

(۳) **ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام.**

اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو۔ اور جہاں سے آ و اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو۔

کتاب اللہ کے علاوہ سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے بھی یہی ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ تمام مکاتب فقہ کے ائمہ وعلماء نماز میں استقبال کے شرط ہونے پر متفق ہیں۔ نماز کے علاوہ تدفین میت اور پیشاب پاخانہ جیسے بہت سے امور میں سمت قبلہ کی معرفت کی ضرورت پڑتی ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ جہاں کعبۂ معظّمہ مرئی ومشاہد ہو، یا کعبہ تو آڑ میں ہو مگر عین کعبہ کی خاص سمت کی تحقیق ممکن ہو ایسے خطے کے مسلمانوں پر عین کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا فرض ہے۔ جہت کعبہ کی طرف رخ کرنا کافی نہیں۔ یونہی ممنوعہ امور میں عین کعبہ کی طرف استقبال یا استدبار ممنوع ہے لیکن جن خطوں اور ملکوں میں خانہ کعبہ مرئی ومشاہد نہیں اور عین کعبہ کی سمت خاص، کی تحقیق بھی ناممکن ہو وہاں جہت کعبہ کی طرف رخ کرنا کافی ہے۔ وہاں کے لوگ عین کعبہ۔ کی طرف رخ کرنے یا ممنوعہ امور میں، عین کعبہ کی طرف استقبال یا استدبار نہ کرنے کے مکلّف نہیں۔ ہدایہ وغیرہا میں ہے من کان بمکة ففرضہ اصابة عینہا ومن کان غائب ففرضہ اصابة جہتہا ھو الصحیح لان التکلیف بحسب الوسع۔

ایسی صورت میں اگر منہ کا کوئی جز کعبہ کی سمت واقع نہ ہو اس طرح کے دائیں یا بائیں ۴۵۔ ۴۵ درجہ سے زائد انحراف ہو تو نماز نہ ہوگی اس صورت میں جہت کعبہ سے خروج ہوگا۔ جس کا مفسد صلوٰۃ ہونا متفق علیہ ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کے تناظر میں۔ سمت قبلہ۔ کے مسئلہ کی اہمیت کا احساس وادراک کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں۔ اور محض اپنے قیاس ووجدان اور ظن وتخمین سے تعیین، سمت قبلہ، کا مسئلہ طے نہیں کرتے بلکہ قبلہ کی تعیین وتحدید کا خاص اہتمام فرماتے ہیں اور اس تعلق سے یقین تک پہنچنے کے ممکنہ ذرائع بھی استعمال کرتے ہیں۔

اس مسئلہ کی اہمیت ہی کے پیش نظر علم ہیئت کے ماہرین نے فن ہیئت کی کتابوں میں ایک خاص باب، سمت قبلہ سے متعلق وضع کیا۔ اور علم ریاضی کی روشنی میں اس کے لئے متعدد ٹھوس اصول اور ضابطے بیان کئے ہیں۔ لیکن یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ فن ہیئت جس کے متعلق امام غزالی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے من لم یعرف الہیئة والتصریح فہو عنین فی معرفة اللہ۔ (فن ہیئت کا نہ جاننے والا اللہ تعالیٰ کی معرفت میں نامرد ہوتا ہے)

ایک عظیم وجلیل فن ہونے کے باوجود آج تعلیمی اداروں اور دانش گاہوں میں کوئی زیادہ قابل اعتناء نہیں سمجھا جاتا۔ جس کا اندازہ ماہرین ہیئت کی تعداد سے لگایا جاسکتا ہے۔ علماء ہیئت کی کمیابی کی بناء پر یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ آج یہ فن شخصی ہو کر رہ گیا ہے۔

ماضی قریب میں ایک عبقری شخصیت مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمة والرضوان نے اس فن کو جلاء بخشی اور اپنی تحریروں کے علاوہ اپنے تلامذہ میں متعدد باکمال ماہرین ہیئت پیدا کئے۔ جن میں ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمة والرضوان کا نام سرفہرست آتا ہے۔ ملک العلماء علیہ الرحمہ سے اکتساب فیض کرنے والوں میں ایک اہم شخصیت خواجۂ علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی کی بھی ہے۔ یہ حضرت ملک العلماء کے خرمن علم وفن کی خوشہ چینی کا نتیجہ ہے کہ موصوف علم ہیئت، توقیت، تکسیر، مناظر، مرایا جیسے فرسودہ علوم وفنون کے ماہر کی حیثیت سے معروف ہیں۔

یہ چند مہینے پیشتر کی بات ہے جب میں دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور، حاضر ہوا تھا۔خواجۂ علم وفن سے علمی اکتساب واستفادہ کے ساتھ ساتھ مختلف علمی مباحثے بھی ہوئے جس میں امریکہ شمالیہ کے شہر ہاسٹن (Houstun) اور وینی پگ (winni peg) کی سمت قبلہ کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا جس کے متعلق فخر وطن حضرت مولانا قمر الحسن صاحب بستوی نے استفتار کی شکل میں ایک خط اور مسئلہ دائرہ سے متعلق علماء کے شائع شدہ فتاویٰ کا مجموعہ بھی حضرت خواجہ صاحب کے پاس بھیجا تھا۔ موصوف نے صورت مسئولہ کا اجمالی مگر تحقیقی جواب رقم فرما کر امریکہ روانہ فرما دیا تھا۔نوعیت مسئلہ کی نزاکت اور اس جواب کے دیگر جوابات سے مختلف ہونے کی بنا پر مناسب تھا کہ اس کی توضیح وتنقیح کی جائے اور علماء کے شائع شدہ فتاویٰ کے مضمرات کا جائزہ لیا جائے تاکہ سمت قبلہ جیسے اہم مسئلہ سے متعلق صحیح صورت حال منقح ہوکر سامنے آسکے۔اس توضیح مقالے میں راقم الحروف کا محور کلام چند بنیادی امور ہیں۔

(۱) شمالی امریکہ کی سمت قبلہ کا معاملہ۔

(۲) جہت قبلہ کی تعیین سے متعلق مفتیان کرام کے شائع شدہ فتاویٰ کی وضاحت اور ان کا تنقیدی جائزہ۔

(۳) علم ریاضی اور علم ہیئت کے مسلمہ ضابطوں نیز عملی وحسی قاعدوں کی روشنی میں صورت مسئولہ کا صحیح وتحقیقی جواب

شمالی امریکہ کی سمت قبلہ کا مسئلہ آج کا کوئی نیا نہیں بلکہ ۱۹۳۷ء سے قبل اور بعد کے ادوار میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا۔بعض حضرات نے جہت قبلہ۔جنوب مشرق اور بعض حضرات نے شمال مشرق بتایا چنانچہ شیخ مفتی احمد محمد تمیم رئیس الادارۃ الدینیہ یوکرین نے اپنے فتوی میں اپنے نقطۂ نظر (جنوب مشرق) کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس اختلاف پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

وقد ساء نا ماسمعناه من ان بعض الجماعات غيرت اتجاه القبلة اعتمادا على ما وافق اهواء هم هداهم الله الى الحق والرشاد ولينظروا مقابر المسلمين القديمة فی امریکا الشمالیۃ التی اقيمت قبل ۱۹۳۸ء

اور ہمیں یہ بات سن کر بہت بری لگی کہ بعض گروہ نے اپنی خواہش کے مطابق جہت قبلہ بدل ڈالی ہے اللہ عزوجل انہیں حق اور صحیح راستہ کی ہدایت فرمائے ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ ۱۹۳۷ء سے قبل بنی ہوئی شمالی امریکہ میں مسلمانوں کی پرانی قبروں کا مشاہدہ کریں۔

مختلف ادوار میں رائیں مختلف رہیں۔ماضی قریب میں امریکہ میں مقیم حساس مسلمانوں نے سمت قبلہ کی صحیح صورت حال سے واقفیت کے لئے بڑی تگ ودو کی دنیا کے مختلف دینی اداروں اور دانش گاہوں سے رابطے بھی قائم کئے۔ارباب افتاء اور اصحاب علم ونظر نے اپنی اپنی معلومات کے آئینے میں جہت قبلہ کی صورت متعین فرمائی۔اس وقت لبنان کے سنی دینی ادارہ جمعیۃ المشاریع الخیریۃ الاسلامیہ کی طرف سے شائع شدہ فتاوی کا مجموعہ فقیر راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔اس ادارہ کی امریکہ شاخ فیلاڈلفیا کے آرگنائزر شیخ ریاض الناشف اور شیخ سمیر القاضی نے دنیا کے مختلف دارالافتاء سے رجوع کر کے یہ فتاویٰ شائع کئے ہیں۔جس میں مصر یوکرین انڈیا، داعستان اور لبنان کے مفتیان کرام کے فتاوی شامل ہیں۔

انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ آئندہ سطور میں ہم ان فتاویٰ کا اجمالی خاکہ پیش کرنے کے بعد ان کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے صحیح موقف کی وضاحت کریں گے۔اس مجموعہ میں جتنے مفتیان کرام کے فتاویٰ درج کئے گئے ہیں ان تمام حضرات کے نزدیک شمالی امریکہ کی سمت قبلہ جنوب مشرق متعین ہے۔جس کی قدرے تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

شیخ عبدالفتاح حسین رئیس جامعۃ الازہر نے اپنے مختصر فتویٰ میں شمالی امریکہ کی جہت قبلہ جنوب مشرق بتایا ہے۔

شیخ عطیہ صقر صدر شعبۂ افتاء جامع ازہر مصر نے بھی شمالی امریکہ اور کینڈا کی سمت قبلہ جنوب مشرق بتایا ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ شمالی امریکہ مکۂ مکرمہ سے ربع شمال مغرب میں واقع ہے چنانچہ وہ رقم فرماتے ہیں:

ان اتجاه القبلة بالنسبة لاهل الولايات المتحدة الامريكية و كندا هو

الجنوب الشرقی وذالک لان امریکا الشمالیة واقعة فی الربع الشمالی الغربی بالنسبة لمکة ومن توجه الی الشمال الشرقی فاتجاهه غیر صحیح وصلاته کذالک.

شمالی امریکہ اور کینڈا کے باشندوں کی جہت قبلہ جانب مشرق ہے کیونکہ شمالی امریکہ مکہ سے ربع شمال مغرب میں واقع ہے۔لہٰذا جو لوگ شمال مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں گے تو ان کی نہ تو جہت قبلہ درست ہوگی اور نہ نماز صحیح ہوگی۔

شیخ نزار رشید جلی رئیس جمعیۃ المشاریع الخیریۃ الاسلامیہ بیروت لبنان کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ شمالی امریکہ مکہ مکرمہ سے ربع شمال مغرب میں واقع ہے لہٰذا شمالی امریکہ میں نماز پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ جنوب مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں شمال مشرق کی طرح رخ کرنے سے نماز نہ ہوگی۔

ان امریکا الشمالیۃ تقع بالنسبۃ لمکۃ فی الربع الشمالی الغربی من الارض۔فلا بد للمصلی فی امریکا الشمالیۃ اذن من التوجہ فی صلاتہ الی الجنوب الشرقی فان توجہ الی الشمال الشرقی فصلاتہ غیر صحیحۃ قطعا۔

شیخ نبیل ابن شیخ محمد شریف الحسینی الازہری الشافعی رئیس جمعیۃ سادۃ الاشراف لبنان نے بھی یہی بات کی ہے۔

شیخ الازہر محمد یوسف عقیقی نے کتاب وسنت اور اجماع امت سے نماز میں استقبال قبلہ کے شرط ہونے کو بیان کرنے کے بعد یہی فرمایا ہے کہ شمالی امریکہ کا خط قبلہ جنوب مشرق کی طرف ہے فقیہ شافعی ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد بن یوسف عبدری ہروی لبنان نے بھی شمالی امریکہ کی سمت قبلہ جنوب مشرق بتایا ہے۔انہوں نے اپنے فتویٰ میں تمام مکاتب فقہ کا یہ اجماعی مسئلہ نقل فرمایا ہے۔

ان الدلیل علی مسئلۃ القبلۃ فی امریکا ہو اجماع اہل الاسلام علی ان اہل المشرق یتوجہون الی المغرب واہل المغرب یتوجہون الی المشرق واہل الشمال یتوجہون الی الجنوب واہل الجنوب یتوجہون الی الشمال۔

شمالی امریکہ کی سمت قبلہ پر دلیل اہل اسلام کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے پورب بسنے والے لوگ پچھم کی جانب اور پچھم والے پورب کی طرف اتر والے دکھن کی جانب اور دکھن والے اتر کی جہت رخ کر کے نماز ادا کریں گے۔

پھر استدلال فرماتے ہیں کہ امریکہ شمالیہ جب شمال میں واقع ہے تو وہاں والوں کا قبلہ شمال مشرق ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ مذکورہ بالا اجماعی مسئلہ کے پیش نظر ان لوگوں کا قبلہ جنوب مشرق ہوگا۔

بعض دیگر حضرات نے بھی شمالی امریکہ کی سمت قبلہ جنوب مشرق ماننے والوں کی تصدیق وتائید کی ہے۔ان الفتیا الصادرۃ من الازہر الشریف ہی الصواب۔

دلائل کا خلاصہ

مذکورۃ الصدر مفتیان کرام کے فتاویٰ میں مذکورہ دلائل کا جو تعارف ہم نے سطور بالا میں کیا ہے،ان سب کو اگر سمیٹا جائے تو مجموعی طور پر یہ دلیل سامنے آتی ہے کہ چونکہ شمالی امریکہ کا شہر ہوسٹن اور دینی پک خانۂ کعبہ سے ربع شمال مغرب میں واقع ہے اور اجماعی مسئلہ ہے کہ شمال والوں کا قبلہ جنوب (دکھن) کی جانب ہوتا ہے۔اور مغرب والوں کا مشرق کی جانب۔لہٰذا ثابت کہ شمالی امریکہ کا قبلہ جنوب مشرق ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسئلہ دائرہ میں جہت قبلہ کی تعیین وتحدید بہت ہی مشکل کام ہے۔ مذکورۂ الصدر ارباب افتاء اور اصحاب فکر ونظر کے دعویٰ اور دلیلوں سے عدم اتفاق کے باوجود مسئلہ دائرہ کی اہمیت ونزاکت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔جس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آج کہ اس ترقی یافتہ دور میں جب کہ سمت قبلہ معلوم کرنے کے مختلف آلات ووسائل معرض وجود میں آچکے ہیں۔ بالخصوص امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں مگر یہ مسئلہ اتنا معرکۃ الاراء ہے کہ ارباب فتاویٰ اصحاب فکر ونظر اور ماہرین ریاضیات کے درمیان بنیادی اختلافات کے حیثیت اختیار کر گیا ہے۔علاوہ ازیں قبلہ بتانے والے بعض آلات COMPASS سے جنوب مشرق کا پتہ چلتا ہے اور بعض قبلہ نما COMPASS سے شمال مشرق کا۔

مذکورۃ الصدر دلائل کے تجزیہ سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ امریکہ اور کنیڈا پورا ملک ہے جس میں متعدد مقامات ہیں ۔ ہر مقام کے اعتبار سے انحراف کی قدر الگ الگ ہوگی تاہم جن حضرات کے نزدیک جہت قبلہ جنوب مشرق ہے ان کے نزدیک شمال امریکہ کے تمام شہروں میں جنوب مشرق کی جہت مشترک ہوگی انحراف کی قدر جو بھی ہو۔ یونہی جن حضرات کے نزدیک وہاں کا قبلہ شمال مشرق ہے ان کے نزدیک مختلف شہروں میں انحراف کی قدر کے اختلاف کے باوجود شمال مشرق کی جہت تمام مقامات میں مشترک ہوگی ۔ جنوب مشرق کا قول صحیح نہیں: جن حضرات نے شمالی امریکہ کا قبلہ جنوب مشرق بتایا ہے ان کا قول صحیح نہیں ۔ جنوب مشرق کو قبلہ بتانا علم ریاضی وعلم ہیئت کی روشنی میں خصوصاً مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے بیان کردہ اصول کے آئینہ میں غیر قبلہ کو قبلہ کہنا ہے ۔ بلکہ جن ممالک شمالیہ کا طول البلد غربی ۵۰ یا اس سے زائد ہے اور عرض البلد شمالی خواہ کچھ بھی ہو، تو وہاں کے قبلہ کی سمت جانب جنوب ممکن ہی نہیں چوں کہ شمالی امریکہ طول البلد غربی ۷۰ سے لے کر ۳۰ تک پھیلا ہوا ہے اس لیے یہ ناممکن ہے کہ وہاں کی سمت قبلہ جنوبی ہے ۔

کہ آپ کے غلام بھی ایسے محیر العقول کارنامے انجام دیتے ہیں اس مہر درخشاں کی کرنوں میں اتنی تابانی ہے کہ ان کے کارناموں کو دیکھ کر نبی ہونے کا گمان گزرتا ہے حالانہ وہ نبی نہیں ہوتے بلکہ حبیب پروردگار کے سچے غلام اور امت محمدیہ کے امام ہوتے ہیں ۔

مجددین حضرات کو دنیا میں انبیائے کرام کی طرف بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا جاتا ہے تاکہ وہ ہر قسم کے مشکلات کے باوجود شمع ہدایت کو فروزاں رکھ سکیں ۔ بے دینی کی خواہ کتنی ہی آندھیاں آئیں جبر واستبداد کے کواہ کتنے ہی جھکڑ چلیں لیکن یہ بزرگ اپنے اپنے عہد میں تائید ایزدی سے پوری پامردی کے س اھ ان کا مقابلہ کرتے ہیں اور چراغ ہدایت کو بجھنے نہیں دیتے ۔ اس چراغ کی ضرورت کا ہر سامان فراہم کر کے اس کی تابانی وتابندگی کو اصلی حالت پر لے آتے ہیں ۔

چونکہ یہ حضرات عمر بھر انبیائے کرام کی طرح خدمت دین متین کا فریضہ ادا کرتے ہیں اس لئے جب اپنے فرض سے بخیر وخوبی فارغ ہوجاتے ہیں تو عظیم کام پر اعظیم اجرت سے نوازے جاتے

ہیں دنیاوی زندگی کا سلسلہ ختم ہوتے ہی رحمت خداوندی کی آغوش میں چلے جاتے ہیں اور خدائے ذوالمنن کی طرف سے اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے صدقے ہر قسم کے آرام وراحت سے نوازے جاتے ہیں تاریخ وصال کے مذکورہ قرآنی جملے میں بھی ایسے ہی انعامات الٰہیہ کا ذکر ہے ۔ جن سے اس کے خاص بندے علیٰ قدر مراتب نوازے جائیں گے ۔ مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش کرنے کی غرض لیں ہم بھی ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض گزار ہیں ۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

(ماہنامہ اشرفیہ جون، جولائی ۱۹۹۷ء)

دوسری قسط

شمالی امریکہ کی سمت قبلہ تحقیق کے آئینے میں

جنوب مشرق کی جہت کو قبلہ بنانے والے حضرات کی دلیل کا جائزہ

اس میں شبہ نہیں کہ تمام مکاتب فقہ کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ اہل مشرق کا قبلہ مغرب اہل مغرب کا قبلہ مشرق، اہل شمال کا قبلہ جنوب اور اہل جنوب کا قبلہ شمال ہے۔لیکن شمالی امریکہ کے تعلق سے علم ریاضی وہیئت کے اصولوں کی روشنی میں پہلے یہ طے کرنے کی ضرورت ہے کہ شمالی امریکہ کہا جانے والا خطہ مکہ معظّمہ سے کس سمت واقع ہے؟ اور یہ کہ شہر ہوسٹن (HOUSTON) اور وینی پگ (WINNE PEG) کس جہت میں واقع ہیں؟ چونکہ مکہ معظّمہ شمالی امریکہ اور اس کے شہر ہوسٹن، وینی پیگ وغیرہ سے شمال میں واقع ہے۔ بلفظ دیگر۔ ہوسٹن اور وینی پگ مکہ معظّمہ سے جنوب میں واقع ہے۔ اس لئے وہاں کا قبلہ جانب شمال ہوگا۔ نہ کہ جانب جنوب۔ البتہ نقطۂ شمال کو مدنظر رکھنے کی صورت میں انحراف شمال کی جانب ہوگا جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔

جہاں تک جہات اربعہ کے سلسلہ میں اجماعی مسئلہ کا تعلق ہے تو مسئلہ دائرہ میں اس سے استدلال ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ دراصل جنوب مشرق کا قول کرنے والے حضرات کو امریکہ کے ساتھ لفظ شمالی نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے اس لئے ان کے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہوگیا کہ جب امریکہ شمال میں واقع ہے یہی وجہ ہے کہ وہ شمالی امریکہ کہلاتا ہے تو لامحالہ قبلہ جانب جنوب ہوگا۔

حالانکہ براعظم امریکہ کو دو حصوں پر منقسم ہونے کی وجہ سے شمالی وجنوبی کہا جاتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جہت اربعہ (شرق، غرب، شمال، جنوب) کے سلسلہ میں بیان کردہ مسئلہ اجماعی ہے۔ مگر اس اجماعی مسئلہ کا تعلق عالمی جہت سے نہیں بلکہ مقامی جہت سے ہے اور امریکہ کا شمالی کہا جانا مقامی جہت کے اعتبار سے نہیں بلکہ عالمی جہت کے اعتبار سے ہے۔ مقامی جہت کے اعتبار سے تو وہ جنوب ہی میں واقع ہے۔ جس کی قدرے تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ جہات اربعہ کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔ (۱) عالمی جہت (۲) مقامی جہت۔

عالمی جہت: خط استوا سے قطب شمالی تک شمالی جہت اور خط استوا سے قطب جنوبی تک جنوب جہت اور گرین وچ سے ۱۸۰ر ڈگری پورب شرقی جہت اور ۱۸۰ر ڈگری پچھّم غربی جہت کہلاتی ہے۔ عالمی جہت کا دوسرا نام حقیقی جہت ہے۔

مقامی جہت: مقامی جہت کا مطلب یہ ہے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی جہت کیا ہے؟ جو جہت ان دونوں میں پائی جائے گی وہ مقامی جہت کہلائے گی مثلاً ہندوستان سے مکہ معظّمہ جہت مغرب میں واقع ہے اور ہندوستان سے بنگلہ دیش جہت شرق میں واقع ہے۔ شرق وغرب کی یہ جہتیں مقامی جہت کے اعتبار سے ہیں۔ مقامی جہت کا دوسرا نام اضافی جہت ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ مقامی جہت بدلتی رہتی ہے۔ لیکن عالمی جہت نہیں بدلتی، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ تینوں (مکہ معظّمہ، ہندوستان، بنگلہ دیش) مقامات مقامی جہت کے اعتبار سے الگ الگ ہیں۔ مگر یہی تینوں مقامات عالمی جہت کے اعتبار سے صرف شرقی جہت میں واقع ہیں۔ جہات اربعہ کے سلسلے میں اہل اسلام کے اجماعی مسئلہ کا تعلق عالمی جہت سے نہیں بلکہ مقامی جہت سے ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مکۂ معظّمہ سے جو مقام مشرق میں واقع ہے وہاں والوں کا قبلہ مغرب کی جانب اور مغرب میں بسنے والوں کا قبلہ مشرق کی جانب یونہی۔ اہل شمال کا قبلہ جانب جنوب، اہل جنوب کا قبلہ شمال ہے۔ اور امریکہ کا شمالیہ کہا جانا مقامی جہت (مکہ معظّمہ) کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا شمالی امریکہ کا جنوب مشرق کی جہت قبلہ ہونے پر اجماعی مسئلہ سے استدلال درست نہیں۔

علم ہیئت میں سمت قبلہ کے ادراک کے دو طریقے ہیں

(۱) تقریبی (۲) تحقیقی۔

ذیل میں مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے رسالہ کشف العلۃ عن سمت القبلۃ سے ماخوذ ان دس قاعدوں کا اجمالی خاکہ پیش کیا جارہا ہے، جن سے سمت قبلہ کا ادراک تحقیقی طور پر ہوتا ہے ان قاعدوں سے متعلق مجدد گرامی کا ارشاد ہے۔

''یہ دس قاعدے تمام روئے زمین زیر وبالا، بحر وبر، سہل وجبل، آبادی وجنگل سب کو محیط ہیں۔ کہ جس مقام کا عرض وطول معلوم ہو نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے۔ آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ برابر بھی اصلا کوئی قاعدہ نہیں اور تحقیق ایسی کہ عرض وطول اگر صحیح ہوں اور ان قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں، اور پردے اٹھادیئے جائیں تو کعبۂ معظّمہ کو خاص روبرو پائیں۔

قاعدوں کا اجمالی خاکہ۔

قاعدہ (۱): اگر فصل طول ۱۸۰؍ درجے اور مقام کا عرض جنوب مساوی عرض شمالی مکہ ہو تو............

قاعدہ (۲): اگر فصل طول ۱۸۰؍ درے اور عرض اصلا نہ ہو یا شمالی ہو مطلقاً یا جنوبی ۲۵۔۲۱ سے کم تو......

قاعدہ (۳) اگر فصل صفر ہو اور عرض اصلا نہ ہو یا جنوبی ہو مطلقا یا شمالی ۲۵۔۱۲ سے کم تو............

قاعدہ (۴) اگر فصل طول ۹۰ درجے ہو شرقی یا غربی اور عرض اصلا نہ ہو تو......

قاعدہ (۵) اگر فصل شرقی خواہ غربی کم یا بیشی ہو اور عرض معدوم تو......

قاعدہ (۶) اگر فصل طول ۹۰ درجہ شرقی یا غربی اروعرضی جنوبی ہو خواہ شمالی عرض مکہ معظّمہ سے کم یا برابر یا زائد تو............

قاعدہ (۷) اگر عرض موقع عرض البلد سے مساوی ہو اور فصل طول شرقی خواہ غربی کم ہو تو عرض البلد شمالی اور بیش تو جنوبی ان چاروں............

قاعدہ (۸) اگر عرض موقع کم اور تمام عرض البلد کے مساوی ہوں اور فصل طول شرقی یا غربی

کم ہے تو عرض جنوبی اور زائد تو عرض شمالی تو ان چاروں............

قاعدہ (۹) اگر فصل طول شرقی خواہ غربی کم اور عرض شمالی کم ہے یا زائد تو ان آٹھوں......

قاعدہ (۱۰) اگر فصل طول شرقی خواہ غربی کم اور عرض جنوبی یا فصل بیش اور عرض شمالی اور بہر حال عرض البلد مساوی تمام عرض موقع نہیں بلکہ کم یا زائد ہے تو ان آٹھوں......

امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ میں مندرجہ بالا قاعدوں کا تفصیلی بیان اور ان پر براہین ہندسیہ قائم فرمانے کے ساتھ ساتھ تفریعات بھی درج فرمایا ہے طوالت کے خوف سے ہم اس کے اجمالی بیان پر ہی اکتفا کررہے ہیں۔

وہ مقررات جن پر مسئلہ دائرہ کے حل کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

اکسفورڈ اسکول اٹلس میں شمالی امریکہ کے شہر ہوسٹن کا عرض البلد ۴۹۔۲۹ شمالی طول البلد ۲۰۔۹۵ غربی درج ہے۔ اور وینی پگ (wini peg) کا عرض البلد ۵۲ درجہ شمالی اور طول البلد ۹۷ درجہ غربی لکھا ہے۔ اور مکہ مکرمہ کا عرض البلد ۲۵۔۲۱ شمالی اور طول البلد ۵۴۔۳۹ شرقی درج ہے۔

ویسے کتب ہیئت وغیرہ میں مکہ معظّمہ کا طول البلد ۱۰۔۴۰ مذکور ہے۔ دونوں میں صرف ۵۶ دقیقے کا فرق ہے جو بہت معمولی فرق ہے۔ آنے والے حسابی سطور میں مکہ معظّمہ کا طول البلد ۱۰۔۴۰ درج کرتے ہوئے ہم حساب پیش کریں گے۔ اور امریکہ کے شہر ہوسٹن اور وینی پگ (WINI PEG) کی سمت قبلہ متعین کریں گے۔

غور وفکر کے بعد پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ دائرہ کا تعلق امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے بیان کردہ دس قاعدوں میں سے دسویں قاعدہ سے ہے۔ اس لئے ذیل میں پہلے ہم اس قاعدہ کو پورے طور پر بیان کرکے اس کی توضیح وتشریح کریں گے۔ پھر مسئلہ دائرہ کا حل پیش کریں گے۔

قاعدہ (۱۰): اگر فصل طول شرقی خواہ غربی کم اور عرض جنوبی ہے۔ یا فصل بیش اور عرض شمالی اور بہر حال عرض البلد مساوی تمام عرض موقع نہیں، بلکہ کم یا زائد ہے تو ان آٹھوں صورتوں میں عرض البلد اور عرض موقع کو جمع کریں اب محفوظ منفی جیب مجموعی العرضین فلل انحراف از نقطہ شمال بنقطہ اعتدال یہ انحراف ہمیشہ شمالی ہوگا، فصل طول شرقی ہے تو نقطۂ مغرب اور غربی ہے تو نقطہ مشرق سے۔

قاعدہ میں مذکورہ تین نئے اصطلاحی الفاظ کی توضیح

جیب: چیمبس وغیرہ کے جداول ریاضیہ میں علم مثلث کی اصطلاح سائن Sine کو سائن ٹینج TANG کو ٹینج COTING وغیرہ درج ہیں۔ جیب ان ہی اصطلاحوں میں سائن SINE کو کہتے ہیں۔

محفوظ:۔عرض موقع کے جیب التمام (COSINE) اور فصل طول کے ظلل (TANG) کے مجموعہ کو محفوظ کہتے ہیں۔یعنی عرض موقع کے جیب التمام فصل طول کا ظلل محفوظ۔

عرض موقع فصل طول کے جیب التمام (COSINE) میں ۱۰۶۴۵۷۷ء۱۰ یعنی عرض مکہ کا کوٹینج (COTANG) جمع کیجئے اور حاصل جمع کو ظلل التمام مان کر یعنی COTANG سمجھ کر درجہ دقیقہ حاصل کیجئے، یہی درجہ دقیقہ عرض موقع ہے۔(نوٹ: جیب، جیب التمام ظل وظل التمام وغیرہ چمبیرس کے جداول ریاضیہ سے اخذ کریں۔)

تمام عرض موقع عرض موقع کی مقدار کو ۹۰ سے تفریق کرنے پر جو باقی رہے۔ وہ تمام عرض موقع ہے مندرجہ بالا قاعدہ کے مطابق حساب کرنے پر معلوم ہوا کہ ہوسٹن کا عرض موقع ۴۹۔۱۲۸ اس تمام عرض موقع ۱۱۔۶۱ ہے جب کہ اٹلس سے معلوم ہے کہ ہوسٹن کا عرض البلد ۴۹۔۲۹ اور تمام عرض البلد ۱۱۔۶۰ ہے یہاں عرض البلد تمام عرض موقع کے مساوی نہیں ہے۔حساب کی ساخت جاننے کے لئے پہلے فصل طول معلوم کرنے کا قاعدہ ملاحظہ فرمائیں۔

فصل طول معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر دونوں بلاد مکہ معظّمہ اور مطلوب (سمت شہر) گرینچ سے باعتبار شرق وغرب متحد ہیں تو دونوں کے طول کا تفاوت لیں اور اگر مختلف الجہت ہوں تو جمع کریں یہاں کہ معظّمہ شرقی اور ہوسٹن غربی ہے اس لئے فصل طول معلوم کرنے کے لئے دونوں بلاد کا طول جمع کیا گیا جو ۳۰۔۳۵ ہوا۔ بعد تنقیح ۴۴ درجہ ۳۰ دقیقہ اس کا کوئی سائن COSINE ۸۵۳۲۴۲۱ء۹ + ۴۰۶۴۵۷۷ء۱۰ + ۲۵۹۶۹۹۸ء۲۰۔ اس کا جدول کوٹینج (COTANG) میں درجہ دقیقہ لیا تو معلوم ہوا کہ ۴۹۔۲۸ ہے یہی اور ۱۱۔۶۱ تمام عرض موقع ہوا۔

اب اصل قاعدہ کے مطابق عمل کر کے سمت قبلہ معلوم کیا جاتا ہے۔

عرض موقع: ۴۹۔۲۸

عرض البلد: ۴۹۔۲۹

مجموع العرضین: ۲۸۔۵۸

اس کا جیب: ۹ء۹۳۱۳۸۳۵

جیب التمام COSINE عرض موقع ۴۹ ۔۲۸= ۹۴۲۵۸۶۶ TANG فصل طول ۳۰۔۴۴=۹ء۹۹۲۴۱۹۷ جیب SINE مجموع العرضین کو تفریق کیا ۹ء۸۹۳۵۰۰۶۳ محفوظ

۹ء۹۳۱۳۸۳۵

۱۰ء۰۰۳۶۲۲۸ مجموع العرضین کا جیب

اس کو ٹینج مان کر اس کا درجہ دقیقہ حاصل کیا ۱۴۔۴۵ انحراف از نقطہ شمالی بر مشرق پس انحراف از نقطہ شرق بہ شمال ۴۶۔۴۴ ہوا۔

WINNI PEG

وینی پگ کا عرض البلد شمالی ۵۲ درجہ اور تمام عرض البلد ۲۸ درجہ ہے اور طول البلد غربی ۹۷ درجہ ہے اس لئے ۹۷+۱۰-۴۰=۱۰-۱۳۷-بعد تنقیح ۵۰- ۴۳ درجہ فصل طول ہوا۔اس لئے فصل طول کا کوسائن ۸۵۸۱۵۰۵ء۱۰ ہوا۔

اس کا جدول کوٹینج میں درجہ دقیقہ لیا تو = ۳۲-۲۸ یہاں کا عرض موقع یہی ہے اور تمام عرض موقع ۲۸-۶۱ ہے۔

عرض موقع ۳۲-۲۸ کا کوسائن = ۹ء۴۳۷۶۱۲

فصل طول ۵۰-۴۳ کا ٹینج =۹ء۹۸۲۳۰۸۷×محفوظ

جیب مجموع العرضین کو تفریق کیا ۱۹ء۹۲۶۰۶۹۹

۹ء۹۹۴۰۴۴۹

۹ء۹۳۲۰۲۵۰

عرض موقع = ۲۸-۳۲

عرض البلد	=	۵۲-۰۰
مجموع العرضین	=	۸۰-۳۲
اس کا جیب	=	۹٫۹۹۴۰۴۴۹

اس باقی کو تیج مان کر اس کا درجہ دقیقہ حاصل کیا۔۳۲۔۴۰ ہوا=انحراف از نقطۂ شمالی بہ مشرق ۴۸-۴۹،انصراف از نقطۂ مشرق بہ شمالی۔

دوسرا قاعدہ عملی اور حسی

(۱) درمیانی سائز کا گلوب حاصل کر کے اسٹینڈ (STAND) سے علاحدہ کر لیں گردش ایام کے مدار جیسے خط استواء کہتے ہیں۔اس کے وضع کی طرف مطلقا دھیان نہ دیں صرف اس کا خیال رہے کہ قطب شمالی اور جنوبی اپنی جہت پر رہے۔اس گلوب کو اس طرح سطح مثنوی پر رکھیں کہ ہوسٹن ٹھیک اس کے اوپر رہے۔

(۲) اب اس گلوب کے ٹھیک وسط یعنی کمتر میں ایک رنگین دھاگہ اس طرح چسپاں کریں کہ گلوب اوپر نیچے دو برابر حصوں میں منقسم ہوجائے یہ دھاگہ خط استواء کو دو جگہ کاٹے اگ پورب جانب کے نقطۂ تقاطع کو وہاں کا نقطۂ مشرق اور پچھّم جناب کے نقطہ تقاطع کو نقطہ مغرب کہیں گے۔ یہ دھاگہ ہوسٹن کا ائرہ افق ہوگا۔

(۳) پھر دوسرا دھاگہ مقام ہوسٹن پر سے گزارتے ہوئے اتر دکھن لپیٹ دیں یہ دھاگہ افق والے دھاگہ کو دو جگہ زاویہ قائمہ پر کاٹے گا اتر جانب کے نقطۂ تقاطع کو نقطۂ شمال اور دکھنی جانب کے نقطہ تقاطع کو نقطۂ جنوب کہیں گے۔ اس دھاگہ کے ذریعہ گلوب کے دو برابر حصے پورب اور پچھّم ہوجائیں گے یہ دھاگہ ہوسٹن کا دائرہ نصف النہار ہوگا۔

(۴) پھر تیسرا دھاگہ گلوب پر اس طرح چسپاں کریں کہ وہ مقام ہوسٹن اور نقطۂ مشرق ومغرب ہوکر گزرے اس دھاگہ سے گلوب کے دو برابر حصے اتر اور دکھن ہوجائیں گے اس دھاگہ کو ہوسٹن کا اول السموت کہیں گے۔ پہلا دھاگہ گلوب کو دو برابر حصے فوقانی اور تحتانی میں تقسیم کرے گا۔ دوسرا دھاگہ دو برابر حصے غربی اور شرقی میں اور تیسرا دھاگہ دو برابر حصے شمالی اور جنوبی میں کرے گا۔

اب پوری احتیاط کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں کہ گلوب میں مکہ معظّمہ غربی حصہ میں ہے یا شرقی جہت اس طرح یہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ جنوبی حصہ میں ہے یا شمالی؟ اس طرح آپ کو محسوس اور مشاہدہ ہوجائے گا کہ سمت قبلہ کس جہت کو ہے؟ اگر چاہیں تو ایک چھوٹا دھاگہ مقام ہوسٹن سے مقام مکہ معظّمہ ہوکر گزار دیں۔اس دھاگہ کو دائرۃ الارتفاع، کہیں گے اب غور کریں گے تو اس طرح دائرۃ الارتفاع اور اول السموات کے باہم تقاطع سے مقام ہوسٹن کے پاس ایک زاویہ بنے گا یہی زاویہ قدرے انحراف ہوگا یہ دائرۃ الاتقاع اگر مسائل بہ شمال تو انحراف شمالی اگر مائل بہ جنوب ہے تو انحراف جنوبی ہوگا۔

پہلا دھاگہ جو ہوسٹن کے افق کی نمائندگی کرے گا وہ خط اسواء کو پورب جانب طول البلد غربی کے ۲۰۔۵ ڈگری پر تقاطع کرے گا۔ یہ وہاں کا نقطۂ مشرق ہوگا اور پچھّم جانب طول البلد غربی سے آگے نکل کر طول البلد شرقی میں پہنچ جائے گا اور ۴۰۔۷۴ ڈگری پر قطع کرے گا یہ نقطہ وہاں کا نقطۂ مغرب ہوگا۔ اتر جانب قطب شمالی سے ۴۹۔۲۹ ڈگری سے نیچے اور قطب جنوبی میں اتنی ہی اوپر سے گزرے گا اس دھاگہ سے گلوب کے دو برابر حصے فوقانی وتحتانی حاصل ہوں گے اوپر جانب سے ۲۰۔۵ طول البلد غربی سے لے کر ۴۰۔۷۴ طول البلد شرقی تک فوقانی اور اس کے بالمقابل حصہ تحتانی ہوگا۔ مکہ معظّمہ کا طول چوں کہ ۱۰۔۴۰ شرقی ہے، اس لئے یہ بلد شریف تحتانی حصہ مین واقع ہوگا۔

(۲) دوسرا دھاگہ جو نصف النہار کی نمائندگی کرتا ہے وہ خط استواء کے اوپر جانب ۲۰۔۹۵ طول البلد غربی پر کاٹتے ہوئے اتر اور دکھن جانب چلے گا اور پھر طول البلد شرقی کے ۴۰۔۷۴ پر خط استواء کو کاٹے گا اتر اور دکھن میں قطبین پر سے گزرے گا۔ اس دھاگہ کے ذریعہ گلوب کے دو برابر حصے شرقی اور غربی ہوجائیں گے۔

گرینچ سے ۲۰۔۹۵ ڈگری طول البلد غربی اور ۴۰۔۸۴ طول البلد شرقی کا مجموعہ ۱۸۰ رشرقی حصہ ہوگا اور دوسری جانب غربی حصہ ہوگا۔ مکہ معظّمہ کا طول چونکہ ۱۰۔۴۰ شرقی ہے اس لئے وہ حصہ شرق میں ہوگا۔

(۳) تیسرا دھاگہ جو اول السموات کی نمائندگی کرتا ہے وہ ہوسٹن کے سمت الراس اور نقطۂ

مشرق ومغرب ہوکر گزرتا ہے اس لئے وہ ہوسٹن کو سمت الراس اور سمت القدم پر خط استواء سے بقدر عرض البلد ۴۹۔۲۹ کی دوری سے گزرے گا یہ دوری سمت الراس کی جانب خط استواء سے بجانب شمال اور سمت القدم میں بجانب جنوب ہوگی۔ ہوسٹن کے پورب وپچھّم اس کی دوری کی رفتہ رفتہ گھٹی جائے گی تا آنکہ پورب طرف نقطۂ مشرق اور پچھّم طرف نقطۂ مغرب میں آکر خط استواء کو کٹتے ہوئے پھر رفتہ رفتہ خط استواء سے دوری بڑھنے لگے گی۔ اس دھاگہ کی وجہ سے گلوب کے دو برابر حصے شمالی اور جنوبی حاصل ہوں گے۔ اول السموات ہوسٹن کے پورب جانب ۲۰۔۵ ڈگری طول غربی پر خط استواء کو کاٹتے ہوئے جانب جنوب میں کل جاتا ہے، اور مکہ معظّمہ کا طول چوں کہ ۱۰۔۴۰ شرقی ہے یعنی اس نقطۂ تقاطع سے تقریبا ۴۵ ڈگری پورب رہ جاتی ہے۔ اور اول السمت وہاں تک نہیں پہنچ پاتا بلکہ مکہ معظّمہ شمالی حصہ میں رہ جاتا ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ مکہ معظّمہ ہوسٹن سے شمالی حصہ میں واقعہ ہے۔

خلاصۂ کلام:۔ علم ہیئت وریاضی کے اصول نیز حسی وعملی قاعدو کی روشنی میں ثابت ہوا کہ شمالی امریکہ کا قبلہ شمال مشرق ہے اور اس کے شہر ہوسٹن کی سمت قبلہ نقطۂ شمال سے مشرق کی جانب ۱۴۔۴۵ انحراف ہے۔ بلفظ دیگر نقطۂ مشرق سے شمال کی طرف انصراف۔

افادات:۔ علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی

از: آل مصطفیٰ مصباحی کٹیہارمی

ماہنامہ اشرفیہ، جون، جولائی، ۱۹۹۷ء، اگست ۱۹۹۷ء

حضور مفتی اعظم ھند کی طرف منسوب ایک فتوے کی وضاحت

۲۷/۲۸ تاریخوں میں چاند کی رویت کا مسئلہ

مولیٰ عزوجل نے اس کائنات کو اسباب وعلل کے ساتھ جوڑ دیا ہے اس لئے معجزاتی حالتوں یا کراماتی صورتوں کے علاوہ ان میں تبدیلی نہیں ہوتی، ایک مربوط نظام کے ساتھ دن اور رات کی تبدیلی، سورج اور چاند کی تابانی ودرخشانی، سب اسی ذات وحدہ لاشریک کے قائم کردہ سلسلۂ اسباب ومسببات کا نمونہ ہیں۔

یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ چاند ایک سیارہ ہے جو سورج کی روشنی سے منور رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ چاند کا صرف وہی حصہ روشن رہتا ہے جس پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ چاند کے طلوع کا مطلب سورج کی روشنی سے اس کا منور رہنا۔ اور غروب کا مفہوم سورج کی روشنی سے اس کا محروم ہوجانا، پہلی تاریخ کو ہلال کی شکل میں چاند کا باریک دکھائی دینا، پھر رفتہ رفتہ بڑھ کر چودہویں رات کو بدر کامل بن جانا پھر گھٹتے گھٹتے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوجانا، اس کا واضح ثبوت ہیں۔ چاند جن تاریخوں میں غیر منور ہونے کی وجہ سے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا ہے ان میں قمری مہینہ کی ۲۷/۲۸ تاریخیں بھی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان دو تاریخوں میں چاند کی رویت ممکن ہے یا نہیں؟ قدیم ماہرین ہیئت اور

جدید سائنسی تحقیقات سے واضح ہے کہ ان تاریخوں میں چاند کی رویت ناممکن ہے۔ چاند نظر آ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ مشرقی مواضع کیلئے رویت ہلال کا امکان اسی صورت میں ہے جب غروب آفتاب کے وقت چاند آفتاب سے کم از کم بارہ درجہ جانب مشرق ہو، اگر چاند اور سورج کے درمیان صرف آٹھ درجہ کا فاصلہ ہو تو، سورج کی تیز شعاعوں میں چاند گھرے ہونے کی وجہ سے اس کی رویت ممکن نہ ہوگی۔ مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے جد الممتار جلد دوم میں اختصار مگر جامعیت کے ساتھ اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں۔ اذا کان الفصل بینہما رای بین الشّمس والقمر، من ثمان درج بل عشر لم یر القمر لاستتارہ تحت شعاعہا۔ جد الممتار ج ۲ شائع کردہ المجمع الاسلامی مبارکپور،

۲۸/۲۷ تاریخوں کو چاند ہرگز امکان رویت کے مطلوبہ درجہ پر نہیں ہوتا اس لئے چاند دیکھنا ناممکن ہے جس کی فنی تفصیل خواجۂ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی کے زیر نظر مقالہ میں ہے۔ جسے انہوں نے فقیر راقم الحروف اور محبّ گرامی مولانا قاضی شہید عالم صاحب کے اصرار پر تحریر فرمایا ہے اس سلسلہ میں بعض غیر مستند لوگوں نے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی طرف ایک فتویٰ منسوب کر دیا ہے، جس کا تعلق ۲۸ تاریخ کو ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند کی رویت وعدم رویت سے ہے۔ مقررین اپنی تقریروں میں اور بعض محررین اپنی تحریروں میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اس فتویٰ کی اصل کہاں ہے؟ یا کب اور کہاں اس کی اشاعت ہوئی؟ اس کا نہ کوئی حوالہ دیا جاتا ہے اور نہ ہی کسی طرح کے استناد کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ یہ ایک بے سروپا بات ہے جسے بعض عقیدتمندوں نے حضور مفتی اعظم ہند کی طرف غلط منسوب کر دیا ہے۔ بہر حال ضرورت ہے کہ مقررین اور محررین اکابر کی طرف اس قسم کی غیر مستند باتوں کے انتساب سے گریز کریں۔ اور مسئلہ دائرہ سے متعلق جو لوگ اپنی کتابوں میں یا مضامین میں لکھ چکے ہیں اس کے غلط اور غیر مستند ہونے کا اعلان شائع کریں اور اپنی تحریروں سے نکال ڈالیں۔ یہ مضمون مؤقر رسالہ ''ماہنامہ اشرفیہ'' کے توسط سے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ قوی امید ہے کہ اہل علم اس سے مسئلہ کی صحیح نوعیت بخوبی سمجھ سکیں گے۔

آل مصطفٰے مصباحی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی ضلع مئو

یہ ایک حقیقت کہ پچھلے سوا سو سال میں خانوادۂ عالیہ رضویہ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جن کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے اصلاح ظاہر وباطن کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور انشاء المولیٰ قیامت تک یہ خانوادہ اسی طرح رشد وہدایت کا عظیم فریضہ انجام دیتا رہے گا۔ اصلاح عقائد ہو یا روحانی پیشوائی، معقولات ہوں یا منقولات، مذہبی میدان ہو یا میدان سیاست ہر جگہ اس خانوادہ کے افراد جہاد باللسانی اور جہاد بالقلم کا عظیم فریضہ انجام دیتے نظر آ رہے ہیں۔ جب جب اسلام وسنیت پر داخلی یا خارجی کسی قسم کا حملہ ہوا تو ان نفوس قدسیہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل پر دین مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دفاع کر کے سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثناء کے سچے عاشق اور وفادار ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ آستانہ عالیہ رضویہ کی ان ہی بے لوث خدمات کی وجہ سے سواد اعظم اہل سنت نے اس کو اپنا مرکز تسلیم کیا۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک نمایاں اور اہم کڑی شاہزادۂ اعلیٰ حضرت آقائے نعمت حضور مفتی اعظم ہند کی ذات گرامی بھی ہے۔ جنہوں نے امام احمد رضا کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ سرکار حضور مفتی اعظم ہند کے علمی کمالات اور روحانی مراتب ہمارے فہم وادراک سے ماوراء ہیں ایک ماہر سوانح نویسی دفتر کے دفتر لکھ ڈالے لیکن اس کو بھی قلم رکھ کر یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بلاشبہ سرکار مفتی اعظم ہند عشق رسالت میں فنائیت کے اس درجہ پر فائز تھے جہاں پہنچ کر آدمی کو مرتبہ بقا حاصل ہو جاتا ہے یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ سرکار حضور مفتی اعظم ہند کے علمی کارنامے اور روحانی مراتب ہماری تقریر وتحریر کے رہین منت نہیں ہیں بلکہ وہ خود تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ ہماری مدح سرائی سے آپ کے درجات میں ترقی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی کی ہرزہ سرائی سے آپ کے مدارج میں کمی آ سکتی ہے۔

بعض خوش عقیدہ لوگ نتائج سے بے خبر ہو کر اکابر کی طرف ایسے بے سروپا واقعات منسوب کر دیتے ہیں جو قدح آمیز مدح کے خانے میں فٹ ہو جاتے ہیں۔ ان واقعات کو تسلیم کرنے کی

صورت میں ان اکابر کی علمی ثقاہت اور تقویٰ و دیانت پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ اس قسم کی متعدد مثالیں کتاب تاریخ سے دی جاسکتی ہیں۔ مثلاً ۱۷/اونٹوں کا واقعہ جو ایک مجمع تقاریر میں ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں تین شخص آئے ان کے پاس سترہ اونٹ تھے ان لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ان اونٹوں کو آپ ہمارے درمیان تقسیم کر دیں۔ ہم میں سے ایک شخص آدھے کا حصہ دار دوسرا تہائی کا اور تیسرا نویں حصہ کا۔ مگر شرط یہ ہے کہ پورے پورے اونٹ ہر شخص کو ملیں کاٹ کر تقسیم نہ کریں اور نہ کسی سے کچھ پیسہ دلائیں۔ بڑے بڑے دانشور جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پورے پورے اونٹ ہر شخص کو ملیں وہ کاٹے نہ جائیں نہ کسی سے کچھ پیسے دلائے جائیں۔ اس لئے کہ جو شخص آدھے کا حصہ دار ہے اسے سترہ میں سے ساڑھے آٹھ ملے گا اور جو شخص تہائی کا حصہ دار ہے ۵،۲/۳ ہی اونٹ پائے گا۔ سترہ میں سے پورا چھ اسے بھی نہیں ملے گا اور جس کا حصہ نواں ہے سترہ میں سے وہ بھی دو سے کم ہی پائے گا تو ایک دو نہیں بلکہ تین اونٹوں کی تقسیم ان لوگوں کے درمیان ہرگز نہیں ہوسکتی۔ مگر قربان جائیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عقل و دانائی اور ان کی قوت فیصلہ پر کہ آپ نے بلاتأمل فوراً ان کے اونٹوں کو ایک لائن میں کھڑا کروادیا جب آپ کے اونٹ کو ملا کر کل اٹھارہ اونٹ ہوگئے تو جو شخص آدھا کا حصہ دار تھا آپ نے اسے اٹھارہ میں سے نو دیا اور تہائی حصہ والے کو اٹھارہ میں سے چھ پھر نویں حصہ دار کو اٹھارہ میں سے دو دیا اور اپنے اونٹ کو پھر اپنی جگہ بھیجوادیا۔ (خطبات محرم)

یقیناً کسی زیرک آدمی نے اس واقعہ کو گڑھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف منسوب کردیا ہے۔ ہر حساب داں یہ جانتا ہے کہ یہ شرکت سرے سے ہی ممکن نہیں اس لئے کہ شرکت کا قاعدہ ہے کہ شرکاء کے جملہ اجزاء باہم مل کر ایک کامل جز بن جائیں۔ یہاں ۱/۲+۱/۳+۱/۹ کا مجموعہ ۱۷/۱۸، ہوتا ہے اور کامل ہونے میں ۱/۱۸، کی کمی رہ جاتی ہے اس لئے جب تک ایک آدمی ۱/۱۸، کا حصہ دار نہیں پیدا ہوتا شرکت ممکن نہیں اور نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایسی شرکت تسلیم فرماتے اور

نہ ایسا فیصلہ فرماتے۔ جو عقیدت کیش آپ کی فراست اور دانائی کے لئے ذکر کرتے ہیں۔ اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ ذمہ دار مؤرخ اور سوانح نگار کا فرض ہے کہ واقعہ نویسی کے وقت روایت و درایت دونوں کے اصول پیش نظر رکھے تا کہ کوئی واقعہ اہل علم اور اغیار کی نظر میں محض مضحکہ خیز بن کر نہ رہ جائے۔ آٹھویں صدی ہجری میں ابن خلدون نے تاریخ کو مستقل فن قرار دے کر اصول درایت اور فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی۔ فلسفہ تاریخ کے اصول میں ابن خلدون نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے راویوں کی جرح وتعدیل پر بحث کرنے سے زیادہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر واقعہ ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

عوام کے دل میں اپنے اکابر کی علمی دھاک بٹھانے اور ان کے تقویٰ کا سکہ جمانے کے لئے من گھڑت واقعات تحریر کرنا تاریخ نگاروں کا بہت بڑا جرم ہے۔ اس ضمن میں مرزا حیرت دہلوی اور منشی جعفر تھانیسری کا نام لے لینا کافی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کی تحریر کردہ سوانحی کتب اہل تحقیق کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔

ہم اہل سنت کو اس بات پر فخر ہونا چاہئے کہ ہمارے اکابر کی سوانحی کتب اس قسم کے موضوعہ واقعات اور من گھڑت افسانوں سے پاک ہیں۔ اور اگر کسی سوانح نویس سے اس قسم کی فروگزاشت ہو بھی گئی ہے تو اہل علم نے تردید کر کے اس سے برأت ظاہر کردی ہے۔

آمدم برسر مطلب

پچھلے چند برسوں میں مرشدنا سرکار مفتی اعظم ہند سے متعلق ایک واقعہ بہت مشہور ہوگیا ہے قلم کار حضرات نے اپنی تحریروں میں اس کو نمایاں طور سے پیش کیا ہے اور ہمارے خطباء بھی اس کو بڑے فخر کے ساتھ تقریروں کے ذریعہ عوام تک پہنچا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں اس وقت میرے سامنے صرف دو کتابیں ہیں جن میں اسی واقعہ کو پوری شرح وبسط کے ساتھ نقل کیا گیا ہے (۱) تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ (۲) مقالات نعیمی۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ جنرل ایوب خاں کے دور میں پاکستان میں حکومتی سطح پر ہلال کمیٹی کا

قیام عمل میں آیا۔ ۲۹؍تاریخ مطلع ابرآلود ہونے کی صورت میں اس کمیٹی کے نمائندہ حضرات کا ایک وفد ہوائی جہاز کے ذریعہ بلندی پر جا کر چاند دیکھا کرتا تھا اور واپس آکر رویت ہلال کا اعلان کر دیا کرتا تھا۔ اس کمیٹی کے اعلان سے پورے پاکستان میں رمضان عید اور بقرعید وغیرہ منائی جاتی تھی اس وقت کے علماء اہلسنت پاکستان نے اس کمیٹی کا پرزور رد کیا۔ نتیجہ کے طور پر دنیا بھر کے دارالافتاؤں سے مذکورہ کمیٹی اوراس کے طریقۂ رویت سے متعلق استفتاء کیا گیا۔ تمام ممالک اسلامیہ سے جو جوابات حاصل ہوئے وہ اس کمیٹی کی حمایت میں تھے۔ دنیا بھر کے مفتیان کرام نے اس طریقۂ رویت کو جائز ونافذ قرار دیا تھا۔ لیکن جب یہی استفتاء بریلی شریف وارث علوم مرتضٰی اور نائب غوث الوریٰ کی بارگاہ علم وفضل میں حاضر کیا گیا تو علم وفضل کے اس بطل جلیل نے حکومت پاکستان کی پرواہ کئے بغیر کیا جواب عطا فرمایا مقالات نعیمی کی زبانی سنیئے۔

حضور مفتی اعظم واعلم نے اس (فتویٰ جواز کو) نہیں مانا اور اپنا بےنظیر فتویٰ تحریر فرمایا جس کا اصل مضمون اس طرح ہے۔

چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے۔ اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شہادت شرعی پر قاضی شرع حکم دےگا۔ چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہوئی ہو وہاں دیکھنا چاہئے۔ رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا اس لئے کہیں ۲۹؍اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے۔ اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷؍۲۸ کو بھی نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۷؍۲۸ تاریخ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا۔ اور اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا۔ ایسی حالت مین جہاز سے ۲۹ کا چاند دیکھنا کب معتبر ہوگا۔

(مقالات نعیمی اول ص ۱۷)

یہ فتویٰ جب پاکستان گیا تو پورے ملک میں ہلچل مچ گئی اور تمام اخباروں میں اس کو شائع کیا گیا اس کے بعد کیا ہوا؟ مولانا عبدالمجتبیٰ صاحب کی زبانی سماعت فرمائیے۔

اگلے مہینے میں ۲۷؍اور ۲۸ تاریخ کو حکومت کی جانب سے جہاز کے ذریعہ اس بات کی

تصدیق کرائی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آیا تب حکومت نے حضرت کے فتویٰ کو تسلیم کر کے رویت ہلال کمیٹی توڑ دی۔ (تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۵۱۴)

آقائے نعمت سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند کی علمی جلالت، وسعت نظر قوت اخذ اور روحانی مراتب کے تمام تر اعتراف کے باوجود فقیر راقم الحروف کو بچند وجہ اس واقعہ کی صحت میں کلام ہے۔

(۱) اصول وروایت کی رو سے کسی بھی تاریخی واقعہ کا سند وتاریخ سے مقید ہونا ضروری ہے۔ یہ اہم واقعہ جہاں جہاں میری نظر سے گزرا کہیں بھی اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ یہ واقعہ کس سنہ ہجری یا عیسوی میں وقوع پذیر ہوا۔

(۲) تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ کے مؤلف کے بقول انہوں نے فتویٰ کا اصل مضمون نقل کیا ہے لیکن حوالہ کے طور پر اس کے ماخذ کی نشاندہی نہیں کی۔ ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اتنا اہم فتویٰ نہ فتاویٰ مصطفویہ میں میری نظر سے گزرا اور نہ ہی مفتی اعظم ہند کی دیگر تصانیف میں ملا۔

(۳) فقیر راقم الحروف کو طالب علمی سے لے کر دور تدریس تک مختلف ادوار میں لگ بھگ دس سال بریلی شریف میں رہ کر سنیت کی راجدھانی کے تخت نشیں کی خدمت کرنے کا موقع ملا اس کے بعد بھی سال میں دو تین بار خدمت میں ضرور حاضر ہوتا رہا مجھے اس بات پر فخر ہے کہ سرکار حضور مفتی اعظم ہند از راہ خردنوازی مجھے اپنے مخصوص غلاموں میں شمار کرتے تھے اس قریبی تعلق کی وجہ سے مجھے سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی زندگی کے اکثر اہم گوشوں سے واقفیت ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ مذکورہ واقعہ نہ تو میں نے دوران قیام بریلی سنا اور نہ ہی مفتی اعظم ہند کے وصال تک کسی کی زبانی سنا۔ البتہ آپ کے وصال کے بعد اس واقعہ کی گونج میرے کان میں پڑی۔

(۴) تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ کے مطابق اس جواب کو پاکستان کے ہر اخبار میں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا گیا صفحہ ۵۱۴، یہاں مولف کی ذمہ داری تھی کہ کم از کم ایک دو اخبار کا حوالہ ضرور دیتے لیکن اس سلسلہ میں وہ خاموش ہیں۔

(۵) فقیر راقم الحروف نے مفتی اعظم ہند کے بہت سے فتاویٰ دیکھے اور پڑھے ہیں۔ اس

فتویٰ کالب ولہجہ انداز استدلال اور اکھڑی اکھڑی عبارت کسی بھی طرح مفتی اعظم کے انداز تحریر سے میل نہیں کھاتی۔ مثلاً فتویٰ کی یہ عبارت ''اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد الخ''، عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے کیونکہ چاند دیکھنے کے لئے جہاز اڑانے کو شرط کون قرار دے رہا ہے۔ یہاں عبارت یوں ہونی چاہئے تھی۔ اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا درست ہو تو الخ۔ نیز فتویٰ کا یہ ٹکڑا، تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائیگا۔ اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا۔ ذوق سلیم پر بار معلوم ہوتا ہے۔

ان سب باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے تنزلاً بفرض غلط یہ فتویٰ مفتی اعظم ہند کا تسلیم بھی کرلیا جائے تو ایک الجھن کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ یہ کہ اس فتویٰ میں علم مناظر ومرایا اور ہیئت کی رو سے ایک ایسی صریح البطلان بات ہے جو مفتی اعظم ہند کی علمی جلالت کے قطعی منافی ہے۔

فتویٰ میں مذکور ہے کہ ''اور اگر جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آ سکتا ہے۔ علم مناظر ومرایا اور علم ہیئت کے مسلمہ قواعد کی رو سے یہ ممکن ہی نہیں کہ ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آ سکتا ہے۔ علم مناظر ومرایا اور علم ہیئت کے مسلمہ قواعد کی رو سے یہ ممکن ہی نہیں کہ ۲۷/۲۸ تاریخ کو دنیا کے کسی حصہ سے اور کسی بھی بلندی پر جا کر چاند دیکھ لیا جائے۔ اگرچہ اس فتویٰ اور واقعہ کے موضوع ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی تھی لیکن واقعہ نگاروں نے یہ لکھ کر کہ اگلے مہینہ میں ۲۷/۲۸ تاریخ کو حکومت کی جانب سے جہاز اڑا کر اس بات کی تصدیق کرائی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آ گیا۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ صفحہ ۵۱۴) اس واقعہ کے موضوع ہونے پر مہر تصدیق ثبت کردی کیونکہ اس سے ایک محال عادی کا واقعہ ہونا لازم آتا ہے جو سراسر غلط اور عقلاً بالکل بعید ہے۔ یہ مسئلہ چونکہ خالص علمی وفنی ہے اس لئے ذرا تفصیل سے عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) (الف) علم مناظر میں تصریح ہے کہ کرہ پر نظر کرنے کی صورت میں کرہ کا آدھا حصہ ہی نظر آ سکتا ہے۔ اسی طرح کرہ پر روشنی ڈالنے کی صورت میں کرہ کا تقریباً آدھا حصہ ہی منور ہوتا ہے۔

(ب) شعاع بصری جتنے حصہ کو محیط ہوتی ہے اتنے حصہ کو دائرۃ الرویۃ اور روشنی جتنے حصہ کو منور کرتی ہے اتنے حصہ کو دائرۃ النور کہتے ہیں۔

(ج) اگر نوری اور بصری شعاعیں دونوں ایک ہی سمت سے کرہ تک پہنچیں تو دونوں دائرے حسی طور پر منطبق ہوں گے اور دائرۃ النور کا پورا حصہ نظر آئے گا۔ لیکن اگر شعاع نوری اور شعاع بصری باہم مخالف سمت سے سے کرہ تک پہنچیں تو دائرۃ النور کا کوئی حصہ نظر نہیں آئے گا۔ ان دونوں کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں دونوں دائرے باہم متقاطع ہوں گے اور دائرۃ النور کا وہ حصہ نظر آئیگا جو دائرۃ الرویۃ کے تحت ہو۔ باقی حصہ نظر نہیں آئے گا۔ ہاں اگر دائرۃ النور کا یہ حصہ قدر معتد بہ نہ ہو تو اگرچہ نفس الامر میں دائرۃ الرویۃ کے تحت ہو پھر بھی نظر نہیں آئے گا۔ اس ضابطہ کا عملی مشاہدہ گلوب کو میز پر رکھ کر کیا جا سکتا ہے۔

(۲) (الف) ہیئت کی رو سے آفتاب وماہتاب اگرچہ فلک الافلاک کے تابع ہو کر روزانہ مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہو جاتے ہیں لیکن سورج اپنی ذاتی رفتار سے روزانہ تقریباً ایک درجہ مشرق کی طرف چلتا ہے۔ اسی طرح چاند بھی اپنے مدار میں روزانہ تقریباً ۱۳/درجہ ۱۰/دقیقہ مشرق کی طرف بڑھتا رہتا ہے اس دوڑ بھاگ کے نتیجہ میں چاند روزانہ سورج سے تقریباً ۱۲/درجہ ۱۰/دقیقہ آگے نکلتا رہتا ہے۔ اس طرح دونوں کے مابین ہر دم وضع بدلتی رہتی ہے۔

(ب) اس تبدیلی کے نتیجہ میں ہماری شعاع بصری سے بنے ہوئے دائرۃ الرویۃ اور شعاع شمسی سے بنے ہوئے دائرۃ النور کا تقاطع بھی مختلف ہوتا رہتا ہے۔ دائرۃ النور کا جتنا حصہ دائرۃ الرویۃ کی زد میں آتا ہے (بشرطیکہ وہ قدر معتد بہ ہو) ہم اسے دیکھتے ہیں اسی وجہ سے تشکلات قمریہ مختلف ہوتی رہتی ہے۔ کبھی بصورت ہلال کبھی بصورت بدر اور کبھی ان دونوں کے مابین دوسری شکلوں میں ہم قمر کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

(۳) چاند رات کے بعد دوسری تیسری اور چوتھی راتوں میں چاند بتدریج مشرق کی طرف چلتے ہوئے سورج سے دور ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ۱۸۰/درجہ کی دوری پر پہنچ کر چاند بدر کی شکل میں

نظر آنے لگتا ہے اس کے بعد آنے والی راتوں میں ماہتاب اپنی گردش کی وجہ سے آفتاب سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ تا آنکہ عام طور پر ۲۷ر تاریخ کی صبح ماہتاب افق شرقی کے اوپر اور آفتاب افق کے نیچے ہوتا ہے۔ اور آفتاب کے خیرہ کن شعاعیں ہمارے لئے کالعدم ہوتی ہیں۔ جس کی وجہ سے پھر ماہتاب افق شرقی پر بصورت ہلال نظر آتا ہے۔ اس ہلال اور چاندرات والے اصلی ہلال میں وضع کا فرق ہوتا ہے۔ ۲۹ تاریخ کو آفتاب قمر سے بجانب مغرب افق کے نیچے ہوتا ہے۔ اور ہلال کا انحداب بھی بسوئے شمس غربی ہوتا ہے۔ اور ۲۷ ویں کی صبح آفتاب قمر کے مشرقی سمت افق کے نیچے ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں ہلال کا انحداب بھی مشرقی بجانب شمس ہوتا ہے۔ یہاں سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ جس ہلال سے غربی مہینہ کا آغاز ہوتا ہے وہ بوقت رویت آفتاب سے پورب ہوتا ہے اور ہلال کا انحداب بجانب مغرب بسوئے آفتاب ہوتا ہے۔

(۵) اور پھر ۲۷ر کے بعد چاند اور سورج میں اجتماع کی حالت پیدا ہوجاتی ہے یعنی محاق کی صورت پیدا ہوجاتی ہے جس کو اماوس کہتے ہیں۔ ان ہی ایام کے لئے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اب ڈھائی تین دن تک قمر چھپا رہے گا اور پھر چاندرات میں بصورت ہلال نمودار ہوگا۔ اماوس کے آغاز سے ہلال کے نمودار ہونے تک ماہتاب کی تین حالتوں میں سے کوئی ایک حالت ہوتی ہے۔ (الف) ماہتاب آفتاب سے پچھّم ہوگا۔ مگر اتنا قریب کہ تقاطع سے قدر معتد بہ حصہ پیدا نہیں ہوگا ساتھ ہی آفتاب کی تیز شعاعوں کی وجہ سے نگاہ وہاں ٹھہر نہیں پائے گی اور خاص بات یہ کہ ماہتاب آفتاب سے پہلے ہی غروب ہوجائے گا۔ اس لئے بقاعدہ رویت چاند کے منور حصہ میں سے کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔

(ب) چاند تحت الشّمس ہوگا اس کا منور حصہ ہماری طرف نہ ہوکر سورج کی طرف ہوگا اس لئے اس کا دیکھنا عادۃً محال ہوگا۔

(ج) چاند سورج سے پورب کی طرف ہوگا مگر اتنا قریب ہوگا کہ تقاطع سے قدر معتد بہ حصہ پیدا نہیں ہوگا علاوہ ازیں شعاع شمسی کی وجہ سے نگاہ وہاں ٹھہر نہیں پائے گی۔ اس لئے بقاعدہ رویت

ماہتاب نظر نہیں آئے گا۔

پہلی صورت میں قمر کا انحداب بجانب مشرق اور تیسری صورت میں اس کا انحداب بجانب مغرب ہوگا لیکن قاعدۂ رویت کے تحت نہ ہونے کی وجہ سے یہ انحداب نظر نہیں آئیگا۔ ۲۷ر تاریخ کو قمر آفتاب سے بے حد قریب ہونے کے ساتھ ساتھ آفتاب سے بجانب مغرب ہوتا ہے۔ اور آفتاب سے پہلے ہی غروب ہوجاتا ہے اس لئے بقاعدہ رویت اس کا نظر آنا عادۃً محال ہے۔

یہاں اس شبہ کی گنجائش نہیں کہ اہل ارض کے لئے اگرچہ ۲۷ر تاریخ کو چاند آفتاب سے پہلے ہی غروب ہوجاتا ہے لیکن ہوائی جہاز کی بلندی کی وجہ سے اب بھی وہ افق کے اوپر ہوسکتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اگرچہ جہاز کی بلندی کی وجہ سے ماہتاب افق کے نیچے ہونے کے بجائے اوپر ہی ہو لیکن قمر اور ناظر کے مابین آفتاب کے حائل ہونے کی وجہ سے اس کی شعاعیں رویت سے مانع ہوں گی کما لا یخفی۔

۲۷ر کے بعد ۲۸ر کی شام کو ماہتاب تحت الشّمس پہنچ جاتا ہے اس کا منور حصہ سورج کی طرف ہوجاتا ہے۔ اس لئے چاند کے نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں ۲۹ر کی شام تک اگر چاند اور سورج کے مابین ۱۲ر درجہ کی دوری پیدا ہوجائے تو رویت ہلال ممکن ہے۔ ۲۹ تاریخ کو مسلسل تین ماہ رویت ہلال ممکن ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ ۲۹ کو رویت اسی وقت ممکن ہے کہ بوقت غروب آفتاب چاند آفتاب سے ۱۲ر درجہ پورب ہو اور چونکہ ۲۴ گھنٹہ میں آفتاب سے قمر تقریباً ۱۲ر درجہ آگے نکل جاتا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ ایک دن قبل یعنی ۲۸ تاریخ کو بوقت غروب آفتاب، قمر تحت الشعاع اور اس سے ایک دن قبل یعنی ۲۷ر تاریخ کو بوقت غروب آفتاب قمر آفتاب سے ۱۰ر درجہ پچھّم تھا جو آفتاب کے غروب سے پہلے ہی غروب ہوگیا۔

اس لئے ایسی صورت میں یہ بات بے بنیاد معلوم ہوتی ہے کہ اگلے مہینہ میں ۲۷/۲۸ تاریخ کو حکومت کی جانب سے جہاز کے ذریعہ اس بات کی تصدیق کرائی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آگیا'' اس لئے کہ اس صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ ماہتاب افق کے نیچے غروب ہوگیا یا نظر و ماہتاب کے مابین سورج حائل ہوگیا پھر بھی ۲۷ کو چاند نظر آگیا۔ اور یہ لازم آتا ہے کہ قمر تحت الشّمس

تھا پھر بھی ۲۸ کو دیکھا گیا۔ یہ عادۃً محال بھی ہے اور تجربہ کے خلاف بھی اور قاعدہ رویت کے منافی بھی۔

ضمنی طور پر یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہندوستان میں عام طور پر یہ بات مشہور ہے بلکہ خواص میں بھی اس کا چرچا ہے کہ عرب میں ہندوستان سے دو دن پہلے ہی رویت ہلال ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً بے بنیاد ہے کیونکہ ماسبق میں ظاہر کیا گیا ہے کہ رویت ہلال کے لئے آفتاب و ماہتاب کے مابین تقریباً ۱۲/درجہ کی دوری ضروری ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ ماہتاب آفتاب سے تقریباً ۱۲/درجہ ۱۰/دقیقہ روزانہ آگے بڑھتا رہتا ہے۔

تو اب فرض کیجئے کہ عرب میں رویت ہوگئی جس کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے افق پر آفتاب ماہتاب میں ۱۲/درجہ دوری تھی ورنہ رویت ہی نہ تھی۔ اور دوسرے دن شام تک دونوں کے مابین مزید ۱۲/درجہ کی دوری اور بڑھ گئی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عرب میں شام کے وقت ۲۴ درجہ اور ہندوستان میں شام کے وقت تقریباً ۲۲ درجہ کی دوری ہوگئی۔ اور جب رویت کے لئے ۱۲/درجہ ہی کافی ہے تو دوسرے دن ۲۲ درجہ کی دوری کی وجہ سے ہندوستان میں چاند نظر آنا ضروری تھا۔ اب اگر یہاں چاند نظر نہیں آتا تو اس کا واضح مطلب ہے کہ عرب میں کل رویت نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ عرب میں دو دن پہلے ہی رویت ہو جاتی ہے سرتاپا غلط ہے۔

نوٹ: فقیر راقم الحروف نے ریاضیات سے استشہاد کرتے وقت بر بنائے مساہلہ تدقیقات سے اجتناب کیا ہے۔

جو کچھ سترہ اونٹ کے معاملہ اور پاکستانی جہاز سے متعلق یا عرب میں ۲ دن پیشتر رویت کے بارے میں عرض کیا ہے وہ سب اپنی ناقص فہم کے مطابق شبہات عرض کئے ہیں۔ اگر کوئی صاحب تحقیق تلاش و جستجو کرکے ہمارے شبہات کو دور فرما دیں تو میں ان کا بے حد ممنون ہوں گا۔ البتہ ریاضیات کے بارے میں یہ بھی ثابت کرکے پیش کریں کہ علم ہیئت علم مناظر یا ماڈرن سائنس کی رو سے ۲۷/۲۸ کو چاند نظر آسکتا ہے۔

(ماہنامہ اشرفیہ ستمبر ۱۹۹۸ء)

اجسام میں قوت کشش کا کرشمہ

قرآن کریم میں اور اس کی تشریحات یعنی احادیث کریمہ میں جو کچھ ارشاد ہے وہ ایسی ٹھوس حقیقتیں ہیں کہ زمانہ کے تغیرات سے ان میں کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا۔ چوں کہ یہ خالق کائنات کا ارشاد ہے جو حکیم کارساز اور دانائے راز ہے۔ رہے انسانی نظریات اور اس کے افکار تو اس میں آئے دن تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں یہی وجہ ہے کہ حکمت وسائنس کی وہ باتیں جو کبھی محکم کی حیثیت رکھتی تھیں آج وہ قصۂ پارینہ ہوکر رہ گئیں لیکن اسلامی احکام جو کل بھی حق تھے وہ آج بھی حق ہیں۔

فلسفہ قدیم میں بلا انکار نکیر یہ امر مسلم تھا کہ فلک الافلاک کا مرکز، مرکز عالم ہے۔ دنیا کی ساری ثقیل چیزیں بالطبع اسی مرکز کی جانب مائل ہیں۔ یہی طبعی میلان ثقیل چیزوں کا وزن۔ اسی لئے فلسفہ قدیم کی کتابوں میں یہ مقولہ مشہور ہے۔: ''انما الاثقال کلہا مائلۃ الی المرکز علی سموت الاعمدۃ۔ لیکن آج فلسفہ جدیدہ نے اس قدیم نظریہ کے خلاف ایک نیا نظریہ یہ پیش کیا کہ ہر جسم میں دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچنے کی قوت طبعی ہے جسے قوت جاذبہ کہتے ہیں۔ مجذوب پر جاذب کی قوت جاذبہ جس قوت سے اثر انداز ہوتی ہے، وہی مجذوب کا وزن ہے۔ یعنی کسی بھی چیز میں بالطبع مرکز کی طرف

میلان نہیں ہوتا کہ جسے ہم وزن کہہ سکیں بلکہ زمین کی قوت جاذبہ کے اثر کا نام وزن ہے۔اس جدید نظریہ کی تھوڑی تفصیل ہمارے اس مضمون میں درج ہے جو ماہنامہ ''جام نور'' دہلی کے شمارہ جنوری ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا ہے۔

اس نظریہ کے پیش نظر سائنسدانوں نے اچنبھا میں ڈالنے والی ایک بات کہی ہے کہ زمین کے دائرہ کشش میں جو چیزیں ہی وہ زمین کی طرف اور قمر کے دائرہ کشش میں جو چیزیں واقع ہیں وہ قمر کی طرف کھینچتی جاتی ہیں اور جو جسم ایسی جگہ ہو کہ اس پر زمین کے جذب اور قمر کے جذب کا اثر مساوی ہو تو وہ نہ زمین کی طرف جائے گی اور نہ قمر کی طرف بھاگ سکے گی بلکہ اس جسم پر زمین وقمر کا جذب برابر ہونے کی وجہ سے وہاں کشش کا اثر صفر ہو جائے گا اور وہ جسم زمین وقمر کے مابین معلق ہو کر رہ جائے گا۔

اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے لئے سائنس دانوں نے اپنی کھوج اور حسابات کے ذریعہ تین باتوں کو مقررات کی فہرست میں درج کیا ہے:

(۱) چاند اور زمین کا فاصلہ قطر ارض کا ۳۰ گونا زائد ہے۔

(۲) زمین میں چاند کی بہ نسبت مادہ اور اسی لحاظ سے کشش ۷۵ ر گونا زائد ہے۔

(۳) جاذبیت بحسب مادہ سیدھی بدلتی ہے (جسے نسبت راست کہتے ہیں) اور بہ نسبت مربع بعد بالعکس (جسے نسبت معکوس کہتے ہیں) یعنی جاذب کا جتنا مادہ زائد ہوگا اتنا ہی اس کا جذب قوی ہوگا یہ نسبت راست ہے۔اور جاذب سے مجذوب کی دوری کا مربع جتنا زائد ہوگا اتنا ہی جذب ضعیف ہوگا۔مثلاً گز بھر بعد پر جو جذب ہے دو گز پر (۲×۲=۴ جو معکوس ہو کر ۱/۴ ہے) اس کا چہارم ہوگا۔دس گز پر (۱۰×۱۰=۱۰۰ جو معکوس ہو کر ۱/۱۰۰) اس کا سواں حصہ ہوگا۔یہ نسبت معکوس ہوئی کہ کم پر زائد اور زائد پر کم۔

ان تین باتوں سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ چاند اور زمین کے مابین وہ کون سا مقام کہ جہاں چاند اور زمین کی کشش باہم برابر ہو کر اس کا اثر صفر ہو جائے اور پہاڑ کی چٹان اور رائی کا دانہ دونوں

وہاں بے وزن ہو کر فضائے بسیط میں معلق ہو کر رہ جائیں۔نہ چاند کی طرف بھاگیں اور نہ زمین کے طرف آئیں۔

(نوٹ) آج کل خلا پیمائی کرنے والا امریکہ کے محکمہ نے اسی مقام سے متعلق کچھ معلوماتی پیش رفت کی ہے۔

رہی یہ بات کہ وہ مقام چاند سے زمین کی طرف کتنی دوری اور زمین سے چاند کی طرف کتنی دوری پر واقع ہے تو یہ ایک فطری مسئلہ ہے جسے سائنس دانوں نے حل کر کے بتایا ہے کہ وہ مقام چاند سے قطر ارض کا ۳ء۱۰۶ گونے کی دوری پر اور زمین سے قطر ارض کے۔

۳۱ صفحہ چھوٹا ہوا ہے۔

(۱) فاصلہ = قطر ارض کا ۳۰ گونا

(۲) ۷۵ کا جذر = ۸ء۶۶۰

قطر ارض = ۷۹۱۳ء۰۸۶ میل

۳۰ ÷ (۸ء۶۶۰+۱) = ۳ء۱۰۶ = بعد از قمر

نوٹ: یہ مضمون سائنس دانوں کے جدید نظریہ سے متعلق ہے ورنہ (۱) اعلیٰ حضرت محدث بریلوی نے فوز مبین میں جذب وکشش کا رد فرمایا ہے اور (۲) سائنس دانوں کا زمین وچاند کی قوت کشش کے تناسب کے تعین میں بھی اختلاف ہے لہٰذا پہلے ان کے نزدیک یہ تناسب (۱) اور (۷۵) کی نسبت سے تھا اور بعد میں (۳) اور (۲۰) کی نسبت سے ماننے لگے اور اب (۱) اور (۶) کی نسبت سے مانتے ہیں۔

قاعدۂ ثانیہ:

مقدمۂ اولیٰ: علم ریاضی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اگر دو مربعوں کے جذروں میں نسبت معلوم ہو تو اس کے ذریعہ دونوں مربعوں کے مابین کی نسبت معلوم کی جا سکتی ہے۔جس کا ضابطہ ہے کہ جذرین کی نسبت کو ثناۃ بالتکریر کر لیں وہی نسبت مربعین کے مابین ہوگی۔ بلفظ دیگر یہ کہئے کہ

جذرین کی نسبت کا مربع بنائیں تو یہ مربع مربعین کے مابین کی نسبت کو ظاہر کرے گا۔ان دونوں ضابطوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جذرین کے مابین جو بھی نسبت ہو اس کو بالاضافۃ دوہرادیں مثلاً اگر جذرین میں نسبت ثلث کی ہو تو مربعین میں نسبت ثلث الثلث کی ہوگی اور اگر ربع ہو تو مربعین میں ربع الربع کی ہوگی۔مثلاً جذریں بالترتیب ۱۳؍اور ۱۲؍ہوں جس میں نسبت ربع کی ہے اس لئے اس کے مربعین میں یعنی ۹ اور ۱۴۴؍میں نسبت ربع الربع کی ہوگی یعنی ۹ والا مربع ۱۴۴؍والے مربع کا ربع الربع ہوگا۔اسی طرح اگر جذریں ۱۳؍اور ۹ سو جس میں نسبت ثلث کی ہے اس لئے ان کے مربعین یعنی ۹؍اور ۸۱؍میں نسبت ثلث الثلث کی ہوگی یعنی ۹ والا مربع ۸۱؍والے مربع کا ثلث الثلث ہوگا۔

مقدمہ ثانیہ:۔مقدمہ اولیٰ سے صریح النتائج یہ برآمد ہوا کہ اگر دو مربعوں کے مابین نسبت معلوم ہو تو اس کے واسطہ سے ہم اس کے جذرین کے مابین نسبت معلوم کریں جو ان دونوں مربعوں کے مابین وسط النسبۃ ہو، یہ وسط فی النسبۃ جذرین کے مابین نسبت کو بتائے گا اور اگر اس وسط فی النسبۃ کو بالاضافۃ دوہرادیں تو دو مربعوں کے مابین نسبت کو بتائے گا۔یعنی قبل تکرار یہ وسط فی النسبۃ جذرین کی نسبت اور بعد تکرار مربعین کی نسبت کو ظاہر کرے گا۔ وہ عدد جو وسط فی النسبۃ ہو اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہیکہ مربعین کو باہم ضرب دے کر اس کا جذر حاصل کریں یعنی جذر وسط فی لانسبۃ ہے جو جذرین کی باہم نسبت کو بتائے گا۔اور اگر اسے ثناۃ بالتکریر کردیں تو یہ مربعین کے مابین نسبت کو ظاہر کرے گا۔مثلاً مثال سابق میں ۹ والا مربع اور ۱۴۴؍والا مربع کے حاصل ضرب کا جذر لیا تو ۳۶ نکلا یہ عدد وسط فی النسبۃ ہے۔یعنی پہلے والے مربع یعنی ۹ کی نسبت اس کی طرف مربع کی ہے اس طرح ۳۶ کی نسبت دوسرے والے مربع یعنی ۱۴۴؍کی طرف ربع کی ہے۔یعنی ان دونوں مربعوں میں نسبت ربع الربع کی ہے۔اس لئے ان کے جذر میں نسبت ربع کی ہوگی یعنی ۹ کے جذر ۳؍اور ۱۴۴؍کے جذر ۱۲؍میں باہم نسبت ربع کی ہے۔اس طرح مثال ثانی کو لیں کہ مربع ۹ اور مربع ۸۱؍کے حاصل ضرب کا جذر لیا تو ۲۷ کا ثلث ہے اس طرح ۲۷ دوسرے مربع یعنی ۸۱؍کا ثلث ہے یعنی دونوں مربعوں میں نسبت ثلث الثلث کی ہے اس لئے ان کے جذرین میں نسبت ثلث کی ہوگی یعنی ۹

کا جذر ۸۱۳، کا جذر ۹ میں باہم نسبت ثلث کی ہے۔

مقدمہ ثالثہ: متذکرہ بالا قاعدے جذرین یا مربعین کی مقدار معلوم کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان کے درمیان نسبت معلوم کرنے کے لئے ہیں (یہ الگ بات ہے کہ بعض حالات میں ان سے مقدار بھی معلوم ہوسکتی ہے) اس لئے اگر خود جذرین یا مربعین کی مقدار معلوم نہ ہو تو ان کے مابین باہم نسبت معلوم کرسکتے ہیں۔اس طرح مربعین کی نسبت معلومہ سے جذرین کے مابین نسبت معلوم کرسکتے ہیں،مثلاً ''لا'' اور ''یا'' کی مقدار معلوم نہیں لیکن ہم کو یہ معلوم ہے لا=ی ۵۷ ہے وہم یہاں بھی متذکرہ بالا قاعدہ سے وسط فی النسبۃ حاصل کرکے ان دونوں مربعوں کے جذرین یعنی ''لا'' اور ''ی'' کے مابین نسبت معلوم کرسکتے ہیں۔یعنی ''لا'' اور ''ی'' مربع کی شمار یعنی ۱×۵۷ کے حاصل ضرب کا جذر لیا تو 8.066 حاصل ہوا۔یہ وسط النسبۃ ہے جس سے یہ معلوم ہوگیا کہ ی اور لا کے جذر یعنی ی اور لا میں نسبت 8.066:1 کی ہے۔

(ماہنامہ کنزالایمان دہلی اپریل ۲۰۰۹ء)

فضائے بسیط میں رائی کا دانہ اور پہاڑ کی چٹان

بندۂ ناچیز بسلسلۂ علاج بمبئی گیا ہوا تھا، ایک طویل عرصہ گزار کر نا تمام علاج کے بعد جب واپسی دارالعلوم پہنچا تو یہاں ہمارے نام آئی ڈاک کے ڈھیر میں بہت سے رسائل وجرائد اور خطوں کے جھرمٹ میں ایک رسالہ بنام ''امام احمد رضا اور الجبرا'' بھی ملا۔ اس رسالہ کا ناشر، نوری مشن مالیگاؤں ناسک ہے اور مؤلف ماہر رضویات عالی جناب ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ہیں۔ اس رسالہ کے اندر ایک خط بھی تھا جس میں مرسل نے لکھا تھا کہ رسالہ میں ''فوز مبین'' کا ایک مضمون درج ہے، آپ اس کی قابل فہم تشریح کر کے کسی ماہنامہ میں شائع فرما دیں، میں چونکہ قلیل البضاعۃ کے ساتھ ساتھ علیل الطبع بھی تھا اس لئے اس کی طرف توجہ نہ کر سکا اور آج جب کہ میں درالعلوم کے ایک کمرے سے منتقل ہو کر دوسرے کمرے میں شفٹ ہونے جا رہا تھا تو بکھرے سامانوں میں پھر وہ رسالہ سامنے آ گیا۔ ہم نے اسے نیک شگون سمجھ کر اس کی قابل فہم شرح کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا جو اختصاراً یہاں درج ہے۔

انسان جب سے عالم ارواح سے فرش گیتی پر نازل ہوا کائنات کے رموز واسرار جاننے کے

لئے تگ ودو میں لگا رہا۔ دانشوروں کا ایک طائفہ فلکیات کی گتھیاں سلجھانے میں اپنے آپ کو الجھائے رکھا جس کا سرخیل فیثا غورث کو مانا جاتا ہے، انہوں نے اجمالاً یہ بتایا کہ سورج کائنات کا مرکز ہے تمام سیارے اسی کے ارد گرد گھومتے رہتے ہیں ایک عرصہ تک یہی نظریہ ساری دنیا میں مانا جاتا رہا۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا بطل جلیل دنیا میں پیدا ہوا جنہوں نے اس نظریہ کے پرخچے اڑا دیئے اور اس کے بالمقابل عالم کے سامنے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین ساکن اور اس کا مرکز مرکزِ عالم ہے۔ چاند، سورج اور دیگر سیارے اسی زمین کے ارد گرد مختلف مدار پر چکر لگاتے رہتے ہیں اور انہوں نے کوکب کے طلوع وغروب چاند کے خسوف اور سورج کے کسوف وغیرہ کا ایسا ضابطہ وضع کیا جو آج بھی مستعمل ہے۔

لیکن پھر اس کے بعد ایک ایسا انقلاب آیا سر آئیزک نیوٹن، کوپرنیکسن، گیلی لیو اور ٹوری سیلی وغیرہ نے ایک نئی ہیئت کی بنیاد ڈالی یا یوں کہئے کہ مردہ ہیئت میں جان ڈال دی اور یہ بتایا کہ دراصل سورج ہی عالم کا مرکز ہے، زمین اس کے گرد سال میں ایک بیضوی مدار پر چکر لگاتی ہے، جس سے موسم بدلتا رہتا ہے اور اپنے محور پر بھی روزانہ ایک کامل گردش کرتی ہے، جس سے رات ودن نمودار ہوتے رہتے ہیں اور ان سیاروں کے کچھ تابع سیارے ہیں جو سورج کے گرد طواف کرنے والے سیاروں کے گرد طواف کرتے رہتے ہیں، جیسے زمین سورج کے گرد گھومتی ہے لیکن چاند زمین کے گرد گھومتے ہوئے اس کی اتباع میں سورج کے ارد گرد گھومتے رہتے ہیں۔

ان باتوں کو سمجھانے اور ثابت کرنے کے لئے ان حضرات نے کچھ کلیات وضع کئے اور ضابطے پیش کئے ہیں جن میں یہ دو ضابطے بہت مشہور ہیں۔

۱۔ ہر جسم میں دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچنے کی قوت طبعی ہے جسے قوت جاذبہ کہتے ہیں۔

۲۔ ہر جسم بالطبع دوسرے جسم کے جذبہ سے بھاگتا ہے اس قوت کا نام قوت نافرہ ہے۔

یہی قوتیں نظام شمسی میں واقع تمام سیاروں کو تجاذب وتنافر کی وجہ سے مخصوص مدار پر گھومنے کیلئے مجبور کیے رہتی ہیں اور اسی وجہ سے کوئی سیارہ اپنے مدار سے ہٹ کر دوسرے مدار پر نہیں

جاسکتا۔

ضابطہ(۱) کے مطابق جس جسم کی قوت کشش زیادہ ہوتی ہے وہ اپنے دائرہ کشش کے اندر واقع کم قوت کشش والے جسم کو کھینچ کر اپنے پاس لے آتا ہے مثلاً فضا میں اچھالے ہوئے پتھر زمین کو اپنی طرف اور زمین پتھر کو اپنی طرف کھینچتے ہیں لیکن چونکہ زمین میں قوت کشش بہت زیادہ ہے اس لئے وہ پتھر کو کھینچ کر اپنے پاس لے آتی ہے اور پتھر میں قوت کشش بہت ہی کم ہے گویا کہ نا کے برابر ہے اس لئے وہ زمین کو کھینچ کر نہیں لاسکتا ہے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ کسی بھی جسم میں بذاتہ کوئی وزن نہیں ہوتا بلکہ دوسرے جسم کی کشش سے یہ باوزن جسم کشش والے جسم کی طرف مائل ہوتا ہے، جسے ہم وزن کہتے ہیں۔ یہ کشش کم ہوتی جائے گی وزن گھٹتا جائے گا لہٰذا ایک کنٹل لوہا اگر زمین سے اٹھا کر کوہ ہمالہ کی چوٹی پر لے جائیں تو وہاں زمین کی کشش کم ہونے کی وجہ سے وہ لوہا ایک کنٹل سے وزن میں کم ہو جائے گا۔ اور کوئی جسم زمین پر خواہ کتنا ہی وزن رکھتا ہو لیکن اگر وہ جسم زمین اور چاند کے مابین دوری کے اس نقطہ پر پہنچ جائے، جس نقطہ پر چاند کی کشش اور زمین کی کشش برابر ہو تو وہ جسم بے وزن ہو کر فضائے بسیط میں معلق ہو جائے گا اور اس نقطہ پر رائی کا دانہ اور پہاڑ کی چٹان دونوں ہی بے وزن ہو کر برابر ہو جائیں گے۔ رہی یہ بات کہ وہ نقطہ یا وہ خط جہاں پہنچ کر رائی کا دانہ اور پہاڑ کی چٹان دونوں ہی بے وزن ہو کر برابر ہو جائیں گے وہ چاند سے کتنی دوری اور زمین کتنی دوری پر واقع ہے واس کے سمجھنے سے پہلے وہ بات بھی سمجھ لیں جو ضابطہ(۱) کے ذیلی ضابطے میں کہا گیا ہے کہ جاذبیت بحسب مادہ سیدھی بدلتی ہیں اور بہ نسبت مربع بعد بالعکس۔ یعنی جاذب میں جتنا مادہ زائد ہوگا اتنا ہی اس کا جذب قوی ہوگا یہ سیدھی نسبت ہوتی اور مجذوب کی دوری کا مرجع جتنا زائد ہوگا اتنا ہی جذب ضعیف ہوگا۔ مثلاً گز بھر بعد پر جو جذب ہے دو گز پر اس کا چہارم ہوگا دس گز پر اس کا سواں حصہ ہوگا یہ نسبت معکوس ہوئی کہ کم پر زائد اور زائد پر کم۔

یہاں حساب میں استعمال کئے جانے والے کچھ علامات لکھتے جاتے ہیں جس کا دھیان میں رکھنا ضروری ہے (۱)-(::) یہ علامات تعلیلیہ ہے جو (چونکہ) کا معنی ادا کرتا ہے (۲)-(::) یہ علامات

تفریعیہ ہے جو (اس لئے) کا نشان ہے (۳)-(+-) یہ بالترتیب جمع وتفریق کا نشان ہے یہ عدد کے دائیں پہلو میں مقصد لکھا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے یہ عدد مثبت یا منفی۔ اگر حساب ہندی یا انگریزی میں ہو تو بجائے دائیں کے بائیں طرف لکھا جاتا ہے۔(۴)-'۳لا' '۳ی' کی صورتوں میں ۳ کو 'لا' یا 'ی' کا راس کہتے ہیں جو لا یا ی کے ۳ گونا کو ظاہر کرتا ہے۔ اور ۳/لا یا ی کو ۳ پر تقسیم کیا گیا ہے۔(۵)-(=) یہ علامت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس کے دونوں طرف لکھے ہوئے عدد قیمت میں برابر ہیں (۶) محاسب اپنے شعور سے پہلی مساوات قائم کرتا ہے اسے اساس کہتے ہیں جو بہت مشکل ہوتا ہے۔ اساس کے متعلق ''مراۃ الجبر والمقابلۃ'' میں تحریر ہے ''استخراج المجھولات بالجبر والمقابلۃ یحتاج الیٰ ذہن ثاقب حدس صائب وامعان فکر فیما اعطاہ السائل وصرف ذہن فیما تودی الیٰ المطلوب من الوسائل وتعمل ماتقضمنہ السوال سالکاعلیٰ ذالک المنوال ینتھی الیٰ المعادلۃ'' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اساس قائم کرنے کے لئے ذہن درخشاں، شعور بالغ اور فکر میں گہرائی ضروری ہے، تاکہ وہ سائل کے سوال میں دیئے ہوئے مبادی میں غور کر کے مطلوب تک پہنچ جائے۔

کسی بھی مجہول کو معلوم کرنے کے لئے کچھ مقررات کو بطور معلومات مدنظر رکھنا ہوتا ہے اس مسئلہ سے متعلق سائنسدانوں کے یہاں یہ مسئلہ مسلم اور مقرر ہے۔

(۱) چاند اور زمین کا فاصلہ قطر ارض کا ۳۰ گونا ہے اور (۲) زمین میں چاند کی بہ نسبت مادہ اور اسی لحاظ سے کشش ۵۷ گونا زائد ہے۔ ان ہی مقررات و ذیلی ضابطہ کے ذریعے افضل الجہابذ فی النقلیات اور خیر المبرزین فی العقلیات حضرت امام احمد رضا نے بتوسط فن الجبراء یہ استخراج کیا ہے کہ وہ نقطہ زمین سے کتنی دوری اور چاند سے کتنے فاصلے پر ہے جہاں رائی کا دانہ اور پہاڑ کی چٹان بے وزن ہو کر برابر ہو جاتے ہیں۔

ہم مان لیتے ہیں کہ وہ نقطہ قمر سے 'ی' کے برابر دوری پر ہے۔ اس لئے قمر کی قوت کشش ضعیف ہو جائے گی۔ اور چونکہ زمین میں قوت کشش چاند سے ۵۷ گونا زائد ہے، اس لئے اس کی کشش چاند کی ضعیف شدہ کشش کے برابر ہونے کے لئے اس نقطہ کو زمین سے اتنے بعد پر ہونا ضروری ہے کہ

اس کا مربع 'ی' کی دوری پر ہے اور زمین سے لا کی دوری پر ہے تو لامحالہ لا۲= ی۲ ہو جائے گا- اور یا+ لا= قطر ارضی کا ۳۰ گونا ہے جو مقررات میں بیان کیا گیا ہے۔

انہیں باتوں کو امام احمد رضا نے یوں فرمایا ''اصول علم ہیئت میں مادۂ قمر مادہ زمین کا ۵۷/۱ الیا اور زمین سے بعد قمر قطر زمین کا ۳۰ مثل اور ہیئت جدیدۃ میں مقرر ہے کہ جاذبیت بحسب مادہ بالاستقامت بدلتی ہے اور بحسب مربع بعد بالقلب تو جسم (مثلاً چٹان رائی کا دانہ) پر جذب قمر وارض مساوی ہونے کے لئے زمین سے ایسے بعد پر ہونے چاہئے کہ اس کا مربع قمر سے بعد جسم کے مربع کے ۵۷ مثل ہو-ا- قول: یہاں دو مساواتیں ملیں قمر سے بعد کو ی فرض کیجئے اور زمین سے لا_ لا۲= ۵۷ ی۲، لا+ ی= ۳۰۔

اس سوال کے حل کرنے کا تعلق جبر ومقابلہ سے مساوات درجہ دوم سے ہے۔ درجہ دوم میں تین جنس کے رقوم استعمال کئے جاتے ہیں (۱) اعداد (۲) اشیاء یعنی مجہول القیمت حروف (جیسے 'لا' و 'ی' وغیرہ) (۳) مجہول القیمت حروف کے مربع جیسے 'مال' کہتے ہیں (جسے لا۲، یا۲ وغیرہ) مساوات درجہ دوم میں اساسی مساوات کے بعد اوساطی مساوات کے ذریعہ رفتہ رفتہ جب مساوات اس حد تک پہنچ جائے کہ اعداد= اشیاء و مال یا اشیاء= عدد و مال یا مال= عدد و اشیاء تو سمجھ لیجئے کہ آخری مساوات حاصل ہوگئی، اب آگے جبر ومقابلہ کے اصول کے مطابق محاسب عنقریب نتیجہ تک پہنچ رہے ہیں۔

یہاں کچھ جبر ومقابلہ کے ضابطے جو دراصل علوم متعارضہ کے قبیل سے ہیں دھیان میں رکھنا ضروری ہے۔ اساسی مساوات میں دو طرف ہوتے ہیں ایک طرف جانب یمین اور دوسری طرف جانب یسار ہے اور دونوں کے درمیان علامت مساوات (=) لگی ہوتی ہے۔ اس مساوات میں درج ذیل علوم متعافہ کے ذریعہ تصرفات کر سکتے ہیں (۱) کسی طرف میں اگر مضروب فیہ ہو تو آپ اسے ہٹا سکتے ہیں بشرطیہ اس مضروب فیہ سے دوسری جانب کو تقسیم کر دیں۔ (۲) مرکب مربع جو داون قوسین ہو تو اس کو تحلیل کر کے قوسین سے باہر نکال سکتے ہیں۔ (۳) کسی طرف کے مقسوم علیہ کو دور کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس مقسوم علیہ سے دوسری طرف ضرب کر دیں (۴) علامت مثبت ومنفی لینی (+-) کو بدل کر ایک

طرف کی رقم کو دوسری طرف لا سکتے ہیں (۶) طرفین کا مقام یسار سے یمین اور یمین سے یسار بدل سکتے ہیں (۷) طرفین کے ہر ایک رقم کو معین معدد سے تقسیم کر سکتے ہیں (ان تصرفات سے مساوات میں کوئی فرق نہیں پڑتا)

آمدم برسر مطلب جیسا کہ ہم نے پہلے نقل کیا کہ امام احمد رضا فرماتے ہیں اقول۔ یہاں دو مساواتیں ملیں قمر سے بعد کو دی، فرض کیجئے اور زمین سے 'لا'-(۱) لا۲= ۵۷ ی۲ (لا+ ی= ۳۰ چونکہ لا+ ی =اس لئے اس مساوات سے ی= ۳۰-لا لہٰذا ی کی قیمت میں رکھنے پر لا۲= ۵۷ (۳۰-لا) ۲ نوٹ: یہ اساسی مساوات ہے اس کے بعد اوساطی مساوات اور پھر آخری مساوات ہے۔

::لا۲= ۵۷ (۳۰-لا) ۲

::۵۷/لا۲= (۳۰-لا) ۲ (ضابطہ نمبر ا کے مطابق)

جو= ۹۰۰-۶۰ لا-لا-لا۲ (ضابطہ نمبر۲ کے مطابق)

::لا۲= ۵۰۰ ۶۷-۴۵۰۰ لا۲ (ضابطہ نمبر۳ کے مطابق

::= ۵۰۰ ۶۷-۴۵۰۰+ لا۲-لا۲

::= ۵۰۰ ۶۷-۴۵۰۰= ۴۷ لا۲ (ضابطہ نمبر۴ کے مطابق)

::= ۵۰۰ ۶۷-۴۵۰۰= ۴۷ لا۲ (ضابطہ نمبر ۵ کے مطابق)

بلکہ ۴۷ لا۲-۴۵۰۰ لا= ۵۰۰ ۶۷ (ضابطہ نمبر ۶ کے مطابق)

::لا۲- ۴۷/۴۵۰۰ لا= ۴۷/۶۷۵۰۰ (ضابطہ نمبر ۷ کے مطابق)

یہ آخری مساوات ہے۔

مرکب مربع کے تحلیل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس قوس کو دور کیا جائے اور فن جبر ومقابلہ میں مبرہن ہے کہ مرکب مربع مثلا (لا+ ی) ۲ کی تحلیل کا حاصل لا۲+ ۲لا ی+ ی۲ ہوتا ہے اور اگر بین القوسین علامت مثبت کے بجائے منفی ہو تو اس کا حاصل لا۲_۲لا ی+ ی۲ ہوتا ہے۔ محمد حبیب الرحمٰن نعمانی

فن جبر ومقابلہ میں جمعاملہ آکری مساوات تک پہنچ جاتا ہے تو اس سے نتیجہ اخذ کرنے کے لئے کئی

اصول (۱) یونانی ضابطہ جسے تکمیل مجذور کہتے ہیں (۲) دھرا چار یہ فارمولا (۳) عمر خیال کا اصول (۴) اجزاء ضربی کا فارمولا عمل میں لائے جاتے ہیں اور تیز ایجاد بندہ خواجہ فارمولا بھی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

امام احمد رضا نے یہاں یونانی ضابطہ یعنی تکمیل مجذور کو اپنایا ہے اس ضابطہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ آخری مساوات کے طرفین میں عدد اشیاء یعنی رأس الاشیاء کے نصف کا مرجع بڑھا کر دونوں طرف کا جذر حاصل کریں مرأۃ الجبر میں اس کی بھی صراحت ہے کہ جب آخری مساوات میں ایک طرف مربع مثبت (+) اور اشیاء منفی (-) ہوں اور دوسری طرف فقط عدد منفی ہو تو رأس الاشیاء کے نصف کا مربع دونوں طرف بڑھا کر ان دونوں طرفوں کا جذر حصل کریں، یہ دونوں جذر یا تو مثبت ہوں گیا منفی، یا ایک مثبت دوسرا منفی ہوگا۔ مثلاً ن ع۲-۱۰ع=-۲۴ ہے تو دونوں جذر مثبت یا دونوں منفی یا ایک مثبت دوسرا منفی ہوگا جو سوال کو ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب اختیار کیا جائے گا۔

زیر بحث مسئلہ میں آخری مساوات یہ ہے۔

اس لئے دونوں طرف ۴۷/ ۴۵۰۰ کے نصف کا مربع یعنی ۶۷۵۴/ ۶۲۵۰۰ بڑھا کر دونوں طرف کا جذر حاصل کرنا ہوگا۔

مجدوز لا-۴۷/ ۴۵۰۰لا+۶۷۵۴/ ۵۰۶۲۵۰۰=-۴۷/ ۶۷۵۰۰+۶۷۵۴ ۵۰۶۲۵۰۰۔

(اس مساوات میں واقع بائیں طرف کی رقم بذریعہ ذواضعاف اقل ہم مخروم بنانے پر)

جو=۶۷۵۴/ ۴۹۹۵۰۰۰+۶۷۵۴/ ۵۰۶۲۵۰۰ جو=۶۷۵۴/ ۶۷۵۰۰ ہے اب دونوں کے جذر حاصل کرنے پر (لا-۴۷/ ۲۲۵۰)=۴۷/ ۲۵۹s۸۱

مرأۃ الجبر کی صراحت کے مطابق یہ دونوں جذر مثبت بھی ہو سکتے ہیں اور منفی بھی یا پھر ان میں سے ایک مثبت دوسرا منفی۔ لیکن چونکہ ہم کو لا مثبت کی قیمت معلوم کرنا ہے اس لئے طرف یمین اجذر بحالہ رہے گا۔ مثبت ومنفی کی تردید فقط جذر یسار ہی میں جاری ہوگی۔ اس لئے ضابطہ (۵) کے مطابق مساوات یوں ہو جائے گی لا=۴۷/ ۲۲۵۰+۴۷/ ۲۵s۸۱، ایسی صورت میں اگر ہم ۴۷/ ۲۵۹s۸۱ کو مثبت

مانیں تو 'لا' کی قیمت ۳۳ یا ۳۴ ہو جائے گی جب کہ لا+ی=۳۰ تھا تو فقط لا=۳۳ یا ۳۴ کیسے ہو سکتا ہے اس لئے یہ احتمال باطل ہے۔ اس لئے ہمیں ۴۷/ ۲۵۹s۸۱ کو منفی ماننا ضروریہ ے اور جواب یہ برآمد ہوگا لا=۴۷/ ۲۲۵۰-۴۷/ ۲۵۹s۸۱=۲۶s۸۹۴ اس لئے امام احمد رضا نے فرمایا کہ یہ جذر یہاں منفی ہے۔

اس لئے اس کی قیمت مساوات (۲) میں رکھنے پر

۲۶s۸۹۴+ی=۳۰:: ی=۳۰-۲۶s۸۹۴=۳s۱۰۶۔

لٰہذا یہ معلوم ہو گیا کہ لا یعنی زمین سے دوری قطر ارض کا ۲۶s۸۹ گونا اور ی یعنی چاند سے دوری قطر ارض کا ۳s۱۰۶ گونا درکار ہے جہاں رائی اور چٹان دونوں بے وزن ہو کر فضائے بسیط میں معلق ہو جائیں گے۔

امتحان:۔ ہم نے ماسبق میں ہیئت جدیدۃ کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا ذیلی ضابطہ یہ ہے کہ "جاذبیت بجسب مادہ سیدھی بدلتی رہتی ہے اور بہ نسبت مربع بعد بالعکس" اور یہ یہ بھی ہم نے نقل کیا ہے وہ چاند کی بہ نسبت زمین میں قوت جذب ۷۵ گونا زائد ہے اور مندرجہ بالا تشریح سے یہ ثابت ہوا وہ مقام جہاں چٹان اور رائی کا دانہ دونوں بے وزن ہو کر برابر ہو جائیں گے زمین سے قطر ارض کا ۲۶s۸۹۴، گونا اور قمر سے قطر ارض ۳s۱۰۶۱ گونا کی دوری پر ہے اسلئے ۲۶s۸۹۴ کا مربع ÷ ۷۵=۳s۱۰۶ کا مربع ہونا چاہیئے۔ حساب سے ظاہر ہے کہ دونوں واقعی برابر ہیں اس لئے جواب صحیح ہے۔

امام احمد رضا نے اسی سوال کو بجائے مساوات درجہ دوم کے مساوات درجہ اول سے اس طرح حل فرمایا ہے۔

سوال میں دیئے گئے مقررات کے پیش نظر (۱) لا۲=۷۵ی۲ (۲) لا+ی=۳۰

:: ی=۳۰-لا۲) میں لا کو تبدیلی علامت کے ساتھ طرف یسار میں لے جانے پر)

مساوات (۱) کا جذر لیا لا=۷۵ی۲

:: لا=۸s۶۶۰۳ی

لا۳۶۶۰۳s۸(۳۰-لا)-(ی کی جگہ پراس کی قیمت رکھنے پر)

لا=۲۵۹s۸۰۹-۳۶۶۰۳s۸لا=(قوسین کوکھولنے یعنی گونا کرنے پر)

لا+۳۶۶۰۳s۸لا=۲۵۹s۸۰۹(تبدیلی علامت کے ساتھ یمین میں لے جانے پر)

۳۹۶۶۰۳sلا=۲۵۹s۸۰۹(ضابطہ نمبرا کے مطابق)

لا=۲۶s۸۹۴

:: ی=۳۰-لا

:: ی=۳۰-۲۶s۸۹۴

:: ی=۳s۱۰۶

آگے امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ پھراس کتاب (یعنی ہیئت جدیدہ کی کتاب) کی عام عادت ہے کہ ایک جگہ کچھ ہے اور دوسری جگہ کچھ یہاں مادوں میں ۵۷/۱ کی نسبت لی اور اوپرص: ۱۰۵ پر گزرا کہ جاذبیت قمر کو جاذبیت ارض ۵۱s۱ (یعنی ۳/۱۰) بتایا ہے۔ اس تقدیر پر مساوات یہ ہوگی۔

(۱) ۳لا۲=۲۰ی۲ (۲) لا+ی=۳۰

مساوات (۲) سے ی=۳۰-لا یہ قیمت (۱) میں رکھنے پر ۳لا۲=۲۰ (۳۰-لا)۲ پھر اس کے بعد اماما حمد رضا نے اسے مساوات درجہ دوم اور مساوات درجہاول سے اسی طرح حل فرمایا ہے جیسا کہ ماسبق میں گزرا اور جواب نکالا ہے کہ

لا=۲۱s۶۲۵، اور ی=۸s۳۷۵

(ماہنامہ جام نور، جنوری ۲۰۰۸ء)

ماہ فروری میں ایام اٹھائیس انتیس کیوں؟

مروج شمسی سال جنوری سے شروع ہوکر دسمبر میں ختم ہوجاتا ہے۔ ہر مہینے کے لئے ۳۰ یا ۳۱ دن مقرر ہے البتہ ماہ فروری کے لئے یہ حساب ہے کہ اگر اس سنہ کے اعداد چار پر صحیح تقسیم ہوجائیں تو فروری ۲۹ یوم کا ورنہ ۲۸ یوم کا اسی ضابطہ پر لوگ کاربند رہے اور کلنڈر بھی اسی کے مطابق شائع ہوتے رہے۔ لیکن عیسوی صدی کے آغاز سے سال بھر پیشتر ہی سے بعض اخباروں میں یہ شائع ہوتا رہا ہے کہ فروری ۲۰۰۰ء بجائے ۲۹ دن کے ۳۰ یوم کی ہوگی۔ بلکہ بعض لوگوں کی زبانی یہ بھی سننے میں آیا کہ ریڈیو سے بھی یہی اعلان ہوا ہے۔ کہ فروری ۲۰۰۰ء بجائے ۲۹ دن کے ۳۰ دن کی ہوگی۔ اور جب کلنڈر شائع ہونے لگے تو بعض کلنڈر اسی کے مطابق شائع بھی ہوئے۔ اس بندہ ناچیز کو اس میں کچھ شک وشبہ ہے اس لئے یہ مضمون ارباب علم و دانش واصحاب ہندسہ وحساب کی خدمت میں حاضر ہے تاکہ اس سلسلہ میں وہ صحیح رہنمائی فرمائیں ہمارا شبہ درصل زیج کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہے شبہ پیش کرنے سے پیشتر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ۔ یہاں سال دوطرح کے ہوتے ہیں (۱) ایک شمسی حقیقی سال یعنی آفتاب کے اپنی ذات رفتار سے منطقۃ البروج کے کسی نقطہ سے چل کر پھر اسی نقطہ تک آجانے کے زمانہ کو شمسی حقیقی سال کہتے ہیں بلفظ دیگر آفتاب کے کامل دورہ کی مدت کو شمسی حقیقی سال

کہتے ہیں (۲) دوسرا شمسی مروج سال جو عموماً ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے۔ اور سنہ کبیسہ میں ۳۶۶ کا ہو جاتا ہے۔ اس کی تھوڑی تفصیل یہ ہے کہ مروج سال سے حقیقی سال تقریباً پونے چھ گھنٹے زائد ہوتا ہے جو چوتھے سال میں لگ بھگ ایک دن ہو جاتا ہے۔ اس لئے مروج سال کو حقیقی سال کے مطابق برقرار رکھنے کے لئے چوتھے سال فروری میں ۲۹ دن مان کر ۳۶۵ کے بجائے ۳۶۶ دن کا سال مانا جاتا ہے اور اس سال کو سال کبیسہ کہتے ہیں۔

شمسی مروج سال اگرچہ کئی ہیں لیکن دو بہت مشہور اور زیجات میں مذکور ہیں (۱) ایک رومی اسکندرانی (۲) دوسرا سنہ مولودی جسے عام طور پر عیسوی کہتے ہیں۔ یہ دونوں سنہ حساب وکتاب کے اعتبار سے یکساں ہیں اگر دونوں میں فرق ہے تو بس اتنا فرق ہے کہ رومی اکندرانی سال کا مبدا اول میزان مانا گیا ہے جب کہ مولودی سال کا مبداء اول جدی مانا گیا ہے۔ اور جب آفتاب ک یتحویل برج دلو میں ہوتی ہے تو رومی اسکندرانی کا پانچواں مہینہ شباط اور میلادی کا دوسرا مہینہ فروری ہوتا ہے۔ اس لئے جس طرح ماہ شباط ۲۸ اور کبھی ۲۹ دن کا ہوتا اسی طرح ماہ فروری بھی ۲۸ اور کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور جس طرح مولودی کے دوسرے مہینے ۳۰۔۳۱ کے ہوتے ہیں الغرض دونوں سنوں کا حساب وکتاب میں مبدا کے علاوہ کوئی دوسرا فرق نہیں ہے۔

سنہ رومی کا واضع ارسطا طالیس ہے زیج میں ہے کہ۔ ابتدائے ایں تاریخ اول مہرگان بودہ است یعنی روز اول تحویل آفتاب در برج میزان'' آگے ان کے مہینوں کے متعلق یوں درج ہے ''تشرین الاول ۳۱ یوم، تشرین الآخر ۳۰ یوم کا، نون الاول ۳۱ یوم کان، نون الآخر ۳۱ یوم، یوم شباط ۲۸ یوم، ازار ۳۱ یوم، نتان ۳۰ یوم، ایار ۳۱ یوم، حزیران ۳۰ یوم تموز ۳۱ یوم، آب ۳۱ یوم، ایلول ۳۰ یوم کل ۳۶۵ یوم اس لئے آگے زیج میں ہے۔'' وایں ہمگی ایام سہ صد وشصت وپنجروز می شود چوں سال شمسی حقیقی بکسر یکہ تقریباً ربع یوم است برعدد ایام مذکورہ زائد است وآں بحسب رصد ہا۔ ہ ت۔ مو۔ مو۔ ی رابعہ است (۵ گھنٹہ ۴۶ منٹ ۴۶ ثانیہ ۶ ثالثہ ۱۰ رابعہ) د چہار سال تامہ بقدر ج، ر۔ ع۔ د۔ م می شود (۲۳ گھنٹہ ۷ منٹ ۴ ثانیہ، ۲۴ ثالثہ، ۴۰ رابعہ) کہ تقریباً یک یوم است لہٰذا بعد ہر چہارم سال

تامہ کہ ناقصہ پنجم می شود ماہ شباط (فروری کے قائم مقام مہینہ کا نام) رابست ورنہ روز می گیرند وآن سالے می باشد کہ عدد ناقصہ آن بر چہار قسمت صحیح پذیرد وایں سال را کہ درآں یک روز زیادہ می کنند سال کبیسہ فوانند، نیز بدانکہ چوں بعد ہر چہار سال تامہ یک روز ہبہ کبیسہ زیادہ می کنند ودر حقیقیت قسط چہار سال کم از یک روز تامہ است بیاں کسور ساعت بانب نہ لک ک (۵۲ منٹ ۵۵ ثانیہ ۳۵ ثالثہ ۲۰ رابعہ) ازیں جہت لازم آید کہ تحویل آفتاب درمیزان مقدم واقع شود از روز اول ماہ تشرین الاول (سال کے پہلے مہینہ کا نام) وہر چند کہ زمانہ زیادہ تر شود تفاوت تقدیم زیادہ تر باشد چنانچہ تا ایں زمانہ تقریباً تقدم ہیجدہ روز واقع شدہ است۔

سنہ مولودی کا واضع کوئی انگریز ہے غالباً اس کا نام گریگ تھا۔ زیج میں ہے ''قدمائے فرنگ اول سال انگریزی را از روزے آغاز کردند کہ تحویل آفتاب درجدی واقع شد''۔ اس کے بعد انگریزی مہینوں کا نام اور ان کے متعینہ ایام کا بیان ہے۔ آگے فرماتے ہیں ''وایں ہمگی ایام سہ صد وشصت وپنج یوم است وچوں سال شمسی زائد است بایں مقدار بہ ربع یوم تقریباً لہٰذا بعد ہر چہار سال تامہ برائے کبیسہ ماہ فروری را بست ونہ روز گرفتند'' اور آگے ارشاد ہے کہ ''چوں در حقیقت کسر سال شمسی از ربع یوم اقل است پس لازم آید کہ بعد مرور سنین بقدر تضاعف آں تفاوت تحویل جدی از غرہ جنوری مختلف می شود چنانچہ تاحین تالیف زیج ہذا تقریباً بدہ روز مختلف می شود۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان ایک سوال کے جواب میں عیسوی سال کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ'' بلکہ نصاریٰ جنہوں نے سال وماہ سب شمسی لئے اگرچہ چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری ۲۹ کا نہ کرتے تو ان کو بھی یہی صورت پیش آتی الخ (الی ان قال) لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھا دیا کہ دورۂ آفتاب پورے چھ گھنٹے نہ تھا بلکہ پونے چھ گھنٹے چوتھے سال پورے ۲۴ گھنٹے کا فرق نہ پڑا تھا بلکہ تقریباً ۲۳ گھنٹے کا اور بڑھا لیا۔ ایک دن کہ ۲۴ گھنٹے ہیں۔ تو یوں ہر سال میں شمسی سال دورۂ آفتاب سے کچھ کم ایک گھنٹہ بڑھے گا۔ سو برس بعد تقریباً ایک دن لہٰذا صدی پر ایک دن گھٹا کر پھر فروری ۲۸ دن کا کرلیا اسی طرح اور دقیق کسرات کا حساب ہے فتاویٰ رضویہ ۵۱۹ جلد چہار۔

بہر حال ان دونوں شمسی سنوں یعنی رومی اور میلادی میں حساب وکتاب یکساں ہے کہ پورے سال پر پورے چھ گھنٹے زائد نہیں ہوتے بلکہ تقریباً پونے چھ گھنٹے زائد ہوتے ہیں۔اور چال سال میں تقریباً ۲۳ گھنٹے زائد ہوتے اوراسے ضروری تصحیح کی خاطر ایک دن مان کر ایک دن ماہ شباط یا ماہ فروری میں بڑھا لیتے۔اس طرح کرنے میں بہر حال تقریباً ایک گھنٹہ کی کمی رہ جاتی ہے جو کہ ایک صدی میں پہنچ کر ایک دن کم ہوجاتا ہےاور پھر آگے وہی چار چار والا حساب برقرار رہتا ہے۔

ریاضیات کے ماہر جناب پروفیسر جادو چند چکروتی اور تالیف کردہ کتاب میں لکھتے ہیں ’’اگر سال کے عدد ۴ پر پورے پورے تقسیم ہوجائیں تو سال کبیسہ کہتے ہیں لیکن وہ صدیاں جو چار سو پوری پوری تقسیم نہیں ہوتیں سال کبیسہ نہیں کہلاتی ہیں۔۱۸۸۸۔۱۷۳۲۔۶۰۰ سال کبیسہ ہیں مگر ۸۷۔ ۱۷۳۹۔۱۸۰۰ سال کبیسہ نہیں ہیں یعنی معمولی سال ہیں۔آگے لکھتے ہیں ایک سال شمسی ہیں ۲۴۲۲۱۸ء۳۶۵ دن یعنی ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۸ سکنڈ تقریباً تقریباً ۳۶۵ دن شامل ہوتے ہیں۔۳۶۶ دن کا مانا جاتا ہے۔سال کبیسہ وہ مانا جاتا ہے جس کے عدد ۴ پر پورے تقسیم ہوجائیں مگر اس طریقہ سے ۴۴۰ برس میں ۱۰۰ دن کا اضافہ ہوجاتا ہے جو حساب سے زیادہ ہے کیونکہ ۲۴۲۲۱۸ء×۴۰۰ = ۸۸۲۶ء۹۶ یا تقریباً ۹۷ دن ضروری تصحیح کی غرض سے جو صدیاں ۴۰۰ پوری پوری تقسیم نہیں ہوتیں معمولی سال شمار کی جاتی ہیں۔اس میں ماہ ۲۸ دن کا ہوتا ہے۔(علم الحساب سترہواں باب ص۱۲۲)

شمسی حقیقی سال اور شمسی مروج سال کے مابین تفاوت میں کئی اقوال ہیں جو شرح چغمنی میں مذکور ہیں لیکن ماہ سال اور تقویمات کے ماہرین حساب نے ان میں سے اس قول کو اپنے عمل میں قبول کیا ہے کہ شمسی حقیقی سال ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ سکنڈ تقریباً ہوتا ہے۔ان ارقام ستینیہ کو اعشاریہ کی طرف تحویل کرنے پر ۲۴۲۲۱۸ء۳۶۵ دن ہوتا ہے اس لئے حقیقی سال مروج سال سے تقریباً ۲۴۲۲۱۸ء دن زیادہ ہوتا ہے۔

مروج سال سے حقیقی سال کی زیادتی کی فہرت

۱/سال میں = ۲۴۲۲۱۸ء دن	۴۰۰/سال میں = ۹۶۸۸۷۲ء دن
۱۰۰/سال میں = ۲۴۲۲۱۸ء دن	۲۰۰/سال میں = ۴۴۳۶ء۴۸ دن
۴۰۰/سال میں = ۸۸۷۲ء۹۶ دن	۸۰۰/سال میں = ۷۷۴۴ء۱۹۳ دن
۹۰۰/سال میں = ۹۹۶۲ء۲۱۷ دن	۱۰۰۰/سال میں = ۲۱۸ء۲۴۲ دن
۲۰۰۰/سال میں = ۴۳۶ء۴۸۴ دن	۴۰۰۰/سال میں = ۸۷۲ے۹۶۸ دن

ایک سال میں جتنی زیادتی ہوتی وہ چوتھے سال میں ۹۶۸۸۷۲ء دن ہوجاتی ہے جو تقریباً ایک دن ہے اس لئے چوتھے سال ماہ فروری کو ۲۸ کے بجائے ۲۹ دن مان کر سال مروج کو ۳۶۶ دن کردیا جاتا ہے۔اگر ہم اسی طور پر ہر چار سال پر ایک دن بڑھاتے جائیں تو ۱۰۰ سال میں ۲۵ دن بڑھ جائے گا۔حالانکہ حساب کی رو سے ۱۰۰/سال میں ۲۲۱۸ء۲۴ دن ہی بڑھتا ہے جو ۹۶ سال میں پورا ہوجاتا ہے، اس لئے سواں سال اگرچہ پچیسواں چوتھا سال ہے پھر بھی ہم اسے ۳۶۶ نہیں بلکہ ۳۶۵ دن ہی کا مانتے ہیں اور فروری کو ۲۸ دن کا قرار دیتے ہیں۔اسی طرح اگر ۴۰۰ سو سال میں ۲۵ کے حساب سے لیں تو اتنی مدت میں ۱۰۰ دن بڑھتا ہے یعنی لگ بھگ ۹۷ یوم بڑھتا ہے جن میں سے ہر ہر ماسبق صدی میں ۲۴۲۴ یوم بڑھانے پر ۹۶ یوم ہوتے ہیں اور ایک دن باقی رہ جاتا ہے اس لئے چوتھی صدی کے بعد آنے والی فروری کو ۲۹ یوم کرکے ایک دن سال پر بڑھا کر ۳۶۶ دن کا کردیا جاتا ہے۔اور جب ہم ہزار کا حساب لگاتے ہیں تو لگ بھگ ۲۴۲ یوم بڑھ جاتا ہے جن میں سے نوسو سال میں ۲۱۸ دن شامل ہوکر گزر گئے باقی ۳۴ دن رہ گئے اس لئے ہزار صدی میں فروری کو ۲۸ دن مان کر سال کو ۳۶۵ دن کردیا گیا ہے۔اس کے آگے ۲۰۰۰ صدی میں پھر وہی حساب لوٹ آیا یعنی دو ہزار سال میں ۴۳۶ء۴۸۴ دن بڑھ جاتا ہے یعنی اس ۴۰۰ سال پانچ بار شامل ہے اس لئے جس طرح ہر ۴۰۰ سل پر ایک دن بڑھتا رہا اسی طرح ۲۰۰۰ صدی کے آخر میں بھی ایک دن بڑھانا پڑیگا یعنی فروری ۲۹ یوم ہوکر سال ۳۶۶ دن کا ہوگیا۔

اب تک کے مضمون سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معمولی سال ۳۶۵ دن کا اور ماہ فروری ۲۸ دن کا

ہوتا ہے لیکن شمسی حقیقی سال کے ساتھ مطابقت دینے کی غرض سے ماہ فروری کو کبھی کبھی ۲۸ کے بجائے ۲۹ دن اور سال کو ۳۶۶ دن قرار دینا پڑتا ہے۔ یعنی ماہ فروری ۲۸ ۔ ۲۹ کے مابین اور مروج سال ۳۶۵ اور ۳۶۶ کے مابین دائر رہتا ہے نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مانا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ خیال کہ ماہ فروری ۲۰۰۰ء ۳۰ دن کا ہوگا اور یہ سال ۳۶۷ دن کا ہوگا قطعاً صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

اعلیٰ حساب کے ماہرین نے ماہ فروری کے ۲۸ یا ۲۹ ہونے کے لئے دو فارمولے پیش کئے ہیں موقع کے لحاظ سے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ جو سنہ شمسی ۴ سے تقسیم ہو ۲۵ سے نہیں یا ۴۰۰ سے تقسیم ہو ۴۰۰۰ سے نہیں اس سنہ میں ماہ فروری ۲۹ یوم کا ہوتا ہے باقی ۲۸ یوم کا۔ (۲) ہر سال ماہ فروری ۲۸ یوم کا مگر چوتھے سال جبکہ اس سال کے اعداد چار پر تقسیم ہوسکیں تو ۲۹ یوم۔ ہر صدی کے اختتام پر ماہ فروری ۲۸ یوم مگر چوتھی صدی پر ۲۹ یوم۔ ہر ہزار سال پر ماہ فروری ۲۸ یوم لیکن دو ہزار سال پر ۲۹ یوم اور اسی طرح ۴۰۰۰ ہزار سال پر ۲۸ یوم۔

محققین کے مندرجہ بالا اقوال اعشاریہ کے حساب اور ماہرین کے فارمولے سبھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ ۲۰۰۰ء میں ماہ فروری ۲۹ دن کا ہے ۳۰ دن کا ہرگز نہیں۔ والعلم عنداللہ۔

اگر کمال تدقیق مطلوب ہو تو پھر اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ منطقۃ البروج کے جس نقطہ کو مبداء مانا گیا ہے۔ وہاں سے آفتاب کے گردش کرتے ہوئے پھر اسی نقطہ پر آجانے کی مدت کو حقیقی شمسی سال کہتے ہیں جو مروج سال سے ۲۴۲۲۱۸ء دن زیادہ ہوتی ہے۔ شمسی سال مروج میں یہ ۔۔۔ ہوتا ہے کہ اس کی ابتداء اگر مبدا سے نہ ہوسکے تو کم از کم مبدا کے آس پاس سے آغاز ضرور ہو۔ تاکہ مروج سال حقیقی سال کے مطابق رہ سکے۔ اور موسم کے اوقات میں کوئی خاص فرق نہ پیدا ہوسکے۔ اسی غرض سے ماہ فروری کو کبھی کبھی ۲۹ دن کا بھی مانا جاتا ہے ورنہ عام طور پر وہ ۲۸ دن ہی کا ہوتا ہے۔ چونکہ ۳۶۵ دن میں آفتاب گردش کرتے ہوئے اپنے مبدا تک نہیں پہنچ پاتا بلکہ اس سے ۲۴۲۲۱۸ دن پیچھے رہ جاتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ جب یہ کسور چند برسوں میں لگ بھگ ایک دن ہوجائیں تو پھر سال مروج کو ۳۶۶ کے بجائے ۳۶۵ دن کردیا جائے اور یہ بات ۱۰۰/سال میں

پوری ہوپاتی ہے۔ یعنی ۱۰۰/سال میں آفتاب اپنے مبداء سے ۷۷۸۲ء دن آگے بڑھ جاتا ہے اس لئے ۱۰۰/سال میں ایک دن کم کردیا جاتا اور ماہ فروری کو ۲۸ دن کا مانا جاتا ہے۔ لیکن ۱۰۰/سال میں ایک دن کم کرنے پر آفتاب اپنے مبداء سے ۲۲۱۸ء دن پیچھے ہوجاتا ہے اس لئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب یہ کسورات ایک دن کے قریب ہوں تو ایک دن پھر بڑھا دیا جائے۔ یہ بات ۴۰۰ سال میں پوری ہوتی یعنی ۴۰۰ سال میں آفتاب اپنے مبداء سے ۸۸۷۲ء دن پیچھے ہوجاتا ہے۔ اس لئے ۴۰۰ سال میں ایک دن بڑھا کر فروری ۲۹ دن کا کردیا جاتا ہے۔ لیکن ایک دن بڑھانے پر آفتاب اپنے مبداء سے ۱۱۲۸ء دن آگے نکل جاتا ہے۔ اب اتنی مقدار کو ذہن میں محفوظ رکھیں۔

اب تک جو صورت ہوتی رہی یہ ایک دور کہلاتا ہے۔ اب آگے اسی طرح پھر دوسرا چار سو سال کا دور شروع ہوجاتا ہے۔ اور جس طرح پہلے اور تین حساب ہوا تھا۔ اسی طرح اس دور میں بھی حساب برقرار رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ دسویں چوتھے سال تک یعنی ۴۰۰۰ سال میں آفتاب اپنے مبداء سے ۱ء۱۲۸ دن آگے نکل جاتا ہے اس لئے اتنی مدت میں پھر ایک دن کم کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے فروری ۲۸ دن اور سال ۳۶۵ دن کا مانا جاتا ہے الغرض اس طرح آفتاب کے دور کے اعتبار سے ماہ فروری ۲۸ سے ۲۹ اور پھر ۲۹ سے ۲۸ ہوتا رہتا ہے۔ ماہ فروری ۳۰ دن کا کبھی بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ بات قطعاً صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ فروری ۲۰۰۰ء ۳۰ دن کا ہوگا۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مئی ۲۰۰۰ء)

قسمت کا تارا

علماء مشائخ کی روایت مشہورہ میں آیا ہے کہ لیل ونہار کی ساعتوں میں سے یاک ساعت ایسی بھی ہوتی ہے جسے رب کریم نے اجابت دعا کے لئے خاص فرمادیا ہے۔ وہ ساعت مقامات واوقات کے اعتبار سے الگ اگل ہوتی ہے۔ستارہ شناس حضرات اوراہل نجوم حکوماء اسلام نے بڑی تفتیش وجستجو کے بعد یہ پتہ لاگیا ہے کہ وہ ساعت اس گھرڑی آتی ہے جستارۂ کف الخضیب کسی مقام کے نصف النہار پر پہنچا تاہے۔ان حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ جس طرح نماز فجر اس وقت صحیح ہوتی ہے جب آفتاب نہار شرعی کے افق شرقی پرآتا ہےاور نماز ظہر اس وقت صحیح ہوتی ہے جب آفتاب نصف النہار حقیقی سے زوال پذیر ہوتا ہےاور نماز مغرب اس وقت صحیح ہوتی ہے جب آفتاب افق غربی میں چھپ جاتا۔اسی طرح دعا کی قبولیت کا وقت اس گھڑی ہوتا جب ستارۂ کف الخضیب کسی مقام کے دارئرۂ نصف النہار پر پہنچتا ہے۔

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ قادر مطلق ، خلاق عالم نے جس طرح علام عناصر کوطرح طرح کے گل بوٹے اورقسم قسم کےلعل وگوہر سے سجایا ہے۔ اوران میں مختلف قسم کی تاثیرات پیدا فرمائی ہیں اسی طرح علام افلاک کوبھی طرح طرح کے انگنت ستاروں اور کہکشاؤں سے آراستہ فرمای

ہے۔اوران میں قسم بہ قسم اورنوع بنوع کی اہم تاثیرات عطافرمائی ہیں آپ شب دیجوراوراس کی آگے پیچھے کی راتوں میں اپنی نظر رفعت کہکشاں کی طرف اٹھایئے تو آپ کوانگنت مسکراتے ہوئے تارےنظر آئیں گے،ان میں کچھ ساترے چم چم کرتے ہوئے ایسےنظر آئیں گےجیسے وہ آپ سے آنکھ مچولی کرتے ہوں،ان ستاروں میں سے منجیسن نے ۱۱ رکورواں دواں پایا جسےان کی زبان میں سیارہ کہتے ہیں،مثلا زحل،مشتری،مریخ،زہرہ،عطاردوغیرہ وغیرہ ان گیارہ کےعلاوہ فلک کی نیلگوں سطح پرنظر آنے والے ستاروں کوثوابت کہتے ہیں۔ یوں تو ثوابت کی تعداد کروڑوں کی تعداد میں غیر محصور ہےلیکن قدیم رصدگاہوں سے مرصود ہونے والےثوابت کی ایک ہزار پچیس (۱۰۲۵) کی تعداد کی صراحت کتابوں مین موجودہ ے۔ان ایک ہزار پچیس ثوابت کا طول وعروض جہت وقدراور مواضع امزجہ تک کی صراحت کتابوں میں درج ہے۔ بلکہ ان میں سے مشہور ستاروں کا نام بھی زیب کتاب ہے۔جدی الفقرالاولیٰ،الجون،العناق،کبد الاسد،غوا،راس للتین،الراعی۔کواکب للفرقی وغیرہ وغیرہ۔

ان ہی ثوابت تاروں کی جھرمٹ میں ایک تارہ کف الخضیب کہلاتا ہےآج سے تقریباً ایک سواکہتر (۱۷۱) سال پیشتر اس کا طول ار برج ۴ درجہ ۸ دقیقہ اورعرض شمالی ۵۰ درجہ ۴۸ دقیقہ اورمطالع ممر ۲ /درجہ ۳۹ دقیقہ ۶ ظانیہ اوردرجۂ ۳۱ دقیقہ ۳۶ ثانیہ معلوم کیا گیا تھا۔اسی ستارۂ کف الخضیب کے متعلق منجمین کے مابین مشہور ہے کہ جب یہ ستارہ کسی آبادی کے دائرہ نصف النہار پر پہنچتا ہےتو اس وقت وہاں جوبھی جائز دعا کی جاتی ہےعنداللہ اسے شرف قبولیت حاصل ہوتا ہے۔

مگر یہ معلوم کرنا ایک مشکل مسئلہ ہے کہ یہ ستاہ کسی جگہ کے دائرۂ نصف النہار پر کب پہنچتا ہے؟ ندمیں پہنچتا ہے یا رات میں صبح پہنچتا ہے یاشم میں؟ پھر یہ کہ جس وقت یہ ستارہ دائرۂ نصف النہار تک پہنچتا ہےاس وقت مروجہ ٹائم کیا ہوتا ہے؟ ان باتوں کو جانے بغیر لوگ کف الخضیب سے استفادہ نہیں کرسکتے ہیں۔اس مسئلہ کوحل کرنے کے لئے علماء نے یہ یہ تدبیر بتائی ہے کہ اولاً کف الخضیب کا درجہ ممر اورآفتب کی تقویم بوقت نصف النہار دریافت کی جائے،اور پھر ثانیاً درجۂ ممر مطالع

سے تقویم شمس کے مطالع کو تفریق کیا جائے باقی کو اجزائے ساعت حقیقی پر تقسیم کر کے حاصل قسمت
سے کف الخضیب کے دائرہ نصف النہار تک پہنچنے کا وقت معلوم کیا جائے۔ کف الخضیب کے نصف
النہار تک پہنچنے سے متعلق جو قاعدہ یہاں درج کیا گیا ہے امام احمد رضا نے اپنی بعض تصنیفات میں
اس پر حاشیہ لکھ کر اس کی خود وضاحت فرمائی ہے یہاں اصل عبارت اور اس پر امام احمد رضا کے حاشیہ
کی تشریحات سے اس لئے گریز کیا جاتا ہے کہ مضمون طویل نہ ہو جائے۔

دوسرا طریقہ علماء نے یہ بتایا ہے کہ تقویم کے بالمقابل گھنٹہ منٹ حاصل کیا جائے اور اس پر
زمانۂ حرکت درجہ ممر زیادہ کیا جائے یہی مجموعہ کف الخضیب کے دائرۂ نصف النہار پر پہنچے کا وقت
ہوگا۔ یہ قاعدہ کوئی الگ قاعدہ نہیں ہے بلکہ پہلے ہی قاعدہ کا استخراجی تلازم ہے۔

امام احمد رضا نے اس طریقہ پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''یعنی باختلاف صول (مدعا) مختلف نہ
گردد اگرچہ تقویم باختلاف طولم بدل شود زیرا کہ عمل نہ آنست کہ چون تقویم شمس وقت نصف النہار
اینقدر باشد ساعات بلوغ کف الخضیب ایں مقدار بود وایں معنیٰ تخصیص بوطنی ندارد فافہم واللہ تعالیٰ
اعلم۔ مگر کود یہ طریقہ بھی اتنا آسان نہیں ہے کہ حساب سے دل چسپی رکھنے والے حضرات قلم وقرطاس
لے کر بیٹھیں اور تھوڑی سی محنت سے مدعا حاصل کرلیں۔ عرس رضوی کے موقع پر ملک کے طول وعرض
سے لاکھوں لاکھ کی تعداد میں لوگ کھینچ کر بریلی شریف کی مقدس سر زمین پر حاضر ہوتے ہیں اور اپنی
اپنی مراد کو پانے کے لئے آستانہ اعلیٰ حضرت کے واسطے سے بارگاہ خداوندی میں دعا کرتے ہیں۔ اگر
زائرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ عرس رضویہ ۱۴۲۱ھ میں کف الخضیب بریلی شریف کے دائرۂ نصف
النہار پر کس وقت پہنچے گا تو زائرین جہاں کہیں اعلیٰ حضرت اور غوث العالم سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم
ہند کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں وہاں اگر زائرین اس وقت خاص کا بھی خیال رکھیں تو سونے پر
سہاگہ کا عمل کرے گا۔ اس لئے ہم نے مناسب جانا کہ ۲۵ صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۳۰ مئی ۲۰۰۰ء روزے
سے کوشنبہ کو بریلی شریف کے دائرہ نصف النہار پر کف الخضیب کے پہنچنے کا وقت نکال کر شائع کر دیا
جائے تا کہ عام الناس اس سے مستفید ہو سکیں۔

زائرین کو چاہئے کہ نہا دھو کر پاک وصاف کپڑے پہن کر عطر وخوشبو مل کر وقت معہودہ سے
۲۰/۱۵ منٹ پیشتر دو رکعت نفل ادا کریں۔ اور پھر نہایت ہی خضوع وخشوع کے ساتھ غوث اعظم
اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم کو وسیلہ بنا کر بارگاہ خداوندی میں دعا میں لگ جائیں اور وقت معہودہ
کے ۲۰/۱۵ منٹ بعد اپنی دعا کو درود وسلام کے ساتھ ختم کریں۔

تقویم شمس معلوم کرنے کے لئے کئی قاعدے ہیں لیکن امام احمد رضا نے پانی بعض تصنیفات
میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ تمام طریقے روی اور تخمینی ہیں اس کے استخراج کے لئے قابل اعتماد طریقہ وہ
ہے جو زیج میں مندرج ہے۔ ۲۹ مئی کے لئے استاذنا المکرّم حضرت ملک العلماء (تلمیذ سرکار امام
احمد رضا) علیہ الرحمہ والرضوان نے آج سے ۶۰، ۷۰ سال پیشتر المنیک کے ٹیبل سے اخذ فرمایا تو ۲
برج ۷ درجہ ۲۱ دقیقہ حاصل ہوا۔ اور حضرت علامہ بدرالدین ومشقی شافعی ماردینی کی تصنیف علم ربع مجیب
میں ہے اس کی جدول سے ۲ برج ۷ درجہ ۲۶ دقیقہ حاصل ہوا، لیکن زیج کے قاعدے سے استخراج
کرنے پر ۲ برج ۷ درجہ ۱۵/ دقیقہ نکلا۔

بریقہ زیج تقویم شمس معلوم کرنے کے لئے اولا مقام مطلوب کے وسط واوج معدل بہ
تعدیل الایام حاصل کا یجا تا ہے۔ اور ثانیاً اس وسط معدل سے اوج معدل تفریق کرنا پڑتا ہے حاصل
تفریق کو مرکز شمس معدل بہ تعدی الایام کہتے ہیں۔ اس مرکز معدل کے لئے تعدیل شمس حاصل
کر کے پھر حسب موقع وسط معدل بہ تعدیل الایام پر بڑھایا گھٹایا جاتا ہے۔ یہی مجموعہ یا حاصل تفریق
تقویم شمس کہلاتا ہے اس منزل تک پہنچنے کے لئے کئی مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔

(۱) یا زائے سنین وشہور و یا ماد یکھ کر موضع رصد کا وسط واوج معلوم کرنا ہوتا ہے۔

(۲) مقام مطلوب وموضع رصد کے تفاوت وقت کا وس واوج کم یا زیادہ پیش کر کے مقام
مطلوب کا وسط واوج غیر معدل حاصل کرنا پڑتا ہے۔

(۳) مقام مطلوب کے وسط واوج غیر معدل کے بالمقابل تعدیل جو منٹ وسکنڈ میں ہوتا
ہے معلوم کر کے اس کا وسط واوج معلوم کرنا ہوتا ہے۔ جس کو اصطلاح میں وسط واوج بازار وحصۂ

تعدیل کہتے ہیں۔

(۴) حصۂ تعدیل کے وسط واوج کو حسب موقع مقام مطلوب کے وسط واوج غیر معدل سے کم وبیش کرنا ہوتا ہے۔ اس کو مقام مطلوب کا وسط واوج معدل بہ تعدیل الایام کہتے ہیں۔

(۵) وسط معدل بہ تعدیل الایام کو کم کرنا پڑتا ہے۔

حاصل تفریق مرکز معدل شمس بہ تعدیل الایام ہوا۔ پھر اس کی تعدیل الشّمس معلوم کرنا پڑتا ہے۔

(۶) مقام مطلوب کے وسط معدل بہ تعدیل الایام سے تعدیل الشّمس کو حسب موقع کم یا بیش کرنا ہوتا ہے۔ اسی حاصل یا مجموعہ کو تقسیم شمس کہتے ہیں، ذیل میں ہم نے ان جملہ مراحل سے گزر کر مقصود تک پہنچنے کی صعوبت برداشت کی ہے لیکن تحریر طوالت سے احتراز کرنے کے لئے وسائط ووسائل سے صرف نظر کر کے مضمون میں صرف نتائج درج کر دیئے ہیں وسط واوج آفتاب بمقام بریلی شریف بوقت نصف النہار ۱۲ ربج کر ۹ منٹ ۱۹،۲ ر اسکنڈ) ۲۴ وسطی ماہ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۹ مئی ۲۰۰۰ء روزہ دوشنبہ طول رصد ۴۳-۸۴ طول بریلی شریف ۲۷-۷۹ تفاوت وقت ۲۱ منٹ ۲ سکنڈ۔

وسط معدل بتعدیل الایام بمقام بریلی شریف	۶-۶-۵۹-۵-۱۷-۱۳-۵۱ (س، ج، د)
اوج معدل بتعدیل الایام بریلی شریف	۳-۱۳-۱۴-۵۴-۸-۵۹-۴۴-۵۱
مرکز معدل شمسی بتعدیل الایام	۱۰-۲۲-۵۲-۴-۵۶-۱۷-۲۹-..
وسط معدل بتدیل الایام بمقام بریلی شریف	۲-۶-۶-۵۹-۴۴-۴۴-۵۱
تعدیل الشّمس زائد	..-۱-۸-۱۵-..-..-..-..
تقویم شمس	۲-۷-۱۵-۱۴-۵-۱۷-۱۳-۵۱

بازائے تقویم ساعات کف الخضیب بردائرۂ نصف النہار ب مقام بریلی شریف ۱۹ رگھنٹہ ۴۷، منٹ ۳۵ سکنڈ۔

بازائے ۱۷ ارسال زمانہ حرکت درجہ ممر کف الخضیب = ..-۱۱-۱۱-۵۴ تھرڈ

۲۴ رصفر ۱۴۲۱ھ بعد نصف النہار ساعات بلوغ کف الخضیب	۱۹-۵۸-۴۶-۵۴
ساعات نصف النہار وکامل لیل بمقام بریلی شریف	۱۷-۶-۵۰-۳۰
۲۵ رصفر بعد طلوع الشّمس ساعات بلوغ کف الخضیب	۲-۵۱-۵۶-۲۴
طلوع شمس ۲۵ رصفر ۱۴۲۱ھ بمقام بریلی شریف	۵-۱۶-۱۰-..

وقت بلوغ کف الخضیب بردائرۂ نصف النہار بمقام بریلی شریف ۸-۸-۶-۲۴

یعنی بتاریخ ۲۵ رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ روز سہ شنبہ بوقت صبح ۸ ربج کر ۸ رمنٹ ۶ رسکنڈ ۲۴ رتھرڈ ستارہ کف الخضیب بریلی شریف کے دائرۂ نصف النہار پر آئے گا۔ اور یہی وقت حسب فرمان حکمائے اسلام افق بریلی میں دعا کی قبولیت کا ہوگا۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مارچ راپریل ۲۰۰۰ء)

ہدایۃ المتعال فی حدالاستقبال

بارگاہ امام احمد رضا میں شہر علی گڑھ سے یہ استفتاء آیا کہ یہاں ایک پرانی عیدگاہ ہے یہاں صدیوں سے علمائے کرام اور عوام الناس نماز عیدین ادا کرتے آرہے ہیں۔

لیکن اب بعض مہندسین اپنے حسابات وآلات کے ذریعہ یہ بتارہے ہیں کہ اس عیدگاہ کا رخ صحیح سمت قبلہ پر نہیں ہے اس لئے یہاں کے مسلمانوں پر واجب ولازم ہے کہ اس کو توڑ کر نئی بنا قائم کریں۔ استطاعت نہ ہونے کی صورت میں اس عیدگاہ کے فرش پر صحیح قبلہ رخ خطوط کھینچ کر نماز ادا کریں ورنہ موجودہ عیدگاہ کے رخ پر نماز مکروہ تحریمی ہوگی (ملخص فتاویٰ رضویہ سوم ص ۱۵)

امام احمد رضا کلموا الناس علی قدرعقولھم کے پیش نظر جس طرح مجالسہ ومذاکرہ کی محفل میں معروضات کے جوابات علمی اعتبار سے ارشادات فرماتے تھے (جیسے کہ الملفوظ کی عبارتوں سے ظاہر ہے) اسی طرح استفتاء کے جواب میں بھی مقتضائے حال کے مطابق مستفتی اور اس کے ماحول کا خیال رکھ کر ہی جواب تحریر فرماتے تھے۔ کہیں لا ونعم پر اکتفاء فرماتے اور کہیں تحقیق وتدقیق کا طوفان بپا کردیتے تھے مثلاً استاذنا الکریم سیدی وسندی فاضل بہار حضرت ملک العلماء نے وضو کے تعلق سے ایک مختصر سا سوال کیا، تو اس کے جواب میں ایسی تحقیق انیق فرمائی کہ موجودہ دور کے بڑے بڑے علامہ فہامہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ قارئین کرام اس سوال وجواب کو فتاویٰ

رضویہ جلد اول کے پہلے سوال وجواب کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت علامہ فضل حق علیہ الرحمہ اور علامہ عبدالحق علیہ الرحمہ کے وطن مالوف خیرآباد سیتاپور سے سمت قبلہ کے بارے سوال آیا۔ امام احمد رضا نے جواب میں ایسی فنکاریاں قلم بند فرمائیں کہ دیکھنے کے لائق ہیں۔ اسے قارئین کرام فتاویٰ رضویہ جلد سوم باب القبلہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

علی گڑھ سے آئے ہوئے سوال کے جواب میں اتنا لکھ دینا ہی کافی تھا کہ مہندس صاحب کا کہنا صحیح نہیں، بلکہ وہاں نمازیں درست ہیں، لیکن امام احمد رضا نے سائل ہی کو نہیں، بلکہ وہاں کے ماحول اور سوال میں ذکر کردہ مہندس کے کارنامے کو دیکھ کر جواب دیا۔ جواب کیا دیا، اسے جواب نہیں بلکہ علم وفن کا سمندر کا دھارا بہانا کہتے ہیں۔ اگر زحمت نہ ہو، تو آیئے امام اہلسنت کی تحقیق کی اٹھتی ہوئی موجوں کا نظارہ کرنے کے لئے فتاویٰ رضویہ جلد سوم کے ص ۱۵ تا ص ۱۴۱ شروع سے آخر تک ایک بار ضرور مطالعہ کرلیں۔ اور ہمارے قول کی صداقت پر ایمان لے آئیں۔

علی گڑھ کے جواب میں سب سے پہلے امام احمد رضا نے سمت قبلہ کے تعلق سے فقہ وہیئت کی مختلف کتابوں سے یہ عطر نچوڑ کر پیش فرمایا کہ یہاں سمت قبلہ کی تحقیق میں کن کن باتوں کا جاننا ضروری ہے اور پھر افادہ رابعہ کے عنوان سے ذیل میں بذریعہ دائرہ ہندیہ علی گڑھ کے تقریبی سمت قبلہ کا استخراج فرمایا ہے اور پھر آخر میں بعنوان علی گڑھ کے تحقیقی سمت قبلہ کی بحث فرمائی ہے۔

تحقیقی سمت قبلہ کے استخراج میں امام احمد رضا نے وہاں کے طول وعرض کے پیش نظر وہ قاعدہ تحریر فرمایا ہے جو کشف العلۃ کے دس قاعدوں کے ضمن میں مذکور ہے چونکہ یہ بحث مستقل طور پر کشف العلۃ میں موجود ہے اس لئے ہم یہاں اس کو نہیں بلکہ دائرہ ہندیہ سے استخراج کردہ بحث کو موضوع بناتے ہیں۔ دائرہ ہندیہ کے ذریعہ ہیئت کی کتابوں میں صرف اتنا بتایا جاتا ہے کہ بلد خاص سے قبلہ کا رخ کدھر ہے وہاں یہ نہیں بتایا جاتا ہے کہ نقطہ مغرب سے کتنی ڈگری انحراف یا نقطہ شمال سے کتنی ڈگری انصراف ہے۔

دائرہ ہندیہ کے اس بحث کو امام احمد رضا نے پہلے اعمال ستینیہ کے ذریعہ اور پھر اعمال لوگارثمیہ کے ذریعہ حل فرمایا ہے یہاں ہمارا مطلوب اعمال لوگارثمیہ ہے اگر حیات نے وفا کی تو اعمال ستینیہ کی بحث کو بھی کبھی پیش کریں گے۔

طول علی گڑھ	۷۸-۰۶	عرض علی گڑھ	۲۷-۵۶
طول مکہ شریف	۴۰-۱۰	عرض مکہ شریف	۲۱-۲۵
فرق طول	۳۷-۵۶	فرق عرض	۶-۳۱

علی گڑھ اور مکہ شریف کے طولین کا تفاضل ۵۶-۳۷ اور رعرضین کا تفاضل ۳۱-۶ ہے حاصل شدہ تفاضل کو فرق بھی کہتے ہیں۔ سامنے پیش کردہ دائرہ نما شکل کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

یہ دائرہ علی گڑھ کا افق ہے۔

ان = خط اعتدال علی گڑھ

ل ب = خط زوال علی گڑھ

رح = خط اعتدال مکہ شریف

ءح = خط زوال مکہ شریف

ک ر = جیب تفاضل عرض = م ط

ح ی = جیب تفاضل طول = م ہ

کسی بھی دائرہ کے مرکز سے گزرنے والا خط اس دائرہ کا قطر اور قطر کے متوازی کھینچا ہوا خط وتر کہلاتا ہے وتر کے کسی بھی سرا سے قطر پر واقع ہونے والا عمود قطر اور وتر کے مابین واقع شدہ قوس کی جیب ہے اس لئے اس دائرہ میں ار قوس کی جیب ک ر اور اسی طرح ح ب قوس کی جیب ح ی ہے۔

علی گڑھ کے خط اعتدال وزوال کا نقطۂ تقاطع ہ ہے۔ یعنی یہ مقام علی گڑھ ہے، مکہ شریف کے خط اعتدال وزوال کا نقطۂ تقاطع ط ہے۔ یعنی یہ مقام مکہ شریف ہے۔ ہ سے ط ہوتا ہوا سہ تک خط سمت ہے اسہ کے درمیان واقع شدہ زاویہ یعنی دائرہ کے اندر بنا ہوا مثلث م ہ ط کا زاویہ ہ قدر انحراف ہے اس لئے اگر مثلث م ہ ط کو حل کرلیا جائے تو قدر انحراف معلوم ہوجائے گا۔

یہاں اس مثلث کا خط م ہ چونکہ خط ح ی جیب کے برابر ہے اور خط م ط چونکہ خط ک ر جیب کے برابر ہے اور زاویہ م چونکہ قائمہ ہے اس لئے بشکل عروسی م ہ کا مربع اور م ط کا مربع کو جمع کر کے جذر لیا جائے تو خط ہ ط معلوم ہوجائے گا اس طرح اس مثلث کے تینوں ضلع معلوم ہوجائیں گے۔ اور چونکہ مثلث قائمۃ الزاویہ کے کسی بھی زاویہ حادہ کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس زاویہ کے عمود کو عمود م ط کو خط ہ ط یعنی وتر سے تقسیم کرنے پر زاویہ ہ کی جیب اور پھر اس جیب سے بعد بر عکس کارگزاری اس زاویہ کی مقدار نکل جائے گی۔

یہاں کچھ باتیں لوگارثم اور جیب کے تعلق سے درج کی جاتی ہے اسے ضرور دھیان میں رکھیں۔

(۱) آپ کسی بھی زاویہ یا قوس کی جیب اصلی یا جیب لوگارثمی جداول ہائے ریاضیہ سے معلوم کرسکتے ہیں اسی طرح اس کا بر عکس عمل بھی جداول سے معلوم کرسکتے ہیں، یا پھر آپ خود ہی کلکولیٹر سے قوس یا زاویہ کی جیب اصلی پھر اس کا لوگارثم حاصل کرسکتے ہیں اگر ایسی صورت میں حاصل شدہ لوگارثم منفی ہو تو آپ اس پر لوگارثم کا ایک دور یعنی ۱۰ رعدد صحیح بڑھا کر مثبت کامل کرسکتے ہیں۔ اب اس لوگارثم کو تکمیلی لوگارثم یا جیب لوگارثمی کہیں گے اس پورے عمل کو عمل راست کہتے ہیں۔ اور پھر جب اس تکمیلی لوگارثم سے زاویہ یا قوس معلوم کرنا چاہیں تو پہلے اس تکمیل لوگارثم کی تجرید اور پھر انٹی لوگارثم کے ذریعہ جیب اصلی اور پھر انورس کے ذریعہ زاویہ یا قوس معلوم کرسکتے ہیں۔

(۲) تجرید کی دو صورت ہوتی ہے اول تجرید ناقص یعنی ۱۰ رعدد صحیح کو تکمیل لوگارثم کے صرف عدد صحیح سے گھٹائیں اور اعشاریہ کو اپنی جگہ برقرار رکھیں اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ عدد صحیح کے اوپر علامت منفی لگی ہوتی ہے جیسے ۲٫۰۰- دوم تجرید تام یعنی پورے تکمیلی لوگارثم یعنی عدد صحیح مع اعشاریہ سے ۱۰ رکو گھٹائیں تاکہ پورا عدد منفی ہوجائے اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ پورے عدد کے بائیں جانب منفی کی علامت لگی ہوتی ہے جیسے ۲٫۰۰۰-۔

(۳) دوسری صورت میں تکمیلی لوگارثم سے جیب اصلی حاصل کرنے کے لئے بعد تجرید پورے منفی لوگارثم میں انٹی لوگارثم کا عمل کریں اور پہلی والی صورت میں صرف اعشاریہ والے حصہ میں انٹی لوگارثم کا عمل کریں اور پھر دیکھیں کہ عدد صحیح جو منفی ہے وہ ایک ہے دو ہے کیا ہے؟ اگر ایک ہو تو حصہ اعشاریہ کے انٹی لوگارثم سے جو جیب حاصل ہوتی ہے اس میں علامت اعشاریہ کو ایک درجہ مزید بائیں رکھیں

اور اگر ٢ ہو تو ٢ درجہ مزید بائیں رکھیں۔

(٤) لوگارثم کے جذر حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی تنصیف کرلیں اس کا نصف لوگارثم جذر ہوگا لیکن اگر لوگارثم میں صرف عدد صحیح منفی ہو اور اعشاریہ مثبت ہو اور اس منفی رقم کی صحیح تنصیف نہ ہو تو ایسی صورت میں چاہیئے کہ عدد صحیح جو منفی ہے اس پر اتنا عدد منفی اور بڑھا دیں کہ اس کا صحیح صحیح نصف ہو اور اتنا ہی عدد مثبت اعشاریہ والے حصہ پر بڑھا دیں اور پھر دونوں حصوں کا نصف حاصل کر کے ایک ساتھ لکھ لیں۔

نوٹ: اگر اعداد عامہ میں ضرب مقصود ہو تو مضروبین کے لوگارثم کو جمع کر کے اس کا عدد عام حاصل کرلیں۔ اور اگر تقسیم مقصود ہوتا تو مقسوم کے لوگارثم سے مقسوم علیہ کا لوگارثم تفریق کر کے حاصل تفریق کا عدد عام حاصل کرلیں۔ البتہ اگر عدد عام میں جمع وتفریق کا عمل مقصود ہو تو یہ ان کے لوگارثم کے ذریعہ نہیں ہو پاتا۔ بلکہ ان لوگارثموں کا اعداد عامہ حاصل کر کے اس میں عمل جمع وتفریق کرنا لازم ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تکمیلات میں عدد صحیح اکائی سے زیادہ ہو جاتا ہے ایسی صورت میں اکائی کے علاوہ دہائی وغیرہ کو ساقط کر دیا جاتا ہے جسے مخط کہتے ہیں۔

(٥)۔ علم ہندسہ میں ایک شکل ایسی ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مثلث کے کسی بھی زاویہ کے جیب و وتر میں جو نسبت ہوئی ہے وہی نسبت اس مثلث کے ہر ایک زاویہ کے جیب و وتر میں ہوتی ہے اسی شکل کو امام احمد رضا نے شکل نافع سے تعبیر کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلث قائمۃ الزاویہ کے کسی بھی زاویہ حادہ کو معلوم کرنا ہو تو اس زاویہ کے عمود کو وتر سے تقسیم کرلو حاصل قسمت مطلوبہ زاویہ کی جیب ہوگی۔

ماسبق میں یہ گزرا ہے کہ اس مسئلہ کا حل مثلث م ہ ط کے حل پر موقوف ہے جس کا حل تین طریقے سے ہوسکتا ہے (١) بذریعہ اعداد عامہ (٢) بذریعہ لوگارثم بدون تکمیل (٣) بذریعہ تکمیل لوگارثم۔ ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال میں تیسرے طریقے سے حل کیا گیا ہے ہم پہلے دونوں طریقوں کو بھی درج کرتے ہیں تا کہ اہل ذوق ہر طریقے سے لطف اندوز ہوسکے۔

طول علی گڑھ ٠٦-٧٨ عرض علی گڑھ ٥٦-٢٧

طول مکہ شریف ١٠-٤٠ عرض مکہ شریف ٢٥-٢١

فرق طول ٥٦-٣٧ فرق عرض ٣١-٦

پھر سے غور کیجئے دائرہ ہندیہ کے بیچ میں بنا ہوا مثلث جسے حل کرنا ہے یوں ہے۔

(١) طریقۂ اول بذریعہ اعداد عامہ

فرق طول کی جیب ٦١٤٧٤٤١٦٦ء٠ = م ہ اس جیب کا مربع ٣٧٧٩١٠٣٩ء٠

اور فرق عرض کی جیب ١١٣٤٩٢٢٢٧ء٠ = م ط اس جیب کا مربع ٠١٢٨٨٠٤٨٥ء٠

اس لئے مجموع المربعین ٣٩٠٧٩٠٨٧٥ء٠ اس کا جذر یعنی وتر ٦٢٥١٣٢٦٨٥ء٠ = ہ ط

اس لئے م ط ÷ ہ ط یعنی ٠١١٣٤٩٢٢٢٧ ÷ ٦٢٥١٣٢٦٨٥ء٠ = ١٨١٥٤٩٠٢١ء٠ =

مطلوبہ زاویہ کی جیب ہے بعد برعکس کارگزاری اس جیب کا زاویہ = ٣٦-٢٧-١٠ اقدر انحراف از نقطہ مغرب بجانب جنوب۔

(٢)۔ طریقہ دوم بذریعہ لوگارثم بدون تکمیل

فرق طول کی جیب م ہ کا لوگارثم (٢١١٣٠٥٥٨٣ء٠-) اس لوگارثم کا مربع (٤٢٢٦١١١٦٧ء٠-)

اس لئے مربع اصلی ٣٧٧٩١٠٣٩ء٠، اور فرق عرض کی جیب م ط کا لوگارثم (٩٤٥٠٣٣٨٨ء٠-)

اس لوگارثم کا مربع (٨٩٠٠٦٧٧٦٢ء١-) اس لئے مربع اصلی ٠١٢٨٨٠٤٨٥ء٠ اس لئے مجموع المربعین اصلی ٣٩٠٧٩٠٨٧٥ء٠ اس کا لوگارثم (٤٠٨٠٥٥٥٨٥ء٠-) مجموع المربعین اصلی کا جذر یعنی وتر ٢٦٥١٣٢٦٨٥ء٠ = ہ ط اس کا لوگارثم (٢٠٤٠٢٧٧٩٣ء٠) اب لوگارثم م ط جیب سے لوگارثم ہ ط وتر تفریق کیا یعنی (٩٤٥٠٣٣٨٨ء٠-) سے (٢٠٤٠٢٧٧٩٣ء٠-) کو تفریق کیا = (٧٤١٠٠٦٠٨٧ء٠-) بعد عمل انٹی لوگارثم اور انورس = ٣٦-٢٧-١٠ قدر انحراف از نقطہ مغرب بجانب جنوب۔

(۳)۔طریقہ سوم بذریعہ تکمیل لوگارثم
(ا)۔فرق طول کی جیب لوگارثمی ۹ء۷۷۸۸۶۹۴۴۱۶ اس جیب لوگارثمی کا مربع ۹ء۵۷۷۳۸۸۸۳۳ یہی مربع بعد تجرید ناقص ء۵۷۷۳۸۸۸۳۳ پھر وہی مربع بعد تجرید تام (-۰ء۴۲۲۶۱۱۱۶۷) اس لئے اصلی مربع ۰ء۰۱۲۸۸۰۴۸۵۔
(۳)۔اس لئے مجموع المربعین بعد اصلی ۰ء۳۹۰۷۹۰۸۷۵ اس کا جذر ۰ء۶۲۵۱۳۲۶۸۵ اصلی مجموع المربعین کا لوگارثم بعد تکمیل وتجرید ناقص ء۵۹۱۹۴۴۱۴۔اس کا جذر = ء۷۹۵۹۷۲۲۰۷۔یہی بعد تکمیل ۰ء۷۹۵۹۷۲۲۰۷ پھر اصلی مجموع المربعین کا لوگارثم بعد تجرید تام (-۰ء۴۰۸۰۵۵۵۸۵) اس کا لو جذر= (-۰ء۲۰۴۰۲۷۷۹۲) یہی بعد تکمیل ۹ء۷۹۵۹۷۲۲۰۸ اس لئے لوم ط یعنی ۹ء۰۵۴۹۶۶۱۱۹ سے لوہ ط یعنی ۹ء۷۹۵۹۷۲۲۰۸ کو تفریق کیا = (-۰ء۷۴۱۰۰۶۰۸۹)
بعد انٹی لوگارثم اورانورس = ۳۶-۲۷-۱۰ = جواب یعنی قدر انحراف از نقطہ مغرب بجانب جنوب۔
نوٹ (ا)۔لوگارثم تکمیل میں امام احمد رضا نے تجرید کرنے کی صورت میں تجرید ناقص سے کام انجام دیا ہے۔لیکن یہاں تجرید تام وتجرید ناقص دونوں اعتبار سے کام کیا گیا ہے۔کیونکہ نتیجہ کے لحاظ سے دونوں صورتیں متلازم ہیں (۲) جہاں کہیں صرف عدد صحیح منفی ہے وہاں حسب قاعدہ مذکورہ اس عدد صحیح کے اوپر علامت منفی لگادی گئی ہے۔لیکن جہاں پوری رقم یعنی عدد صحیح مع اعشاریہ دونوں منفی ہے وہاں حسب قاعدہ اس رقم کے بائیں طرف علامت منفی لگا کر قوسین کے مابین گھیر دی گئی ہے تاکہ علامت منفی اا اور ڈٹس کے مابین اشتباہ نہ پیدا ہو جائے۔

لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کا شرعی حکم

مصلی کی آواز پر اقتدا درست اور غیر مصلی کی آواز پر اقتداء فاسد ایک اجماعی اور منصوص علیہ مسئلہ ہے۔البتہ یہ بات کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے یا اسی کے مثل دوسری آواز ہے تو چونکہ یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں ہے اس لیے اس کے اجماعی یا منصوص علیہ ہونے کا سوال ہی نہیں۔ہاں اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے تو اس پر اقتدا کے درست ہونے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔
اور اگر یہ بات ثابت نہ ہو تو اس پر اقتداء کے جواز کا حکم صحیح نہیں۔عصر جدید کے علماء کے مابین لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ اس بنیاد پر مختلف فیہ ہو گیا کہ اس سے سنی جانے والی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے یا نہیں۔جن جن عالموں نے اس کو بعینہٖ متکلم کی آواز سمجھا انھوں نے اقتدا کے درست ہونے کا حکم دیا اور جن علما کے نزدیک بعینہٖ متکلم کی آواز ہونا ثابت نہ ہوا اقتدا کے نا درست ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا۔
اعلیٰ حضرت نے فوٹو گراف کے ریکارڈ سے سنی جانے والی آواز کو بعینہٖ متکلم کی آواز ثابت فرمایا جس سے بعض علماء کو یہ دھوکہ ہو گیا کہ ہر قسم کے آلہ سے سنی جانے والی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے اس لیے لاؤڈ اسپیکر کی آواز بھی بعینہٖ متکلم کی آواز ہو گی۔ان علما کو یہ التباس اس لیے ہو گیا کہ وہ فونوگراف

کے اصول ایجاد اور لاؤڈ اسپیکر کے اصول ایجاد کے درمیان واضح طور پر تفریق نہ کر سکے اور دونوں کو ایک ہی طرح کا آلہ سمجھ لیا۔

حالانکہ فونوگراف کے ریکارڈ، ٹیپ ریکارڈ کے فیتے اور لاؤڈ اسپیکر کے لاؤڈ سے سنی جانے والی آوازیں اگر چہ آواز ہیں لیکن ان تمام آلات کے مابین بنیادی فرق موجود ہے جس کی وجہ سے پہلی آواز یقیناً بعینہٖ متکلم کی آواز ہے۔ لیکن باقی ماندہ دونوں آلات میں یہ صورت نہیں ہے بلکہ سائنسی اصول کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ ان دونوں آلوں سے سنی جانے والی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز نہیں ہے بلکہ اسی کے مثل ایک دوسری آواز ہے جس کو ہم آگے چل کر وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے۔

فی الحال اس مسئلہ کو منقح کرنے کے لیے کچھ سائنسی نظریات اور کچھ عصری ایجادات کی تکنیکی تشریحات پیش کر رہے ہیں اور آگے چل کر مسئلہ لاؤڈ اسپیکر پر ان فقہی جزئیات کے انطباق اور عدم انطباق پر غور کریں گے جن کو جواز کے قائلین حضرات پیش کرتے ہیں۔

سائنسی نظریات – سائنس کے حصہ طبیعیات میں مادہ اور توانائی کے حالات سے بحث کی جاتی ہے اور ان کے ذاتی خواص اور طبعی اثرات بیان کیے جاتے ہیں فلسفۂ قدیم کی بہ نسبت سائنس نے اتنی ترقی کی کہ عناصر کی استقرائی تعداد چار سے بڑھ کر ایک سو چار تک پہنچ گئی۔ اسی طرح توانائی کی بہت سی نئی دریافتیں ہوئی ہیں جو سائنس کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ لیکن حصہ طبیعیات میں پانچ توانائیوں یعنی حرارت، روشنی، بجلی، مقناطیس اور آواز پر بڑی فراخدلی کے ساتھ طبع آزمائی کی گئی ہے، لکھتے ہیں......

(۱) قدرت میں دو ہی چیزیں ہیں، مادہ اور توانائی۔ مادہ اسے کہتے ہیں جو جگہ گھیرتا ہے اور جس کے وجود کا علم ہمیں اپنے مدرکات سے ہوتا ہے اور توانائی اسے کہتے ہیں جو قدرت میں موجود تو ہے مگر ہم اسے چھو نہیں سکتے، نہ اس کا وزن ہوتا ہے اور نہ اس کی شکل ہی ہوتی ہے جیسے حرارت، روشنی، آواز، مقناطیس اور بجلی۔ یہ سب

کے سب مختلف توانائیاں ہیں جن کے ذاتی خواص ہیں لیکن حقیقت میں علما سائنس نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ مادہ ہی توانائی ہے اور توانائی ہی مادہ ہے۔ (جی پی)

(۲) حرارت ایک قسم کی توانائی ہے اور دوسری توانائیاں مثلاً نور، آواز، مقناطیس اور برق وغیرہ کی طرح اس کی بھی تبدیل صورت ہوتی ہے (جی پی) ص: ۲۵۶۔

(۳) دنیا کا وجود صرف مادہ اور توانائی پر منحصر ہے اگر ان میں سے ایک ختم ہو جائے تو دوسرا بھی خود بخود ختم ہو جائے گا۔ پہلے دونوں الگ الگ تصور کیا جاتا تھا مگر اس نظریہ میں کچھ تبدیلی آگئی ہے جس طرح مادہ اپنی صورت بدل سکتا ہے یا ایک توانائی دوسری توانائی میں تبدیل کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح مادہ بھی توانائی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

آئن اسٹائن کے نظریہ کے مطابق مادہ توانائی در توانائی، مادہ میں بدل سکتی ہے جس کو حسب ذیل مساوات سے ظاہر کر سکتے ہیں $E=(MC)22$ (ایٹمی توانائی ص: ۲۳) یعنی اگر ایک گرام یورینیم کو توانائی میں تبدیل کریں تو نو ارب ارب الگ باجول بجلی بن سکے گی (ص: ۲۳)، تبدیل توانائی کی ایک مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۴) ریڈیو اسٹیشن میں واقع براڈ کاسٹنگ ٹرانسمیٹر آواز کو برقی لہر میں بدل دیتا ہے۔ برقی لہریں ہوا میں بہتی رہتی ہیں جسے ریڈیو سیٹ اپنے مخصوص آلوں کے ذریعہ کھینچ کر پھر آواز میں بدل دیتا ہے (اے سے پریکٹیکل گائڈ ص: ۱۱۷)

(۵) توانائی کی تبدیلی – جب ہم ڈھیلا پھینکتے ہیں تو ڈھیلے میں جو توانائی بالفعل پیدا ہوتی ہے وہ ہمارے باڑھ کی توانائی کی دوسری صورت ہے۔ جب ہم لوہے کے ٹکڑے کو گرم کرتے ہیں تو وہ گرم ہو کر سرخ یا سفید ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے آس پاس روشن ہو جاتا ہے) یہاں حرارتی توانائی نوری توانائی میں تبدیل ہو جاتی

ہے۔سلون میں کیمیائی توانائی ہی برقی توانائی میں تبدیل ہوجاتی ہے جب کوئلہ جلتا
ہےتو کوئلہ کی کیمیائی توانائی حرارتی توانائی میں تبدیل ہوجاتی ہے بعدازاں جب
پانی کوحرارت کے ذریعہ بھاپ بنا کرانجن چلاتے ہیں تو یہی حرارتی توانائی میکانکی
توانائی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔اس کے بعد انجن کے ذریعہ بجلی کی موٹر یا ڈائنمو عمل
کرتا ہے جس سے برقی توانائی حاصل ہوتی ہے بعدہ برقی توانائی سے پھر حرارت،
روشنی یا مقناطیسی توانائی حاصل کرتے ہیں۔ان باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ
توانائی نہ پیدا ہوتی ہے اور نہ زائل ہوتی ہے اس کی صرف تبدیل صورت ہوتی ہے
(جنرل فزکس،ص:۵۴)

(۲) پروفیسر ورژل جارج لکھتا ہے کہ اس معینہ رفتار میں صرف نور ہی سفر کرسکتا
ہے دوسری چیز میں اگر یہ رفتار پیدا ہو جائے تو وہ چیز خودنور میں تبدیل ہو جائے
گی۔

ان مذکورہ بالا حوالاجات سے سائنس کا یہ نظریہ کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ ایک توانائی دوسری توانائی
میں، یا دوسرے مادے میں تبدیل کی جاسکتی ہے۔اسی طرح ایک مادہ دوسرے مادے یا دوسری
توانائی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

یہاں تبدیل کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تبدیل کے بعد بھی پہلی توانائی یا پہلا مادہ جملہ خصوصیات کے
ساتھ اپنی اصلی حالت میں برقرار رہتا ہے۔

صرف اس کا مکان اور جگہ بدل جاتی ہے جسے دوسری تعبیر میں انتقال مکانی کہہ سکتے ہیں بلکہ
تبدیل کا یہاں یہ مطلب ہے کہ پہلی چیز اپنے جملہ آثار وکیفیات کے ساتھ ختم ہوکر دوسری چیز بن گئی
یعنی یورینیم اپنے جملہ خصوصیات کے ساتھ ختم ہوگیا اس کے بجائے اب نوارب ارب الگ بجلی پیدا ہو
گئی۔اسی طرح بجلی ختم ہوگئی اس کے بجائے دوسری توانائی عالم وجود میں آگئی حوالہ نمبر (۴) میں
واقع یہ جملہ کہ ''ریڈیوسیٹ اپنے مخصوص آلوں کے ذریعہ کھینچ کر پھر آواز میں بدل دیتا ہے''، واضح کر

رہا ہے کہ ریڈیو کی آواز پہلے آواز نہیں تھی بلکہ برقی لہر تھی پھر آواز میں بدل گئی۔

علم کیمیا میں بتایا گیا ہے کہ جب انجن میں کوئلہ ڈالتے ہیں تو کوئلہ کی کیمیائی توانائی حرارتی توانائی
میں اور پھر حرارتی توانائی میکانکی توانائی میں اور پھر میکانکی توانائی بجلی توانائی میں اور بجلی توانائی
مقناطیسی توانائی میں اور پھر آخر میں نوری توانائی میں تبدیل ہوجاتی ہے اور انجن کا ہیڈ لائٹ روشنی
دینے لگتا ہے''۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ روشنی بعینہ وہی کیمیائی توانائی ہے جو کالے کوئلہ میں
محفوظ تھی اور انتقال مکانی کرتی ہوئی ہیڈ لائٹ تک آگئی یعنی جو روشنی ہیڈ لائٹ میں موجود ہے وہی
روشنی پہلے کوئلہ میں موجود تھی۔

البتہ یہاں تک آنے میں اسے کئی توانائیوں کے کندھوں سے گذرنا پڑا ہے بلکہ اس کا مطلب وہی
ہے کہ ایک توانائی ختم ہوکر دوسری توانائی بن گئی اور اسی طرح وجود وفنا کے مراحل طے کرتے اور مختلف
توانائیوں سے گذرتے ہوئے آخر میں روشنی میں تبدیل ہوگئی۔ہاں سائنس کی زبان میں چونکہ یہ
شائع اور ذائع ہے کہ دنیا میں چیزوں کی کمی بیشی نہیں ہوتی جس چیز کو تم ختم ہوتے دیکھتے ہو وہ دراصل
دوسری چیز میں تبدیل ہوجاتی ہے مثلاً کوئلہ جل گیا اس کے بدلے حرارت اور روشنی آگئی وغیرہ وغیرہ۔
اس لیے سائنسدان بسا اوقات یہ ضرور بولتے ہیں کہ انجن کے ہیڈ لائٹ میں تم جو نوری توانائی دیکھ
رہے ہو یہ کوئی نئی توانائی نہیں ہے بلکہ یہ وہی توانائی ہے جو کوئلہ میں چھپی ہوتی تھی یہاں اگر ہمیں روشنی
دیتی ہے۔

حوالہ نمبر (۱) میں گزرا کہ یہ ذکر کردہ توانائیاں سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور سب کے
جداگانہ ذاتی خواص ہیں بلکہ بعض توانائیوں میں یہ اختلاف تضاد کی حد تک ہے اس لیے ایسی دو
توانائیاں کبھی بھی یکجا نہیں ہوسکتیں جو باہم متضاد خصوصیات کے حامل ہیں۔

آواز سے متعلق چند اجمالی باتیں – متذکرہ بالا توانائیوں میں سے آواز کی
حقیقت وماہیت پر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی کتاب ''الکشف شافیا'' میں سیر حاصل
بحث فرمائی ہے شائقین حضرات وہاں اس کا مطالعہ کرسکتے ہیں یہاں ہم آواز کا تھوڑا سا تعارف پیش

کرتے ہیں تا کہ آئندہ بحثوں میں مدد مل سکے۔

آپ نے دنیا میں مختلف قسم کے نقش ونگار اور طرح طرح کے خطوط واشکال دیکھے ہوں گے مثلاً مثلث، مربع، مخمس، دائرہ، ہتھیلیوں کے نقوش، انگوٹھیوں کے نشانات، چہروں کی جھریاں اور رخساروں کے خم وغیرہ ملاحظہ فرمایا ہوگا جس طرح یہ سب الگ الگ شکلیں ہیں اسی طرح آواز بھی ایک الگ شکل ہے جو کسی مادہ پر مبنی ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ آواز ایک مخصوص قسم کی شکل اور خاص کیفیت تشکلی کا نام ہے۔

گراموفون کے ریکارڈ کو اگر آپ نے دھیان سے دیکھا ہوگا تو آپ کے مشاہدے میں یہ ضرور آیا ہوگا کہ لاکھ کی ایک گول پلیٹ میں خراشوں کے مختلف قسم کے لہر دار نقوش محفوظ ہیں اگر آپ انھیں چھوئیں یا خورد بین سے ملاحظہ فرمائیں تو واضح ہوگا یہ لہریں اور خراشیں یکساں نہیں ہیں انھیں نقوش اور کیفیت تشکلی کا نام آواز ہے، انھیں لہروں کو صوتی لہر کہتے ہیں۔

جن کے متعلق امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے ارشاد فرمایا کہ ''اس آلہ ارتسام اشکال حرفیہ معلوم وشاہد ہے ولہذا چھیل دینے سے وہ الفاظ زائل ہو جاتے ہیں۔ یہاں ان اشکال حرفیہ کا ارتسام ایک مبصر شے پر ہے اس لیے یہاں معلوم وشاہد ہے لیکن ہماری روز مرہ کی بول چال میں اس کا ارتسام غیر مبصر مادہ یعنی ہوا میں ہوتا ہے اس لیے معلوم وشاہد نہیں۔ اشکال خواہ حرفیہ ہوں یا غیر حرفیہ، مثلث ہوں یا مربع چونکہ صرف جسم اور مادہ ہی پر بنتے ہیں، اس لیے اس کو فلسفۂ قدیم میں علم کیفیت مختصۃ بالکمیات کہتے ہیں۔

اسی وجہ سے علم الاصوات میں لکھا ہے ''روشنی خلائی مقام میں ایتھر سے ہو کر گزرتی ہے لیکن آواز کے لیے ارضی واسطے ٹھوس مائع گیس وغیرہ مادہ کا ہونا ضروری ہے (ص:۲۷۰)۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اشکال حرفیہ اور نقوش صوتیہ اس مادے میں بن سکتے ہیں جو ان نقوش کو قبول کر سکے مثلاً پانی، ہوا اور دوسری چیزیں۔

لیکن ہرگز ایسی چیزوں پر مرتسم نہیں ہو سکتے جو بذات خود مادہ نہیں جیسے حرارت، برودت، حلاوت

وغیرہ، اسی طرح ایسی چیزوں پر مرتسم نہیں ہو سکتے جو مادہ تو ہیں لیکن ان میں ان اشکال کے ارتسام کی قابلیت نہیں جیسے اینٹ، پتھر اور شیشہ وغیرہ مادے میں آواز کی کاپی مسلسل جہاں تک اترتی جائے گی وہ بعینہٖ متکلم کی آواز ہوگی اور اگر مادے میں سابق آواز کی کاپی نہیں اتری بلکہ کسی مادے کے ارتعاش سے پیدا ہوئی تو یہ بعینہٖ پہلی آواز نہیں ہوگی بلکہ ایک نئی آواز ہوگی۔

بجلی مقناطیس، حرارت یا روشنی یہ سب توانائیاں ہیں، مادہ نہیں ہیں اس لیے صوتی نقوش اور اشکال حرفیہ جس طرح ہوا، پانی یا ریکارڈ پر مرتسم ہوتے ہیں ان توانائیوں میں مرتسیم نہیں ہو سکتے۔

رہی خود بجلی اور مقناطیس تو چونکہ یہ آواز کی طرح کوئی کیفیت تشکلی نہیں بلکہ ایک مخصوص کیفیت جاذبہ وغیرہ کا نام ہے اس لیے یہ کوئی شکل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی آہنی پلیٹ پر بجلی یا مقناطیس کا اثر رواں کر دیا جائے تو اگرچہ اس میں بجلی یا مقناطیس کا عمل اور تاثیر جاری ہو جائے گی لیکن وہاں ریکارڈ کی طرح کوئی شکل یا نقش نہیں بنتا ہے۔

اور نہ خورد بین سے نظر آسکتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ آواز اور ان دونوں توانائی کی ماہیت میں بنیادی فرق ہے آواز یقیناً شکل ہے اور یہ دونوں نہ بذات خود شکل ہیں اور نہ ان میں اشکال کے ارتسام کی صلاحیت ہے اس لیے ان دونوں توانائی میں اشکال حرفیہ کبھی بھی مرتسم نہیں ہو سکتی ہیں لہٰذا ان دونوں کو صوتی اشکال کا واسطہ قرار دینا یقیناً سخت بھول ہے۔ اگرچہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ان کے جذب وکشش سے کسی ارتعاش پذیر مادے میں ارتعاش پیدا کر کے آواز نکالی جا سکتی ہے۔ ہاں مقناطیس یا برق کے اندر موجود قوت کے اظہار کے لیے خطوط قوت کھینچ کر سمجھائے جاتے ہیں اور یہ خطوط ایسے ہی ہیں جیسے بخار کے ذریعہ حرارت کے اظہار کے لیے گراف پیپر پر مختلف قسم کے خطوط سے اس کی شدت یا ضعف کا اظہار کرتے ہیں۔

وجوداً وسماعاً آواز چونکہ کیفیت غیر قار الذات ہے اور کروی کھوکھلی شکل میں چاروں طرف پھیلتی ہے اس لیے کسی بھی ایسے لفظ کے لیے جو کسی حرفوں سے بنا ہو کوئی ایک کمرہ نہیں ہوتا بلکہ شکل کے اعتبار سے متہ کئی متلاصق کروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

جس طرح جسمانی عالم میں پانی، ہوا، نار اور چند افلاک سبھی کھوکھلے کرے ہیں اور باہم متلاصق ہیں یہی صورت آواز کی بھی ہوتی ہے۔

مثلاً کوئی شخص محمد رسول اللہ کا مقدس کلمہ زبان سے نکالتا ہے تو وہاں حروف کی گنتی اور تشکل کے اعتبار سے بالترتیب بارہ کرے متلاصق پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا میم کا دوسرا حا کا تیسرا پھر میم کا اور چوتھا دال کا اسی طرح اسم جلالت کا بھی الف سے لے کر ہاء تک کئی متلاصق کرے ہوں گے جو ہر چہار جانب پھیلتے جائیں گے یعنی جس طرح الفاظ غیر قادر ہونے کی وجہ سے تلفظ میں بالترتیب ہوں گے اسی طرح سے ان کروں کے بننے اور پھیلنے اور قوت سامعہ کو متاثر کرنے میں بھی بالترتیب ہوں گے ان کروں میں سے ہر کرہ کا حال یہ ہوگا کہ اس کا ہر حصہ اور ہر جز اپنی اپنی جگہوں میں ایک ہی طرح مسموع ہوگا۔

مثلاً میم کے کرے کا ہر حصہ میم ہی مسموع ہوگا (جیسے میٹھی چیز کے کرے کا ہر حصہ میٹھا ہی محسوس ہوتا ہے) لہٰذا بولنے والے کے چاروں طرف جہاں تک یہ میم کا کرہ پھیلتا جائیگا۔ سبھی لوگ اس کرہ کے ہر جز سے میم ہی سنیں گے اور پھر اسی طرح ہر کرہ کے اجزا سے وہی حرف سنیں گے جس حرف کا وہ کرہ ہے اس طرح تمام اجزاء بالترتیب سامعین کے کان تک پہنچتے جائیں گے جن کے مجموعہ کو سامعین ''محمد رسول اللہ'' ہی سنیں گے۔

آواز گو کہ شکل کروی ہے لیکن اس کے اجزا مسموعہ کرہ نہیں بلکہ کرہ کے اجزا مقدار یہ میں جو ننھے ننھے اجزا الایتجزی کے مثل ہیں، ان اجزاء کو اگر بصورت خط مستقیم رکھ دیں تب بھی ''محمد رسول اللہ'' ہے یا ان اجزاء بصورت دائرہ رکھیں تب بھی محمد رسول اللہ ہے یا ان اجزا کو بصورت دائرہ رکھیں تب بھی محمد رسول اللہ ہے۔

ریکارڈ میں ٹرن ٹیبل کی گردش کی وجہ سے سوئی محیط دائرہ سے چلتے ہوئے مرکز کے قریب جاتے ہے اس لئے ریکارڈ میں ان اجزا کی ترتیب دائرہ نما ہوتی ہے۔ تفہیم کے لیے اس کو یوں سمجھیئے کہ جس طرح ٹائپ رائٹر مشین سے لفظ ''نظام الدین'' قرطاس پر اتارا جاتا ہے تو یہاں بھی ٹائپ رائٹر مشین

سے حروف کے نمائندے یکے بعد دیگرے اٹھ کر کاربن پیپر سے متصل قرطاس پر ٹھوکر مارتے ہیں۔ تمام نمائندے ایک ساتھ ٹھوکر نہیں مارتے بلکہ عملاً غیر قارالذات کے مثل ہیں اور اسی طرح مسلسل ان کے ٹھوکروں سے نظام الدین قرطاس پر مرتسم ہوجاتا ہے۔ وہ رولر جس میں کاغذ کا شیٹ فٹ کیا ہوا ہے چونکہ خط مستقیم میں حرکت کرتا ہے اس لئے نظام الدین کا نقش بصورت خط مستقیم نمایاں ہوتا ہے لیکن اگر خط مستقیم پر حرکت کرنے والے رولر کے بجائے کوئی دائرہ نما پلیٹ پر کاغذ کا شیٹ فٹ کردیا جاتا اور وہ پلیٹ اپنے مرکز پر گھومتی رہتی تو یہی نقش بصورت دائرہ قرطاس پر مرتسم ہوتا۔

حالانکہ دونوں ہی صورت میں ٹائپ رائٹر حروف کے نمائندے کی سیٹنگ بشکل ہلالی ہی ہے۔ اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بوقت سماع یا بوقت ارتسام آواز کا پورا کرہ نہ کان میں داخل ہوتا ہے اور نہ ریکارڈ پر مرتسم ہوتا ہے بلکہ اس کروی شکل کا وہ حصہ جو بشکل مخروطی جس سمت جاتا ہے اسی حصہ کا کوئی جز اس سمت میں واقع ہونے والے سامعین کے کان میں اور قابل ارتسام مادے میں اپنا نقش بناتا ہے۔

آواز کا ظاہری اور عاری سبب قریب قرع یا قلع ہے اور الفاظ وکلمات کا ظاہری اور عاری سبب زبان وگلوے متکلم کی حرکت قرعی وقلعی ہے لیکن اگر قرع یا قلع سے جو تشکلات مخصوصہ پانی یا ہوا میں واقع ہوتے ہیں جن کو ہم آواز کہتے ہیں اگر وہی تشکلات قرع اور قلع کے بجائے کسی ارتعاش پذیر مادے میں جذب وکشش سے حاصل ہوں تو یہ بھی تشکلات یقیناً آواز ہوں گے۔

اسی طرح زبان وگلوئے متکلم کی حرمت قرعی وقلعی سے جو کیفیات مخصوصہ اور اشکال خاصہ ہوا یا پانی میں پیدا ہوتی ہیں جسے ہم الفاظ وکلمات کہتے ہیں اگر بعینہٖ وہی کیفیات مخصوصہ اور اشکال خاصہ ارتعاش پذیر مادے سے جذب وکشش سے پیدا ہو تو یہ بھی آواز ہوں گے اور سننے میں بالکل ہو بہو الفاظ وکلمات کے مشابہ اور مماثل ہوں گے اور بوقت سماع الفاظ وکلمات معلوم ہوں گے جنھیں ہم الفاظ وکلمات کہیں گے، ریکارڈ میں وہی تشکلات وکیفیات جنھیں الفاظ کہتے ہیں موجود ہوتے ہیں۔

گراموفون اور فونو کا تکنیکی اصول - آواز چونکہ اپنے مرکز خروج سے نکل

کر چاروں طرف کروی شکل میں پھیلتی ہے۔ علم الاصوات میں ہے۔ ''آواز کی لہریں آواز پیدا ہونے کی جگہ سے ایک کروی کھوکھلی کمیت کی شکل میں چاروں طرف پھیل جاتی ہے'' (ص:۵۳۶)۔ اس لیے آواز کی لہریں چاروں طرف رکاوٹ ڈالنے والو جسموں کی سطحوں سے ٹکراتی ہیں اور بسا اوقات ٹکرا کر واپسی میں سنائی دیتی ہیں جن کو ہم صدا سے تعبیر کرتے ہیں۔

جسموں سے ٹکراتے وقت آواز کا صوتی تشکل برقرار رہتا ہے لیکن غیر مبصر ہونے کی وجہ سے وہاں ہمیں دکھائی نہیں پڑتا ہے۔ نرم لاکھ کی پلیٹ اگر قریب ہی ہو تو تشکلات صوتیہ ہوا کی موجوں کے واسطے سے لاکھ کی پلیٹ پر ضرور پہنچیں گی اور بوقت تصادم پلیٹ پر ضرور موجود ہوں گی ایسے وقت اگر کوئی سوئی ٹھیک ان غیر مرئی تشکلات پر دوڑ کر ان تشکلات کی ترسیم کر دے تو جس طرح ہوا میں تشکلات صوتیہ تھے اسی طرح اس پلیٹ پر بھی موجود ہو جائیں گے۔

لہٰذا یہ یقیناً بعینہٖ وہی آواز ہو گی جو بوقت تصادم غیر مبصر صورت میں اس پلیٹ پر موجود تھی اس کی تفصیل اس طرح کی جا سکتی ہے۔ چونکہ ٹرن ٹیبل کی گردش کی وجہ سے ریکارڈ مسلسل گھومتی رہتی ہے اس لئے ریکارڈ پر رکھی ہوئی سوئی اس کے اجزا پر دوڑتی رہتی ہے۔ سوئی کا نوکیلا سرا پلیٹ پر رکھ کر اس کے دوسرے کنارے پر اگر کوئی ایسا پردہ یا پتی فٹ کر دی جائے جو صوتی تشکل اور ان کی لہروں کی وجہ سے لرزاں ہو تو سوئی پورے طور پر کنٹرول میں رہ کر پلیٹ کی سطح تک پہنچے ہوئے اشکال حرفیہ پر دوڑتے ہوئے ان کی کاپی پلیٹ پر اتارے گی۔

وہ پہلا شخص ایڈیسن تھا جس کی سمجھ میں قدرت نے یہ بات ڈال دی اور اسی طرح ریکارڈ پر آواز کی کاپی تیار کر کے عالمی شہرت حاصل کر لی۔

ایڈیسن کے زمانے میں یہ صوتی نقوش اور اشکال حرفیہ لاکھ پلیٹ کی بجائے ایک ایسے بیلن پر مرتسم کئے جاتے تھے، جس پر ایک مخروطی آلہ اس طرح رکھا جاتا تھا کہ اس کا راس بیلن پر اور قاعدہ متکلم کے منھ کے پاس ہوتا تھا اور اس مخروطی آلہ کے راس پر اسپات کی سوئی ہوتی تھی اسی سوئی سے بیلن پر وہ صوتی نقوش کے خطوط بنائے جاتے تھے۔ یہاں آواز کو دوبارہ سننے کے لیے ساؤنڈ بکس کا

استعمال نہیں ہوتا تھا بلکہ پہلے جیسا مخروطی آلہ کی طرح ایک دوسرے آلہ کے ذریعہ آواز نکالی جاتی تھی اور بیلن کی گردش دولابی ہوتی تھی اور آج ریکارڈ کی گردش رجوی ہوتی تھی۔

بہر حال ریکارڈ پر آواز کی کاپی تیار کرنے کے لیے یہی طریقہ کارفرما تھا اور پھر بوقت سماع سوئی کے ذریعہ وہی تشکل ہوا اتار لیا جاتا تھا۔ آواز کی کاپیاں متکلم کے حلق سے مسلسل ہواؤں کے پرتو پر منتقل ہوتی ہوئی بلا کسی فصل کے ریکارڈ تک پہنچ گئی اور اس کی کاپی بلا فصل ریکارڈ میں محفوظ ہو گئی پھر سوئی کے ذریعہ اس کی کاپی ریکارڈ سے متصل ہوا میں بنائی گئی جو ہواؤں کے پرتوں پر منتقل ہوتے ہوئے موجوں کے سہارے ہمارے کان تک پہنچی۔

الغرض ان تشکلات کی کاپیاں مسلسل برقرار رہی شروع شروع ہوائی پرتوں میں اور ایک مقام میں بلا فصل لاکھ کی گول پلیٹ میں اور پھر لاکھ کی پلیٹ سے بلا فصل ہواؤں کے پرتوں میں، اس لیے یہ آواز بعینہٖ متکلم کی آواز تھی جسے ہم فونو سے سنتے ہیں۔ اسی ریکارڈ کی آواز کے متعلق امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں ''اور یکے بعد دیگرے اس کا سلسلہ قائم رہتا' لیجیے تو وہ یقیناً یہاں بھی حاصل پھر تفرقہ معنی چہ''۔

یہ آواز نہایت خفیف اور بہت معمولی ہوتی تھی اس لیے پھر سائنسداں غور وفکر کرنے لگے کہ بلند آواز پیدا کر کے دور تک کیسے پہنچائی جا سکتی ہے بالآخر ان کی جد وجہد سے ساؤنڈ بکس کی ایجاد عمل میں آئی۔ ساؤنڈ بکس میں ایک چھڑی ہوتی ہے جس کے نیچے والے کنارے میں سوئی اور بالائی کنارے میں ابرک کی ایک جھلی جس کو ڈائیفرام کہتے ہیں لگی رہتی ہے جو سوئی کی لرزش سے لرزاں ہوتی ہے ایسی صورت میں دو آوازیں پیدا ہوتی ہیں ایک ریکارڈ کے اشکال حرفیہ کی کاپی جو ریکارڈ سے متصل ہوا میں اترتی ہے۔

دوسری وہ آواز جو سوئی کی لرزش کے باعث لرزاں ڈائیفرام سے پیدا ہوتی ہے ڈائیفرام میں چونکہ کسی بھی آواز کی پہلے ہی سے کوئی کاپی نہیں ہوتی ہے، اس لیے اس میں بعینہٖ متکلم کی آواز ہونے کی گنجائش نہیں، چونکہ ریکارڈ کے ارتعاش کے بہ نسبت ڈائیفرام کا ارتعاش شدید ہوتا ہے اس لیے

ریکارڈ کے نکلی ہوئی آواز کے بہ نسبت ڈائیفر ام کے ارتعاش سے بننے والی آواز بلند اور صاف ہوتی ہے اور لوگ اسی آواز کو سنتے ہیں۔

ساؤنڈ بکس کے متعلق تحریر ہے ’’آواز کے بکس کی بناوٹ تصویر نمبر ۴۳۷ میں دیکھو اس میں لہوروں کے ذریعہ سوئی ایک ایسے چھڑ میں لگی رہتی ہے کہ سوئی کے لرزاں ہونے کی وجہ سے ابرک جھلی بھی لرزش کرتی ہے پھر جھلی کی لرزش کرنے کی وجہ سے ہوا بھی لرزاں ہوتی ہے اور مختلف آوازیں سنائی دیتی ہیں۔جھلی کے لرزاں ہونے کے باعث پیدا ہونے والی آواز کو زیادہ واضح اور دور تک سنائی دینے کے لائق بنانے کے لیے ہر گراموفون میں ایک افزوں گر لگا رہتا ہے جس میں اسی طرح کی لرزش پیدا ہوتی ہے اور مختلف آوازیں سنائی دیتی ہیں‘‘ (ص:۵۶۰)

اگر آج کسی کے یہاں جدید طرز کا گراموفون موجود ہو تو اس کے ساؤنڈ بکس کو کھول کر بیان کردہ امور دیکھے جاسکتے ہیں اور ڈائیفر ام نکال کر آواز پیدا کر کے اس کی دھیمی آواز اور پھر ڈائیفر ام سیٹ کر کے اس کی تیز آواز محسوس کر سکتے ہیں بلکہ ساؤنڈ بکس کے بغیر سوئی کو انگلیوں سے تھام کر گردش کردہ ریکارڈ کی دھیمی آواز اور پھر ڈائیفر ام کے توسط سے اس کی بلند آواز کے فرق کو معلوم کر سکتے ہیں۔

ریکارڈ سے پیدا ہونے والی آواز قطاع ہوتی ہے جس کا انحداب عمودا اور قاعدہ ریکارڈ کے متوازی ہوتے ہیں اور ساؤنڈ بکس سے پیدا شدہ آواز ایسا قطاع ہوتی ہے جس کا انحداب افقی اور اس کا قاعدہ ڈائیفر ام کے متوازی ہوتے، یہی نہیں بلکہ اس میں مزید کچھ تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں مثلاً ریکارڈ پر صوتی نقوش بنانے کے لیے مخروطی مجوف آلہ کے بجائے دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا اور ساتھ ہی اس میں ایک افزوں گر کا بھی اضافہ کر دیا گیا ان صنعتی اختلاف کی وجہ سے اس کا دوسرا نام تجویز کر کے فونو گراف کے بجائے گراموفون رکھا گیا۔

اس کی قدرے تفصیل (سلیس علم طبعیات) نامی کتاب ص:۵۰۰، میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ٹیپ ریکارڈ کا تکنیکی اصول - ٹیپ ریکارڈ کے کیسٹ میں نرم پلاسٹک کا بنا ہوا فیتہ ہوتا ہے اس پر سائندہ آہنی زرات کا لیپ چڑھا دیا جاتا ہے اور جب متکلم کلام کرتا ہے تو سائنس کے

تبدیل توانائی کے نظریے کے مطابق ٹیپ ریکارڈ میں موجود مخصوص آلات کے ذریعہ ساؤنڈ انرجی کو برقی انرجی اور پھر برقی انرجی کو مقناطیسی انرجی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

کیسٹ کا فیتہ چونکہ آہنی زرات سے لیپا ہوتا ہے اس لیے فوراً یہ مقناطیسی انرجی اس میں منجذب ہوجاتی ہے اور جب آواز سننا مقصود ہوتا ہے تو الٹی چال کے ذریعہ پھر آواز پیدا کر لی جاتی ہے۔

کیسٹ کے فیتے میں فونو کے ریکارڈ کی طرح صوتی تشکل بذات خود محفوظ نہیں ہوتا ہے بلکہ تبدیل توانائی کے اصول کے مطابق وہاں مقناطیسی انرجی ہوتی ہے اس لیے یہاں آواز اپنی ساری خصوصیات کھو کر ختم ہو جاتی ہے اور پھر تبدیل توانائی کے نظریے کے مطابق ایک نئی آواز پیدا کر لی جاتی ہے جو ہو بہو بالکل پہلی آواز کی نظیر اور اس کی مثل وشبیہ ہوتی ہے۔ پھر اگر اس آواز کے علاوہ دوسری آواز کیسٹ سے سننا مقصود ہو تو دوسری آواز بھرنے کے وقت ٹیپ ریکارڈ میں دوطرح کے آلے کام کرنے لگتے ہیں۔

ایک آلہ کے ذریعہ سابقہ منجذب مقناطیس زائل ہوتی رہتی ہے اور دوسرے آلہ کے ذریعہ اسی تبدیل توانائی کے اصول کے مطابق اس دوسری آواز کو برقی انرجی پھر مقناطیسی انرجی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے جو کیسٹ کے فیتے میں منجذب ہو جاتی ہے۔

لاؤڈ اسپیکر کا تکنیکی اصول - لاؤڈ اسپیکر میں بنیادی تین اجزا ہوتے ہیں (۱) مائک، (۲) ایمپلی فائر، (۳) ہارن۔ان تینوں کے مابین تار کا رابطہ رہتا ہے تبدیل توانائی کے نظریہ کے پیش نظر جب متکلم بات کرتا ہے تو متکلم کی آواز مائک کے ڈائیفر ام سے ٹکرا کر یہاں برقی انرجی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جب یہ بجلی تار کے راستے سے ہارن کی طرف بڑھتی ہے تو ایک مصنوعی مقناطیسی دھات میں آ کر مقناطیس میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ہارن میں اس مقناطیسی دھات کے قریب ایک آہنی لچک دار پردہ ہوتا ہے جو پیدا شدہ مقناطیس کی وجہ سے کھینچنے لگتا ہے اور اس میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے، ہم نے علم الاصوات کے حوالے سے یہ پیش کیا ہے کہ کسی چیز کی لرزش کے باعث آواز پیدا ہوتی ہے اور لرزش بند ہونے کے بعد غائب ہو جاتی ہے (ص:۲۳۵) اس لیے اس پردہ

کے ارتعاش سے یہاں ہوا میں ایک نئی آواز پیدا ہے جسے ہم اور آپ سنتے ہیں۔

اسے عام فہم زبان میں یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ آواز مائک کے ڈائیفرام الفاظ مطابق مختلف درجہ کے دباؤ کی وجہ سے مختلف درجہ کا ارتعاش پیدا کر کے ختم ہو جاتی ہے۔ مائک کے اندر واقع معدنی کوئلے کے ذرات جو بجلی کے حق میں مزاحمت پیدا کرتے ہیں وہ ڈائیفرام کے ارتعاش کی وجہ سے دب اور ابھر کر مزاحمت کا عمل شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے حاصل شدہ بجلی کے کرنٹ کو یکساں اور برابر راہ نہیں مل پاتی نتیجہ میں بجلی کی روانی اپنی موزونیت کھو دیتی ہے اور اس کی لہریں مختلف درجہ کے ہونے لگتی ہیں۔ (ایمپلی فائر میں نوری اشاریہ کے ذریعہ اس مختلف درجہ کی لہروں کے اشاریہ دیکھے جا سکتے ہیں کہ متکلم کی آواز کی شدت وضعف کے اعتبار سے ایمپلی فائر میں لگا ہوا یہ نوری اشاریہ کم وبیش روشنی دیتا ہے جو بجلی کے مختلف درجہ کی لہروں کی نمائندگی کرتا ہے)۔ آگے چل کر یہ بجلی ہارن میں واقع برقی مقناطیسی (آولچر) کے اندر اپنی ناموزوں کی وجہ سے مختلف درجہ کی مقناطیسیت پیدا کر لیتا ہے۔

اس مختلف درجہ کی مقناطیسیت کی وجہ سے اس کے قریب لچکدار آہنی دھات میں مختلف درجہ کا کھنچاؤ اور ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ ان مسلسل عمل کی وجہ سے یہ ارتعاش بالکل مائک کے ڈائفرام کے اس ارتعاش کی طرح ہوتا ہے جو متکلم کی آواز سے پیدا ہوتی تھی۔ اس لیے اس سے متصل ہوا میں بالکل ویسی ہی آواز پیدا ہو جاتی ہے۔

جیسی آواز نے ڈائفرام میں اپنے دباؤ سے ارتعاش پیدا کیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ متکلم کی آواز مائک کے ڈائفرام نامی جھلی پر اپنا مخصوص دباؤ ڈالتی ہے جس کی وجہ سے تار میں رواں بجلی کی فریکوئنسی میں اسی مناسبت سے تغیر واقع ہوتا ہے (ہم کبھی ایمپلی فائر میں لگے ہوئے روشنی دینے والے آلہ سے اس کا اشاریہ بھی دیکھتے ہیں) یہ تغیر پذیر بجلی آگے چل کر ایک مصنوعی مقناطیس پر مختلف انداز کا جذب وکشش پیدا کرتی ہے جو تغیر پذیر بجلی کے مناسب ہوتی ہے یہ مختلف انداز کا جذب وکشش ہارن میں واقع جھلی پر مختلف انداز کا دباؤ ڈالتی ہے جو اس دباؤ کے بالکل مماثل ومشابہ ہوتا ہے جو ڈائفرام

میں متکلم کی آواز سے ہوا تھا۔ لہٰذا اس مماثل ومشابہ دباؤ کی وجہ سے پھر ہوا میں اسی قسم کا ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے جیسا متکلم کے بولنے اور ڈائفرام میں اثر ڈالنے کے وقت ہوا میں تھا۔ اس لیے ہوا میں اسی طرح کی کیفیت تشکلی پیدا ہو جاتی ہے اور ہم ویسی ہی آواز سن لیتے ہیں جیسے متکلم نے نکالی تھی۔

الحاصل ہارن سے سنی جانے والی آواز متکلم کی آواز کے علاوہ دوسری آواز ہے جو ہارن میں لگی جھلی کے ارتعاش سے پیدا ہوئی ہے۔

متذکرہ بالا مضامین سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز ہارن میں واقع پردہ کے ارتعاش سے پیدا ہوتی ہے۔ متکلم کی اصل آواز کا سلسلہ وہاں تک قائم نہیں ہے اسی وجہ سے بعینہٖ متکلم کی آواز نہیں تو اس آواز کی عینیت پر اقتداء کے جواز کی بنا صحیح نہیں بلکہ اس صورت میں تمام علما کا اس پر اتفاق اور اجماع ہونا ثابت ہو جائے گا اور یہ مسئلہ اجماعی ہو جائے گا کہ لاؤڈ اسپیکر پر اقتدا باطل ہے کیونکہ علما سلف میں سے جن لوگوں نے اس پر اقتدا کے صحیح ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے وہ اسی بات پر مبنی ہے کہ یہ آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے۔

اگر ان کے سامنے یہ حقائق ہوتے جن کو اس ناچیز نے پیش کیا ہے تو قطعاً اقتدا کی صحت کا حکم نہیں دیتے اس لیے لاؤڈ اسپیکر کا یہ مسئلہ عدم القول بالفعل کی عمدہ نظیر ہے۔

لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو قحط الشعور حکماً متکلم کی آواز قرار دے کر استناد - اب ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی آواز نہیں تو کیا حکماً بھی اسے متکلم کی آواز قرار دے کر اس پر اقتداء کی صحت کا فتویٰ دینا صحیح نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں کچھ علما نے اپنی تحریروں میں ایک راہ نکالی اور اصول فقہ کا سہارا لیا۔ لکھتے چونکہ غیر ذی روح کے افعال اس کے محرک کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں مثلاً بندوق یا تلوار سے ہونے والے قتل کو بندوق چلانے والے یا تلوار چلانے والے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

اسی طرح یہ لاؤڈ اسپیکر بھی چونکہ غیر ذی روح ہے اس لیے اس سے خارج ہونے والی آواز اس

کے محرک اور متکلم کی طرف منسوب کر دی جائے گی اور صحت اقتداء کا حکم دینا صحیح ہو جائے گا۔

اس طرز استدلال پر یہ سوال وارد ہو سکتا ہے کہ احکام شرع کی کئی قسمیں ہوتی ہیں عبادات، معاملات اور عقوبات وغیرہ وغیرہ اصل فقہ کا ضابطہ باب عقوبات کے احکام میں لاگو ہوتا ہے، عبادات محض میں نہیں، اس لیے اس سے لاؤڈ اسپیکر کے جواز پر استدلال قطعاً بے محل اور سراسر غلط ہے۔ البتہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے حاصل ہونے والے نفع ونقصان اور فائدہ وضرر اس کے محرک کی طرف منسوب ہوں گے۔

تلقن من الخارج سے پیش آمدہ مسئلے پر استناد - جب عبادات محضہ میں لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو حکماً بھی متکلم کی آواز نہیں مان سکتے تو اب ہمیں یہ غور کرنا چاہیے کہ تلقن من الخارج کی پیش کردہ نظیریں یہاں صحیح ہیں یا نہیں اور اس کی وجہ سے اس کی اقتداء درست ہے یا فاسد۔

اس سلسلے میں جو لوگ جواز کے قائل ہیں ان لوگوں نے یہ تاثر دیا ہے کہ اگر لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو متکلم کی آواز نہ تسلیم کی جائے بلکہ غیر مانی جائے جب بھی اس پر اقتدا درست ہے اور انتقالات صلوٰتیہ صحیح ہیں۔

ان حضرات نے اس دعوے کے ثبوت کے لیے تلقن من الخارج کی کچھ ایسی نظیریں پیش ہیں جن سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے ان کو اختصاراً بیان کیا جاتا ہے (۱) آنے والے کے لیے نمازیوں نے دائیں بائیں کھسک کر آگے بڑھنے کی لیے جگہ دے دی، (۲) آنے والے کے اشارہ پر نمازی آگے بڑھ گیا، (۳) آنے والے کے کھینچنے پر نمازی پیچھے کھسک آیا، (۴) آنے والے کے کہنے پر نمازی آگے بڑھ گیا، (۵) اشتباہ قبلہ کی صورت میں صحیح رخ بتانے والے کے کہنے پر عمل کیا وغیرہ وغیرہ تو ان ساری باتوں میں اگر چہ تلقن من الخارج ہے لیکن نمازیوں کی نماز باطل نہیں ہوتی اسی طرح لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء وغیرہ کرنے میں اگر چہ تلقن من الخارج ہے لیکن نماز کے باطل ہونے کا حکم دینا صحیح نہیں۔

ان حضرات کو ان جزئیات سے اپنے مدعی پر استدلال کرنے سے پہلے اقتدا کے صحیح ہونے کے لیے کیا کیا شرطیں ہیں جبکہ انھیں شرطوں میں سے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ اقتداء اور انتقالات صلوٰتیہ میں مقتدی اپنے امام یا مکبّر کی آواز سن کر یا ان کو دیکھ کر انتقالات صلوٰتیہ کرے۔ کسی دوسرے شخص کی آواز پر انتقالات کرنا (بر بنائے انتفائے شرط انتفائے مشروط کو مستلزم ہوتا ہے) مفسد اقتدا ہے۔ ان پیش کردہ نظیروں میں اگر تلقن من الخارج تسلیم بھی کر لیا جائے لیکن چونکہ ان میں سے کسی بھی مقتدیوں کے لیے غیر کی آواز پر انتقالات صلوٰتیہ کرنا لازم نہیں آتا برخلاف لاؤڈ اسپیکر کی آواز کے کہ اگر اس کو متکلم کی آواز کے علاوہ دوسری آواز مانی جائے تو مقتدیوں کے لیے غیر کی آواز پر انتقالات صلوٰتیہ کرنا لازم آتا ہے جو اقتدا کی شرط کے منافی ہے۔

تبدیل احکام کے اسباب سے پیش آمدہ مسئلے پر استدلال - اور جب لاؤڈ اسپیکر کے مسئلے میں تلقن من الخارج کے پیش کردہ جزئیات سے استناد صحیح نہیں تو اب ہمیں آخر میں اس پر اس بات پر غور کرنا ہے کہ کیا تبدیل احکام کے اسباب لاؤڈ اسپیکر کے مسئلہ میں جاری کر کے اس کے جواز کا فتویٰ دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں جواز کے قائل حضرات .... سے تبدیل احکام کے اسباب ستہ نقل کر کے یہ کہتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کے بارے میں تعامل، دفع حرج، دفع فتنہ وفساد تینوں باتیں موجود ہیں اس لیے نماز میں بلا شبہ اس کا استعمال جائز ہے۔

یہاں بھی ان حضرات نے یہ غور نہیں کیا کہ تعامل جس کی وجہ سے تبدیل احکام ہوتی ہے وہ معاملات سے متعلق ہے لیکن ان حضرات نے اسے عبادات میں نافذ کر دیا۔

یہ تو ایسا ہی ہو گیا کہ داد اور خارش کی دوا کوئی شخص کھجلاہٹ والی آنکھ میں استعمال کرے تو ظاہر سی بات ہے کہ ایسی صورت میں بصیرت سے محروم شخص بصارت سے بھی محروم ہو جائے گا۔

پھر اگر تعامل کا یہی مطلب ہے تو تصویر کشی، سنیما بینی وغیرہ بھی بر بنائے تعامل جائز ومباح ہو جائیں گے۔ اسی دفعہ حرج والی بات تو یہ ایک عجیب طرز استدلال ہے کہ دفع حرج جو ابتلائے عام کی صورت میں موثر ہے اسے انھوں نے اس صورت میں بھی جاری فرما دیا جس میں اختیار تام ہے۔

امام احمد رضا خاں یا دوسرے فقہانے دفع حرج کو جہاں جہاں موثر قرار دیا ہے وہ ایسے مواد ہیں جہاں ابتلائے عام ہو، لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ جو زیر بحث ہے اس میں ابتلائے عام نہیں بلکہ اختیار تام ہے۔ تنہا ایک آدمی مسجد سے لاؤڈ اسپیکر ہٹا دے وہ ساری باتیں جسے آپ دفع حرج سمجھ رہے ہیں خود ہی ایک پل میں دور ہو جائیں گے لیکن دفع حرج کی وہ صورتیں جہاں وہ تبدیل احکام کے لیے موثر ہے وہاں آپ کو قطعاً اختیار تام نہیں کہ آپ پل بھر میں حرج دفع کر سکیں۔ رہا دفع فتنہ وفساد کا معاملہ تو یہ عجیب بات کہ خود ہی فتنہ گر بنیں اور خود ہی دفع فتنہ وفساد سے اس کا مداوا اور حل تلاش کریں۔ ان لوگوں نے جب غلط فتویٰ دیا تو جسے وہ فتنہ سمجھ رہے ہیں اٹھ کھڑا ہوا اور اب اس کا حل یوں بتاتے ہیں چونکہ فتنہ کھڑا ہو گیا ہے اس لیے اس کو روکنے کے لیے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے۔

یقین کیجیے یہ انداز کسی مفتی کا نہیں ہونا چاہیے یہ تو موجودہ دور کے سیاسی لوگوں کا طریقہ کار ہے کہ خود ہی ملک میں فتنہ وفساد برپا کر دیں اور خود ہی اس کا حل یوں بتائیں کہ فتنہ وفساد سے بچنا ہے تو میری بات مان لو مجھے ووٹ دے کر کامیاب بناؤ گے تو امن سے رہو گے۔

الحاصل سائنسی نظریات سے واضح ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز نہیں ہے اور فقہی جزئیات اور تلقن من الخارج کی نظیروں سے واضح ہوا کہ ان سے بھی لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر صحت اقتدا کے لیے استناد درست نہیں تبدیل احکام کے اسباب پر بھی غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں اس کے اجرا کا محل نہیں اس لیے اب تک کے شواہد اور دلائل لاؤڈ اسپیکر کے جواز کا ثبوت نہ ہو سکا۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کو شریعت کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم اپنی عبادتوں، احکام شرع کے مطابق ادا کریں۔

☆☆☆

عالمگیری میں مندرج ایک مسئلہ کا حل

عقدہ- عالمگیری جلد اول ص:۲۰ میں ہے **ولا تقطر فی شئ الی قولہٖ هکذا فی المبسوط.** اس مسئلہ کی نوعیت دیکھ کر عقل ورطۂ حیرت میں جا پھنسی ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ پورا مہینہ روزہ رکھنے کے باوجود اس قدر روزوں کی قضا اس عورت کے ذمہ واجب ہوگی جبکہ اکثر مدت حیض دس ہی دن ہیں اور صرف انھیں ایام کی قضا کا حکم ہے، پھر حیض دن سے شروع ہو تو کچھ حکم اور رات سے شروع ہو تو کچھ اور اس پر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ وصل وفصل میں اس قدر بین تفاوت کہ وصل میں چھ روزے گھٹ جائیں اور فصل میں چھ روزے بڑھ جائیں، نیز وصل اور فصل سے کیا مراد ہے براہ کرم اس بھنور سے نجات عطا فرمائیں۔

حل - عورت بذات خود کائنات کے ہزاروں الجھے مسائل میں سے ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جس کے پیچ وخم سلجھانے سے عقل وخرد عاجز، جس کی عقدہ کشائی سے فہم وفراست قاصر ہیں، یہ معمہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا، پھر ایسے الجھے مسئلہ کا مسئلہ سلجھا ہوا کیونکر ہو سکتا ہے۔ اپنی ہمہ ہم بعونہ تعالیٰ وبعون رسولہ الاعلیٰ ﷺ، اس مسئلہ کی ایسی عقدہ کشائی کریں گے کہ اگر بھڑک اٹھے اور سوال معہ مالہ وما علیہ شمس کی طرح روشن اور واضح ہو جائے گا وباللہ التوفیق پہلے چند مقدمات ملاحظہ کیجیے کہ فہم جواب میں آسانی ہو **فاقول بتوفیقہٖ تعالیٰ فی میدان التحقیق احوال.**

مقدمہ اولیٰ- عادت سابقہ معلوم نہ ہو اور خون مسلسل جاری ہو جائے تو ہر دن میں یہ احتمال ہوگا کہ یوم طہر ہے یا یوم حیض ہے اور یہ احتمال اس وقت تک رہے گا جب تک خون بند نہ ہو جائے۔

مقدمہ ثانیہ- رمضان کے جن ایام میں طہر کا یقین یا احتمال ہو ان میں روزہ رکھنا لازم ہوگا اور جن ایام میں حیض کا یقین یا احتمال ہو ان دونوں کے روزوں کی قضا لازم ہوگی۔

مقدمہ ثالثہ- پورے دس دن حیض آنے کی صورت میں رات سے حیض شروع ہو تو رات میں اور دن سے حیض شروع ہو تو دن میں ختم ہوگا اور چونکہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کسی بھی جز میں حیض آ جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اس لیے رات سے حیض شروع ہونے کی صورت میں دس اور دن سے شروع ہونے کی صورت میں گیارہ روزے فاسد ہوں گے۔

مقدمہ رابعہ- دو حیضوں کے درمیان کم از کم پندرہ دن کا فاصلہ ضرور ہوگا، کیونکہ طہر کی اول میعاد یہی ہے۔

مقدمہ خامسہ- عبارت مذکورہ میں وصل کا معنی یہ ہے کہ رمضان اور ایام حیض کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ نہ ہو یعنی شوال ہی میں قضا کرے اور شوال کے بعد قضا کرے تو فصل کہلائے گا۔ ان مقدمات خمسہ کو ذہن میں رکھیے اور بنظر تامل دیکھیے کہ مسائل مذکورہ پر ان کی تطبیق سے اور ان مقدمات خمسہ پر مسائل مذکورہ کی تفریع سے سارے اشکالات کسی طرح کافور ہو جاتے ہیں۔

☆ مسئلے کی پہلی صورت میں بحکم مقدمہ اولیٰ رمضان کے ہر دن میں احتمال ہے کہ حیض کا دن ہے یا طہر کا، پس مقدمہ ثانیہ کے بموجب رمضان کے کسی دن میں روزہ نہیں چھوڑ سکتی اور چونکہ یہ معلوم ہے کہ پورے میں ایک ہی بار حیض آتا تھا اور اکثر مدت حیض دس دن ہیں لہٰذا مقدمہ ثالثہ کے مطابق رات سے حیض شروع ہونے کی تقدیر پر رمضان کے دس روزے اور دن سے حیض شروع ہونے کی تقدیر پر گیارہ روزے فاسد ہوں گے اور ان کی قضا واجب ہوگی۔

جب دوسرے ماہ میں عورت قضا کرے گی تو اس ماہ کے ہر دن میں بھی یہ احتمال ہوگا کہ یوم حیض ہے یا یوم طہر، مگر جب بیس دن کی قضا کرے گی تو ان میں دس یوم کی قضا قطعی صحیح ہوگی اور دس پر بناء

احتمال حیض مشکوک ہوں گے اور دن سے حیض آنے کی صورت تب بائیس کی قضا کرے گی تو گیارہ روزے احتمال حیض کی وجہ سے درست نہیں مانے جائیں گے، مگر گیارہ قطعی طور پر درست ہوں گے اور رمضان کے گیارہ فاسد روزوں کی قضا ہو جائے گی اور جب دن یا رات خبر ہو تو چونکہ دس دن حیض کا احتمال قوی ہے اس لیے اکثر مشائخ نے بیس کی قضا پر اکتفا فرمایا، مگر گیارہ کا بھی احتمال ہے اس لیے بر بناء احتیاط امام ابو جعفر بائیس کا حکم دیا۔ اس صورت میں وصل اور فصل سے کچھ فرق نہ آئے گا کہ ہر مہینہ میں ایک بار حیض اور اگر دور یاد نہ ہو تو احتمال ہے کہ ہر ماہ میں دو بار حیض آتا ہو۔

مگر بایں ہمہ مقدمہ رابعہ کی بنیاد پر دونوں حیضوں کے درمیان پورے پندرہ دنوں کا طہر فاصل ہونا ضروری ہوگا اور اگر اسے یہ یاد ہو کہ حیض رات سے آتا تھا تو رمضان کے شروع کے دس دنوں میں اور اخیر کے پانچ دنوں میں حیض کا احتمال ہوگا اور گیارہ تاریخ سے پچیس تاریخ تک طہر کا یقین ہوگا، پس ان پندرہ دنوں کے روزے تو قطعی درست ہوں گے اور پہلے کے دس روز آخیر کے پانچ روزوں کی قضا اس پر واجب ہوگی اور جب وہ قضا کرے گی تو اس وقت بھی یہ احتمالات رہیں گے، مگر بایں ہمہ پچیس کی قضا میں پندرہ قطعی صحیح ہوں گے، کیونکہ شروع کے دس دن محتمل حیض ہیں اور اس کے بعد پندرہ دن طہر کے یقینی ہوں گے اسی لیے صورت ثانیہ میں پچیس روزوں کی قضا کا حکم ہے کہ پچیس کے بغیر پندرہ صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں اور یہاں بھی وصل و فصل میں ایک ہی حکم ہے اور اگر دن سے حیض آنا یاد ہو تو رمضان کی پہلی تاریخ سے گیارہ تک اور پچیس سے تیس تک کے سولہ روزے فاسد ہوں گے، پس ان سولہ روزوں کی قضا موصولا کرے تو بتیس روزوں کا حکم اس لیے ہے کہ یقینی طور پر سولہ کی قضا بتیس کے بغیر ممکن نہیں وضاحت کے لیے یہ سلسلہ رمضان کی پہلی تاریخ سے جوڑیے۔ مثلاً پہلی رمضان کو ۱۰ر بجے دن سے حیض آیا گیارہ تاریخ کو ۱۰ر بجے ختم ہوا پھر طہر کا زمانہ چلا۔ ۲۶ر کو ۱۰ر بجے پندرہ دن طہر کے پورے ہوئے پھر ۲۶ر سے حیض شروع ہوا اور ۶ر شوال کو اسی وقت ختم ہوا پھر ۶ر سے طہر شروع ہوا، ۲۱ر کو ختم ہوا پھر ۲۱ر سے حیض شروع ہوا پہلی ذیقعدہ کو ختم پھر پہلی ذی قعدہ سے طہر شروع ہوا جب کہ خون مسلسل جاری ہے تو ان مہینوں کے ہر دن میں یہ احتمال ہے کہ حیض کا

ہو،مگر اکثر مدت حیض اور اول مدت طہر کا اعتبار کر کے یہ یقین کیا گیا ہے،اب غور کیجیے کہ موصولاً قضا کرنا چاہے تو یوم عید چھوڑ کر ہی روزے رکھنا ہوگا، کہ اس دن روزہ رکھنا ممنوع ہے لہٰذا دوسری تاریخ سے رکھے گی مگر احتمال حیض کی بنا پر ۶؍تک کے روزے درست نہ ہوں گے۔ ۷؍سے ۲۰؍تک چودہ صحیح ہوں گے۔ ۲۱؍سے پہلی ذیقعدہ تک درست نہ ہوں گے اور دوسری اور تیسری تاریخ کے درست اس طرح کل ۳۲؍روزے ہوں گے جن میں ۱۶؍درست ہوں گے بقیہ فاسد ہوں اور موصولاً قضا کرے تو ۳۸؍کا حکم ہے اس لیے کہ فصل کی صورت میں یا قبل ایام کا کوئی لحاظ نہ ہوگا، بلکہ جب سے قضا کرے گی انھیں ایام کا لحاظ ہوگا مثلاً پہلی ذی قعدہ سے رکھے تو پہلی سے گیارہ تک فاسد، ۱۲؍سے ۲۵؍تک چودہ درست پھر ۲۶؍سے ۶؍ذی الحجہ تک فاسد اور ۸؍کے درست، اس طرح کل ۳۸؍روزے ہوئے جن میں ۱۶؍درست باقی فاسد۔ اور اگر دن ورات کی خبر نہ ہو تو بنظر احتیاط یہی حکم ہوگا اور اگر رمضان ۲۹ کا ہو تو چونکہ رمضان میں چودہ صحیح ہو چکے ہیں اس لیے اب پندرہ کی قضا کرنی ہوگی اسی لیے ۳۸؍کی بجائے ۳۷؍ہی قضا واجب ہوں گی کہ ۳۷؍میں پندرہ بہر حال درست ہوں گے البتہ دو باتیں عالمگیری میں مذکور نہیں ہے ایک یہ کہ رمضان کامل نہ ہو تو وصل کی صورت ۳۲ ہی رکھنے ہوں گے، دوسرے یہ کہ صورت ثانیہ میں رات سے حیض آنا معلوم ہوا اور رمضان کامل ہو تو وصل وفصل میں ۲۵؍کا حکم ہے، لیکن اگر رمضان کامل ۳۰؍دن نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

فاقول و باللہ التوفیقی رمضان کامل نہ ہو تو بھی وصل کی صورت میں ۳۲ کا حکم ہے اگر چہ قضا پندرہ ہی کی کرنی ہے، کیونکہ رمضان کامل نہ ہونے کی صورت میں حیض کی انتہا ۶؍شوال کی نہ ہوگی، بلکہ ۷ کو ہوگی پھر ۸ سے ۲۱ تک چودہ روزے درست ہوں گے، پھر ۲۲ سے ۲؍ذیقعدہ تک درست نہ ہوں گے۔ پھر حیض کا رات سے آنا معلوم ہو تو حکم مختلف ہوگا۔

وہ یہ ہے کہ رمضان کامل نہ ہو تو وصل کی صورت میں بیس اور فصل کی صورت میں ۲۴؍کا حکم ہے۔ وصل کی صورت میں ۲۰ کی وجہ یہ کہ اسے دراصل چودہ کی قضا کرنا ہے، کیونکہ ۲۶؍رمضان سے حیض شروع ہوا۔ ۷؍شوال کی رات کو ختم ہو جائے گا تو جب وہ یوم عید چھوڑ کر قضا شروع کرے گی اور ۲۱

تک ۲۰ روزے رکھے گی تو اس میں ۷ سے ۲۱ تک ۱۴؍روزے درست ہوں گے لہٰذا اس صورت میں بیس ہی کا حکم ہوگا اور فصل کی صورت میں ۲۴ کا حکم اس لیے ہے کہ مثلاً جب پہلی ذیقعدہ سے روزہ رکھے چودہ یقینی درست ہوں گے **فافہم فانہ من مطارح الاذکیاء** البتہ صورت اولیٰ میں جبکہ پورے مہینہ میں حیض کا ایک ہی بار آنا معلوم ہو رمضان کے کامل وناقص سے کچھ فرق نہ پڑے گا۔

☆☆☆

نزول افق کا گمشدہ فارمولہ

(الف) ہم اور آپ ۲۹/ویں تاریخ کو ماہ رمضان یا ماہ عید کی رویت ہلال کے لیے افق کے جانب نگاہ کرتے ہیں پھر بھی ہلال نظر نہیں آتا تو ہم اپنے کوٹھے کی چھت یا اور کسی بلند مقام پر جا کر ہلال دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہم اور آپ بھی یہ جانتے ہیں کہ سطح ارض سے کسی بلند مقام پر جا کر افق کی جانب نظر کرنے سے نگاہ افق حقیقی سے اور نیچے ہو کر گزرتی ہے۔ایسی صورت میں جس مقام سے نظر گزرتی ہے اسے ''افق مرئی'' کہتے ہیں۔

(ب) کوہ الموڑہ سے نواب دولہا صاحب کی خواہش کے مطابق امام احمد رضا قادری نے سحر و افطار کے نقشے بھیجے اور یہ بھی الگ پرچہ میں تحریر فرمادی کہ یہ حساب ہموار زمین ہے کا ہے پہاڑ پر فرق پڑے گا...... جب تک یہ نہ معلوم نہ ہو کہ وہ جگہ کس قدر بلند ہے جواب نہیں ہوسکتا۔(خلاصہ عبارت فتاوىٰ رضویہ جلد چہارم،ص:۶۴۸)

الموڑہ سے جواب آیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ارتفاع پیما آلہ سے معلوم کیا گیا تو پتہ چلا کہ نواب صاحب کی کوٹھی سطح آب سے پانچ ہزار پانچ سو فٹ بلند ہے(ص:۶۴۹)،تو بریلی سے جواب روانہ

کیا گیا کہ ۵۵۵۰ فٹ بلندی پر میں نے حساب کیا تو افق ایک درجہ ۱۹ دقیقہ ۱۰ ثانیہ گرا۔(ص:۶۵۰)

(ج) (۱) عناصر اربعہ کے کرّوں میں سے کرۂ ارض اور کرۂ ماء دونوں کثیف ہیں (۲) پانی کا کرہ زمین کے کرہ کے تین ربع ۳/۴ حصہ کو محیط ہے۔(۳) پانی کے کرّہ کی سطح زمین کے کرہ کی سطح کی بہ نسبت بہت زیادہ مستوی اور ہموار ہے۔اس لیے ان دونوں کروں کے مجموعہ کو بعض حالات میں (مثلاً مسئلہ افق میں) ایک ہی کرہ تسلیم کیا جاتا ہے۔چونکہ کثیف شے شعاعوں کے لیے حاجب ہوتی ہے اس لیے ان دونوں کروں کا مجموعہ ہماری شعاع بصری کے لیے غایت درجہ حاجب بن جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب اس مجموعہ مرکب کرّہ کا کوئی حصہ ہماری نظروں کے سامنے ہو تو اس کے پیچھے واقع ہونے والی چیزوں کو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ان ہی حالات کے پیش نظر ماہرین فن نے افق کے حساب و کتاب کو سمندر کی سطح سے وابستہ کردیا ہے۔

اسی طرح دونوں کرّوں کے مجموعہ کو ایک ہی کرّہ ماننے کی وجہ سے کسی مقام کی اونچائی اور پستی کا حساب بھی سطح سمندر ہی سے معلوم کیا جاتا ہے مثلاً ایورسٹ کی چوٹی، وادی کشمیر میں واقع پہاڑوں کی چوٹیاں، نینی تال، رانی کھیت، الموڑہ، مسوری، دارجلنگ کی مختلف چوٹیوں کی اونچائیاں بھی سطح سمندر ہی سے بلندی کے اعتبار سے مانی جاتی ہے۔

(د) افق کا اجمالی مفہوم یہ ہے کہ جس دائرہ کو افق مانا جاتا ہے اس سے اوپر کرّۂ عالم کا جو حصہ ہے وہ ظاہر اور مرئی ہو اور جو حصہ اس کے نیچے واقع ہو وہ خفی اور غیر مرئی ہو۔علم ہیئت میں کرۂ عالم کے مرئی اور غیر مرئی ہونے کے اعتبار سے افق کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں (۱) افق حقیقی، (۲) افق حسی، (۳) افق مرئی۔اسی کو بعض کتابوں میں ''افق ترسی'' بھی لکھا گیا ہے۔

ذیل میں ایک شکل درج کی جاتی ہے اسے بغور دیکھیں تو مندرجہ بالا مضمون واضح ہو جائے گا۔ سب سے بڑا دائرہ کرّۂ عالم کی نمائندگی کرتا ہے۔دوسرا چھوٹا دائرہ سطح سمندر کا نمائندہ ہے۔سمندر کے کرہ سے گزرتا ہوا وہ خط جو کرۂ عالم کو دو برابر حصوں (یعنی فوقانی اور تحتانی) میں تقسیم کرتا ہے مثلاً خط ز، ح، وہ افق حقیقی ہے اس افق حقیقی کے متوازی (بجانب فوق) سطح سمندر کو مماس کرتا ہوا خط افق

حسی ہے مثلاً خط ج، ہ، اس افق حسی کے متوازی کسی بلند مقام (مثلاً کسی پہاڑی) پر کھینچا ہوا خط مثلاً خط ا، ب، ایک فرضی خط ہے جسے ہم نے اپنے مطلوب کے اثبات کے لیے کھینچا ہے۔ اسے آپ افق فرضی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس افق فرضی کے بائیں کنارے سے یعنی نقطہ ب سے کھینچا ہوا وہ ترچھا خط جو افق حسی کو کاٹتے ہوئے سطح کو مس کرتے ہوئے آگے افق حقیقی کو کاٹتے ہوئے نقطہ ط پر کرۂ عالم سے ملتا ہے اس نقطہ سے ایک خط افق حقیقی کے متوازی کھینچا ہوا ہے مثلاً خط ط، ی، وہ افقِ مرئی ہے اور یہ ترچھا خط جو پہاڑی کے حصۂ بالا یعنی نقطہ ب سے چل کر کرۂ ماء کو مس کرتے ہوئے کرۂ عالم کے نقطہ ط تک پہنچا ہے مثلاً خط ب، ط وہ اس آدمی شعاع بصری ہے جو اس بلند مقام یعنی نقطہ ب سے افق کی طرف دیکھ رہا ہو۔ مرکز سے کھینچا ہوا وہ نصف قطر جو شعاع بصری اور کرہ کے نقطہ تماس تک پہنچا ہے مثلا خط م، و، وہ نقطہ تماس کی دونوں جانب زاویہ قائمہ بناتا ہے۔ افق حقیقی اور افق مرئی کے مابین کرّہ عالم کی جو قوس واقع ہے مثلاً قوس ز، ط، وہی قوس افق حقیقی کے نیچے مرئی کے اتار کی مقدار ہے۔ آگے ہم برہان ہندی سے معلوم کریں گے کہ یہ قوس کتنی ڈگری کی ہے۔

مثلث : ب، و، م میں جو زاویہ نقطہ تماس والا پر بنا ہے اس زاویہ تماس اور مرکز عالم پر جو زاویہ ہے وہ مرکزی زاویہ اور پہاڑ کی بلندی پر جو زاویہ ہے اسے ارتفاعی زاویہ کہئے۔ نقطہ تماس والا زاویہ قائمہ ہے باقی حادّے ہیں۔ ذرا غور کیجیے جس طرح مرکزی زاویہ ارتفاعی زاویہ کا متمم ہے اسی طرح خط فرضی اور شعاع بصری سے بنا ہوا زاویہ (جو فرضی زاویہ ہے) بھی ارتفاعی زاویہ کا متمم ہے اس لیے آنے والے ضابطہ ۳ / کے پیشِ نظر مرکزی زاویہ اور شعاع بصری اور خط فرضی کا زاویہ باہم برابر ہیں۔

یہاں چند ضابطے لکھے جاتے ہیں جسے علم ہندسہ میں ثابت کیا گیا ہے۔

ضابطہ اولی (۱) اگر چند خطوط متوازیہ کو کوئی خط کاٹتے ہوئے گزرے تو خط قاطع اور خطوط مقطوعہ کے مابین پیدا ہونے والے زاویے سبھی متناظرہ اور باہم برابر ہوں گے۔

ضابطہ ثانیہ (۲) اگر کسی کرہ کو مس کرتا ہوا کوئی خط گزرے تو یہ خط مماس اور مرکز کرہ سے

نکلنے والا وہ نصف قطر جو نقطۂ تماس تک پہنچے گا، ان دونوں کے باہم ملاقات سے دونوں پہلو میں برابر زاویے اور دونوں ہی قائمہ پیدا ہوں گے۔

ضابطہ ثالثہ (۳) اگر کسی ایک زاویہ کے الگ الگ دو متمم ہوں تو یہ دونوں متمم باہم برابر ہوں گے۔ یہاں مقصود دو امر ہے (۱) زاویہ اول ز، ل، ط، یہ نزول آفاق کا زاویہ ہے (۲) اور یہ مرکزی زاویہ کے برابر ہے۔

طریقۂ اثبات : ضابطہ اولی سے ثابت ہے کہ خطوط متوازیہ اور شعاع بصری کے باہم تقاطع سے جتنے زاویے پیدا ہوئے ہیں وہ سبھی متناظرہ اور برابر ہیں اور ضابطہ ثانیہ سے یہ معلوم ہے کہ یہ مثلث قائم الزاویہ ہے جس کے باقی دونوں زاویے حادّے ہیں اور زاویہ مرکزیہ زاویہ ارتفاعیہ کا متمم ہے اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ زاویہ ارتفاعیہ کے پہلو پر بنا ہوا زاویہ فرضیہ بھی زاویہ ارتفاعیہ کا متمم ہے لہٰذا ضابطہ ثالثہ سے یہ ثابت ہوا کہ زاویہ مرکزیہ اور زاویہ فرضیہ دونوں باہم برابر ہیں۔ تو یہ معلوم ہوا کہ زاویہ مرکزیہ سبھی زاویہ متناظرہ کے برابر ہے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ زاویہ مرکزیہ کی مقدار زاویہ نزول افق کے برابر ہے۔

علم مثلث میں ثابت ہے کہ مثلث قائم الزاویہ میں سے کسی بھی زاویہ حادہ کی مقدار معلوم کرنے کے لیے اس حادہ کے قاعدہ کو وتر سے تقسیم کریں، حاصل قسمت اس زاویہ کی جیب التمام ہوگی اور پھر برعکس کارگزاری کے ذریعہ اس جیب التمام کا زاویہ معلوم کرلیں۔ اس طرح ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ زاویہ نزول افق کی مقدار کیا ہے۔

اس مثلث میں مرکز عالم سے پہاڑ کی بلندی تک پہنچنے والا خط وتر ہے اور مرکزی زاویہ سے نقطہ تماس تک پہنچنے والا نصف قطر اس مرکزی زاویہ کا قاعدہ ہے لہٰذا قاعدہ/ وتر = مرکزی زاویہ کا جیب التمام ہے۔ برعکس کارگزاری کے ذریعہ ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ اس جیب التمام کا زاویہ کتنا بڑا ہے۔

ہم ذیل میں کچھ مقررات پیش کرتے ہیں اور اس کی روشنی میں کرۂ ماء کے نصف قطر معدل کو مختلف پیمانوں کے اعتبار سے مختلف جنسوں میں تحویل کرکے اس کا معادلہ قلم بند کرتے ہیں تاکہ

محاسب بہ آسانی یہ معلوم کرسکے کہ اگر مقامی ارتفاع اتنا ہوتو افق کا اتار کتنا ہوگا؟

نوٹ:- محاسب کو چاہیے کہ بوقت عمل مقامی ارتفاع پیمانوں کے جس جنس میں ہے نصف قطر کو بھی اسی جنس میں تحویل کردہ معادلہ سے حساب کرے۔

(۱) مبادی ۱رمیل=۵۲۸۰فٹ=۳۵۲۰ذراع=۱۷۶۰رگز اور ۱رگز=۳رفٹ ہے۔

(۲) نصف قطر معدل ۳۹۵۶ء۵۴۳ میل نصف قطر معدل ۶۳۶۷ء۴۳۸۷۳۸ کلومیٹر
// // // ۶۹۶۳۵۱۵ء۶۸ گز // // // ۱۳۹۲۷۰۳۱ء۳۶ ذراع
// // // ۲۰۸۹۰۵۴۷ء۰۴ فٹ

(۳) ایورسٹ کی چوٹی ۸۸۴۸ میل ایورسٹ کی چوٹی ۸ء۸۴۸ کلومیٹر
// // // ۵ء۴۹۷۸۹۲۳۰۹ میل // // // ۲۹۰۲۸ء۸۷۱۳۹ فٹ

ہم یہاں ایورسٹ کی چوٹی کا حساب کرتے ہیں کہ وہاں کے لیے افق حقیقی سے افرمرئی کا اتار کتنا ہوا۔ نصف قطر معدل ۶۳۶۷ء۴۳۸۷۳۸ کلومیٹر+ایورسٹ کی چوٹی کی اونچائی ۸ء۸۴۸کلومیٹر= مجموعہ نصف قطر معدل اور ارتفاع ایوسٹ ۶۳۷۶ء۲۸۶۷۳۸ نصف قطر معدل/نصف قطر معدل+ ارتفاع ایورسٹ=کوسائن ۰ء۹۹۸۶۱۲۳۵۸=زاویہ ۴۸ءَ۳-اً-۳

تو نتیجہ نکلا کہ ایورسٹ کی چوٹی کے لیے افق حقیقی سے افق مرئی کا اتار ۴۸ءًَ۳-اَ-۳ ہے۔

فتاوٰی رضویہ کا حساب -

نصف قطر معدل ۲۰۸۹۰۵۴۷ء۰۴ فٹ+کوہ الموڑہ کی اونچائی ۵۵۵۰فٹ=مجموعہ نصف قطر معدل اور ارتفاع کوہ الموڑہ ۲۰۸۹۰۵۴۷ء۰۴ نصف قطر معدل/نصف قطر معدل+ارتفاع کوہ الموڑہ =کوسائن ۰ء۹۹۹۷۳۴۴=زاویہ ۰۵ء۱۴اً-۱۹اَ-۱

تو نتیجہ نکلا کہ کوہ الموڑہ کے لیے افق حقیقی سے افق مرئی کا اتار ۰۵ء۱۴اً-۱۹اَ-۱ ہے۔

علم ہیئت کی مشہور کتاب تصریح ص:۳۰ میں درج ہے کہ حکیم ابن ہشیم نے اپنی کتاب المناظر میں بذریعہ برہان ہندسی یہ ثابت کیا ہے کہ اگر دیکھنے والے کی قامت ۳ $\frac{1}{2}$ ذراع ہوتو فلک عالم کا وہ

حصہ جو ظاہر ہے بہ نسبت اس حصہ کے جو خفی ہے ۴رد قیقہ ۲۶ ثانیہ بڑا ہوگا یعنی اس میں افق مرئی ۲ردقیقہ ۱۳ثانیہ نیچے گرے گا۔

نوٹ:- ہم نے جو حساب لگایا تو پتہ چلا کہ محررہ رقم صحیح نہیں ہے۔

نصف قطر معدل ۱۳۹۲۷۰۳۱ء۳۶ ذراع + قامت انسانی ۳ء۵ ذراع مجموعہ نصف قطر اور قامت انسانی ۱۳۹۲۷۰۳۴ء۸۶ = نصف قطر معدل/نصف قطر معدل + قامت انسانی = کوسائن ۰ء۹۹۹۹۹۷۴۸ = زاویہ ۲۳ء۲۶ً-۲َ : نزول افق کا زاویہ ایک جانب ۶۳ء۲۶ً-۲َ ہوگا تو دوسری طرف بھی اتنا ہی ہوگا لہٰذا فلک کا ظاہر حصہ نصف حصہ سے زاویہ انحطاط کا دوگونا یعنی ۲۶-۵۲ً-۴َ زائد ہوگا۔ رہی یہ بات کہ ظاہر حصہ خفی حصہ سے کتنا زائد ہوگا تو یہ زاویہ انحطاط کا چوگنا یعنی ۹۲ء۴۴ً-۹َ زائد ہوگا کمالا یخفی علی المتامل.

تصریح ص:۳۰ کے حاشیہ میں اسی افق مرئی کے تعلق سے مرقوم ہے جس کا اردو ترجمہ حاضر ہے:

تو اس وقت افق مرئی افق حقیقی سے نیچے ہوگا لیکن قامت انسانی اس سے بھی قلیل تر ہوتو افق حقیقی پر منطبق ہوجائے گا لیکن اگر قامت انسانی اس سے بھی قلیل ترین ہوتو افق مرئی افق حقیقی کے اوپر پہنچ جائے گا۔

نوٹ: اگر کسی شخص کو سطح سمندر سے ۸۸ میل کی بلندی پر فرض کیا جائے تو جس وقت ہموار زمین پر غروب شفق احمر ہوگا یعنی عشائے شافعی کی ابتدا ہوگی تو اس وقت وہاں غروب آفتاب کا منظر ہوگا اور جب بجائے ۸۸ کے ۲۰۴ میل کی بلندی پر فرض کیا جائے تو جس وقت ہموار زمین پر غروب شفق ابیض ہوگا یعنی عشائے حنفی کی ابتدا ہوگی اس وقت وہاں غروب آفتاب کا منظر ہوگا۔

☆☆☆

علم الابعاد والاجرام میں امام احمد رضا کا تفرد

امام احمد رضا اس شخصیت کا نام ہے جو سن شعور میں پہنچتے ہی بلند پرواز شاہین کی طرح اونچی اڑان بھر کر علوم وفنون کے آفاق پر چھا گیا۔ اس چودھویں صدی کے امام نے چودھویں کے چاند کی طرح چمک کر پورے کرۂ ارض کو منور فرمادیا۔ دورِ حاضر کا وہ کون سا فن ہے کہ جس میں انھیں ملکہ راسخہ، دسترس کامل اور مہارت تامہ نہیں؟ آیئے علم الابعاد والاجرام کی ایک ایسی جھلک پیش کروں جس سے آپ کے دل ودماغ میں ایک تہلکہ مچ جائے۔

علم الابعاد والاجرام کونسا علم ہے اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ اس علم کے ذریعہ کسی بھی کم متصل یعنی مقدار کی عددی قسمت معلوم کی جاتی ہے۔ مثلاً کسی سطح کا رقبہ کتنا ہے؟ کسی جسم کی کمیت کتنی ہے، دو کم متصل میں کون سا تناسب ہے، کسی حوض کے دہ دردہ ہونے کے لیے اس کی ضلع کی مقدار کتنی چاہیے وغیرہ وغیرہ، یہاں زیر بحث یہ بات ہے کہ زمین کی بہ نسبت سورج کتنا بڑا ہے۔

علم الابعاد والاجرام کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ آفتاب زمین سے ۱۶۶/ اور ربع وثمن یعنی ۱۶۶$\frac{3}{8}$ گنا بڑا ہے۔ اس کی دلیل دو مقدمہ پر موقوف ہے (۱) صاحب تذکرہ نے بتایا ہے کہ اگر زمین کے قطر کو ایک فرض کیا جائے تو اس پیمانہ سے آفتاب کا قطر ساڑھے پانچ یعنی $\frac{11}{2}$ ہے۔ (۲) اور اوقلیدس نے ثابت کیا ہے کہ اگر دو کروں کے قطروں کی باہمی نسبت کو مثلثہ بالتکریر کر دیا جائے تو دونوں کروں کے مابین کی نسبت نکل آتی ہے۔ بلفظ دیگر اگر دونوں کروں میں سے ہر ایک کرہ کے قطر کا مکعب نکالا جائے تو جو ان دونوں مکعبوں میں نسبت ہوگی وہی نسبت دونوں کروں کے مابین

ہوگی۔ یہاں آفتاب کا قطر، زمین کے قطر کی بہ نسبت $\frac{11}{2}$ گنا بڑا ہے۔ اس لیے جب ہم اسے تین بار لکھ کر ضرب دیتے ہیں یعنی $\frac{11}{2}\times\frac{11}{2}\times\frac{11}{2}$ یعنی مثلثہ بالتکریر کرتے ہیں تو حاصل ۱۶۶$\frac{3}{8}$/ ہوتا ہے اور افضل المہندسین علامہ غیاث الدین جمشید کاشی کے حساب پر آفتاب زمین سے ۳۵۶/ اور تحقیقات جدیدہ کی رو سے ب۱۲۴۵۱۲۳ (بارہ لاکھ پینتالیس ہزار ایک سوتیئس) گنا بڑا ہے مگر ان کے حساب کی غلطی ہے۔

امام احمد رضا نے بر بنائے مقررات تازہ اصل کروی پر حساب لگایا تو اس سے زائد آیا یعنی آفتاب زمین سے ۱۳۱۳۲۵۶ (تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دو سو چھپن) گنا بڑا ثابت ہوا۔ وہ مقررات تازہ اور پورا عمل استخراج درج ذیل ہے، (نوٹ) اس کا پورا عمل جس طرح عام اعداد سے کیا جاتا ہے امام احمد رضا نے پورا عمل لوگارثم ہی سے کیا ہے اس لیے ہم بھی اس کی توضیح لوگارثم ہی سے کر رہے ہیں۔ بذریعہ لوگارثم عمل کرنے میں یہ دھیان میں رکھا جائے (۱) مضروب اور مضروب فیہ کے لوگارثمون کے مجموعہ حاصل ضرب کا لوگارثم ہوتا ہے۔ (۲) مقسوم کے لوگارثم سے مقسوم علیہ کے لوگارثم کی تفریق، حاصل قسمت کا لوگارثم ہوتا ہے۔ اس لیے جہاں عام اعداد میں ضرب مقصود ہو وہاں لوگارثم میں جمع کا عمل اور جہاں عام اعداد میں تقسیم مقصود ہو وہاں لوگارثم میں تفریق کا عمل کرنا چاہیے۔

مقررات - (۱) قطر مدار شمس =185800000 میل (اٹھارہ کروڑ اٹھاون لاکھ میل) (۲) قطر معدل زمین =7913.086 میل (سات ہزار نو سو تیرہ اعشاریہ صفر آٹھ، چھ)
(۳) قطر اوسط، شمس از دقائق محیطہ =32 دقیقہ 4 ثانیہ (32.06667) دقیقے

ضوابط - (۱) قطر: محیط:: 3.14159265:1 (یعنی تقریباً ۲۲/۷)، (۲) میل قطر شمس ×14159265 = میل محیط مدار شمس، (۳) میل محیط ÷ دقائق محیطہ یعنی 21600 = میل دقیقہ واحدہ (۴) میل دقیقہ واحدہ ×32 دقیقہ 4 ثانیہ (یعنی 32.06667) = میل قطر شمس، (۵) میل قطر شمس ÷ میل قطر ارض = نسبت بین القطرین، (۶) نسبت بین القطرین کا مثلثہ بالتکریر (یعنی مکعب) = نسبت بین الکرتیین۔

عمل بذریعۂ لوگارثم –

لوگارثم میل محیط مدار= 0.4971499 (22/7) لوگارثم +8.2690457 لوگارثم مدار شمس 8.7661956- لوگارثم دقائق محیطیہ (21600) 4.3344538= لوگارثم میل دقیقہ واحدہ 4.4317418+ لوگارثم (32 دقیقہ 4 ثانیہ) 1.5060539 = لوگارثم میل قطر شمس 5.9377957- لوگارثم میل قطر ارض 3.8983459= لوگارثم نسبت بین القطرین 2.0394498 اس لیے لوگارثم مکعب النسبۃ = 6.1183494 اس لوگارثم کا عدد تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دوسو چھپن یعنی محیط فلک شمس اٹھاون کروڑ تیس لاکھ آٹھ ہزار میل ہے اور ایک دقیقہ 27023.5 میل اور قطر شمس 86554.2 میل ہے اور وہ قطر ارض سے 109.509 گنا بڑا ہے اور جرم سمس تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دوسو چھپن گنا بڑا ہے۔

فائدہ – حجم ارض درج ذیل قاعدہ سے بذریعہ لوگارثم معلوم کریں (۱) قطر کرہ× 22/7 =محیط کرہ، (۲) محیط کرہ× قطر کرہ= سطح کرہ، (۳) قطر کرہ کا نصف× سطح کرہ کا ثلث = حجم کرہ۔

لوگارثم سطح ارض= 3.3983459 لوگارثم قطر ارض + 3.8983459 لوگارثم قطر ارض 8.2938417...... لوگارثم نصف قطر ارض 3.5973159+ لوگارثم ثلث سطح ارض 7.8167204= لوگارثم حجم ارض 11.4140363 اس لوگارثم کا عدد 259439620300= حجم ارض۔

نتائج – قطر ارض= 7913.086 میل، محیط ارض= 24859.69284 میل، سطح ارض= 96716887.4 مربع میل، حجم ارض 259439620300 مکعب میل یعنی 2 کھرب 59 ارب 43 کروڑ 96 لاکھ 20 ہزار 3 سو مکعب میل۔

نوٹ – دس پر لگا ہوا وہ قوت نما جو دس کو مفروضہ عدد کے برابر کر دیتا ہے اسی قوت نما کو مفروضہ عدد کا لوگارثم کہتے ہیں۔ دورِ حاضر میں لوگارثم کبھی ٹیبل اور کبھی کیلکولیٹر سے معلوم کیا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا اعمال میں اسے ٹیبل اخذ کیا گیا ہے۔ ☆☆☆

برطانیہ سے آئے چند سوالوں کے جواب

سوال – (۱) جن ایام میں شفق ابیض غروب نہیں ہوتی ان مقام میں سورج کے غروب کے بعد 51 سے 60 عرض البلد پر کتنے منٹ بعد مشرق میں فجر کی روشنی طلوع کرتی ہے؟

جواب – (۱) وہ دائرہ جو سمت الراس سمت القدم اور نقطہ شمالی وجنوبی ہو کر اتر دکھن گزرتا ہے اسے دائرۂ نصف النہار کہتے ہیں۔ یہ دائرہ پورے کرۂ عالم کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے ایک حصہ شرقی دوسرا غربی ہوتا ہے۔ اس دائرہ سے جو بھی مقام یا حالات وکیفیات جانب شرق ہے، وہ شرق اور جنوب غرب سے وہ غربی ہے۔ علمائے ہیئت شب وروز کے 24 ساعات کو اس دائرہ کے اعتبار سے اوقات شرقیہ اور اوقات غربیہ کہتے ہیں۔ آفتاب کے اس دائرہ سے پورب ہونے کی صورت میں جو اوقات ہوتے ہیں وہ اوقات شرقیہ اور پچھّم ہونے میں صورت میں جو اوقات ہوتے ہیں اسے اوقات غربیہ کہتے ہیں۔ اوقات کے بارے میں (A.M.) یعنی قبل نصف النہار (P.M.) یعنی بعد نصف النہار اسی اصطلاح پر بولے جاتے ہیں، اہل شرع نے بھی اتنی بات قبول فرمائی ہے کہ جن جن اوقات کا آغاز بعد نصف النہار ہو وہ اوقات غربیہ اور جن جن اوقات کا آغاز قبل نصف النہار ہو وہ اوقات شرقیہ ہیں۔ لہٰذا وقت افطار، وقت مغرب، وقت عشا، وقت اوّابین وغیرہ کو اوقات غربیہ اور وقت فجر، وقت اشراق، وقت چاشت وغیرہ کو اوقات شرقیہ کہتے ہیں۔

آفتاب کے غروب کے بعد مقامی دھندلا پن، شفق احمر اور شفق ابیض وغیرہ کو اوصاف غربیہ اور

قبل طلوع شمس ان ہی کیفیات یعنی شفق ابیض شرقی، شفق احمر شرقی اور پھر اس کے بعد مقامی دھندلا پن کو اوصاف شرقیہ میں شمار کرتے ہیں۔

(۲) وہ مقامات جہاں مخصوص تاریخوں میں شفق ابیض غربی غروب نہیں ہو پاتی بلکہ وہ شفق ابیض شرقی میں متداخل یا ایسا متصل ہو جاتی ہے کہ جس طور پر باہم متجائز نہیں ہو پاتی ان اوصاف میں بھی یہی قاعدہ جاری ہوتا ہے کہ جب تک آفتاب دائرہ نصف النہار سے جانب غرب ہے شفق ابیض غربی ہے اور جب آفتاب جانب شرق ہو تو یہ شفق ابیض شرقی ہے یعنی دائرہ نصف النہار شفق غربی اور شفق شرقی کے مابین ممیّز اور فاصل ہے اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ گو آفتاب کے افق سے قریب ہونے کی وجہ سے شفق غربی اور شفق شرقی باہم متمائز نہیں ہو پاتے لیکن اس بات سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ شفق غربی اور شرقی میں یہی بات مؤثر ہے کہ آفتاب جب تک دائرہ نصف النہار کے پچھّم ہے شفق ابیض غربی کا وجود ہے اور جب آفتاب دائرہ نصف النہار سے پورب ہٹا شفق ابیض شرقی کی پیدائش ہو گئی، اول کی انتہا دوم کی ابتدا ہے اِن دونوں انتہا و ابتدا کے مابین فاصل ایک خط ہے جس میں طول ہوتا ہے عرض نہیں ہوتی اس لیے دونوں کے مابین کوئی زمانہ نہیں ہوتا۔

(۳) عشا کا وقت گو غربی ہے لیکن اس کے لیے یہ شرط ہے کہ شفق ابیض غربی غروب ہو جائے اور پھر اس کے بعد کسی نماز کا وقت نہ ہو۔

مذکورہ بالا امور سے واضح ہے کہ ان مقامات میں ایسا نہیں ہو پاتا بلکہ شفق ابیض غربی کے اختتام پر فجر کے وقت کا آغاز ہو جاتا ہے اس لیے وہاں عشا کا وقت نہیں ہو پاتا۔

مذکورہ بالا امور سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان مقامات میں اگرچہ عشا کا وقت نہیں ہو پاتا لیکن نصف اللیل کے بعد طلوع فجر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ عمل جو طلوع فجر سے پہلے ہونا ضروری ہے اس عمل کو نصف اللیل سے پہلے ہی کر لینا ضروری ہے۔

وحررناہ ھو مفاد قول البرجندی ثم اذا جاوز ھذا العرض یتداخل زمان الصبح والشفق کما ھو المذکر فی الکتب لکن الظاھر ان الشمس اذا کانت فی النصف

الغربی کان من حساب الشفق واذا کان فی النصف الشرقی کان حساب الصبح.

سوال - (۲) جب آفتاب راس السرطان پر ہو تو بلادِ شمالیہ میں شفق ابیض وغیرہ کا کیا حال ہوگا؟

جواب - (۲) جب آفتاب راس السرطان پر ہو تو بلادِ شمالیہ میں درج ذیل احوال ہوں گے:

ضابطہ اولیٰ - غروب آفتاب کے بعد ۶ درجہ انحطاط تک مقامی دھندلا پن ہوتا ہے پھر اس کے بعد سرخی پیدا ہو کر ۱۲/درجہ انحطاط تک رہتی ہے پھر اس کے بعد سفیدی نمودار ہو کر ۱۸/درجہ انحطاط تک رہتی ہے اس سے زائد انحطاط پر رات کی تاریکی چھا جاتی ہے۔

ضابطہ ثانیہ - عرض البلد اور غایت انحطاط میں نسبت معکوس ہے یعنی جس قدر عرض البلد گھٹتا جائے گا اسی قدر غایت انحطاط بڑھتی جائے گی مثلاً ۶۶/درجہ ۳۴ دقیقہ میں آفتاب کا نہ انحطاط ہوتا نہ وہاں آفتاب ڈوبتا بلکہ آفتاب افق سے مماس ہو کر بلند ہو جاتا ہے اور ۶۶/درجہ عرض البلد پر غایت انحطاط ۳۴ دقیقہ ہوتی ہے تو جتنا عرض البلد گھٹا اتنی ہی غایت انحطاط بڑھ گئی **و بالعکس** مثلاً ۲۲/درجہ ۲۶/دقیقہ میل پر اگر غایت انحطاط ۱۸/درجہ ہو تو ۲۲/درجہ ۲۶/دقیقہ میل پر غایت انحطاط ۱۹/درجہ ہو جائے گی۔

تفریع - لہٰذا ۶۰/درجہ ۳۴/دقیقہ عرض البلد پر جو مقامات ہوں گے وہاں ۶/درجہ غایت انحطاط ہوگی ان مقامات پر بعد غروب مقامی دھندلا پن ہوگا لیکن شفق احمر اور شفق ابیض نہیں ہوگی یہی بات ۶۰/درجہ ۳۴/دقیقہ اور ۶۶/درجہ ۳۴/دقیقہ کے مابین مقامات کے لیے ہوگی اور ۵۴/درجہ ۳۴/دقیقہ عرض البلد پر جو مقامات ہوں گے وہاں ۱۲/درجہ غایت انحطاط ہوگی ان مقامات پر مقامی دھندلا پن کے بعد شفق احمر بھی ہوگی لیکن شفق ابیض نہیں ہوگی یہی بات ۵۴/درجہ ۳۴/دقیقہ اور ۶۰/درجہ ۳۴/دقیقہ کے مابین مقامات کے لیے ہوگی اور ۴۸/درجہ ۳۴/دقیقہ عرض البلد پر جو مقامات ہوں گے وہاں ۱۸/درجہ غایت انحطاط ہوگی ان مقامات پر دھندلا پن اور شفق احمر اور شفق ابیض بھی ہوگی مگر اس ابیض کے ختم ہونے سے پہلے ہی شرقی ابیض پیدا ہو جائے گی یعنی صبح کی سفیدی نمودار ہو جائے گی یہی بات ۴۸/درجہ ۳۴/دقیقہ اور ۵۴/درجہ ۳۴/دقیقہ کے مابین مقامات کے لیے بھی ہوگی۔

نوٹ:- بعد غروب آفتاب افق کے اوپر کی رنگین کیفیت کو اہل ہیئت نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اول مقامی دھندلا پن، دوسرا شفق احمر، تیسرا شفق ابیض۔ بعد غروب آفتاب افق کے اوپر سرخ وسیاہ کی امتزاجی وہ کیفیت جس میں عموماً انتیسویں کا ہلال دیکھنے کی کوشش ہوتی ہے اسی کو ضابطہ اولیٰ میں مقامی دھندلا پن سے تعبیر کیا گیا ہے۔☆☆☆

لوگارثم کی حقیقت ومعرفت-ایک تحقیقی مطالعہ

(۱) علم ریاضی جو مدارج علوم میں ما بعد الطبیعیات اور ما قبل الالٰہیات کا درجہ رکھتا ہے۔ حکمت و فلسفہ کا وہ حصہ ہے جس کے بغیر انسانی حیات کا ہر گوشہ تاریک اور ہر پہلو نا تمام رہتا ہے۔ مرکز عالم سے لے کر فلک اعلیٰ کی سطح محدب تک جملہ کاروبارِ عالم خواہ وہ فلک پیمائی ہو یا تسخیر ماہ ونجوم، ایجادات عنصریہ ہو یا نتائج فکریہ، سبھی اس کے اسیر ہیں۔ اس کی حکمرانی ایک فقیر کی جھوپڑی سے لے کر شاہی محل تک محیط ہے، سوئی کے ناکہ سے لے کر راکٹ کی پرواز تک ہر شے میں اسی کا ضابطہ کارفرما ہے۔ الغرض جملہ ایجادات واکتشافات اس کے محتاج ودست نگر ہیں۔ اس کی نوع بہ نوع خوبیوں سے متاثر ہو کر دانشوروں کا ایک طبقہ اسے اپنا دل دے بیٹھا اور اس کے زلف پرخم میں صدیوں اپنے کو الجھائے رکھا۔ حسن کی دلکشی کسی ایک زاویہ میں محصور نہیں ہوئی، کوئی اس کا جلوہ محبوب کے چشم مخمور میں محسوس کرتا ہے، کسی کو اس کی تجلی لبہائے شگفتہ میں معلوم ہوتی ہے کوئی اس کا بانکپن گیسوئے تابدار میں محسوس کرتا ہے تو کسی کو اس کا پھبن ابروئے خمدار میں نظر آتا ہے جس کے نتیجہ میں کوئی دندان آبدار اور کوئی گیسوئے مشک بار میں فدا ہو جاتا ہے، کوئی رشافت قد اور کوئی صباحت خد میں اپنے کو گم کر دیتا ہے۔

غمزے سے عشوے سے لگا لیتے ہیں
وہ جسے چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

کچھ اس طرح کا حال علم ریاضی کا بھی ہے۔اس کے دامن میں سیکڑوں گل بوٹے اپنی الگ الگ خوبیوں کے ساتھ اہل بصیرت کو دعوت نظر وفکر دیتے ہیں۔

حساب وموسیقی، ہیئت وہندسہ، جبر ومقابلہ، توقیت ومساحت، مناظر ومرایا، ابعاد واجرام، مثلث کروی وسطحی، فصل مخروط، فن اکر، خبر الاثقال وغیرہ، اپنی اپنی نزاکتوں سے دل عاشقاں کو پامال کر رہے ہیں۔اسی طرح دنیا میں ایک سے ایک ریاضی کے مختلف فنون کے رمز آشنا اور دانائے راز جنم لیتے ہیں۔

(۲) سولھویں صدی میں ایسا ہی ایک فکر وفن کا دلدادہ بکریاں چراتے چراتے آفاقِ عالم پر چھا گیا اور دنیا اسے ''سرائزک نیوٹن'' کے نام سے یاد کرنے لگی۔نیوٹن نے جہاں کہیں ریاضیات میں بہت سے کلیات کا اضافہ کیا وہیں انھوں نے لوگارثم کو دریافت کر کے فن حساب میں چار چاند لگایا ہے، باب حساب میں ضرب وتقسیم کے ذریعہ حل پذیر وہ عملیات جو بڑے پیمانے ہی سے حل کیا جا سکتا تھا، ان عملیات کے لیے انھوں نے ایک چھوٹا سا پیمانہ دریافت کر لیا، اسی پیمانے کو ''لوگارثم'' کہتے ہیں جسے رومن زبان میں ''لوگارتھم'' کا نام دیا گیا ہے۔

(۳) لوگارثم کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے بطور تمہید اولا چند باتوں کو دھیان میں رکھنا ضروری ہے:

ا۔کسی عدد کو خود اسی عدد میں ضرب دیتے چلے جائیں تو ہر ضرب سے ایک نیا حاصل ضرب پیدا ہوتا چلا جائے گا۔پہلی بار کی ضرب سے اس کا مربع (مال) دوسری بار کی ضرب سے اس کا مکعب اسی طرح تیسری اور چوتھی بار کی ضرب سے الگ الگ حاصل ضرب مثلاً بالترتیب مال مال، مال مکعب آتے جائیں گے:

مثلاً ۳×۳=۹۔ پھر ۳×۳×۳=۲۷ یا پھر ۳×۳×۳×۳=۸۱ وغیرہ

پہلی صورت میں ۹ رتین کی دوسری قوت۔دوسری صورت ۲۷ رتین کی تیسری قوت اور تیسری صورت میں ۸۱ رتین کی چوتھی قوت کہلاتی ہے۔یہ سب تین کے صعودی قوتیں ہیں۔

رہا خود تین تو چونکہ ہر عدد اپنے اندر فی نفسہ ایک کی قوت رکھتا ہے اس لیے تین بذات خود اپنے اندر پہلی قوت رکھتا ہے۔اسی طرح ہم اگر چار میں یہی عمل جاری کریں تو یہ صورت ہو جائے گی:

۴×۴=۱۶ ۴×۴×۴=۶۴ ۴×۴×۴×۴=۲۵۶

یعنی چار کی دوسری قوت ۱۶، تیسری قوت ۶۴ اور چوتھی قوت ۲۵۶ ہے یہاں پر یہ قوتیں صعودی ہیں جسے مثبت قوت کہتے ہیں لیکن اگر ہم تین والے سلسلے میں بجائے تین تین گنا بڑھنے کے اسی تناسب سے گھٹاتے چلے جائیں تو اس کی صورت یوں ہوگی:

۸۱ کا مثلث ۲۷، ۲۷ کا ثلث ۹، ۹ کا ثلث ۳

اور اگر چار والے سلسلے میں یہی عمل کریں تو نوعیت یہ ہو جائے گی:

۲۵۶ کا ربع ۶۴، ۶۴ کا ربع ۱۶، اور ۱۶ کا ربع ۴ ہو جائے گا۔

پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ہر عدد اپنی ذاتی قیمت کے اظہار کے وقت پہلی قوت رکھتا ہے اب اگر ہم اس تین اور چار کو اسی تناسب سے ایک درجہ کم کر کے تین کا ثلث ایک اور چار کا ربع ایک تک پہنچا دیں تو دونوں عددوں میں قوت صفر ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا مضمون سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بھی عدد کو قوت کے ذریعہ بڑھاتے بڑھاتے کسی بھی عدد تک پہنچا سکتے ہیں اور قوت کے ذریعہ گھٹاتے گھٹاتے صفر تک اتار سکتے ہیں اور صفر کے درجہ میں ہر عدد خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، ایک بن جاتا ہے۔

درجہ صفر میں ۸، ۹، ۵، ۷، سب ہی ایک کے برابر ہو جاتے ہیں۔لیکن ہم اگر اسی تین اور چار جو صفر قوت میں ایک کے برابر ہو گئے ہیں اسے پھر اسی تناسب سے کم کرتے چلے جائیں تو اب تین والے سلسلے میں ۱/۳، ۱/۹، ۱/۲۷، ۱/۸۱ اور چار والے سلسلے میں ۱/۴، ۱/۱۶، ۱/۶۴، ۱/۲۵۶ ہو جائے گا۔اس سلسلے میں تین اور چار کی یہ قوت نزولی ہے سے منفی قوت کہتے ہیں۔

الغرض کسی بھی عدد کو اسی عدد سے برابر ضرب دیتے چلے جائیں تو قوت صعودی حاصل ہو جائے گی اور اگر اسی تناسب سے گھٹاتے جائیں تو قوت نزولی ہو جائے گی اور اگر اسی تناسب سے گھٹاتے جائیں تو قوت نزولی ہو جائے گی، ان دونوں قوت کے درمیان صفر کا درجہ جہاں تمام اعداد ایک کے برابر ہو جاتے ہیں وہ صعودی اور نزولی کے درمیان مثل برزخ ہے۔ ماسبق سے یہ نتیجہ بآسانی حاصل ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام اعداد اپنے صفر قوت میں ایک کے برابر ہو جاتے ہیں اور پہلی قوت میں ہر عدد اپنی ذاتی قیمت کا اظہار کرتا ہے لیکن اپنی صعودی اور نزولی قوتوں میں اس کی قیمت (ویلیو) الگ الگ ہو جاتی ہے۔

۲۔ الجبر والمقابلہ میں کبھی اعداد اور کبھی اس کے بدلے غیر معلوم القیمت حروف ہجا استعمال کیے جاتے ہیں، اعداد کی صورت میں ان کی صعودی اور نزولی قوت عدد ہی کی شکل میں ظاہر کی جاتی ہے لیکن حروف ہجا کی صورت میں اس کا اظہار ممکن نہیں مثلاً ی × ی یا ی × ی × ی یا ی × ی × ی × ی وغیرہ ان مثالوں میں پہلی صورت کی دوسری قوت یعنی مربع اور مال کی ہے۔ دوسری صورت اسی ی کی تیسری قوت مکعب کی ہے۔ تیسری صورت اسی ی کی چوتھی قوت مال المال کی ہے۔ لیکن جس طرح ہم ۳×۳ کے حاصل ضرب کو ۹ سے تعبیر کر سکتے ہیں اسی طرح ی × ی کے حاصل ضرب کو کسی عدد سے تعبیر نہیں کر سکتے، اس لیے ریاضی دانوں نے صعودی قوت کے اظہار کے لیے ''مثبت قوت نما'' اور نزولی قوت کے اظہار کے لیے ''منفی قوت نما'' اور صفر قوت کے اظہار کے لیے ''صفر'' استعمال کیا ہے۔

رہی پہلی قوت تو چونکہ ہر عدد فی نفسہ اپنے اندر پہلی قوت رکھتا ہے اس لیے اس صورت کے لیے کسی ''قوت نما'' کے اظہار کی ضرورت نہیں بلکہ اسے طبعی حال پر چھوڑ دیتے ہیں اس پر کوئی قوت نما نہیں لگاتے ہیں لہٰذا $ی^{۲}$ کا مطلب ی کا مربع ہے اور $ی^{۳}$ کا مطلب ی کا مکعب ہے، $ی^{۴}$ کا مطلب ی کا مال المال ہے۔ الحاصل یہ ہے کہ ریاضی دانوں نے حروف ہجا کی مختلف قوتوں کو ظاہر کرنے کے لیے اس کے اوپر ایک نشان اور علامت متعین کر دی جو ان حروف ہجا کی قیمت پر دال ہو اور یہ طے ہو گیا ہے کہ جس مقدار کے اوپر ۲ کا قوت نما ہوگا یہ مقدار کی دوسری قوت اور جس مقدار پر ۳ کا قوت نما

ہوگا وہ تیسری قوت کی نشان دہی کرے گا۔

۳۔ یہ علامت جس طرح حروف ہجا میں مختلف قوتوں کا اظہار کرتی ہے اسی طرح اعداد میں بھی مختلف قوتوں کا اظہار کرتی ہے مثلاً $۳^{۲}$ کا مطلب ۳×۳ = ۹، $۳^{۳}$ کا مطلب ۳×۳×۳ = ۲۷ وغیرہ وغیرہ۔

۴۔ کسی عدد پر مثبت قوت نما کا استعمال سادے ڈھنگ سے کیا جاتا ہے یعنی قوت نما کے مثبت کی علامت نہیں لگائی جاتی ہے لیکن منفی قوت نما کے استعمال کے وقت اس کے پہلو میں منفی کی علامت لگا دی جاتی ہے لہٰذا $۳^{۲}$ کا مطلب ۳×۳ = ۹ ہے اور $۳^{-۲}$ کا مطلب $\frac{۱}{۳\times۳} = \frac{۱}{۹}$ ہے۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ منفی قوت نما سے ہمیشہ کسی مخصوص کسر کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ یہاں عدد صحیح کا سوال ہی نہیں اور مثبت نما سے خواہ وہ عدد صحیح ہو یا کسر مرکب یا کسر مجرد ہر حال میں اس سے کسی خاص عدد صحیح کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ لہٰذا $۲^{\frac{۱}{۱۶}}$ سے ۱۰۲۴ کی طرف اشارہ ہے اور $۲^{-\frac{۱}{۱۶}}$ سے ۴؍ کی طرف اشارہ ہے۔

۵۔ ماسبق مضمون سے واضح ہوا کہ ہم ۳ کے عدد کو مختلف قوت نما کے ذریعے الگ الگ دوسرے عددوں کے مساوی کر سکتے ہیں مثلاً $۳^{۲} = ۹$، $۳^{۳} = ۲۷$، $۳^{۴} = ۸۱$۔ $۳^{-۱} = \frac{۱}{۳}$، $۳^{-۲} = \frac{۱}{۹}$ $۳^{-۳} = \frac{۱}{۲۷}$، $۳^{-۴} = \frac{۱}{۸۱}$

اگر ہم تین کے اوپر بجائے ۲ اور ۳ کے اس کے مابین واقع ہونے والی کسر مرکب کو قوت نما بنا لیں تو ۳، ۹ اور ۲۷ کے درمیان واقع ہونے والے عددوں میں سے کسی عدد کے برابر ہو جائے گا جس طرح ہم مختلف قوت نما کے ذریعہ ۳ کے ہندسہ کو الگ الگ عددوں کے مساوی کر سکتے ہیں، اسی طرح ہم ۱۰ کے عدد کو بھی قوت نما کے ذریعہ متعدد عددوں کے مساوی کر سکتے ہیں۔ بلکہ اگر ہم ۱۰ کے اوپر قوت نما کو اس طرح عام کرتے چلے جائیں کہ قوت نما عدد صحیح بھی ہو سکتا ہے اور کسر مجرد بھی اور کسر مرکب بھی تو اس تعمیم کی وجہ سے ہم ۱۰ کے ہندسہ کو جس عدد کے مساوی بنانا چاہیں گے ہو جائے گا۔

۶۔ اگر کسی معین عدد پر الگ الگ قوت نما لگا کر اسے چند دوسرے عددوں کے مساوی کر دیں تو

اس صورت میں معین عدد کے قوت نما کو اگر جوڑ دیا جائے تو اس کے مساوی عددوں میں ضرب ہو جاتا ہے مثلاً $\frac{۲}{۱۰}$ اور $\frac{۳}{۱۰}$ یہاں ۱۰ کے ہندسہ پر پہلے ۲ کی قوت نما اور پھر ۳ کی قوت نما لگائی گئی ہے۔ اگر ہم ان قوت نما کو جوڑ دیں (۲+۳=۵) اور پھر اس حاصل جمع کو ۱۰ کے ہندسہ پر لگا دیں تو $\frac{۵}{۱۰}$ کا مطلب یہ ہوگا کہ $\frac{۲}{۱۰}$ کے مساوی عدد یعنی ۱۰×۱۰=۱۰۰ کو $\frac{۳}{۱۰}$ کے مساوی عدد یعنی ۱۰×۱۰×۱۰=۱۰۰۰ سے ضرب کر چکے ہیں اس لیے کہ ۱۰×۱۰×۱۰ سے ضرب دینے کی صورت یہی ہے جسے مسلسل لکھ سکتے ہیں۔

$\frac{۵}{۱۰}$ = ۱۰۰۰۰۰، یہ بعینہ ۱۰۰۰×۱۰۰ کا حاصل ضرب ہے جس کا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کسی مخصوص عدد پر لگے ہوئے مختلف قوت نما کو جوڑ دیا جائے تو خود بخود مساوی عدددوں میں ضرب کا عمل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی دو مخصوص عدد کے اوپر لگے ہوئے قوت نما کو ایک دوسرے سے تفریق کر دیں تو مساوی عددوں میں تقسیم کا عمل خود بخود ہو جاتا ہے مثلاً $\frac{۳}{۱۰}$ کو $\frac{۲}{۱۰}$ پر تقسیم کرنا چاہیں تو قوت نما ۳ سے قوت نما ۲ تفریق کر دیں گے گویا باقی ایک رہ جائے گا تو یہ اس بات کو واضح کرے گا کہ $\frac{۳}{۱۰}$ = ۱۰۰۰ کو $\frac{۲}{۱۰}$ = ۱۰۰ پر تقسیم کرنے پر خارج قسمت ۱۰ ہوگا۔ یہ اس لیے کہ $\frac{۳}{۱۰} \div \frac{۲}{۱۰} = \frac{۱۰×۱۰×۱۰}{۱۰×۱۰}$ = ۱۰ یا $\frac{۳}{۱۰} \div \frac{۲}{۱۰}$ = (۱۰۰۰÷۱۰۰) = $\frac{۱۰۰۰}{۱۰۰}$ = ۱۰۔ حسب بیان مقامہ نمبر ۵، ہم ۱۰ کے ہندسہ کو مختلف قوت نما کے ذریعہ تمام عددوں کے مساوی کر سکتے ہیں۔ حسب بیان مقدمہ نمبر ۶، ہم اگر کسی بھی دو عددوں میں ضرب کرنا چاہیں تو ۱۰ پر لگے قوت نماؤں کو جوڑ دیں گے جن قوت نما کے واسطے ۱۰ کا ہندسہ مفروضہ عددوں کے برابر ہوا ہے۔ اسی طرح ہم اگر کسی دو عدددوں کے مابین تقسیم کا عمل کرنا چاہیں گے تو ہم دس پر لگے ان قوت نماؤں میں تفریق کا عمل کر لیں گے جن قوت نماؤں کے ذریعہ ۱۰ کا ہندسہ مفروضہ عددوں کے مساوی ہو گیا ہے، اس لیے کہ اگر ۱۰ کے ہندسہ کے ان تمام قوت نماؤں کی جدول تیار کر لیں جن کے واسطے سے ۱۰ کا ہندسہ کسی بھی عدد کے مساوی ہو جاتا ہے تو ہمارے لیے ضرب وتقسیم کا مسئلہ بہت ہی سہل ہو جاتا ہے۔ ''لاگرتھم ٹیبل'' (جدول لوگارثم) ۱۰ اعدد کے ان تمام قوت نماؤں کو جو دس کو ایک سے لے کر ایک لاکھ آٹھ ہزار کے برابر کرتے ہیں درج کیا گیا ہے، ان ہی قوت نماؤں کا

نام ''لوگارثم'' ہے۔

ان تمہیدات کے بعد اب لوگارثم کی حقیقت اس طرح واضح کی جاتی ہے کہ دس کے اوپر لگا ہوا وہ قوت نما جو دس کو کسی مخصوص عدد کے برابر کر دیتا ہے وہ قوت نما دس کے لیے قوت اور مخصوص عدد کے لیے لوگارثم ہے مثلاً $\frac{۲}{۱۰}$ = ۱۰۰، اس مثال میں دس کے اوپر ۲ قوت نما جو دس کو ۱۰۰ کے برابر کرتا ہے دس کی قوت ہے اور ۱۰۰ کا لوگارثم ہے۔۔ اسے ریاضی کی زبان میں اس طرح بولیں گے کہ ۱۰ کے قاعدہ پر ۱۰۰ کا لوگارثم ۲ ہے۔ یوں تو عددوں کے لوگارثم بنانے کے لیے کسی بھی عدد کو قاعدہ مانا جا سکتا ہے مثلاً ہم چار کے قاعدہ پر ۳۲ کا لوگارثم نکالنا چاہتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اگر چار کو $\frac{۵}{۲}$ تک صاعد کرتے ہیں تو ۳۲ حاصل ہو جاتا ہے اس لیے چار کے قاعدہ پر ۳۲ کا لوگارثم $\frac{۵}{۲}$ یعنی ۲ء۵۰۰۰۰۰۰ ہے اور اگر اس چار کے قاعدہ پر ہم ۸ کا لوگارثم چاہیں تو چونکہ ۴ کو $\frac{۳}{۲}$ تک صاعد کرنے سے ۸ کے برابر ہو جاتا ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ چار کے قاعدہ پر ۸ کا لوگارثم $\frac{۳}{۲}$ = ۱ء۵۰۰۰۰۰ ہے۔ اسی طرح کسی بھی دوسرے عدد کو قاعدہ مان کر لوگارثم نکال سکتے ہیں لیکن بعض ریاضی دان نے لوگارثم کے لیے ۱۰ ہی کو قاعدہ تسلیم کر لیا ہے۔ ولا مشاحة فی الاصطلاح۔

ضابطہ یہ ہے کہ قاعدہ اور عدد خاص دونوں کو اتنی قوت تک صاعد کیا جائے کہ دونوں قیمت میں مساوی ہو جائیں تو قاعدہ کی قوت صعودی کو شمار کنندہ اور عدد خاص کی قوت صعودی کو نسب نما قرار دینے سے جو عدد حاصل ہو وہ عدد مخصوص کا لوگارثم ہے، مثلاً مذکورہ بالا مثال میں ہمیں ۴ کو قاعدہ مان کر ۳۲ کا لوگارثم معلوم کرنا ہے۔ ہم نے یہ دیکھا کہ (۴×۴×۴×۴×۴) = (۳۲×۳۲) یعنی بلفظ دیگر $\frac{۵}{۴}$ = $\frac{۲}{۳۲}$ اس لیے $\frac{۵}{۲}$ = ۳۲ لہٰذا ۴ کے قاعدہ پر ۳۲ کا لوگارثم $\frac{۵}{۲}$ ہے ہم اس قاعدہ پر ۸ کا لوگارثم چاہتے ہیں اس لیے ہم نے یہ سلسلہ قائم کیا (۴×۴×۴) = (۸×۸) یعنی $\frac{۳}{۴} = \frac{۲}{۸}$ اس لیے $\frac{۳}{۲}$ = ۸ لہٰذا ۴ کے قاعدہ پر ۸ کا لوگارثم $\frac{۳}{۲}$ ہے۔ اس کی مزید تشریح یہ ہے کہ مذکورہ بالا مثال میں ۴ کی پانچویں قوت ۱۰۲۴ ہے اور اسی طرح ۳۲ کی دوسری قوت ۱۰۲۴ ہے یعنی دونوں عدد ان قوتوں میں ایک دوسرے کے مساوی ہیں لیکن سابق بیان کے مطابق مجھے چار کو بذریعہ قوت نما ۳۲ کے برابر معلوم کرنا ہے اور یہاں $\frac{۵}{۴} = \frac{۲}{۳۲}$ ہے اس لیے اگر ہم ۳۲ کے ذریعہ قوت نما اور ۴ کے قوت نما دونوں کو ۳۲ کی قوت نما یعنی

۲ سے تقسیم کردیں جب بھی دونوں مساوی ہی رہیں گے اور صورت یہ ہو جائے گی ۵/۲=۳۲۔

اس طرح ہم نے یہ معلوم کرلیا کہ ۲ کا عدد اپنی قوت صعودی کی ۵۰۰۰۰۰۰ء۲ میں ۳۲ کے برابر ہے لہٰذا ۲ ۳۲ کا لوگارثم ۵۰۰۰۰۰۰ء۲ ہے۔ ۳ کا لوگارثم ۱۰ کی وہ مخصوص قوت نما ہے اور اسی طرح ۲ کا لوگارثم بھی ۱۰ کی وہ عدد مخصوص قوت نما ہے جس کے ذریعہ ۱۰، ۳، اور ۲ کے مساوی ہو جاتا ہے۔

اور ماسبق میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ایک ہی عدد کے متعدد قوت نماؤں کو باہم جوڑ دیا جائے تو قوت نما والے عدد کے مساوی اعداد میں ضرب کا عمل ہو جاتا ہے اس لیے اگر ۳ اور ۲ کا لوگارثم جمع کر دیں تو لامحالہ قوت نما والے ۱۰ کے مساوی اعداد میں ضرب ہو جائے گا اور چونکہ قوت نما والا ۱۰ یہاں ۳ اور ۲ کے برابر ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ۳ اور ۲ میں ضرب کا عمل ہوگا اور چونکہ ۳×۲=۶ ہوتا ہے اس لیے ۳ اور ۲ کے لوگارثم کا مجموعہ ۶، کا لوگارثم ہو جائے گا، ۱۰×۲=۲۰، اس لیے ۱۰ کا اور ۲ کا لوگ کا حاصل جمع ۱۰ کا لوگ ہے۔

اس بات سے ظاہر ہے کہ ۱۰ یا اس کے مال ومکعب وغیرہ کا لوگارثم سہل الحصول ہے اسی طرح ۵×۲=۱۰ ہوتا ہے اس لیے اگر ۱۰ کے لوگارثم سے ۲ کا لوگارثم تفریق کر دیں تو لامحالہ ۵ کا لوگارثم حاصل ہو جائے گا۔ ان دونوں ضابطوں سے یہ واضح ہے، اگر چند عددوں کا لوگارثم معلوم ہو جائے تو ان کے ذریعہ بآسانی بہت سے دوسرے عددوں کا لوگارثم بھی نکل سکتا ہے۔ دس یا اس کے مال، کعب، مال المال، مال المکعب، کعب الکعب وغیرہ کا لوگارثم خاص عدد صحیح ہی ہوتا ہے لیکن ۱۰ سے بڑا وہ عدد جو ۱۰ کا مال، مکعب وغیرہ نہیں ہے اس کے لوگارثم میں عدد صحیح اور کسر دونوں شامل ہوتے یعنی اس کا لوگارثم کسر مرکب ہوتا اور دس سے کم والے عدد جو ایک سے بڑا ہو، اس کا لوگارثم صرف کسر مجرد ہوگا۔

رہا خود ایک کا لوگارثم تو ماسبق میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر عدد صفر درجہ میں ایک کے برابر ہو جاتا ہے اس لیے کسی عدد کو بھی مانیں ہر حال میں ایک کا لوگارثم صفر ہی ہوگا۔ حساب کا ہر وہ عمل جس میں ضرب وتقسیم کی کسی بھی طور پر حاجت ہو وہاں لوگارثم کے ذریعہ مختصر انداز میں عمل کیا جا سکتا ہے بالخصوص توقیت وہیئت، اربعہ متناسبہ اور دوسرے جغرافیائی امور میں یہ بے حد مفید ہے۔

لوگارثم، عدد مخصوص اور قاعدہ، ان تینوں میں ایک خاص قسم کا تعلق ہے، اس لیے ان میں سے دو

چیزیں اکثر معلوم ہوں تو تیسری چیز ہم معلوم کر سکتے ہیں:

(۱) لوگارثم اور قاعدہ معلوم ہو تو عدد خاص کو اس طرح سے معلوم کر سکتے ہیں کہ قاعدہ کو لوگارثم کے شمار کنندہ تک صاعد کر کے اسے لوگارثم کے نسب نما تک جذر لیں یا قاعدہ کو لوگارثم تک صاعد کریں۔

(۲) لوگارثم اور عدد خاص معلوم ہو تو قاعدہ اس طرح معلوم کر سکتے ہیں کہ عدد خاص کو لوگارثم کے نسب نما تک صاعد کر کے اسے لوگارثم کے شمار کنندہ تک جذر لیں یا عدد کا خاص کا لوگارثم تک جذر لیں۔

(۳) قاعدہ اور عدد خاص معلوم ہو تو لوگارثم اس طرح معلوم کر سکتے ہیں کہ عدد خاص اور قاعدہ کو یعنی دونوں کو اتنے مرتبہ صاعد کریں کہ دونوں کے صعودی عدد برابر ہو جائیں اور پھر عدد خاص اور قاعدہ یعنی دونوں کی قوت صعودی کو عدد خاص کی قوت سے تقسیم کر دیں۔ قاعدہ کی حاصل شدہ قوت لوگارثم ہے۔

لوگارثم کا طریقہ استعمال اور جدول سے طریقہ استخراج دونوں لوگارثم کی کتاب کے مقدمہ میں مذکور ہے۔ لوگارثم کی پوری تفصیل جداولہائے ریاضیہ چیمبرس کے اندر مذکور ہے مگر افسوس کہ یہ مقدمہ بزبان انگلش ہے اور ساتھ ہی اس زمانے میں اس سے بہت سے دفعات حذف کر دیئے گئے ہیں۔

امام احمد رضا قادری محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کسی سے اس انگریزی مقدمہ کا ترجمہ اردو میں کرایا تھا اس پر جا بجا حاشیہ بھی تحریر فرمایا۔ یہ ترجمہ بنام ''رسالہ در علم لوگارثم'' ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا پاکستان کے توسط سے چھپ چکا ہے مگر اس کا بھی حال یہ ہے کہ دفعہ ۱۱۹/ اور ۲۰ جو چیمبرس میں درج ہے اس میں درج نہیں اور چمبرس کا بھی یہ حال ہے کہ اس میں دفعہ ۲۹ تا ۳۲/ اسی طرح ۳۷/ تا ۶۴/ جو اس رسالہ میں درج ہے چمبرس میں مذکور نہیں ہے۔

امام احمد رضا قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے فتوٰی رضویہ میں بہت سے مقام میں اس لوگارثم کا استعمال فرمایا ہے جسے فتاوٰی رضویہ کے اندر جا بجا دیکھا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

مجدد اعظم

رب کریم کی عادت کریمہ رہی کہ وہ اپنے بندوں کی رشد و ہدایت اور درس توحید اور تعلیم عبادت کے لیے مناسب موقع پر کچھ نفوس قدسیہ کو منصب نبوت ورسالت پر فائز فرماتا رہا، جسے دنیا رسول اور پیغمبر کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ان نفوس قدسیہ کو رب ذوالجلال نے جہاں کہیں ناقابل توجیہ اور محیر العقول معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا، وہیں اس عہد کے حیرت انگیز اعجاز نما علوم وفنون میں بھی وہ کمال بخشا کہ جسے دیکھ کر دنیا دنگ رہ گئی۔ نبوت ورسالت کا یہ سلسلہ دراز ہوتے جب ختم نبوت تک پہنچا تو رب کریم نے قوم وملت کی رہنمائی، علمائے ربانیین کے ذمہ فرمادی۔ ان ہی علمائے دین میں سے کچھ ایسے نفوس زکیہ کو باری تعالیٰ نے وہ فضیلت دی جس کے متعلق حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ **من یجدد لها امر دینها** جسے اصطلاح شرع میں مجدد کے معظم لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ مجددین کرام چونکہ تجدید واحیاء دین، علیٰ منہاج النبوت فرماتے ہیں اس لیے ان حضرات کو بھی رب کریم نے ناقابل تسخیر علوم وفنون میں ایسا بے نظیر بنا کر بھیجتا ہے کہ وہ اپنی صدی کے تمام الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھا دیتے ہیں اور اس صدی کی بڑی بڑی عبقری شخصیت ٹکٹکی لگا کر ان کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب مستقبل میں آنے والا مجدد مأۃ حاضرہ ایسا شخص ہوگا جو جملہ مروجہ علوم وفنون پر کامل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ عصری علوم وفنون کا بھی ماہر ہوگا۔ انھیں

سائنس، الکٹرانک، ہیئت و ہندسہ، خلا، بسیط، فلکیات وارضیات وغیرہ پر بھی ویسا ہی ملکۂ راسخہ ہوگا جس طرح دینیات کے اصول وفروع اور نئے مسائل کے استنباط پر انھیں مہارت تامہ ہوگی، تاکہ وہ سمت قبلہ کے انحراف کے تعلق سے بجائے شمال کے جنوب یا بجائے جنوب کے شمال نہ بتادے، تصویر کو عکس یا عکس کو تصویر سمجھ کر یکساں حکم نہ نافذ کردے۔ قیاس فقہی اور قیاس لغوی کو ایک ہی نہ سمجھ لے۔ نوادرات کو مبنائے قیاس نہ ٹھہرادے، منطقہ باردہ کی نوآبادی کاری کے تعلق سے خلاف شرع حکم نہ صادر فرمادے۔

چاند پر پہنچے ہوئے مسافر کے مشاہدہ پر رویت ہلال کا حکم نہ نافذ فرمادے۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ شرع مطہر نے جن مسائل میں گواہوں کی شہادت پر حکم کا مدار رکھا ہے اس سے دراصل یقین شرعی یعنی ظن غالب ملحق بہ یقین مقصود ہے۔ گواہوں کا قاضی کے روبرو ہونا شرع کا قطعاً مقصد نہیں ہے۔ فیکس، ٹی.وی. اور باتصویر ٹیلی فون میں چونکہ ظن غالب ملحق بہ یقین ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر علم الیقین اور عین الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان چیزوں پر اعتماد اور ان چیزوں کا اعتبار ہرگز مقاصد شرع کے خلاف نہیں۔

اس لیے ہم کہتے ہیں کہ مأۃ حاضرہ کا مجدد اعظم ایسا ہوگا جو یہ سمجھا سکے یہ بذریعہ فیکس کسی قاضی کا مع دستخط ومہر روانہ کردہ پروانہ کو کتاب القاضی الی القاضی کا درجہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں، جبکہ یہاں اندیشہ رہتا ہے کہ **الخط یشبه الخط** اور یہ بھی اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی بھی شاطر آدمی خفیہ طور پر قاضی کی مہر کو استعمال کر سکتا ہے جیسے کہ خلیفۂ سوم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر ایک شاطر نے دارالخلافہ کی مہر کو استعمال کر کے فتنہ برپا کیا تھا۔ اور وہ یہ بھی سمجھا سکے کہ ٹی.وی (اگرچہ اس کا استعمال بذات خود شرعاً غلط ہے) کیا اس کے ذریعہ کسی دوسرے شہر کے شناخت میں آنے والے گواہوں کی شہادت یا خود قاضی کے حکم پر عید ورمضان کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ جبکہ یہاں بھی اندیشہ ہے کہ ٹی.وی کے اسکرین پر شناخت میں آنے والے گواہان کی صورت دکھائی جائے اور آواز دوسروں کی ہو جیسے فلموں میں ہوتا ہے کہ کردار اور چہرہ کسی کا ہوتا ہے اور نغمہ وغیرہ میں آواز کسی

اور کی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی سمجھا سکے کہ اگر براہِ راست مطلع ہلال کو کسی آلہ مثلاً خورد بین وغیرہ کے ذریعہ ٹی.وی پر دکھایا جائے اور لوگ ٹی.وی کے اسکرین پر مطلع قمر اور ہلال کا مشاہدہ کریں تو کیا اس ہلال کے دیکھنے پر رویت ہلال کا مدار رکھنا صحیح ہے یا نہیں جبکہ یہاں بھی احتمال ہے کہ ٹی.وی کے سینٹر اور مرکز اشاعت پر کوئی مصنوعی فرضی ہلال بنا کر ٹی.وی وغیرہ کے ذریعہ نمائش کی جائے جیسے پلاٹینیرم (تارہ منڈل) میں فلکیات کے مناظر کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔

الغرض مأۃ حاضرہ کا مجدد ایسا ہوگا جن کی اپنے دور کی ایجادات پر بھرپور نظر ہو اور ان کا حکم اصول شرع کے مطابق ایسا واضح طور پر فرمائے کہ جس میں کچھ شک وشبہ نہ ہوسکے۔ جس طرح امام احمد رضا نے اپنے دور کے جملہ مسائل کی اصول شرع کے مطابق توضیح وتشریح فرمائی ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان جو اپنی صدی کے مجدد اعظم تھے۔ جب ہم انھیں دیکھتے ہیں تو وہ ہر زاویۂ دید سے ایک بے نظیر شخصیت بن کر سامنے آتے ہیں۔ ہیئت، ہندسہ، توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، مثلث کروی، مثلث مسطح غرض کہ اپنی صدی کے جملہ علوم وفنون میں وہ نہ صرف یکتائے روزگار بلکہ فقید المثال نظر آرہے ہیں۔ امریکی منجم نے جب تمام سیارگان کے اجتماع کی بنیاد پر قیامت کی پیشن گوئی کی تو اسی بطل جلیل امام احمد رضا نے ہیئت کی رو سے اس کی بنیاد اجتماع سیارگان کو منتشر کر کے رکھ دیا اور جب دنیا کے آباد اور غیر آباد حصوں کی بات آئی تو سمت قبلہ کے تعلق سے بذریعہ مثلث کروی ایسے ایسے ضابطے وضع فرمائے کہ ہر خشک وتر، دشت وجبل اور صحرا و جنگل کے لیے **کشف العلہ عن سمت القبلہ** لکھ ڈالی۔ یہی نہیں بلکہ بذریعہ زیج علویین (زحل و مشتری) کے چار قرانوں میں سے یعنی قران اعظم کی بنیاد پر قرب قیامت کی پیشن گوئی فرمادی۔ یہی وہ کمالات تھے جن کی وجہ سے آپ کی صدی کے بڑے بڑے جابر گردن کشاں آپ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگئے۔ آیئے اسی مجدد اعظم کی ایک چھوٹی سی کاوش پیش کر کے ان کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کریں۔

قرآن کریم میں بارہ برجوں کا بیان آیا ہے، حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ ہر ہر برج کے ۳۰-۳۰/ درجے ہوتے ہیں۔ بعض عملیات وتسخیرات، ہمزاد اور جنات کو قابو کرنے میں ان برجوں کے طالع، غارب، عاشر اور ان برجوں کے درجات میں سے کسی درجۂ خاص کے طلوع وغروب کی حاجت پڑتی ہے۔ امام احمد رضا کے ایک شاگرد رشید عالی جناب نواب سلطان احمد خاں بریلوی نے ۱۸/ جولائی ۱۹۱۸ء کو یہ سوال خدمت میں پیش کیا کہ ان دنوں برج سنبلہ کے درجہ سوم کا طلوع کب ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے تھوڑی سی توجہ فرمائی اور پھر بذریعہ مؤامرہ اس کا جواب عطا فرمادیا جو سوال مع جواب فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم میں درج ہے۔ وہاں استخراج وقت کے ضابطے اور مؤامرہ مذکور نہیں اس لیے اہل ذوق کے لیے اس کا مؤامرہ اور اس کے مبادی ومقدمات ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ اس سے امام احمد رضا کی فنی کارکردگی کی ایک جھلک سامنے آجائے۔

کسی کوکب یا جز من اجزا المنطقہ کے طلوع وغروب معلوم کرنے کے دو طریقے درج ذیل ہیں

مبادیٔ کلیہ: (۱) ظل میل × ظل عرض = جیب تعدیل النہار، اگر میل وعرض متحد الجہۃ ہوں ۹۰/ درجہ پر تعدیل النہار بڑھائیں، مختلفۃ الجہۃ ہوں تو کم کریں دونوں صورت میں نصف قوس نہار کوکب حاصل ہوگا۔ اس قوس کو ۱۵/ پر تقسیم کر کے ساعات معلوم کرلیں۔ (۲) ۱۲+ تعدیل الایام = وقت مر آفتاب۔ مبادی جزئیہ جو سوال مذکور سے تعلق رکھتے ہیں

		جہ	ج		جہ	ج
(۱) تقویم شمس =	۳۴	۲۴	۳	تقویم درجہ سوم سنبلہ =	۳	۵
(۲) عرض بریلی	۴۳َ	۴۸ْ	شمالی			
(۳) میل درجہ سوم سنبلہ =		۵۷ء۳۰	۲۴	۱۰	شمالی	
(۴) تعدیل النہار درجہ سوم بعرض بریلی =			۴۶ً	۴۱َ	۵ْ	
(۵) نصف قوس نہار =	۴۶ً	۴۱َ	۹۵ْ	اس کی ساعتیں = ۴۷	۲۲	۶

ضابطۂ عمل باعتبار مطالع استوائی: (۱) مطالع استوائی آفتاب اور مطالع استوائی کوکب کے

مابین تفاضل حاصل کر کے اس کے ساعات معلوم کریں۔ (۲) وقت ممر آفتاب + ساعات تفاضل (جبکہ فضل مطالع استوائی کوکب کو ہو) یا وقت ممر آفتاب - ساعات تفاضل (جبکہ فضل مطالع استوائی آفتاب کو ہو) دونوں صورت میں ساعات کو ممر کوکب ہوں گے، (۳) ساعات ممر کوکب - ساعات نصف قوس نہار کوکب = وقت طلوع کوکب بلدی اور ساعات ممر کوکب + ساعات نصف قوس نہار کوکب = وقت غروب کوکب بلدی، (۴) اس بلدی ٹائم کو تعدیل مروج کے ذریعہ معدل کر لیں = طلوع یا غروب مروج۔

مؤامرہ باعتبار مطالع استوائی بتاریخ مذکور:

مطالع استوائی درجہ سوم =		۳۵	۴۷	۵۶	۱۵۴
آفتاب -		۴۷	۴۴	۳۶	۱۱۶
تفاضل =		۴۸	۲	۲۰	۳۸
ساعاتہ =		۲۰	۳۳	۲	
وقت ممر آفتاب =	۵۸	۵	۱۲		
ساعات تفاضل =	۲۰	۳۳	۲		
وقت ممر درجہ سوم =		۱۸	۳۹	۱۴	
ساعات نصف قوس نہار =		۴۷	۲۲	۶	
وقت طلوع بلدی =		۳۱	۱۶	۸	
تعدیل مروج =		۱۲	۱۲		
اسٹنڈرڈ ٹائم		۴۳	۲۸	۸	

ضابطہ عمل باعتبار مطالع طلوع:

(۱) مطالع ممر درجہ سوم - تعدیل النہار = مطالع درجہ سوم، (۲) مطالع ممر آفتاب - تعدیل النہار = مطالع طلوع آفتاب، (۳) ۱-۲ کے تفاضل کی ساعتیں معلوم کرلیں، (۴) طلوع آفتاب معدل

مروج + ساعات تفاضل = طلوع درجہ سوم بلدی، اس کو معدل مروج کریں = طلوع درجہ سوم مروج۔

مؤامرہ باعتبار مطالع طلوع بتاریخ مذکورہ:

مطالع ممر درجہ سوم =	۳۵	۴۷	۵۶	۱۵۴		
تعدیل النہار ناقص =	۰۰	۴۶	۴۱	۵		
مطالع طلوع درجہ سوم =		۳۵	۱	۱۵	۱۴۹	(۱)
مطالع ممر آفتاب =		۴۷	۴۴	۳۶	۱۱۶	
تعدیل النہار ناقص =		۰۰	۹	۵	۴	
مطالع طلوع آفتاب =		۴۷	۳۵	۳۱	۱۱۲	(۲)
(۱) =		۳۵	۱	۱۵	۱۴۹	
(۲) =		۴۷	۳۵	۳۱	۱۱۲	
تفاضل =		۴۸	۲۵	۴۳	۳۶	
ساعاتہ =		۵۴	۲۶	۲		
طلوع آفتاب بلدی =		۱۳	۳۷	۵		
تعدیل مروج زائد =		۱۲	۱۲			
=		۲۵	۴۹	۵		
ساعات تفاضل =		۵۴	۲۶	۲		
وقت طلوع درجہ سوم =		۱۹	۱۶	۸		
تعدیل مروج =		۱۲	۱۲	۰		
طلوع درجہ سوم مروج =		۳۱	۲۸	۸		

(سالنامہ تجلیات رضا، ۲۰۰۳ء)

صدقۂ فطر کا وزن ۲ر کلو ۴۷ر گرام نہیں بلکہ ۱ر کلو ۹۲۰ر گرام ہونا چاہیے

ا۔عبادات مالیہ میں صدقۂ فطر کا بھی شمار ہے۔مخصوص شرطوں کے ساتھ جس کا ادا کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔اس کی ادائیگی کے لیے شریعت مطہرہ نے عرب مقدس میں رائج مخصوص صاع کو معیار قرار دیا ہے۔اسلام اپنی ہمہ گیر خوبیوں کی وجہ سے جب عالم کے اطراف واکناف میں پھیل گیا تو ہر ملک اور ہر صوبہ کے علمائے کرام ومفتیان عظام نے اپنے اپنے دیار وامصار کے لیے ادوار وازمنہ کے اعتبار سے اپنے یہاں رائج پیمانہ سے صاع کا معادل پیش فرمایا۔یہی وجہ ہے کہ خود ہندوستان میں مختلف ادوار میں صاع کے معادل پیمانے بدلتے رہے۔امام احمد رضا نے بھی اپنے دور کے پیمانے کے اعتبار سے صاع کا میزانی مبادلہ پیش فرمایا ہے جو فتاوٰی رضویہ جلد چہارم میں دیکھا جاسکتا ہے اور جب آزادی کے بعد ہندوستان ''سیر''، ''چھٹانک'' وغیرہ کی جگہ کلو اور گرام کا وزن نافذ ہوا تو بعض علمائے کرام نے نصف صاع کا وزن ۲ر کلو ۴۷ر گرام بطور معادل بتایا اور آج صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لیے یہی وزن جاری ہے۔مدرسوں کے اشتہار، دارالافتاؤں کے فتاوٰی میں بھی یہی وزن لکھا جاتا ہے۔لیکن میرا خیال ہے کہ نصف صاع اور کلو گرام کے مابین معادلہ قائم کرنے میں ان حضرات سے سہو ہو گیا ہوگا۔درج ذیل مضمون میں دورِ حاضر کے مقررات کی روشنی میں معادلہ قائم کرنے کی کوشش

کی گئی ہے۔ساتھ ہی علمائے کرام ومفتیان عظام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر پیش کردہ مساوات میں بھول ہو گئی ہو تو ہمیں اس سے باخبر کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔

۲۔ صدقۂ فطر کے باب میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ صاع اور نصف صاع کی تحقیق کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں......''لیکن زیادہ احتیاط یہ ہے کہ جو کے صاع سے گیہوں دیئے جائیں، جو کے صاع میں گیہوں تین سوا کیاون روپئے بھر آتے ہیں تو نصف صاع ایک سو پچھتر آٹھ آنے ہوا (ص: ۴۹۵)۔اور اسی کے سیر سے تین چھٹانک دو سیر اٹھنی بھر ہوا'' (ص: ۴۹۸)۔اور پھر تولہ اور روپیہ بھر کے متعلق یہ ارشاد ہے''اور بارہ ماشے کا ایک تولہ (اور آگے ارشاد ہے) اور انگریزی روپیہ رائج سے کہ روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے'' (ص: ۴۹۶)۔اور ص: ۴۹۵ر پر ارشاد ہے''اور انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے ۱۲۔

۳۔ جب ہندوستانی قدیم پیمانوں (سیر، چھٹانک، تولہ وغیرہ) کی جگہ نئے عشری اور میٹرک پیمانے (کلوم، گرام، ملی گرام وغیرہ) آگئے تو اس موقع پر سونے چاندی کے بڑے پیمانے پر کاروبار کرنے والے دہلی کے ایک مشہور جوئیلرس نے سکوں اور باٹ کے میزانی مساوات پر مشتمل ایک رسالہ شائع کیا جس میں بہت کچھ درج ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی درج ہے کہ ۳ر تولہ برابر ۳۵ر گرام، ۱۸ر تولہ برابر ۲۱۰ر گرام، ۲۱ر تولہ برابر ۲۴۰ گرام، ۲۷ر تولہ برابر ۳۱۵ر گرام، ۳۰ر تولہ برابر ۳۵۰ر گرام وغیرہ وغیرہ۔

۴۔ یہاں فتاوٰی رضویہ سے تین مساوات یعنی (۱) ½ صاع = ۱۷۵ء۵ بھر، (۲) بھر = ۱۱ء۲۵ر ماشے، (۳) تولہ = ۱۲ر ماشے اور دہلی کے جوئیلرس کی کتاب سے ایک مساوات یعنی ۳ر تولہ = ۳۵ر گرام حاصل ہوئے۔

۵۔ ان مساواتوں میں اگر حسابی ترتیب دیں تو ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ½ صاع کتنے گرام کا ہوتا ہے۔اس کے لیے پہلے ہم کو یہ معلوم کرنا ہے کہ ½ صاع کتنے تولے کا ہوتا ہے۔اس لیے ہم کو ۱۷۵ء۵ر بھر کو ۱۱ء۲۵ سے ضرب دے کر ۱۲ پر تقسیم کرنا ہوگا لہٰذا حسابی صورت یہ ہوگی:-

$\frac{۱۷۵ء۵\times۱۱ء۲۵}{۱۲}$ = ۱۶۴ء۵۳۱۲۵ تولے

اب ان تولوں کو گرام میں بدلنے کے لیے ہم دو طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار کر سکتے ہیں:

(۱) وحدانی طریقہ، (۲) اربعہ متناسبہ طریقہ۔ بذریعہ وحدانی طریقہ

۳ر تولہ ۳۵ گرام ہوتا ہے۔

۱ر تولہ $\frac{۳۵}{۳}$ گرام ہوتا ہے۔

۱۶۴ء۵۳۱۲۵ تولہ = $\frac{۱۶۴ء۵۳۱۲۵\times۳۵}{۳}$ = ۱۹۱۹ء۵۳۱۲۵ر گرام ہوتا ہے۔

بذریعہ اربعہ متناسبہ

۳ر تولہ: ۳۵ر گرام :: ۱۶۴ء۵۳۱۲۵ر تولہ: مطلوب

$\frac{۱۶۴ء۵۳۱۲۵\times۳۵}{۳}$ = ۱۹۱۹ء۵۳۱۲۵ر گرام

یعنی ۱ر کلوم ۹۱۹ر گرام – اعشاریہ ۵۳۳۱۲۵۔ جو رفعا ۱ر کلو ۹۲۰ر گرام ہوا۔

۶۔ بعض علما کا پیش کردہ معادلہ جو ہندوستان کے ہم سنیوں میں رائج ہے اس میں اور مندرجہ بالا حساب میں ۱۲۷ر گرام کا فرق ہے یعنی مروجہ تول میں آدھ پاؤ کلو سے بھی ۲ر گرام زائد ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اگر صدقۂ فطر زیادہ ہی دیں تو ادا ہو جاتا ہے لیکن یہاں مسئلہ ادا کا نہیں بلکہ تحقیق کا ہے۔ اگر فقط ادا ہی کا معاملہ ہوتا تو امام احمد رضا ۲ر سیر ۳ر چھٹانک اٹھنی بھر کے بجائے ایک بھر بھی فرما سکتے تھے اور خود بعض علمائے کرام جنھوں نے ۲ر کلو ۴۷ر گرام کا معادلہ پیش کیا ہے وہ بھی برائے سہولت یہ کہہ سکتے تھے کہ ۲ر کلو ۵۰ر گرام۔ مگر ایسا نہ تو امام احمد رضا نے فرمایا اور نہ ان علما کرام نے فرمایا۔ تو بات واضح ہو گئی کہ مقصود یہاں ادائے واجب نہیں بلکہ نصف صاع کے وزن کا صحیح صحیح تعین ہے۔ اس لیے ایک گرام کا بھی فرق ہو تو یہ تحقیق کے خلاف ہے۔

نوٹ:- بعض فتوی اور اشتہار میں نصف صاع کا وزن ۲ر کلو ۴۵ر گرام بھی لکھا ہوا دیکھا ہے ایسی صورت میں مروجہ وزن اور مندرجہ بالا حساب میں سے ۱۲۵ر گرام یعنی پورے آدھ پاؤ کا فرق ہے۔

(ماہنامہ اشرفیہ، اپریل ۲۰۰۴ء ص: ۱۱)

رویت ہلال اور اختلاف مطالع

بتاریخ ۱۸ر نومبر ۲۰۰۸ء ہندوستانی ٹائم کے مطابق تقریباً ۴ر بجے شام کو بولٹن (انگلینڈ) سے فون آیا، آواز جانی پہچانی تھی لیکن پھر بھی ہم نے پوچھا کہ آپ کون بول رہے ہیں؟ اور کہاں سے بول رہے ہیں؟ اُدھر سے آواز آئی ”ہم نظام الدین ہیں اور برطانیہ سے بول رہے ہیں“ اور بعد ادائے مراسم اسلامیہ جب ہم نے عرض کیا کہ کیا حکم ہے؟ تو ادھر سے ارشاد ہوا کہ یہاں آج کل اختلاف المطالع کے متعلق کچھ علمائے کرام کے مابین تبادلۂ خیالات ہو رہا ہے، آپ سے گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں آپ اپنی معلومات کے مطابق کچھ افادہ فرمائیں اور اسے کسی ہندوستانی اُردو رسالہ میں شائع کر دیں تو کرم ہوگا۔ ہم نے حامی بھر لی اور پھر قلم برداشتہ یہ مضمون لکھ کر برائے اشاعت جام نور کے پتہ پر روانہ کر دیا۔

اصل مسئلہ کے متعلق درج ذیل تمہید کا پیش نگاہ رکھنا مناسب ہے تا کہ اس کے ضمن میں اصل مسئلہ پر تھوڑی بہت روشنی پڑ جائے اور پھر ہم اپنی معلومات کے مطابق امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے ارشاد کو نقل کریں گے جس سے ہمیں امید ہے کہ قارئین کرام اس مسئلہ کو کافی حد تک سمجھ لیں گے۔

تمہید – دہور وشہور، اوقات وازمنہ مثلاً طلوع وغروب، نصف النہار، فجر وعشاء، شب وروز، تاریخ وایام یا مہینہ، سال، صدی یا چاند وسورج کا اجتماع جسے محاق بھی کہتے ہیں یا وقت استقبال یعنی بدر کامل یہ خسوف، کسوف، استہلال، قران السعدین یا قران العلویین یا اقتران کوکبین یا سیاروں کی ایک

برج سے دوسرے برج میں تحویل یا سورج کا اوج وحضیض میں تحویل وغیرہ کے اوقات کی مدت اور
اس کی ابتداء وانتہا کا تعین، ماہرین علم وفن دو قسم کے اوقات سے کرتے ہیں:

۱۔ اوقات فلکیہ ۲۔ اوقات بلدیہ

اس کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ کچھ اوقات کا تعین آفتاب اور اقطار عالم کے دائرہ افق یا دائرہ نصف النہار کے مابین ارتباط اور نسبتوں سے ہوتا ہے- مثلاً جب آفتاب کسی مقام کے دائرہ افق سے زیریں پہنچتا ہے تو وہاں غروب ہو جاتا ہے اور اگر افق سے ۱۲؍ڈگری نیچے چلا جائے تو انتہائے شفق احمر ہو جاتی ہے اور جب آفتاب افق سے ۱۸؍ڈگری نیچے پہنچ جائے تو وقت عشاء شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے اوقات مثلاً شب وروز، تاریخ وایام وغیرہ کے آغاز وابتدا میں بھی اقطار عالم کے دائرہ افق یا دائرہ نصف یا دائرہ نصف النہار سے آفتاب کا قرب وبعد ملحوظ رہتا ہے۔ ان اوقات کو اوقات بلدیہ کہتے ہیں جو ہر مقام کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں اور یہ اوقات بذریعہ علم توقیت معلوم کیے جاتے ہیں۔ لیکن کسوف وخسوف، اجتماع، استقلال واستہلال، قران واقتران وغیرہ کے اوقات کا تعلق اقطار عالم کے افق سے آفتاب کے قرب وبعد یا ارتباط کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ نیرین کے مابین تقارب وتباعد یعنی ارتباط یا فلک کے بروج اور درجہ ودقیقہ سے ارتباط ملحوظ رکھا جاتا ہے مثلاً اگر چاند وسورج کے مابین غایت درجہ تقرب ہو تو وقت اجتماع ہے یا غایت درجہ بعد ہو تو وقت استقبال ہے یا دونوں کے مابین ایسا بعد ہو کہ دونوں کے درمیان مرکز عالم واقع ہو تو وقت خسوف ہے یا دونوں کے مابین ایسا قرب ہو کہ مرکز عالم دونوں سے ایک جانب ہو جائے تو وقت کسوف ہے یا دو سیارے باہم ایک ہی برج کے ایک ہی درجہ ودقیقہ میں پہنچ جائیں تو یہ وقت قران ہے مثلاً مشتری اور زہرہ دونوں میں یہ صفت پائی جائے تو وقت قران السعدین ہے یا زحل ومریخ کے مابین یہ صفت پائی جائے تو یہ قران العلویین ہے یا کوئی کوکب کسی برج سے منتقل ہو کر دوسرے برج میں داخل ہو تو وقت تحویل ہے یا نیرین کے مابین بعد سوا اور معدل اور دیگر شرائط کے ذریعہ مخصوص وضع حاصل ہو تو یہ وقت استہلال ہے۔ ان اوقات کو اوقات فلکیہ کہتے ہیں۔ ان اوقات کا استخراج علم توقیت سے ممکن

نہیں بلکہ یہ اوقات فن زیج سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ ان اوقات میں قطاع ارض کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور نہ آفاق ونصف النہار کے مختلف ہونے سے یہ اوقات الگ الگ ہو تے ہیں۔

فرض کیجیے قران السعدین لندن کے ٹائم کے مطابق ۶؍بجے شام کو ہوا تو دنیا بھر میں قران السعدین اسی وقت تسلیم کیا جائے گا خواہ دوسرے مقامات میں یہ وقت ۹؍بجے ہو یا ۱۲؍بجے ہو، اسی طرح مان لیجیے کہ خسوف دہلی کے ٹائم کے مطابق بوقت غروب ہوا تو تمام جہان میں خسوف اسی وقت مانا جائے گا خواہ دوسرے مقامات میں وقت عشاء ہو یا فجر کا وقت ہو اور جب کبھی اجتماع نیرین ہوگا تو چہار دانگ عالم میں وہی وقت اجتماع نیرین کا تسلیم ہوگا اور جب نیرین کے مابین استقبال ہوگا تو ساری کائنات کے لیے استقبال کا وقت ہوگا اور یہی حال جملہ اوقات فلکیہ کا ہے لہٰذا وقت استہلال جو کہ از قبیل اوقات فلکیہ ہے اس میں بھی مثل سابق اوقات کے کسی بلد کے مطالع یا دائرہ افق یا دائرہ نصف النہار سے آفتاب یا ماہتاب کی نسبتوں کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ جب کبھی آفتاب و ماہتاب کے مابین دیگر شرائط کے ساتھ بعد معدل اور بعد سواء کے ذریعہ متعینہ وضع ہوگی تو وقت استہلال ہوگا، خواہ یہ وقت دوسری جگہوں میں عصر کا ہو یا مغرب کا یا عشا کا ہو، اسی وقت سے مہینے کی ابتدا ہو جائے گی۔ البتہ اس ماہ میں جو عبادت وریاضت ہوگی وہ بحکم شرع اوقات بلدیہ کے مطابق ہوگی۔

اوقات بلدیہ کا تعلق چونکہ فقط ایک گردش کناں آفتاب سے ہے جس کا انضباط بھی تمام سیاروں کی بہ نسبت سہل ہے اس لیے آسانی سے حساب لگا کر اوقات بلدیہ معلوم ہو جاتے ہیں اور علم توقیت سے حل کر کے اسے شائع کر دیا جاتا ہے، لیکن اوقات فلکیہ کو صرف ایک ہی سیارہ نہیں بلکہ دو سیاروں کے حرکات اور ان کے مابین رشتوں اور دیگر پیچیدہ شرائط کے ذریعہ حل کیا جاتا ہے بالخصوص اوقات فلکیہ میں سے وقت استہلال معلوم کرنے کے لیے عجب عجب حسابی صعوبتوں سے گزرنا پڑتا ہے پھر بھی یقینی طور پر معلوم نہیں ہو پاتا کہ اب وہ وضع خاص جو استہلال کے لیے درکار ہے حاصل ہوگئی، اس لیے غیب داں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''انا امة امية لا نكتب ولا نحسب''

جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارا دین یسر ہے اس لیے ہماری امت حسابی تدقیقات میں الجھ کر صعوبت میں نہ پڑ جائے۔ لہٰذا اسے رویت پر چھوڑ دے یعنی وقت استہلال جواز قبیل اوقات فلکیہ ہے اسے حساب وکتاب سے نہ معلوم کرو بلکہ اس کا مدار رویت پر رکھو، اگر یہ رویت ہو جائے تو سمجھ لو کہ شمس وقمر میں بوقت استہلال جو قرب و بعد اور وضع خاص درکار ہے وہ حاصل ہو گیا، الغرض وقت استہلال کا مدار حساب وکتاب کے بجائے رویت پر رکھو۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وقت استہلال کو اوقات فلکیہ سے خارج کر کے اوقات بلدیہ میں داخل کردو اور پھر اس پر اختلاف المطالع کے مسئلہ کی بنیاد رکھو، لہٰذا اگر کہیں بھی رویت ہوئی تو سارے جہان والوں کے لیے بھی یہ وقت مہینے کی ابتدا کا ہے بشرط کہ اس کا ثبوت ان طریقوں سے ہو جن طریقوں سے ہلال کا ثبوت ہوتا ہے اور جب مہینے کا ثبوت ہو جائے تو پھر اس ماہ میں جو عبادت وریاضت ہوں انھیں اوقات بلدیہ کے مطابق ادا کرو۔

مذکورہ بالا ایمان سے واضح ہوا کہ اوقات فلکیہ کی ابتدا وانتہا میں وہی اوضاع مخصوصہ علت ہوتے ہیں لہٰذا مہینہ کی ابتدا اسی وضع خاص سے ہوگی مگر چونکہ اس مخصوص وضع کا ادراک متعذر رہے جیسا کہ امام احمد رضا نے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص: ۶۲۶ میں مجسطی سے نقل کر کے فرمایا کہ خود بابائے ہیئت بطلیموس نے مجسطی میں اس بیان سے پہلو تہی کیا ہے جبکہ دیگر اوقات فلکیہ کے لیے علیحدہ باب وضع کیا۔ لہٰذا عالم ما کان وما یکون ﷺ نے اس تعذر سے جس میں خود صاحبان فن متحیر ومحو تماشا ہیں، اپنی امت کو بچاتے ہوئے اس کو رویت پر معلق فرما دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہی مخصوص وضع ہی علت موثرہ ہے مگر اس کے ادراک کے متعذر ہونے کی وجہ سے رویت کو اس کا قائم مقام بنا دیا لہٰذا یہیں سے اصحاب علم اصول نے یہ قاعدہ مستنبط کیا کہ جب کسی شے کی علت حقیقیہ پر مطلع ہونا متعذر ہو تو سبب دال اور مقتضی وغیرہ کو اس کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے جیسے مشقت سفر موجب قصر ہوتی ہے مگر اس پر اطلاع مشکل ہے لہٰذا سفر کو ہی علت رخصت یعنی باعث قصر قرار دیا گیا اور خروج نجاست حدث کا باعث ہوتا ہے لیکن حالت نوم میں اس کا ادراک مشکل ہے لہٰذا نوم کو ہی موجب حدث قرار دیا گیا اور ایسے ہی وجوب غسل کے لیے انزال ضروری ہے مگر تواری حشفہ کو ہی غسل کے وجوب کا سبب قرار دیا

گیا۔

ہمارے ائمہ مجتہدین نے ان ہی مذکورہ بالا امور کے پیش نظر وقت استہلال میں اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں فرمایا بلکہ ارشاد ہوا کہ اہل مشرق کی رویت مغرب والوں کے لیے بھی رویت ہے، لیکن ائمہ مجتہدین کے بعض متبعین ان امور کی طرف دھیان نہ دے کر اوقات بلدیہ پر قیاس کر کے یہ فرمایا کہ یہاں اختلاف مطالع معتبر ہے۔ اس تمہید میں بر بنائے مساہلت بعض مقام میں مسامحہ سے کام لیا گیا ہے فتدبر وتامل۔

اب آگے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی وہ تحریر نقل ہے جس میں آپ نے اختلاف مطالع کے اعتبار ہر طرح طرح سے اعتراضات کر کے یہ فرمایا کہ اعتبار مطالع کی یہاں کوئی راہ نہیں ہے اس سلسلے میں امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ ''فرض کیجیے آفتاب شمالی ہے اور قمر وقت استہلال عدیم المیل اور ایک شہر خط استوا سے ۸/درجہ شمال کو ہے کہ ایک مہینہ کی راہ سے کم فاصلہ ہوا اور دوسرا ۱۷/درجے کہ دو مہینے سے بھی زیادہ فصل ہو اس لیے کہ غایت تدقیق کے بعد ثابت ہوا ہے کہ زمین کا ایک درجہ ۳۶۵۱۵۵ قدم ہے اور قدم $\frac{1}{2}$ گز اور میل ۱۷۶۰ گز، تو ایک درجہ ارضیہ ۱۲۹ء۶۹ میل ہوا، راہ یک ماہ، ۵۷۶ کو اس پر تقسیم کرنے سے ۷۷۳۰۳۰ء۸ ہوتے ہیں یعنی ۵۴ً ۱۰ اَ ۱۸ ۸اَلْ ح حٓ لح ی ند اور تینوں شہر ایک ہی نصف النہار کے نیچے ہیں، اب فرض کیجیے کہ صورت مذکورہ میں خط استوا میں رویت ہلال ہوئی تو شہر ابعد در کنار شہر وسطانی بھی رویت ضرور نہیں، حالانکہ یک ماہ راہ سے کم فاصلہ ہے اس لیے کہ خطِ استوا میں ادھر تو آفتاب جلد ڈوبے گا تو اندھیرا جلد ہو کر رویت کا معین ہوگا، ادھر افق منتصب ہے تو آفتاب بعد غروب جلد افق سے دور ہو کر نور شفق کہ غایت رویت ہوتا جلد کم ہو جائے گا، ادھر قمر کا ارتفاع زائد ہے تو دیر تک بالائے افق رہے گا اور یہ بھی مؤید رویت ہوگا بخلاف بلد شمالی کہ وہاں سب امور بالعکس ہیں اور اسی صورت میں فرض کیجیے کہ شہر ابعد میں رویت ہوئی تو شہر وسطانی در کنار خط استوا میں بھی بدرجۂ اولیٰ رویت ہوگی کہ مؤیدات رویت وہاں بافراط ہیں حالانکہ دو ماہ راہ سے زیادہ کا فاصلہ ہے، تو معلوم ہوا کہ جنوباً شمالاً کبھی ایک مہینے سے بھی کم کا فاصلہ اختلاف رویت لاتا ہے

اور کبھی دو مہینے سے زیادہ کا بھی فاصلہ اختلاف نہیں لاتا۔ اب یہ تقریر اس طرف لے جائے گی کہ شہروں کا باہم بعد معتبر نہ ہو حالانکہ اختلاف مطالع ماننے والوں کی عبارات اس میں نص ہیں، نہ تفاوت عرض معتبر ہو نہ تفاوت طول شرقی بلکہ صرف تفاوت طول غربی معتبر ہو، یعنی جس کا طول غربی اس شہر سے ایک ماہ راہ یعنی ۸/درجے ۱۸/دقیقے ہو وہاں کی رویئت معتبر ہو، مگر بنے گی یہ بھی نہیں کہ تفاوت عرض بھی قطعاً اختلاف رویت لاتا ہے جس کے بعض وجوہ کی طرف بھی اشارہ ہو چکا تو اس کا نظر سے اسقاط ناممکن، تفاوت غرض سے یہاں تک تو ہوگا کہ ایک شہر میں ہلال مرئی ہوا اور دوسرے شہر میں چاند اس وقت زیر زمین جا چکا ہو، رویت وعدم رویت ہلال تو بالائے طاق رہی، غرض یوں بھی ٹھیک نہیں آتی اور حقیقت امر یہ ہے کہ تحدید کرنے والوں نے محض سرسری طور پر ایک حد کہہ دی تنقیح پر آیئے تو قیامت تک وہ خود اس کی حد بست نہ کر سکیں گے۔

اس سب سے قطع نظر کیجیے تو اب ہمارا وہ سوال متوجہ ہے کہ اس اعتبار اختلاف سے کیا مراد، آیا دو شہروں کا ایسا فصل کہ چاند جب ایک میں مرئی ہوئی تو دوسرے میں رویت ہمیشہ ناممکن، یہ وہ اختلاف مطالع ہے جسے معتبر مانتے ہیں یا صرف ایسا فصل کہ ایک میں رویت ہونے کے ساتھ دوسرے میں رویت نہ ہونا ممکن ہو یہ معتبر ہے، بالجملہ بنظر فاصلہ بلدین دوسرے شہر میں عدم امکان چاہیے یا امکان عدم، اول تو یقیناً باطل ہے، دنیا میں کوئی فاصلہ ایسا نہیں کہ ایک جگہ ۲۹/کی رویت کو صرف نظر، بفصل مسافت بے لحاظ خصوص حال ہلال حال دوسری جگہ محال کرتا ہوا، اختلاف معتبر ماننے والوں نے بڑی حدت یک ماہ راہ بتائی، اور انھیں بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ہزار ہا بار یہاں بھی ۲۹/کا چاند ہوا اور یہاں سے مہینوں راہ کے فاصلے پر بھی ہوا بلکہ جب یہاں ۲۹/کا ہو تو اس عرض میں غرب کو جتنا بڑھیے بدرجہ اولیٰ ۲۹/ہی کا ہوگا تو بالضرورۃ ثانی ہی مقصود اور اب بالیقین راہ تحدید مسدود، مہینے بھر کی راہ تو بہت ہے، ۲۴/فرسخ کا فاصلہ جس پر تاج تبریزی نے ادعا کیا کہ اس سے کم میں اختلاف ممکن نہیں اور علامہ شامی نے براہ تحسین ظن فرمایا کہ ان کا یہ دعویٰ قواعد فلکیہ پر ہی مبنی ہوگا۔

اقول – ہرگز قواعد فلکیہ اس عدم امکان کے ساتھ مساعد نہی بلکہ صراحتاً اس کا رد کرتے ہیں، ایک

درجہ زمین یقیناً ۲۴/فرسنگ سے کم ہے کہ یہ ۶۹ میل ہے اور وہ ۷۲، مگر ایک درجے بلکہ اس سے کم فصل غربی پر بھی اختلاف رویئت ممکن، دربارۂ ہلال کہ کب صالح رویئت ہوتا ہے اگر چہ اختلاف اقوال بکثرت ہے، اس میں دس قول تو اس وقت میرے پیش نظر ہیں جن کی وجہ ہی **ولو کان من عند غیر اللّٰہ** (اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا–ت) ہے مگر متاخرین اہل ہیئت نے بعد تطاول تجارت جس پر استقرار رائے کیا، وہ یہ ہے کہ نیرین میں بعد سوا دس درجے سے زائد ہوگا اور بعد معدل ۱۰ اسے کم نہ ہو، زیج سلطانی میں ہے

اگر بعد معدل میان وہ درجہ دوازدہ درجہ باشد و بعد سوا، از دہ بیش تر باشد ہلال بتواں دید باریک (زیج سلطانی)

بعد معدل اگر دس اور بارہ درجے کے درمیان ہو اور بعد سوا، دس درجہ سے زائد ہو تو چاند ایک دیکھا جا سکتا ہے۔ (ت)

علامہ عبدالعلی برجندی شرح میں فرماتے ہیں:

تا ہر دو شرط وجود نگیرد ہلال مرئی نہ شود و متعارف دریں زمان ایں است۔ جب تک یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں چاند نظر نہیں آسکتا اور اس زمانے میں یہی متعارف ہے (ت)۔

اب فرض کیجیے کہ یہاں وقت غروب بعد سوا، ط لط یعنی دس درجے سے ایک ایک دقیقہ کم تھا تو ہلال قابلِ رویت نہ تھا اور ایک درجہ حرکت وسطی ۴م دقیقہ میں ہے اور اس مدت میں سبق قمر تقریباً دو دقیقے بلکہ کبھی اس سے بھی زائد ہے تو جب قمر اس شہر سے ایک درجہ بلکہ کم فاصلے کے مقام رویئت پر آیا بعد دس درجے سے زائد ہو گیا اور رویئت ہوگئی، اسی طرح ارتفاع قمر وغیرہ اختلاف کے ذرائع سے بھی تقریر مدعا ممکن، تو ثابت ہوا کہ ۲۴/بلکہ ۲۳/فرسخ سے کم بھی اختلاف ممکن ہے، اب کوئی راہ نہ رہی سوا اس کے کہ حد اصلاً نہ باندھیے بلکہ یا تو ہمیشہ ہر جگہ ہر ماہ کے لیے خصوص حال ہلال، حال و محال استہلال پر نظر کیجیے یا مطلقاً کہہ دیجیے کہ ایک شہر کی رویئت دوسرے شہر کے لیے اصلاً معتبر نہیں

اگر چہ ۲۴؍فرسخ سے بھی کم فاصلہ ہو، ثانی تو بالاجماع مردود ہے اختلاف معتبر ماننے والے بھی ایسے عموم واطلاق کے ہرگز قائل نہیں اور اول کی طرف کوئی راہ نہیں، مگر انھیں حسابات دقیقہ طویلہ مرئی و عرض مرئی وانکسار افقی اختلاف منظر افقی وتعدیل الغروب وبعد معدل وغیرہا کے ذرائع سے جن کے بعد بھی بہت اوقات سواظن وتخمین کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا، یہ وہی محاسبات ہیں جن کو شریعت مطہرہ دربارۂ ہلال یک لخت ساقط و باطل فرما چکی، تو بحمد اللہ تعالیٰ نہ ہلال روشن بلکہ آفتاب پردہ برافگن کی طرح آشکار ہوا کہ اختلاف مطالع معتبر ماننا ہی خلاف تحقیق تھا۔

نوٹ:-شرع مطہر نے اوقات کا مدار رویئت پر رکھا ہے لیکن بار بار مشاہدہ اور تجربہ سے پتہ چلا ہے کہ اوقات بلدیہ میں مشاہدہ اور حساب میں باہم تلازم ہے۔ اس لیے اوقات صلوٰۃ وصوم میں حساب بھی معتبر ہے۔ البتہ اوقات فلکیہ میں سے جو شرع میں معتبر ہے، اس میں حسابات سے سواظن وتخمین کے کچھ ہاتھ نہیں آتا، اس لیے اس میں حسابات کو یک لخت ساقط قرار دیا گیا ہے۔

(ماہنامہ جامِ نور، اکتوبر ۲۰۰۹، ص:۵۶)

☆☆☆

مقدمہ زبدۃ التوقیت مسمّٰی بہ فوائد التوقیت

علم توقیت منطق وفلسفہ وغیرہ کی طرح کوئی مستقل فن نہیں ہے بلکہ یہ چند فنون مثلاً ہیئت و ہندسہ علم الحساب، مثلث کروی اور لوگارثم کے چند قاعدوں کا ایک مجموعہ مرکب ہے جس سے اوقات کے استخراج میں مدد لی جاتی ہے۔ یہ علم مسلمانوں کے لیے حکمتِ ضالہ ہوگیا تھا۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان کے گمشدہ اصولوں کو اپنی خداداد صلاحیت سے دوسری زندگی بخشی۔ حضرت ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین علیہ الرحمۃ والرضوان امام موصوف کے ارشادات کو اپنی تالیف ''توضیح التوقیت'' میں جمع فرما دیا ہے۔ یہ کتاب زبدۃ التوقیت دراصل اسی توضیح التوقیت کا نچوڑ ہے۔ اس کتاب میں اصطلاحات کی کوئی تشریح نہیں ہے۔ مخدوم مکرم استاذِ استاذنا شمس العلما حضرت علامہ الحاج مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ الہ آبادی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس بندۂ ناچیز نے اس کی مختصر تشریح اس میں شامل کردی۔

(الف)-(۱) فلک الافلاک کے دونوں قطبوں کے بیچ و بیچ پورب پچھّم مفروضہ دائرہ کو معدل النہار اور اس کے دونوں طرف یعنی اتر دکھن جانب مفروضہ دوائر کو مدارِ یومی کہتے ہیں۔ فلک کی گردش کا حساب اسی معدل یا مدار یومی کے اجزا سے لگایا جاتا ہے یعنی اس کے ایک درجہ کے چلنے میں ۴؍منٹ اور ایک دقیقہ کے چلنے میں ۴؍سیکنڈ کی مدّت مانی جاتی ہے اور ۱۵؍درجہ کے چلنے میں ایک گھنٹہ اور پورے دورہ میں تقریباً ۲۴ گھنٹے مانے جاتے ہیں۔

(٢) دائرہ معدل النہار کو تقریباً ٢٣ ½ (ساڑھے تیئس) ڈگری پر کاٹتے ہوئے گزرنے والے دائرہ کو منطقۃ البروج کہتے ہیں۔ یہ دائرہ معدل پر منطبق نہیں بلکہ اس کا نصف معدل سے بجانب شمال اور دوسرا نصف معدل سے بجانب جنوب ہے۔ وہ آفتاب جو فلک الافلاک کے تابع ہو کر ایک رات دن میں پورب سے پچھّم چل کر ایک دورہ پورا کرتا ہے وہی آفتاب اپنی ذاتی رفتار سے منطقۃ البروج کے سیدھ میں پورب کی طرف چلتے ہوئے تقریباً ٣٦٥ دن ٦ ر گھنٹے میں منطقۃ البروج کا پورا دورہ کر لیتا ہے۔ اس پورے دورے میں آفتاب معدل النہار اور منطقۃ البروج کے نقطۂ تقاطع پر پہنچ کر معدل پر آ جاتا ہے اور بقیہ دنوں میں رفتہ رفتہ دور چلا جاتا ہے تا آنکہ وہ معدل سے تقریباً ٢٣ ½ درجہ دور ہو جاتا ہے اور پھر دھیرے دھیرے معدل سے قریب آ جاتا ہے تا آنکہ پھر دوسرے نقطۂ تقاطع پر آ کر معدل پر پہنچ جاتا ہے۔ معدل سے آفتاب کی یہ دوریاں میلِ شمسی کہلاتی ہیں۔ بلفظِ دیگر نقطۂ تقاطع میں آفتاب معدل پر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دنوں میں آفتاب معدل سے اتر یا دکھن جانب کسی مدار یومی پر ہوتا ہے۔ اس مدار یومی اور معدل کے مابین فاصلہ کو میل کہتے ہیں۔ اگر یہ مدارِ یومی جانبِ شمال میں ہے تو میلِ شمالی اور اگر جانب جنوب میں ہے تو میلِ جنوبی، آفتاب چونکہ مستقل طور پر ایک مدارِ یومی پر نہیں رہتا اس لیے ہر وقت میل میں کچھ نہ کچھ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر سال اس میں کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے غایت درجہ تدقیق کے لیے نیا سال کی میل وہ بھی مخصوص وقت کی ہونی چاہیے لیکن تسہیل کی خاطر لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ کتاب میں درج شدہ میل ہی سے کام لے لیتے ہیں جس کا استخراج وقت پر معتد بہ اثر نہیں پڑتا ہے۔

(٣) سمت الراس اور معدل النہار کے دونوں قطبوں سے گزرنے والے دائرہ کو نصف النہار کہتے ہیں۔ آفتاب فلک الافلاک کے تابع ہو کر پورب سے پچھّم کی طرف چلتے ہوئے جب اس دائرہ پر پہنچتا ہے تو نہار کا نصف ہو جاتا ہے اور علم ہیئت کے رو سے وہاں ١٢ ر بجے کا وقت تسلیم کر لیا جاتا ہے اور پھر جب آفتاب اس دائرہ سے ١٥ ر درجہ آگے بڑھتا ہے تو ایک بجے اور ٣٠ ر درجہ آگے بڑھتا ہے تو ٢ ر بجے کا وقت مانا جاتا ہے۔ اس وقت کو بلدی ٹائم یا دھوپ گھڑی ٹائم کہتے ہیں۔ یہ وقت مختلف طول

البلد میں الگ الگ ہوتے ہیں۔

(٤) دائرہ نصف النہار کی وہ قوس جو سمت الراس اور معدل کے درمیان واقع ہے اسے عرض البلد کہتے ہیں۔ اگر سمت الراس معدل سے اتر ہے تو شمالی اور اگر دکھن ہے تو عرض جنوبی ہے اور کسی بھی بلد کے نصف النہار اور گرین وچ کے دائرہ نصف النہار کے درمیان معدل کی واقع شدہ قوس کو طول البلد کہتے ہیں۔ اگر بلد گرین وچ سے پورب ہے تو طول شرقی اور اگر پچھّم ہے تو طول غربی کہتے ہیں۔

(٥) سمت الراس اور آفتاب کے مدار یومی کے مابین دائرہ نصف النہار کی واقع شدہ قوس کو بعد مداری یا بعد فوقانی کہتے ہیں اور چونکہ معدل سے سمت الراس کی دوری عرض البلد ہے اور معدل سے مدار یومی کی دوری میل شمسی، یعنی عرض البلد اور مدار یومی دونوں ہی میں معدل سے دوری ملحوظ ہے۔ اس لیے اگر میل اور عرض دونوں ہی متحد الجہت ہوں یعنی دونوں ہی شمالی یا جنوبی ہوں تو دونوں کا حاصل تفریق اور اگر دونوں مختلف الجہت ہوں تو دونوں کا حاصل جمع بعد فوقانی ہے۔

(ب)- علم ہیئت کی اصطلاح میں یوم کے تین اطلاقات ہیں: (١) یوم کوکبی، (٢) یومِ شمسی، (٣) یومِ وسطی۔

(١) فلک کے تابع ہو کر کسی کوکبِ ثابت کے مخصوص نصف النہار سے چل کر پھر اسی دائرۂ نصف النہار تک آ جانے کی مدت کو یوم کوکبی کہتے ہیں۔ بلفظِ دیگر فلک الافلاک کی ایک گردش کی مدت کو یومِ کوکبی کہتے ہیں۔ یہ یوم عام دنوں سے ٣ر منٹ ٤٦ ر سیکنڈ چھوٹا ہوتا ہے۔ (٢) آفتاب کا مرکز کسی خاص دائرۂ نصف النہار سے چل کر پھر اسی نصف النہار تک پہنچنے کی مدت کو یومِ شمسی کہتے ہیں۔ اگر آفتاب منطقۃ البروج پر اپنی ذاتی چال نہ رکھتا تو یہ یوم اور یوم کوکبی دونوں برابر ہوتے لیکن چونکہ آفتاب اپنی ذاتی رفتار سے پورب کی طرف چل کر منطقۃ البروج کو تقریباً ٣٦٥ دن ٦ ر گھنٹے میں طے کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک رات دن میں تقریباً ٥٩ درجہ ٨ ثانیہ ٣ ثالثہ مشرق کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ لہٰذا اگر آج مرکزِ آفتاب دائرۂ منطقۃ البروج کے کسی نقطہ پر پہنچ کر نصف النہار پر آ جائے تو

یوم کوکبی اور یوم شمسی دونوں شروع ہو جائیں گے پھر دوسرے دن جس وقت منطقۃ البروج کا وہی نقطہ اس نصف النہار پر آ جائے گا تو ایک یوم کوکبی ہو جائے گا۔ مگر یوم شمسی ابھی کامل نہ ہوگا کیونکہ آفتاب منطقۃ البروج کے معین نقطہ سے تقریباً ۵۹؍دقیقہ ۸؍ثانیہ ۳؍ثالثہ مشرق کی طرف بڑھ گیا ہے اس لیے آفتاب ابھی نصف النہار سے پورب ہی میں ہوگا اس کے نصف النہار تک آنے میں اتنا عرصہ ابھی باقی رہے گا کہ فلک اپنی گردش سے معدل النہار کی وہ قوس طے کر لے جو اس نصف النہار اور اس نصف النہار کے درمیان ہے جس پر آفتاب اس وقت ہے۔ منطقۃ البروج کی وہ قوس جسے آفتاب روزانہ اپنی ذاتی رفتار سے طے کرتا ہے اسے مقدارِ سیرِ شمس کہتے ہیں اور معدل کی وہ قوس جس کا ابھی تذکرہ ہوا وہ قوس مطالع سیر شمس کہلاتی ہے یعنی مقدار سیر شمس کے دونوں کناروں پر گزرنے والے دو نصف النہار کے مابین معدل کی قوس کو مطالع سیر شمس کہتے ہیں تو جب آسمان مطالع کی اس قوس کو طے کر لے گا تو آفتاب نصف النہار پر آ جائے گا اور یوم شمسی کامل ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے یوم شمسی ہمیشہ یوم کوکبی سے بڑا ہوتا ہے۔ علم ہیئت میں ثابت ہے کہ مقدار سیر شمس روزانہ برابر نہیں ہوتی اسی طرح ان کے مطالع بھی روزانہ برابر نہیں ہوتے۔ لہٰذا یوم شمسی بھی روزانہ برابر نہیں ہو سکتے۔ (۳) مطالع مقدار سیر شمس کے اختلاف کی وجہ سے چونکہ شمسی ایام متفاوت ہوتے ہیں اس لیے اس تفاوت کو دور کرنے کے لیے علم ہیئت میں ایک فرضی آفتاب منطقۃ البروج پر نہیں بلکہ معدل النہار پر یکساں حرکت کرنے والا فرض کیا جاتا ہے اور اس کے دورے کی مدت وہی مقرر کی جاتی ہے جو منطقۃ البروج پر اصلی آفتاب کی گردش کا زمانہ ہوتا ہے یعنی تقریباً ۳۶۵؍دن ۶؍گھنٹے۔ چونکہ اس فرضی آفتاب کی ذاتی حرکت معدل پر یکساں مانی گئی ہے۔ اس لیے اس آفتاب کے ایک نصف النہار سے چل کر پھر اسی نصف النہار تک پہنچنے کی مدت روزانہ برابر ہوگی۔ اس میں کچھ تفاوت نہیں ہوگا۔ اس فرضی آفتاب کے یوم کو وسطی یوم کہتے ہیں۔ یہ یوم شمسی یوم سے کبھی چھوٹا کبھی بڑا اور کبھی برابر ہوتا ہے۔ (۴) فرضی آفتاب کی مقدارِ سیر جو روزانہ برابر ہے اور اصلی آفتاب کے مطالع جو نابرابر ہیں دونوں ہی معدل النہار ہی کے اجزا ہیں لیکن دونوں باہم برابر نہیں کبھی سیر کی مقدار بڑی

اور کبھی مطالع بڑے اور کبھی اس کا الٹا اور کبھی دونوں باہم مساوی، تو جب دونوں باہم برابر ہوں گے اس دن یوم وسطی اور یوم شمسی دونوں برابر ہوں گے اور جس دن ایسا نہیں ہوگا اس دن دونوں ایام میں تفاوت ہوگا۔ اسی قدر تفاوت کو تعدیل ایام یا تعدیلِ وقت کہتے ہیں۔ بلفظِ دیگر معدل النہار کی وہ قوس جو یوم شمسی اور یوم وسطی میں تفاوت ظاہر کرتی ہے وہ تعدیلِ ایام یا تعدیلِ وقت ہے۔ علما ہیئت نے اس اصول پر کہ ایک درجہ ۴؍منٹ اور ایک دقیقہ ۴؍سیکنڈ میں طے ہوتا ہے تعدیل کی اس قوس کو منٹ اور سیکنڈ میں تحویل کر کے روزانہ کی فہرست تیار کر لی ہے جنھیں اوقات میں کمی بیشی کر کے وسطی ٹائم کو بلدی ٹائم کر لیا جاتا ہے۔ تعدیلیت کی فہرست میں مندرج منٹ، سیکنڈ، گرین وچ کے نصف النہار اور نصف اللیل کے وقت کے ہیں جو دراصل ہندوستان میں بالترتیب غروب وطلوع ہی میں ٹھیک آتے ہیں دوسرے اوقات میں بالکل ٹھیک ٹھیک نہیں اترتا لیکن تسہیل کی خاطر ہیئت داں تعدیل بوقت غروب کو عشا اور عصر میں اور تعدیل بوقت طلوع کو فجر کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں اگرچہ یہ تعدیلیت ہر سال یکساں نہیں ہوتے بلکہ یہ بھی میل شمسی کی طرح ہر سال کچھ نہ کچھ بدلتے رہتے ہیں لیکن چونکہ اس میں بہت ہی کم تفاوت ہوتا ہے اس لیے کسی ایک سال ہی کی تعدیل کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔

نوٹ- وقت مخصوص کی میل اور تعدیل معلوم کرنے کا طریقہ حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ والرضوان کی تالیف توضیح التوقیت میں مندرج ہے اہل ذوق وہاں سے معلوم کر لیں۔

(۵) طول البلد کے اختلاف کی وجہ سے مختلف مقامات میں بلدی ٹائم یکساں نہیں بلکہ مختلف ہوتے ہیں جبکہ پورے ہندوستان میں ایک ہی ٹائم مقرر ہے جس کو انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم کہتے ہیں یہ مقررہ وقت اس مقام کے نصف النہار کے حساب سے ہے جس کا طول البلد شرقی ۸۲؍درجہ ۳۰؍دقیقہ ہے اس لیے جن مقامات کا طول ۸۲؍درجہ ۳۰؍دقیقہ نہیں اس کے بلدی ٹائم کو اسٹینڈرڈ ٹائم میں تحویل کرنے کے لیے تعدیل مروج ٹائم کرنا پڑتا ہے جس کا طریقہ اس کتاب میں مندرج ہے۔

(۶) وہ دائرہ جو سمت الراس اور مرکز آفتاب سے گزرے اسے دائرۂ ارتفاع کہتے ہیں۔ وقت کے استخراج کے لیے یہ بات بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ اس وقتِ خاص میں آفتاب اور سمت الراس کے مابین اس دائرہ کا کتنا حصہ واقع ہے بار بار کے تجربہ اور مشاہدہ سے علماے ہیئت نے یہ معلوم کرلیا ہے کہ جانب شرق سفیدیٔ سحر نمودار ہونے کے وقت اور جانب غرب میں شفقِ ابیض کے اختتام کے وقت سمت الراس سے آفتاب کا عمودی فاصلہ ۱۰۸/درجہ ہوتا ہے اور بوقت طلوع آفتاب اتنی دوری پر ہوتا ہے کہ آفتاب کا بالائی کنارا افق پر چمک اٹھے اور بوقت غروب اس کا آخری کنارا آنکھوں سے اوجھل ہو جائے اور بوقت عصر آفتاب اتنی دوری پر ہوتا ہے کہ ہر شے کا سایہ اصلی سایہ کے علاوہ دو چند ہو جائے اس دوری کو ہیئت وتوقیت کی اصطلاح میں بعد سمتی یا بعد کوکب کہتے ہیں فجر و عشا کا بعد کوکب ۱۰۸/درجہ طے ہے۔

عصر کا بعد کوکب – آفتاب جب نصف النہار پر آجاتا ہے تو نصف النہار کا وہ چھوٹا قوس جو آفتاب اور افق کے مابین واقع ہو وہ آفتاب کی غایت ارتفاع ہے اس کے استخراج کا قاعدہ یہ ہے کہ ۹۰/درجہ سے بعد فوقانی کو تفریق کردیں باقی ماندہ غایت ارتفاع ہے۔ آفتاب کے غایت ارتفاع کے وقت کسی چیز کے سایہ کو اصلی سایہ کہتے ہیں اور چونکہ غایت ارتفاع روزانہ بدلتی رہتی ہے اس لیے اصلی سایہ کی مقدار بھی روزانہ بدلتی رہتی ہے۔ چیمبرس لاگرتھم میں بعد فوقانی کے حساب سے سایۂ اصلی کی مقدار لکھی ہوئی ہے۔ جس دن کا سایۂ اصلی معلوم کرنا ہو اس دن کا بعد فوقانی نکال کر چیمبرس لاگرتھم کے نیچرل سائن کے ٹیبل میں کوٹینج کے خانے سے معلوم کرلیں کہ اس بعد فوقانی کے وقت سایہ اصلی کتنا ہے۔ پھر اگر اس سایہ اصلی پر ۲/عدد صحیح بڑھا کر اسی جدول سے مجموعہ کی قوس حاصل کرلیں تو یہی قوس اس دن دو مثل کا بعد کوکب ہے۔ یہ کام چونکہ طویل الذیل ہے اس لیے زبدۃ التوقیت کے مؤلف نے تسہیل کی خاطر اسی قاعدہ کی رو سے صفر درجہ سے لے کر ۹۰/درجہ بعد فوقانی کے وقت بعد کوکب استخراج کر کے اپنی کتاب میں درج کردیا ہے۔

طلوع و غروب کا بعد کوکب – طلوع آفتاب کے تین معانی ہیں (۱) طلوع نجومی،

(۲) طلوع حسی، (۳) طلوع شرعی، جس کی تفصیل یوں ہے کہ افق کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی جو فی الحقیقت کرۂ عالم کو تحتانی وفوقانی دو برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ سمت الراس سے اس کا فاصلہ ۹۰ درجہ ہوتا ہے۔ (۲) افق حسی جو کرۂ عالم کو دو غیر برابر یعنی مرئی اور غیر مرئی حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ افق حسی افق حقیقی سے ۳۳/دقیقے نیچے ہوتا ہے یعنی علم مناظر کے اصول کے پیش نظر کہ شعاع بصری افق پر پہنچ کر ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر ناظر کا قد ۳ ½ ذراع ہو تو لگ بھگ ۳۳/دقیقے نیچے ہو کر شعاع بصری گزرتی ہے۔ زیج سلطانی کی شرح برجندی کے حاشیہ میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں ”افق پر ہوا کی لطافت وکثافت، یبوست وحرارت کے مختلف ہونے کی صورت میں شعاعوں کا انکسار بھی کم وبیش ہوتا رہتا ہے۔ یہ انکسار کبھی ۳۳/دقیقے کبھی اس سے کم اور کبھی زیادہ ہوتا ہے لیکن اوسط ۳۳/دقیقہ ہی مانا جاتا ہے“۔ لہٰذا سمت الراس سے افق حسی کی دوری ۹۰/درجہ ۳۳/دقیقہ مانی جاتی ہے۔ جب آفتاب کا مرکز افق حسی پر پہنچ جائے تو یہ طلوع حسی ہے اور جب افق حقیقی پر پہنچے تو طلوع نجومی، طلوع حسی ہمیشہ طلوع نجومی سے پیشتر ہو جاتا ہے۔ رہا طلوع شرعی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مرکز آفتاب کے بجائے آفتاب کا بالائی کنارہ افق حسّی پر پہنچ جائے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ افق شرعی افق حسی سے بقدر نصف قطر شمس نیچے ہوگا۔ علم مناظر کے اصول کے پیشِ نظر ہر ماہ اور ہر دن قطرِ شمس کی مقدار رویت کے اعتبار سے الگ الگ ہوتی ہے جس کی تفصیل نائیٹکل المنک کے اندر تاریخ وار درج ہوتی ہے اور حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ والرضوان کی تالیف توضیح التوقیت میں بھی درج ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار ۳۲ء۵۰ جس کا ٹھیک نصف ۱۶ء۲۵/دقیقہ ہوتا ہے اور تقریبی طور پر ۱۷/دقیقہ ہوتا ہے اس لیے بوقت طلوع سمت الراس سے آفتاب کا بعد سمتی یا بعد کوکب ۹۰/درجہ ۳۳/دقیقہ اور ۱۶ء۲۵/دقیقہ کا مجموعہ یعنی ۹۰/درجہ، ۴۹ء۲۵ دقیقہ یا پھر تقریبی طور پر ۹۰/درجہ ۳۳/دقیقہ اور ۱۷/دقیقہ کا مجموعہ ۹۰/درجہ ۵۰/دقیقہ ہوتا ہے۔ ہم آفتاب کو مرکز عالم سے نہیں بلکہ زمین کی سطحِ اعلیٰ سے دیکھتے ہیں جو مرکز عالم سے تقریباً چار ہزار میل اوپر ہے اس لیے آفتاب بر بنائے اختلاف المنظر ۹/ثانیہ اوپر نظر آتا ہے اس لیے مندرجہ بالا بعد سمتی

کی مقدار سے ۹/ثانیہ منفی کرنا بھی ضروری ہے نفی کے بعد جو باقی رہے دراصل سمت الراس سے آفتاب کا بعد سمتی اسی قدر ہے۔ آفتاب کا نصف قطر چونکہ ہر دن بدلتا رہتا ہے اس لیے سہولت کی خاطر کچھ لوگوں نے اوسط نکال لیا اور کچھ لوگوں نے بر بنائے احتیاط زیادہ سے زیادہ والی صورت لے لی۔ اِسی وجہ سے عمل کے وقت بعد سمتی کی مقدار مختلف ہوگئی۔ زبدۃ التوقیت کے مؤلف نے اوسط والی صورت اختیار کیا اور بعد کوکب ۹۰/درجہ ۴۹/دقیقہ تحریر فرمایا اور کچھ لوگوں نے ۹۰/درجہ ۵۰/دقیقہ اور صاحب معیار الاوقات نے کامل ۹۱/درجہ لے لیا۔ اسی بیان سے واضح ہے کہ بعد کوکب بوقت غروب بعد کوکب بوقت طلوع کے مساوی ہوتا ہے۔ (۷) فجر وعشا طلوع غروب اور عصر کے وقت چونکہ آفتاب فلک کے خاص مقام پر ہوتا ہے اس لیے فلک پر ایک مثلث بنتا ہے جس کا ایک ضلع سمت الراس سے قطب ظاہر تک یعنی تمام عرض البلد، دوسرا ضلع سمت الراس سے مرکز آفتاب تک یعنی بعد کوکب، تیسرا مرکز آفتاب سے قطب ظاہر تک یعنی اگر میل موافق عرض ہے تو تمام میل اور اگر مخالف ہے تو ۹۰/درجہ اور میل کا مجموعہ۔ اس مثلث کا زاویہ قطبی کی مقدار مدار یومی کی اس قوس کے برابر ہوتی ہے جو آفتاب کے اس مقام خاص اور نصف النہار کے درمیان واقع ہے جسے آفتاب نے خاص مدت میں طے کیا ہے تو چونکہ اس مثلث کے تینوں ضلع معلوم ہیں، لہٰذا حسب بیاں علم مثلث کروی بقاعدہ استخراج وقت زاویہ قطبی معلوم کر کے مدار یومی کی مطلوبہ قوس معلوم کر سکتے ہیں اور چونکہ فلک کی گردش کا حساب جس طرح معدل کے اجزا سے ہوتا ہے اسی طرح مدار یومی کے اجزا سے بھی ہوتا ہے اس لیے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فرضی آفتاب کو اس قوس کے طے کرنے میں کتنا وقت درکار ہے مگر یہ وقت چونکہ وسطی ٹائم ہے اس لیے تعدیل کرنے کے بعد یہ بلدی ٹائم ہو جاتا ہے اور جب اسے تعدیل مروج ٹائم کر دیں تو یہ اسٹینڈرڈ ٹائم ہو جاتا ہے اس طرح مطلوبہ وقت یعنی فجر وعشا وغیرہ کا ٹائم معلوم ہو جاتا ہے۔ (۸) علم مثلث کروی کے اصول سے مدار یومی کا جو حصہ معلوم ہوتا ہے توقیت داں اس کی جدول نہ تیار کر کے اس کے بجائے اس حصہ کے قطع کرنے کی مدت ہی کو ٹیبل میں درج کر دیا ہے تا کہ تحویل وغیرہ سے دور رہ کر عمل خفیف المؤنۃ ہو جائے۔ اس کتاب میں اس ٹیبل کو جیبی جدول کے

عنوان سے درج کیا گیا ہے۔

نوٹ:- بقاعدہ علم مثلث کروی اوقات معلوم کرنے کے لیے کئی ایک قاعدے ہیں جن میں سے ایک یہی ہے جس کا طریقہ اس کتاب میں درج ہے۔ حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی کتاب میں ایک دوسرا قاعدہ بھی تحریر فرمایا ہے زبدۃ التوقیت کے مؤلف نے جس طرح محنت شاقہ برداشت کر کے بعد کوکب بوقت دو مثل (ا) کی جدول تیار کی ہے۔

اسی طرح اس دوسرے قاعدے کے طویل الذیل عمل کو حل کر کے اس کی فہرست بھی تیار کرنے والے تھے مگر افسوس کہ ان کی عمر نے وفا نہیں کی اور وہ فہرست تیار نہ ہو سکی، اس لیے یہ قاعدہ قابل عمل نہیں ہوا۔ زبدۃ التوقیت میں دوسرے اصطلاحات یعنی بعد تحتانی، فضل اعظم، فرق اقرب، فضلی جدول وغیرہ وغیرہ دراصل اسی قاعدے سے متعلق ہیں۔ ہاں اگر کوئی ان چیزوں کی جدول کر لے تو یہ قاعدہ وقت کے استخراج کے لیے بہترین طریقہ ہے۔

(ج)- (ا) اگر ہم تین عدد ایسے فرض کریں جن میں پہلا 'ب' دوسرا 'ج' اور تیسرا 'ط' ہوا اور ب ط = ج ہو تو علم ہندسہ اور حساب میں اسے اس طرح بولیں گے کہ 'ب' کی اصلیت پر 'ج' کا لوگارثم ط ہے یعنی اگر ب کو فی نفسہ ط بار ضرب دیں تو ج کے برابر ہو جائے گا مثلاً

$\frac{۳}{۱۰}$=۱۰×۱۰×۱۰=۱۷۱۰۰۰

اسی طرح $\frac{۴}{۱۰}$ یعنی ۱۰×۱۰×۱۰×۱۰=۱۰۰۰۰۔ لہٰذا دس کی اصلیت پر ایک ہزار کا لوگارثم ۳، اور دس ہزار کا لوگارثم ۴ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر جن دو عددوں میں ضرب یا تقسیم کا عمل کرنا مقصود ہو تو بصورت ضرب ان عددوں کے لوگارثموں کو جوڑ دیا جاتا ہے اور بصورت تقسیم بڑے لوگارثم سے چھوٹے کو تفریق کر دیا جاتا ہے مثلاً ہم ۱۰۰۰×۱۰۰۰۰ کا عمل کرنا چاہتے ہیں تو ایک ہزار کا لوگارثم ۳، اور دس ہزار کا لوگارثم ۴ کو جمع کر دیا اور صورت $\frac{۷}{۱۰}$ ہوگئی، یہ بعینہٖ ۱۰۰۰×۱۰۰۰۰ کا حاصل ضرب کے برابر ہے۔ اسی طرح اگر ہم ۱۰۰۰۰÷۱۰۰۰ کا عمل کرنا چاہیں تو دس ہزار کے لوگارثم ۴ سے ایک ہزار کا لوگارثم ۳ تفریق کر دیں گے اور صورت ۱۰ ہو جائے گی، یہ بعینہٖ ۱۰۰۰۰/۱۰۰۰ کے برابر ہے۔ حساب

دانوں نے دس کے تمام ان قوت نماؤں کو جو دس کو ۳، ۴، ۱۵، ۲۰ لغایۃ دس لاکھ کے برابر کرتے ہیں معلوم کر کے اس کی فہرست تیار کر لی ہے تا کہ جب کبھی کسی دو عددوں میں ضرب یا تقسیم کا عمل کرنا مقصود ہو تو ان عددوں کے لوگارثموں میں جمع یا تفریق کا عمل کر کے مقصود حاصل کر لیا جائے اسی طرح درجہ، دقیقہ وغیرہ جو کسی عدد کی نمائندگی کرتے ہیں اس کا بھی لوگارثم معلوم کر کے لکھ دیا ہے تا کہ جب کبھی دو قوسوں میں ضرب و تقسیم کا عمل مقصود ہو تو حسب قاعدہ ان کے لوگارثم کے ذریعہ عمل سہل ہو جائے۔ ایک سے لے کر ۹ تک کا لوگارثم کسر محض ہوتا ہے ۱۰ یا اس کا مربع ومکعب وغیرہ کا لوگارثم عدد صحیح ہوتا ہے۔ اس کے ماسوا اعداد کا لوگارثم کسر مرکب ہوتا ہے۔

نوٹ:- لوگارثم کی مکمل تشریح ہمارے مضمون ''لوگارثم'' جو سنی دنیا بریلی شریف اور ماہانہ نور مصطفیٰ پٹنہ میں چھپا ہے اہل ذوق حضرات ان رسالوں کو منگا کر دیکھ سکتے ہیں۔

(۲) کسی دائرہ میں دو قطر ایسے فرض کریں جو باہم ایک دوسرے پر عمود ہوں تو اس دائرہ کے مرکز کے پاس چار زاویئے قائمے بن جائیں گے مثلاً ہم نے ایک دائرہ میں ایک قطر اج اور دوسرا قطر ءب فرض کیا تو اس دائرہ میں اس کے مرکزہ کے پاس اہ ء - ءہ ج - ج ہ ب اور ب ہ ا چار زاویے قائمے بن گئے اور پھر اس کے مرکز سے ایک نصف قطر اس طرح محیط تک کھینچیں کہ ان میں سے ایک زاویہ دو دو حصے پر منقسم ہو جائے۔ مثلاً ہم ایک نصف قطرہ ط کھینچ کر اہ ء زاویہ کے دو حصے کر دیئے ایک ءہ ط اور دوسرا ط ہ ا فرض کیجیے ان میں سے ءہ ط ۳۰ ڈگری اور دوسرا ۶۰/ڈگری کا ہے اور پھر نقطہ ط سے ءب قطر پر ط ی عمود نکالا تو ط ہ ی ایک مثلث قائمۃ الزاویہ بن گیا اس مثلث میں اگر ط ہ نصف قطر کو ایک فرض کریں تو شکل عروسی کے ذریعہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ دوسرے ضلع ط ی اور ی ہ کی مقدار کتنی ہے۔ علم مثلث میں عمود/ وتر کو سائن، قاعدہ/ وتر کو کوسائن، عمود/ قاعدہ کو ٹینج، قاعدہ/عمود کو کوٹینج، وتر/ قاعدہ کو سیکنٹ اور وتر/عمود کو کوسیکنٹ کہتے ہیں۔

لہٰذا شکل ہٰذا میں ہم اگر یہ مان لیں کہ ط ی = ۳ ءی ہ = ۴، اور ہ ط = ۵ ہے تو ۳۰ ڈگری کا سائن $\frac{۳}{۵}$ کوسائن $\frac{۴}{۵}$، ٹینج $\frac{۴}{۳}$، سیکنٹ $\frac{۵}{۴}$، کوسیکنٹ $\frac{۵}{۴}$ ہوگا۔ اب ہم ہر ایسے مثلث قائمۃ الزاویہ جس کا ایک زاویہ ۳۰/ڈگری کا ہو تو ان کے ضلع اسی تناسب سے معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہم کو معلوم ہے کہ ایک مثلث قائمۃ الزاویہ جس کا ایک زاویہ ۳۰/ڈگری کا ہے اور اس کا ایک ضلع یعنی عمود ۸/ ہے تو اس کا وتر بتاؤ اس لیے ۳:۵::۸: مجہول الجواب $\frac{۴۰}{۳}$ = ۱۳ $\frac{۱}{۳}$ ہے۔ علم مثلث کروی میں صفر ڈگری سے لے کر ۹۰ ڈگری تک کے جملہ سائن کوسائن وغیرہ دلیل سے ثابت کر کے ٹیبل میں درج کر دیا ہے تا کہ وقت ضرورت ہم کسی بھی مثلث کے کسی زاویہ کے سائن وغیرہ چونکہ ایک مقداری امر ہے جسے ہم عدد سے اظہار کر سکتے ہیں اس لیے جس طرح تمام اعداد کے لوگارثم ہو سکتے ہیں اسی طرح مثلث کے جملہ خطوط واضلاع کے بھی لوگارثم ہو سکتے ہیں۔ علمائے ہیئت نے اس کی بھی ایک فہرست تیار کر لی ہے ایسے سائن کو لوگارثمی سائن کہتے ہیں۔ علم توقیت میں ایک مثل دو مثل کے بعد کو کب معلوم کرنے کے لیے طبعی حصہ استعمال کیا جاتا ہے اور اوقات وغیرہ کے استخراج میں لوگارثمی والا حصہ استعمال کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

الہلال

خالق کائنات نے لافانی دستورِ حیات کلام پاک میں ہلال سے متعلق ارشاد فرمایا:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالحَج. (بقرہ:۸)

تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں تم فرمادو وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لیے

خوبصورت مکھڑا والا ہنستا ہوا چاند جو ہر سال ہمارے لیے عید و رمضان کا پیغام لاتا اور ہر ماہ بدر و ہلال کی صورت میں ایک دلکش نظارہ پیش کرتا ہے دراصل نظام شمسی کا ایسا سیارہ ہے جس کی تخلیق رب کائنات نے انسانوں اور حج کے لیے وقت کی علامت کے طور پر فرمائی ہے۔ یہ اس کی دلکشی ہی کی بات ہے کہ انسان جہانِ رنگ و بو میں آنکھیں کھولتے ہی مہ و نجوم اور کہکشاؤں کی پر پیچ زلفوں میں کسی نہ کسی طرح اپنے دل کو اسیر پاتا ہے۔ علماء ہیئت و نجوم نے قرنوں ان کی وادی میں گل گشت کرنے کے بعد جو کچھ شمس و قمر کے متعلق جانکاری حاصل کی ہے یہاں ان کی تلخیص عطر الوردین کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

جس طرح موجودات میں علم کے اعتبار سے تین طرح کی ہستیاں سامنے آتی ہیں (۱) ایسی ذات جو بذات خود علم والی ہے اور دوسروں کو بھی اپنی عطا سے صاحب علم بناتی ہے جیسے ربّ کائنات۔ (۲) ایسی ذات جو بالذات علم والی تو نہیں لیکن دوسرے سے علم حاصل کر کے خود بھی صاحب علم ہوتی ہے اور اپنے اس علم سے دوسروں کو فیض پہنچاتی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام اور علماء کی ذات۔ (۳) ایسی

ذات جو غیر سے اکتساب علم تو کرتی ہے لیکن اپنے علم سے دوسروں کو فیض پہنچانے سے محروم ہے جیسے عوام الناس۔ اسی طرح العلم کالنور کے پیش نظر روشنی کے تعلق سے بھی قدرت نے تین طرح کے جسموں کو پیدا فرمایا۔ (۱) ایسا جسم جو بالذات روشن ہے اور اپنی روشنی سے دوسرے جسموں کو بھی روشن کرتا ہے جیسے سورج۔ (۲) ایسا جسم جو بالذات خود تو روشن نہیں لیکن دوسرے جسم سے روشنی حاصل کر کے خود بھی روشن ہے اور دوسرے جسموں کو منور کرتا ہے جیسے چاند۔ (۳) ایسا جسم جو بالذات روشن نہیں بلکہ دوسرے جسموں سے روشنی حاصل کر کے خود روشن ہوتا ہے لیکن دوسرے جسموں کو روشن نہیں کر سکتا جیسے در و دیوار۔

بیان سابق سے یہ واضح ہوا کہ نیلگوں مائل بہ سیاہی رنگت رکھنے والا چاند جو نظام شمسی کے دائرۂ گردش میں مصروف عمل ہے وہ بالذات روشن نہیں بلکہ سورج کے بالمقابل ہونے کی وجہ سے منور ہوتا ہے اور اپنی چمکیلی سطح سے بذریعہ انعکاس شعاع کائنات کو بھی روشن کرتا ہے۔

ماہتاب اگرچہ ہماری زمین کی بہ نسبت حجم میں ۱/۴ ہے لیکن آفتاب زمین سے ساڑھے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے یہی وجہ ہے کہ قرص آفتاب کو افق پر طلوع اور غروب ہونے ۲ رمنٹ ۲۴ رسیکنڈ کا وقت لگ جاتا ہے اور ہم جس دھرتی پر مصروف خرام ہیں یہاں سے چاند کا فاصلہ دو لاکھ چالیس ہزار میل (۲۴۰۰۰۰) اور سورج کا فاصلہ نو کروڑ اکتیس لاکھ میل (۹۳۱۰۰۰۰۰) کے لگ بھگ ہے۔ جہاں سے چاند کی روشنی تقریباً سوا سکنڈ اور سورج کی روشنی ساڑھے آٹھ منٹ میں خلاء بسیط اور عناصر کے کروں سے سفر کرتے ہوئے ہماری دھرتی پر جلوہ بار ہوتی ہے۔

کبھی کبھی ایک ہی چیز میں بیک وقت دو سمتوں کی چال ہوتی ہے مثلاً ہم جس ٹرین پر بیٹھے ہیں اس ٹرین کی ساری چیزیں اور مسافر (ٹرین کی رفتار سے اسی سمت کو جا رہے ہیں جدھر ٹرین بل کھاتی ہوئی بھاگ رہی ہے لیکن اسی ٹرین پر مونگ پھلی بیچنے والا کبھی اس کے مخالف سمت بھی سامان فروخت کرتے ہوئے جاتا نظر آتا ہے۔ اس مونگ پھلی والے میں بیک وقت دو چالیں ہیں ایک اس کی ذاتی جو ٹرین کے مخالف سمت ہے دوسری اس کی تبعی جو ٹرین کے موافق ہے۔

اسی طرح چاند، سورج میں بھی بیک وقت دو چالیں ہیں ایک اس کی ذاتی چال دوسری اس کی تبعی چال۔ بحکم خداوندی دونوں ہی جانب مغرب سے مشرق کی طرف اپنے گھیرے میں بالذات رواں دواں ہیں اور اس چال سے بھی کئی گونا تیزی کے ساتھ آسمان کے تابع ہوکر مشرق سے مغرب کی طرف جادہ پیماں ہیں بالتبع چال کی وجہ سے دونوں مشرق میں طلوع ہوکر مغرب میں ڈوبتے نظر آرہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں ہی ۲۴ر گھنٹے میں آسمان کا پورا دورہ یعنی ۳۶۰ ڈگری طے کرلیتے ہیں۔

علماے ہیئت دائرہ کے محیط اور گھراؤ کو ۳۶۰ حصے کرکے ہر حصہ کو درجہ اور ڈگری کہتے ہیں اور پھر درجہ کے ۶۰ حصے مان کر ہر حصہ کو دقیقہ اور دقیقہ کے ساٹھویں حصہ کو ثانیہ اور اسی طرح ساٹھ ساٹھ حصے کرکے ثانیہ، رابعہ وغیرہ کہتے ہیں۔ آفتاب و ماہتاب کا مدار چونکہ دائرہ نما ہے اس لیے اس میں بھی ایسے ہی درجہ، دقیقہ اور ثانیہ وغیرہ مانتے ہیں۔ رصدگاہوں میں برسوں مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ سورج اپنی ذاتی چال سے روزانہ ۵۹ دقیقہ ۸ ثانیہ ۲۰ ثالثہ طے کرتا اور چاند روزانہ ۱۳ درجہ ۱۰ دقیقہ ۳۵ ثانیہ اور ۲ ثالثہ طے کرتا ہوا پورب کی طرف محوخرام ہے جس کے نتیجہ میں سورج ایک سال میں اور چاند ایک مہینہ ہی میں پورا دورہ کامل طے کرلیتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا کہ چاند خود منور نہیں بلکہ آفتاب کے بالمقابل ہونے کی وجہ سے اس کا آدھا حصہ منور ہوجاتا ہے اور پھر بطریقۂ انعکاس ہماری دنیا روشن ہو جاتی ہے لیکن چونکہ ماہتاب کی رفتار آفتاب کی رفتار سے لگ بھگ بارہ گونا زیادہ ہے اس لیے ماہتاب بڑی تیزی کے ساتھ بھاگتے ہوئے آفتاب کے قریب آتا ہے اور پھر اسی تیزی کے ساتھ آگے نکل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دوری بڑھتے بڑھتے ۱۸۰ درجہ کی ہوتی ہے اور پھر آگے گھومتے ہوئے آفتاب کے قریب پہنچ جاتا ہے اور پھر آفتاب سے آگے نکل جاتا ہے۔ اس دوڑ بھاگ اور آنکھ مچولی کی وجہ سے چاند اور سورج کے درمیان قرب و بعد کے اعتبار سے وضعتیں بدلتی رہتی ہیں اور ہم چونکہ آفتاب کو نیچے فرش گیتی سے دیکھ رہے ہیں اس لیے چاند کا روشن حصہ ہمیں مختلف صورت میں نظر آتا ہے۔ قمری مہینہ کے ابتدائی دنوں میں بصورت ہلال ۷ تاریخ کو نصف دائرہ اور چودہ (۱۴) تاریخ میں بدر کامل اور پھر

۲۱ تاریخ کو آدھا چاند اور آخر میں ۲۷ر تاریخ کو چاند چھپ جاتا ہے، یہاں تک کہ آئندہ ماہ کے یکم تاریخ کو پھر ہم چاند کو ہلالی صورت میں دیکھتے ہیں۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ہلال افق پر رات کی طول کے چودھویں حصہ تک رہتا ہے یعنی اگر رات ۱۴ر گھنٹے کی ہو تو ہلال ایک گھنٹہ تک افق پر رہے گا۔ دوسری شب دو گھنٹہ تیسری شب تین گھنٹہ لیلۃ البدر میں چودہ گھنٹے، لیلۃ البدر کے بعد طلوع بھی اسی حساب سے ہوتا ہے۔

چاند اور سورج کا مدار باہم ایک دوسرے کو ۵ ڈگری کے زاویہ پر دو نقطے پر کاٹتے ہوئے گزرنے کی وجہ سے یہ دونوں نقطے چاند اور سورج کے لیے چوراہے ہیں۔ ایک کا نام راس اور دوسرے کا نام ذنب ہے جسے عقدتین بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں نقطوں میں ۱۸۰ ڈگری کی دوری ہے۔ اگر چاند سورج دونوں ہی کسی ایک ہی چوراہے پر یا اس کے آس پاس پہنچ جائیں تو ایسی صورت میں سورج اور زمین کے درمیان چاند حائل ہونے کی وجہ سے سورج کی روشنی بتمامہ دھرتی پر نہیں پہنچ پاتی جسے ہم سورج گہن سے یاد کرتے ہیں اور یہ ۲۸/ ۲۹/ یا ۳۰ر تاریخ قمری ہی ہوسکتا ہے اور اگر چاند سورج الگ الگ چوراہے یا الگ الگ چوراہے کے پاس ہوں جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان ۱۸۰ ڈگری کی دوری ہوگئی ہے۔ تو ایسی صورت میں چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہونے کی وجہ سے سورج کی روشنی چاند تک نہیں پہنچ پاتی اور چاند اس صورت میں اپنی فطری رنگت میں نظر آنے لگتا ہے جسے دنیا چاند گہن سے جانتی ہے اور یہ ۱۳/ ۱۴/ یا ۱۵ر تاریخ قمری ہی میں ممکن ہے۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ چاند روزانہ ۰۲-۳۵-۱۰-۱۳ درجہ اور سورج ۲۰-۸-۵۹ دقیقہ کے حساب سے پورب کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ اس لیے دونوں کے درمیان روزانہ ۴۲-۲۶-۱۱-۱۲ درجہ کی دوری بڑھتی جاتی ہے۔ اس دوری کو ہیئت کی زبان میں ''سبق'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے گوکہ سورج بھی اپنی چال سے پورب کی طرف بڑھتا جاتا ہے لیکن ماہتاب کے اس سبق کے اعتبار سے سورج چاند کی بہ نسبت گویا ساکن رہتا ہے یعنی چاند کی دوری سورج سے روزانہ اتنی (سبق) ہی بڑھتی جاتی ہے۔ شب ہلال سے ۲۷ یوم ۷ گھنٹہ ۴۴ منٹ چلنے کے بعد چاند اماوس میں آجاتا ہے اور دنیا کہتی ہے کہ

چاند چھپ گیا۔ ہیئت کی زبان میں اسی حالت کو محاق کہتے ہیں۔ اس مخصوص وقت میں چاند کا رخِ روشن سورج کی طرف اور تاریک حصہ فرش گیتی کی طرف ہوتا ہے۔ چاند دو یوم ۵ گھنٹہ تک اماوس میں رہتا ہے اور جب ۲۹ یوم ۱۲ گھنٹہ ۲۴ منٹ کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو ماہتاب اپنی اسی وضع سابق میں پہنچ کر بصورت ہلال نظر آنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ چاند روزانہ بقدر (سبق) سورج کی بہ نسبت طے کرتا جاتا ہے اس لیے پورے دورۂ کامل کو لامحالہ ۲۹ یوم ۱۲ گھنٹہ ۴۴ منٹ میں طے کر لے گا۔ بلفظ دیگر یوں کہیے کہ سبق اور اس کے طے کرنے کی مدت اور مدار کا درجہ (۳۶۰)۔ یہ تینوں باتیں معلوم ہیں، البتہ پورے دورۂ کامل (۳۶۰) کو طے کرنے کی چونکہ مدت معلوم نہیں اس لیے ہم ارشاطیقی میں ذکر کردہ قاعدہ اربعہ متناسبہ کے ذریعہ معلوم کر سکتے ہیں، اس کی صورت یوں ہوگی۔

طرف	وسط		وسط		طرف
یوم واحد	سبق معلوم	::	ایام مجہول	:	۳۶۰ درجہ

اس تناسب میں یوم اور ۳۶۰ ڈگری طرفین ہیں۔ سبق معلوم اور ایام مجہول وسطین ہیں اس لیے اقلیدس کے مقالہ پانچ شکل (۱۶) کے مطابق طرفین کے حاصل ضرب اور وسطین کے حاصل ضرب برابر ہوں گے۔ لہٰذا اگر طرفین کے حاصل ضرب کو ہم وسطین کے معلوم شدہ رکن یعنی سبق سے تقسیم کریں تو نتیجہ برآمد ہوگا کہ چاند ۲۹ ر دن ۱۲ گھنٹہ ۴۴ منٹ میں پھر اپنی وضع سابق میں آجائے گا اور یہی حقیقی قمری یوم کی مقدار ہوگی اور جب اس مقدار کو ہم ۱۲ سے ضرب دیں تو حاصل ضرب ۳۵۴ دن ۸ گھنٹہ ۴۸ منٹ یعنی ۳۵۴ ۱۱/۳۰ دن سال قمری حقیقی ہوگا۔ سورج چونکہ اپنی ذاتی رفتار سے پورے دورۂ کامل کو تقریباً ۳۶۵ دن ۶ گھنٹہ یعنی ۳۶۵ ¼ دن میں طے کرتا ہے (۱)۔ اس لیے یہ شمسی سال کی مدت ہوگی اور اس کا بارھواں حصہ یعنی ۳۰ دن ۱۰ گھنٹہ ۱۲ منٹ ماہ شمسی حقیقی کی مدت ہوگی لیکن علم ہیئت میں بحث تعدیلات کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ مقام اوج، حضیض اور حالت صعود و ہبوط میں سورج کی چال بہ نسبت منطقۃ البروج یکساں نہیں ہوتی اس لیے آفتاب بارہ برجوں کو مختلف مدت میں طے

کر رہا ہے۔ اسی اعتبار سے شمسی مہینے کبھی ۳۰، کبھی ۳۱، اور کبھی ۲۸ مانے جاتے ہیں لیکن ہر سال میں چونکہ ۶-۶ گھنٹہ زائد ہوتا جاتا ہے اس لیے چوتھے سال میں ۶×۴=۲۴ گھنٹے زائد ہونے کی وجہ سے فروری ۲۹ کا یعنی کبیسہ مانا جاتا ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ سال شمسی قمری سال سے دس یوم اکیس گھنٹے بارہ منٹ زائدہ ہوتا ہے جسے عام لوگ ۱۱ ر یوم کہتے ہیں اور ماہ شمسی حقیقی ماہ قمری حقیقی سے ۲۱ گھنٹے ۲۸ منٹ بڑا ہوتا ہے۔

رویت ہلال کی شام کو غروب آفتاب کے وقت چاند سورج کے درمیان ایک مخصوص وضع کے حاصل ہونے کے لیے علمائے ہیئت نے کئی شرطیں بتائی ہیں جن میں سے ایک اہم شرط یہ ہے کہ چاند اور سورج کے مابین ایک معین فاصلہ سے کم فاصلہ نہ ہونا چاہیے جس کو علم ہیئت کی اصطلاح میں ''بعد معدل'' کہا جاتا ہے۔ اس معین فاصلہ کی مقدار میں علماے ہیئت مختلف الخیال ہیں۔ علامہ برجندی نے ''زیج سلطانی'' کی شرح میں سب کے اقوال اور تمام شرطوں کے ذکر کے بعد فرمایا ہے:

بالجملہ ضبط آں بر سبیل تحقیق متعسر است بلکہ متعذر و ازیں جہت بطلیموس در مجطی تعرض ہلال نہ کردہ است۔

لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب چاند اور سورج دونوں کی تقویم کے درمیان دس سے بارہ ڈگری تک کا فاصلہ ہوتا ہے یا بلفظ دیگر غروب آفتاب کے بعد جب چاند افق پر چالیس منٹ سے اڑتالیس منٹ تک موجود رہتا ہے تو رویت ہلال ہو جاتی ہے یعنی اگر چاند اور سورج کے غروب میں چالیس منٹ کا تفاوت ہو تو چاند نظر آسکتا ہے اور اگر اس سے زیادہ کا فرق ہو تو رویت ہلال میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

چاند ہلالی شکل میں آنے کے بعد پھر اپنی منزل طے کرتا ہوا بڑھتے بڑھتے بدر کامل ہو جاتا ہے اور پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے تا آنکہ آگے چل کر ستائیسویں شب میں اماوس میں آجاتا ہے اور پھر اماوس ختم ہوتے ہی چاند اور سورج میں وہی وضع لوٹ آتی ہے جس وضع میں چاند ہلالی شکل میں نظر آیا تھا۔ بار دگر اس وضع میں لوٹنے کی مدت ۲۹½ یوم کی ہوتی ہے اسی لیے عربی مہینہ ۲۹ یوم سے کم اور تیس یوم

سے زائد کا نہیں ہوتا۔

زیچ سلطانی میں لکھا ہے کہ عربی مہینے چار ماہ مسلسل ۳۰-۳۰ یوم اور تین مہینے ۲۹-۲۹ یوم کے ہو سکتے ہیں، اس سے زائد نہیں۔

چونکہ رویت ہلال کی شام کو چاند سورج سے کم از کم دس ڈگری پورب رہتا ہے اور روزانہ بقدر ''سبق''، یعنی ۴۲-۲۶-۱۲ درجہ کے حساب سے سورج کی بہ نسبت تیز گامی سے آگے بڑھتا رہتا ہے اس لیے دوسری شب کو چاند سورج کے درمیان ۴۲-۲۶-۲۲ ڈگری کی دوری ہو جاتی ہے لہٰذا جہاں کہیں ۲۹؍تاریخ کو ہلال نظر نہ آیا تو وہاں ۳۰ تاریخ کو رویت ضرور ہوگی جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پوری دنیا میں رویت ہلال میں صرف ایک دن کا فرق ہوسکتا ہے، اس سے زائد ممکن نہیں۔ اس لیے یہ بات غلط ہے کہ عرب میں رویت ہلال ہمارے ہندوستان سے ۲؍یوم پیشتر ہو جاتی ہے اور عید قرباں اور حج ہمارے یہاں کی تاریخ سے وہاں ۲؍دن پیشتر ہو جاتے ہیں۔

رویت ہلال کا معاملہ جہاں کہیں ''بعد معدل'' کی تعیین اور دیگر شرائط پر موقوف ہے وہاں اس کا معاملہ افق پر گرد و غبار کی مقدار اور اسی طرح افق کے اوپر فضا کی رطوبت، یبوست، حرارت اور برودت کی مخصوص کیفیات و کمیات اور ساتھ ہی اس جگہ واقع شدہ بادل کی کثافت و لطافت کے اوپر بھی موقوف ہے۔ حساب زیادہ سے زیادہ یہ بتا سکتا ہے کہ ۲۹؍کی شام کو چاند اور سورج میں اتنا فاصلہ رہے گا اور یہ ضو ہوگی لیکن حساب دوسری ان چیزوں کو نہیں بتا سکتا جن پر رویت موقوف ہے اور نہ یہ بتا سکتا ہے کہ فلاں نے چاند دیکھ لیا یا فلاں فلاں مقام پر رویت ہوگئی۔ الغرض چاند دیکھنا انسان کا ایسا ذاتی فعل ہے جسے حساب سے نہیں بتایا جاسکتا۔

بہرحال ماسبق کی مذکورہ باتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رویت ہلال کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کسی بھی طرح حساب کے قابو میں نہیں آ سکتا۔ اس لیے شارع علیہ السلام نے الــدیــن یسر کے پیش نظر ارشاد فرمایا:

صوموا الرویته وافطروا الرویته فان غم علیکم فاقدروا اثلثین.

یعنی ہلال دیکھ کر روزہ رکھو اور ہلال دیکھ کر افطار کرو۔ اگر کسی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ دن کا مہینہ مانو اور شمار کرو۔

جس طرح آفتاب الگ الگ شہروں میں مختلف اوقات میں طلوع کرتا ہے، اسی طرح ماہتاب بھی الگ الگ شہروں میں مختلف اوقات میں نظر آتا ہے تا آنکہ جس طرح لگ بھگ ایک ہزار میل پورب پچھم کی دوری پر طلوع آفتاب میں ایک گھنٹہ کا فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح رویت ہلال میں بھی ایک گھنٹہ کا فرق ہوسکتا ہے۔ شرح چغمینی میں ہے:

رویة الھلال تختلف باختلاف المساکن

اسی اختلاف المساکن کو علما اختلاف المطالع سے تعبیر کرتے ہیں۔

گوکہ کچھ علما اختلاف المطالع کا اعتبار کرتے لیکن محققین نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا کہ:

یلزم اھل المشرق برویة اھل المغرب الخ

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ میں اس بحث کو اتنا منقح فرما دیا ہے کہ اختلاف المطالع کے اعتبار کی کوئی راہ ہی نہیں نکلتی۔ اس لیے یہاں اس کی بحث سے صرف نظر کیا جاتا ہے اہل ذوق حضرات فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ فرمائیں یہی ان کے لیے کافی ہے۔

مقدمۃ الواجب واجبۃ کے پیش نظر شریعت مطہرہ نے شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ کے چاند دیکھنے کی ہدایت فرمائی اور مسلمانوں پر مذکورہ مہینوں کا چاند دیکھنا واجب کفایہ فرمایا فقہائے کرام، علمائے عظم نے چاند کے ثبوت کے لیے سات طریقے بیان فرمائے ہیں: (۱) شہادۃ علیٰ الرویۃ، (۲) شہادۃ علیٰ الشہادۃ، (۳) شہادۃ علیٰ حکم القاضی، (۴) شہادۃ علیٰ کتاب القاضی، (۵) استفاضہ، (۶) اکمال عدت، (۷) اعلان۔

شہادۃ علی الرویۃ - یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی بعض صورتوں میں رمضان المبارک کے چاند کے لیے صرف ایک مسلمان عاقل بالغ غیر فاسق کی گواہی کافی ہے اور باقی مہینوں کے لیے دو مرد مسلمان عادل یا ایک مرد اور دو عورتیں مسلمان عادلہ غیر فاسقہ کی گواہی ضروری ہے۔

شہادۃ علی الشہادۃ - یعنی گواہوں نے چاند خود نہ دیکھا بلکہ دیکھنے والوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور اپنی گواہی پر انھیں گواہ کیا۔ پھر انھوں نے ان کی گواہی کی گواہی دی۔

شہادۃ علی حکم القاضی - یعنی دوسرے کسی اسلامی شہر میں حاکم اسلام کے حضور رویت ہلال پر شہادتیں گزریں اور اس نے ثبوت ہلال کا حکم دیا۔ دو عادل گواہ اس گواہی اور حکم کے وقت دارالقضا میں موجود تھے، انھوں نے اپنے شہر میں حاکم اسلام کے حضور اس کی گواہی دی۔

شہادۃ علی کتاب القاضی - یعنی قاضی شرع کے سامنے شرعاً گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادۃ شرعیہ قائم ہوئی اور وہ خط دو عادل گواہوں کے سپرد کیا۔ ان گواہوں نے باحتیاط اس خط کو قاضی کے سامنے پیش کر کے اس پر گواہی دی۔ (۱)

استفاضہ - یعنی جن اسلامی شہروں میں ثبوت ہلال ہو گیا، وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب نے بیک زبان اپنے علم سے اس بات کی خبر دی کہ فلاں شہر میں ثبوتِ ہلال ہو گیا۔

اکمال عدّت - یعنی جب کسی وجہ سے ۲۹ کی رویت ثابت نہ ہو سکی تو جب ایک مہینے کے تیس دن پورے ہو جائیں تو ماہ متصل کے ہلال کا ثبوت خود بخود ہو جاتا ہے۔

اعلان - یعنی قاضی شہر کی خدمت میں شہادۃ گزری اور اس نے اس شہادت پر ثبوت ہلال کا حکم دے دیا اور اپنے اس حکم کو اپنے شہر کے ہر شخص تک پہنچانے کی غرض سے اعلان عام کروا دیا۔ اس طرح اس قاضی کے حدود قضا میں رہنے والے تمام افراد کو ثبوتِ ہلال کا علم ہو گیا۔

شریعت مطہرہ نے الزام الحکم علی الغیر دو طرح نافذ فرمایا ہے- ایک بربنائے حجت، دوسرا بربنائے ولایت۔ رویت ہلال کے ثبوت کے اول چار طریقے ازقبیل شہادت ہیں اور آخری طریقہ ازقبیل ولایت ہے۔ رہا اکمال اور استفاضہ تو دراصل ان صورتوں میں ثبوت رویت ہلال خود بخود ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں الزام الحکم علی الغیر ہی موجود نہیں کہ حجت یا ولایت کی حاجت ہو۔ ثبوت ہلال کا یہ طریقہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بذات خود کسی نے چاند اپنی نظر سے دیکھا تو اس پر صوم یا افطار خود بخود

منجانب شرع لازم ہو جاتا ہے۔ یہاں الزام الحکم علی الغیر نہیں، اعلان کے ازقبیل ولایت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے لوگوں پر جن کی ولایت تسلیم کی ہے ان کے اعلان سے لوگوں پر حکم کا نفاذ بھی تسلیم کیا ہے۔ دُنیوی مثال میں اسے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک پرنسپل کا کوئی اعلان صرف اس کے ماتحت چلنے والے ادارے کے جملہ طلبہ اور متعلقین کے لیے ہی نافذ ہوتا ہے، دوسرے ادارے کے متعلقین کے لیے نہیں، ایک ضلع کے حاکم کا کوئی اعلان اس ضلع کے تمام باشندوں کے لیے حکم نافذ کرتا ہے دوسرے اضلاع کے باشندوں کے لیے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بازار میں روزمرہ طرح طرح کے اعلانات ہوتے رہتے ہیں کہیں بیڑی کا اعلان، کہیں دواؤں کا اعلان، کہیں منجن وغیرہ کا اعلان ہوتا ہے لیکن بازار میں خرید وفروخت یا رہنے سہنے والوں پر اس اعلان پر عمل کرنا ضروری نہیں لیکن اگر حاکم کی طرف سے یہ اعلان ہو کہ کل بازار بند رہے گا تو اس کی تعمیل ضروری قرار پاتی ہے اور اس پر عمل ناگزیر ہو جاتا ہے۔

رویت ہلال میں بھی اعلان کی یہی حیثیت ہے کہ اعلان کرنے والے حاکم، قاضی یا قائم مقام قاضی کی حدود قضا جن حلقوں کو محیط ہے صرف انھیں حلقوں میں ان کے اعلان سے حکم نافذ ہوگا اور اس سے رویت ہلال کا ثبوت مانا جائے گا، خواہ یہ اعلان بذریعہ روشنی یا نقارہ یا توپ یا لاؤڈ اسپیکر یا ریڈیو سے ہو۔ جو لوگ اعلان کرنے والے کی حدود قضا سے خارج ہیں ان کے لیے اس اعلان سے رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ ازکی الہلال میں ہے کہ "ائمہ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذات خود آ کر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں، ہرگز نہیں سنیں گے۔

جب شریعت مطہرہ کا یہ مزاج ہے کہ جس قاضی کے اعلان پر اس کے شہر میں صوم وافطار کا حکم نافذ ہوتا اگر وہی قاضی یا اس کا فرستادہ آدمی دوسرے شہر میں جا کر بیان کرے تو شرعاً معتبر نہیں تو پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ بذریعہ ریڈیو، ٹیلی ویژن اس کے اعلان سے دوسرے شہر میں صوم وافطار روا ہو اور جب ریڈیو، ٹیلی ویژن کی نا اعتباری کا یہ حال ہے تو تار، ٹیلی فون خط اور اخبار کیسے قابل اعتماد

ہو سکتے ہیں اوران سے کیوں کر رویت ہلال کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

ریڈیو یا ٹیلی ویژن سے اعلان کی چار صورتیں ہیں:

(۱) خود قاضی مقام نشریات میں پہنچ کر اعلان کرے۔

(۲) اس کی ٹیپ شدہ آواز سے اعلان ہو۔

(۳) قاضی کے علاوہ کوئی آدمی مقام نشریات میں پہنچ کر اعلان کرے۔

(۴) قاضی کے علاوہ کسی آدمی کی ٹیپ شدہ آواز سے اعلان ہو۔

بہر تقدیر ان تمام صورتوں میں خود قاضی یا اس کے علاوہ کسی آواز ریڈیائی لہروں کے توسط سے لوگوں تک پہنچتی ہے۔ البتہ ٹیلی ویژن میں آواز کے ساتھ اس کی تصویر بھی بن گئی اور اعلان کنندہ شناخت میں آ گیا، لیکن ابھی ابھی ازکی الہلال کے حوالہ سے گزرا کہ ''ائمہ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذات خود آ کر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں، ہرگز نہیں سنیں گے''۔

ذرا ٹھنڈے دل سے کلیجے پر ہاتھ رکھ کر اس شرعی معاملہ اور دینی مسئلہ کو سوچیے کہ جب قاضی یا اس کا اپنا آدمی سراپا مجسم براہ راست بیان دے جب بھی دوسرے شہروں میں ان لوگوں کا بیان ثبوت ہلال میں معتبر نہیں، تو ریڈیائی لہروں کے توسط سے ان لوگوں کی آنے والی آواز یا اسکرین پر بننے والی تصویر کی وجہ سے ان لوگوں کا اعلان ثبوت ہلال میں کیوں کر معتبر ہوگا۔ وہاں دوبدو بالمشافہ سراپا مجسم کا بیان اور یہاں پس پردہ بالواسطہ یا تصویر کا اعلان، ایمانی فراست بھی شاہد ہے کہ جب وہی معتبر نہیں تو یہ کیوں کر معتبر ہوسکتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قاضی سے بالذات وہ جملہ امور متعلق ہوتے ہیں جو قطعِ خصومات اور دفعِ منازعات کے قبیل سے ہیں۔ رویت ہلال کا مسئلہ فی نفسہٖ حقیقتاً قضا سے متعلق نہیں یہی وجہ ہے کہ ثبوت ہلال کی بعض صورتوں میں قضا کی حاجت نہیں ہوتی، لیکن چونکہ رویت ہلال کے بعض احوال میں شہادت گزاری کی ضرورت پڑتی ہے۔ شہادت لینا اور اس کا قبول ورد کرنا قاضی

کا کام اور اس کا وظیفہ ہے۔ اس واسطہ سے رویت ہلال کی بعض صورت قاضی سے متعلق ہو جاتی ہے۔

اس لیے کسی ایسے آدمی کو قاضی نامزد کر دینا کہ فقط رویت ہلال ہی کے باب میں اس کا اعلان مانا جائے دیگر امور متعلقہ بالقضا میں اس قاضی کی ضرورت نہیں بلکہ ان دیگر امور کو اپنے حلقہ کے کسی دوسرے قاضی سے متعلق قرار دیا جائے تو یہ شرعاً قاضی تسلیم کرنا نہیں ہوا بلکہ اپنے ہوا و ہوس کی اتباع میں ایک بدعت ہوئی، لہٰذا پورے ملک میں اس قسم کا قاضی مان کر ان کے اعلان کو پورے ملک میں الزام الحکم علی الغیر کے لیے کافی سمجھنا در اصل شریعت میں رخنہ ڈالنا اور دخل اندازی ہے۔

اس لیے جن شہر و بلاد میں جن اعلم علماء بلد کے حکم سے اقامت جمعہ وعیدین ہوتی ہے، جن کی طرف مسائل دینیہ میں رجوع ہوتا ہے اور اسلامی طرز پر دفع منازعہ اور قطع خصومہ کے لیے جن کو حَکَم مانا جاتا ہے۔ ان بلاد میں فقط انھیں کا اعلان رویت ہلال کے ثبوت کا باعث ہوسکتا ہے دوسرے کا نہیں۔

پاکستان، عرب اور دوسرے ممالک کے اعلان کرنے والے چونکہ ہمارے ملک میں ولایت نہیں رکھتے، اسی طرح دہلی کے مقیم دوسرے شہروں میں اقامت جمعہ وعیدین کا حق نہیں رکھتے اور نہ روز مرّہ کے مسائل دینیہ میں وہ حاکم نامزد ہوتے ہیں اس لیے دوسرے شہروں کے لوگ شرعاً ان کے زیر ولایت بھی نہیں، لہٰذا یہ اعلانات ان کے لیے شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

روزہ وافطار، عید وقربان وغیرہ مقدس ومحترم اسلامی عبادات ورسومات ہیں، اس لیے ہمیں رضائے رب حاصل کرنے کے لیے ہر حال میں اسلامی اصول اور اسلامی روش پر ہی چلنا اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

(ماہنامہ اشرفیہ، جون ۱۹۹۰ء ص: ۱۸)

☆☆☆

نصف صاع اور کلوگرام کے تعلق سے

ہمارا ایک مضمون بعنوان ’’صاع اور کلوگرام کا باہمی معادلہ‘‘ ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اور ماہنامہ جام نور دہلی میں شائع ہوا، جس میں امام احمد رضا کے حوالہ سے تین باتیں پیش کی گئی تھیں (۱) نصف صاع برابر ۵ء۱۷۵ پھر (۲) بھر برابر ۲۵ء۱۱ ماشہ (۳) تولہ برابر ۱۲/ ماشہ۔ اور ایک بات سونے چاندی کے بڑے پیمانہ پر کاروبار کرنے والے دہلی کے ایک مشہور جوئیلرس کی اس کتاب سے نقل کی گئی تھی جو غالبًا ۶۰ء کو انھوں نے چھاپی تھی (کتاب کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے مسئلہ صاف نہیں پڑھا جا سکا) ہمیں قطعًا اس پر اصرار نہیں کہ مذکور جوئیلرس کی بات بہر حال سو فیصد صحیح ہے اس لیے اپنے مضمون میں ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ اور علمائے کرام اور مفتیان عظام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر پیش کردہ مساوات میں بھول ہوگئی ہو تو ہمیں اس سے باخبر کرکے عنداللہ ماجور ہوں۔

دنیا کے سبھی دانشور یہ بات سمجھتے ہیں کہ جب ایک پیمانہ کو دوسرے پیمانہ میں بدلتے ہیں تو وہاں تین باتیں ہوتی ہیں (۱) محول پیمانہ یعنی جس پیمانہ کو بدلا جاتا ہے، (۲) محول الیہ پیمانہ یعنی جس پیمانہ میں بدلا جاتا ہے، (۳) محول پیمانہ اور محول الیہ پیمانہ کے مابین نسبت۔ محول پیمانہ اور محول الیہ پیمانہ چونکہ عام طور پر بین الناس رائج رہتا ہے یا رائج ہوتا ہے اس لیے یہ درجہ مفرغ عنہ میں ہوتا ہے۔ اس پر نہ بحث ہوگی اور نہ اس پر بحث مناسب۔ تیسری چیز یعنی محول پیمانہ اور محول الیہ پیمانہ کے مابین نسبت۔ یہی دراصل عمل تبدیل کا سنگ اساس ہوتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو تحویل صحیح اور اگر یہ غلط تو

تحویل بھی غلط۔ اس لیے موقع اختلاف پر اسی پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔ جیسے کوئی میل کلومیٹر یا اس کا برعکس تحویل کرنا چاہے تو ان دونوں کے مابین نسبت ہی کو اساس قرار دے کر تحویل کر سکتا ہے اگر مدار تحویل یعنی نسبت بین المحولین صحیح تو تحویل صحیح ورنہ تحویل غلط۔ مثلاً فرض کیجیے دو مجہول پیمانے الف اور جیم ہیں دونوں کے مابین نسبت معلوم ہے کہ الف جیم کا مثلث ہے تو ہم اس معلوم نسبت کے ذریعہ یہ کہہ سکتے ہیں تین الف ایک جیم کے برابر ہے۔ برخلاف اس کے کہ ہم کو جیم اور الف معلوم ہو لیکن ان دونوں کے مابین نسبت معلوم نہ ہو تو ہم اس مساوات کو حل نہیں کر سکتے۔ پتہ چلا کہ معادلہ قائم کرنے کے لیے روسی قیمت ہی کافی ہے، ذاتی کمیت کا معلوم ہونا ضروری نہیں۔ مگر نسبت بین الطرفین کا معلوم ہونا قطعًا ضروری ہے۔

دورانِ اختلاف مدعی پر واجب ہے کہ وہ جس مقدمہ کو مدار کلام قرار دیتا ہے وہ اس مقدمہ کو ایسے فن یا ایسے شخص کے قول موثوق سے مبرہن کرلے جس کا اس فن سے تعلق اور گہرا لگاؤ اور واسطہ ہو، مثلاً اگر وہ مقدمہ طب سے متعلق ہے تو اس مقدمہ کو فن طب یا پھر کسی ماہر طبیب کے قول سے مدلل کرنا چاہیے یا مثلاً اگر وہ مقدمہ کسی شہر کے عرض البلد وغیرہ سے متعلق ہو تو علم جغرافیہ یا اس کے ماہر کے قول سے مبرہن کرنا چاہیے۔ یہاں نصف صاع برابر ۵ء۱۷۵ اور بھر برابر ۲۵ء۱۱ ماشہ اور اسی طرح کلو گرام، ملی گرام وغیرہ مفرغ عنہ ہے۔ یہاں معادلہ قائم کرنے کے لیے دراصل بنیادی چیز اور اساس بحث یہ ہے کہ ان دونوں پیمانوں کے مابین کون سی نسبت ہے کہ جس کو وسائل ومبادی کی حیثیت سے دیگر قدیم وجدید پیمانوں کے مابین معادلہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے ان پیمانوں سے کاروبار کرنے والے لوگ وہ ہیں جن کا پیشہ چاندی سونے کی خرید کا ہے یا پھر وہ حضرات ہیں جن کا تعلق علم کیمیا سے ہو۔ اس لیے تولہ، بھر، ماشہ، رتی اور گرام اور ملی گرام کے تعلق سے صحیح معلومات حاصل کرنے کے لیے جوئیلرس، سنار یا پھر علم کیمیا کے ماہرین سے رابطہ کرنا ہوگا یا ان کی چھپی ہوئی کتابوں پر اعتماد کرنا ہوگا۔ اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے ہم نے اپنے مضمون میں دہلی کے جوئیلرس کی چھپی کتاب سے تولہ اور گرام کے مابین درج شدہ پانچ نسبتوں کو قلم

بند کیا جو اربع متناسبہ کے اصول پر حل کیا گیا ہے کہ ۳رتولہ برابر ۳۵رگرام، ۱۸رتولہ برابر ۲۱۰رگرام، ۲۱رتولہ برابر ۲۴۵رگرام، ۲۷رتولہ برابر ۳۱۵رگرام اور ۳۰رتولہ برابر ۳۵۰رگرام۔

اربعہ متناسبہ کے اصول پر قائم کردہ پانچ نسبتوں کو نقل کرنے سے میرے دو مقصد تھے ایک یہ کہ تا کہ واضح ہو جائے کہ ان نسبتوں کے لکھنے میں کاتب سے بھول نہیں ہوئی اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ تا کہ قارئین کرام ان میں سے جس نسبت کو چاہیں اپنے عمل میں لا کر حساب کر سکتے ہیں۔ پھر دو طریقے یعنی وحدانی طریقہ اور اربعہ متناسبہ طریقہ کے ذریعہ ہم نے تحویل پیش کی ہے۔

اتنی سرگزشت پیش کرنے کے بعد اب میری عرضداشت یہ ہے کہ محبّ محترم حضرت علّامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ (دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور) نے منصفانہ جائزہ لکھتے وقت ان باتوں کی رعایت نہیں فرمائی۔ ان کو چاہیے تھا کہ وہ بنیادی چیز اور اساس بحث یعنی قدیم وجدید پیمانوں کے مابین نسبت پر بحث فرما کر یہ ثابت کرتے کہ دہلی کے مذکور جوئیلرس کی کتاب میں درج شدہ نسبت ان وجوہات اور ان دلائل کی وجہ سے صحیح نہیں ہے اور پھر بطور حوالہ کسی قابل اعتماد کتاب یا ماہرفن کے قول کو نقل کرتے۔ لیکن محبّ محترم نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ مسلم اور مفروغ عنہ باتیں جو ہمارے مضمون میں بلا کسی اختلاف کے درج ہیں انھیں باتوں کا اعادہ اور اعتراف فرمایا اور جب بنیادی امر اور اساس بحث کی بات آئی تو وہ اسے نا قابل توجہ بات سمجھ کر فقط یہ لکھ کر پوری بساط بحث کو لپیٹ کر رکھ دیئے۔ مفتی صاحب قبلہ اس بنیادی امر اور اساس بحث کو قلم بند فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں (۳)

انگریزی روپئے ۶۶۴ء۱۱گرام ہے، یہ بھی سب کو تسلیم ہے۔ علاوہ ازیں کسی پڑھے لکھے سنار، جوئیلرس سے پوچھ لیجیے وہ اس کی تصدیق کرلے گا اور اگر کہیں انگریزی عہد کا سکہ بغیر گھسا ہوا محفوظ حالت میں مل جائے تو اسے کمپیوٹرائز آلۂ وزن پر خود تول کر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ امر محسوسات اور بدیہات سے ہے جو قطعی نا قابل انکار ہے اور لکھتے ہیں کہ اس سے عیاں ہوا کہ ایک روپیہ انگریزی کا وزن ۱۱رگرام ۶۶۴رملی گرام ہے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ انگریزی روپئے کا وزن ۱۱رگرام ۶۶۴رملی گرام لکھ کر آگے ارشاد فرماتے

ہیں کہ یہ بھی سب کو تسلیم ہے۔ اگر سب کا مطلب حضرت مفتی نظام الدین نے اپنے اور اپنے شریک کار کو سمجھا ہے تو یہ حوالہ صحیح نہیں کیونکہ آپ حضرات نہ تو سنار ہیں اور نہ تو جوئیلرس اور نہ ہی علم کیمیا کے ماہر ہیں اور نہ جڑی بوٹی بیچنے والے عطار۔ اگر سب کا مطلب عوام الناس ہیں تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ان باریک وحساس پیمانوں کے تعلق سے ان لوگوں کی تسلیم اور عدم تسلیم دونوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر خواص مراد ہیں تو یہ خواص یا تو کالج کے پروفیسر یا کورٹ کچہری کے وکیل یا ہاسپٹل کے ڈاکٹر یا تعمیرات کے انجینئر ہوں گے تو بھی حوالہ صحیح نہیں کہ ان لوگوں کا فن اوزان اور پیمانوں سے کوئی خاص تعلق ورشتہ نہیں اور اگر خواص سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان باتوں اور پیمانوں سے کاروبار کرتے رہے اور کرتے ہیں تو مفتی صاحب کے لیے لازم تھا کہ ان حضرات کو تحریر میں لاتے یا ان لوگوں کی باتوں کے حوالے پیش کرتے دونہ خرط القتاد۔

مفتی صاحب نے ضابطہ کے لحاظ سے کوئی حوالہ نہیں پیش فرمایا لیکن پھر بھی نتیجے کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے عیاں ہوا کہ ایک روپیہ انگریزی کا وزن ۱۱رگرام ۶۶۴رملی گرام ہے۔ ہم نے لاکھ کوشش کی مگر یہ نکتہ میری سمجھ میں نہ آسکا کیوں کہ آگے پیچھے کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے۔ پھر بھی مفتی صاحب نے یہ کیسے فرما دیا کہ اس سے عیاں ہوا کہ ایک روپیہ انگریزی کا وزن ۱۱رگرام ۶۶۶رملی گرام ہے اور پھر اسی کو مبنی بنا کر یہ ثابت فرمایا ہے کہ نصف صاع (۱۷۵ء۵) ۲رکلو ۷۴رگرام کے برابر ہوگا''۔

یہ صحیح ہے کہ یہ مسئلہ ہمارے دین سے متعلق ہونے کی وجہ سے ایسا ضرور ہے کہ ہر مومن کو چاہیے کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو اس کی تحقیق کی جائے لیکن میرا سوال یہ ہے کہ ہمارے مفتی صاحب قبلہ اس بحث میں رد وابطال فرمانے کی وجہ سے منصب رد پر فائز ہیں اور اس مسئلہ دائرہ میں محقق کی حیثیت سے سامنے آرہے ہیں جیسا کہ مضمون کا عنوان شاہد عدل ہے، جلی عنوان کچھ اس طرح ہے ''صدقۂ فطر کا وزن ۲رکلو ۷۴رگرام یہی صحیح ہے''، اور ذیلی عنوان ہے ''خواجۂ علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین کی تحریر کا منصفانہ جائزہ''۔ ان عنوان کا تقاضہ یہ تھا کہ مفتی صاحب قدیم وجدید پیمانوں کی

نسبت پر کامل بحث کرنے کے بعد ہی اپنا فیصلہ صادر فرماتے۔ رد کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ خود اس بنیادی مسئلہ پر اچھی طرح سے بحث فرماتے اور پھر کسی کتاب کے حوالہ یا کسی قابلِ اعتماد شخص کے قول سے سند لاتے۔ رد و ابطال کے منصب پر ہونے کی وجہ سے خود ان کی ذاتی ذمہ داری تھی کہ کسی پڑھے لکھے سنار، جوئیلرس سے پوچھتے اور خود ان پر لازم تھا کہ انگریزی عہد کے محفوظ سکہ کو کمپیوٹرائز آلۂ وزن پر رکھ کر اپنا اور لوگوں کے مشاہدہ کا حوالہ دیتے۔ آپ نے ان میں سے کچھ نہیں کیا۔ یہ ساری ذمہ داریاں دوسروں پر تھوپ دیں جو آداب بحث کے خلاف ہے۔

بلکہ رد و ابطال کے منصب پر ہونے کی وجہ سے ان پر لازم تھا کہ اگر وہ اسی پائے کا حوالہ پیش کرتے جو ہمارے حوالہ کا ہم پلّہ ہوتا تو اذا **تعارضا تساقطا** کے اصول کے پیش نظر یہ صحیح نہیں ہوگا کہ مضمون کی سرخی ایسی قائم کرتے جیسا کہ ماہنامہ اشرفیہ میں موجود ہے کہ ''صدقۂ فطر کا وزن ۲؍کلو ۴۷؍گرام ہی صحیح ہے''۔

بہر حال عرض یہ ہے کہ موقع بحث اور مقتضائے حال کے اعتبار سے جو بات لازم تھی حضرت مفتی صاحب نے نہ جانے کس وجہ سے اسے ترک فرما دیا اور جو بات قابل ترک تھی اس کو لازم پکڑ لیا۔ اس لیے آگے چل کر مفتی صاحب کا یہ فرمان بالکل بے محل اور بے موقع ہے۔ ان مسلمات کے پیش نظر نئے پرانے اور ان کے مابین معادلہ کی تفصیل حسب ذیل ہے: ''جب مبنیٰ ہی غیر ثابت تو نتیجہ بھی غیر ثابت ہی نہیں فرمایا بلکہ یہ کہہ کر معاملہ لپیٹ دیا کہ یہ سب کو تسلیم ہے''۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اپنے مضمون کے آخری حصے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''دہلی والے جوئیلرس نے ۳؍تولے کا وزن ۳۵؍گرام لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ایک روپیہ انگریزی کو ایک تولہ مانا ہے کیونکہ ۱۱؍گرام ۶۶۴؍ملی گرام کو ۳ میں ضرب دینے سے ۳۴؍گرام ۹۹۲؍ملی گرام ہوئے یعنی ۸ ملی گرام کم ۳۵ گرام۔ جوئیلرس مذکور نے ازرہ عنایت ۸؍ملی گرام کی کمی کو کم نہ مان کر پورے ۳۵؍گرام لکھ دیا ہے اس سے بات عیاں ہے کہ اس جوئیلرس نے ایک روپیہ انگریزی کو ایک تولہ مانا ہے۔

مشہور تو یہ ہے کہ لفظ بولتے ہی جو معنیٰ متبادر ہو وہی ظاہر کہلاتا ہے لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہو گیا

کہ جوئیلرس تو بول اور لکھ رہا ہے تولہ اور ظاہر ہو رہا ہے انگریزی روپیہ۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ ظاہر نہیں بلکہ یہ اس بات پر نص ہے کہ تولہ سے یہاں تولہ ہی مراد ہے اس لیے کہ یہ کتاب اسی غرض کے لیے لکھی گئی ہے کہ پیمانوں کے مابین مساوات بتایا جائے۔ اس لیے تولہ کے لفظ سے تولہ ہی مراد ہوگا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جوئیلرس سے معادلہ میں بھول ہو گئی ہے۔ مگر یہ بات بھی اسی وقت صحیح ہے جب کہ اس سے زیادہ قوی حوالوں سے اسے رد کیا جائے۔

مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ دہلی والے جوئیلرس نے ۳؍تولہ کا وزن ۳۵؍گرام لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس نے ایک روپیہ انگریزی کو ایک تولہ مانا ہے کیونکہ ۱۱؍گرام ۶۶۴؍ملی گرام کو ۳ میں ضرب دینے سے ۳۴؍گرام ۹۹۲؍ملی گرام ہوئے یعنی ۸ ملی گرام کی کمی کو کم نہ مان کر پورے ۳۵ گرام لکھ دیا اس سے صاف عیاں ہے کہ اس جوئیلرس نے ایک روپیہ انگریزی کو ہی ایک تولہ مانا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں اس طرح اس میں دو باتیں مذکورہ مقدمات کے پیش نظر خلاف تحقیق ہے۔ ایک یہ کہ اس نے ایک روپئے کو ایک تولہ گردانا حالانکہ روپیہ کا وزن قدیم تولہ کے وزن سے کم ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور یہ کھلے طور پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی صراحت کے خلاف ہے۔ دوسری بات یہ کہ حساب سے بھی ۳؍تولے کا وزن ۳۴؍گرام ۹۹۲؍ملی گرام ہوتا ہے مگر اس نے پورے ۸؍ملی گرام کو کالعدم قرار دیا۔

جوئیلرس پر یہ سارا الزام مفتی صاحب نے اپنے اس مفروضہ مقدمہ کی بنیاد پر فرمایا ہے جسے بلا دلیل مفتی صاحب نے اپنے مضمون میں شامل کیا ہے کہ ایک بھر کا وزن ۱۱ء۶۶۴ گرام اور ایک تولہ کا وزن ۱۲ء۴۴۱ گرام ہے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ نے خود ہی تولے کو انگریزی روپئے کے برابر گردانا ہے اور آپ نے خود ہی اعلیٰ حضرت کے خلاف کیا ہے جیسا کہ اس مضمون کے آخر میں نقل کردہ حوالوں سے ظاہر ہے کہ ایک تولہ ۱۱ء۶۶۶ گرام سے زائد نہیں اور ایک بھر ۱۰ء۹۳۷۵ گرام سے زائد نہیں۔ لیکن مفتی صاحب نے ایک تولہ کو ۱۲ء۴۴۱ گرام اور ایک بھر کو ۱۱ء۶۶۴ گرام مانا اور پھر جوئیلرس مذکور پر الزام قائم کرنے کے لیے پوری عبارت تحریر فرمائی۔

حضرت مفتی صاحب کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے ہم نے اور دیگر کتابوں کا مطالعہ کیا جس کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) دہلی کے جوئیلرس نے تین تولہ برابر ۳۵/گرام لکھا جس سے لازم ہے کہ ایک تولہ ۶۶۶۶۶۶۷ء۱۱/گرام اور بھر ۹۳۷۵ء۱۰/گرام

(۲) بھارگوا (Bhargava) ڈکشنری میں ۸۶/تولہ برابر ایک کلو لکھا ہے جس سے لازم کہ ایک تولہ ۶۲۷۹۰۶۹۸ء۱۱/گرام اور بھر ۹۰۱۱۶۲۷۹ء۱۰/گرام۔

(۳) ایک دوسری کتاب جس کا ٹائٹل پیج غائب ہے اس میں لکھا ہے کہ ایک تولہ ۶۶۴ء۱۱/گرام جس سے لازم کہ ایک بھر ۹۳۵ء۱۰/گرام۔

(۱) کے حساب سے نصف صاع ۵۳۱۲۵ء۱۹۱۹/گرام، (۲) کے حساب سے ۱۵۴۰۷ء۱۹۱۳/گرام اور (۳) کے حساب سے ۹۲۵ء۱۹۱۹/گرام۔

حساب داں اعشاریہ والے حساب میں کبھی تقریب کبھی تدقیق اور کبھی غایت تدقیق کا عمل کرتے ہیں اس لیے حسابوں میں قدر لا یعتبر تفاوت ہوجاتا ہے۔ مذکورہ بالا حساب میں انھیں وجوہات سے فرق قلیل ہے۔ اس لیے احتیاطاً ایک کلو ۹۲۰/گرام ہی کا حکم ہوگا۔ حضرت مفتی صاحب کو یہ شبہ ہوا اور انھوں نے اپنے مضمون میں ذکر فرمایا ہے کہ دہلی کے مشہور جوئیلرس نے ایک روپیہ بھر کو تولہ سمجھ کر حساب لگایا ہے۔ اس پر ہماری بحث گزر گئی، اس لیے اب ایک فیصلہ کن بات تحریر کی جارہی ہے کہ دہلی کے مذکور جوئیلرس کی کتاب ٹیبل نمبر ۴ میں صراحۃً درج ہے کہ ۴/رتی برابر ۴۸۶/ملی گرام جس سے لازم کہ ایک ماشہ برابر ۹۷۲/ملی گرام تو ثابت ہوا کہ ایک تولہ برابر ۶۶۴ء۱۱/گرام۔ یہاں رتی ماشہ کا لحاظ کر کے حساب لگایا گیا ہے، یہاں تولہ اور بھر نہیں استعمال کیا گیا ہے کہ یہ شبہ ہو کہ جوئیلرس نے بھر کو تولہ گردانا ہے۔ اس لیے مفتی صاحب کو اب تسلیم کر لینا چاہیے کہ انھوں نے انگریزی روپئے کا جو وزن لکھا ہے یعنی ۱۱/گرام ۶۶۴/ملی گرام یہ بھر کا وزن نہیں بلکہ تولے کا وزن ہے اور جب مبنی فاسد تو مبنی فاسد۔ اس حساب سے نصف صاع کا وزن ۰۹۲۵ء۱۹۱۹/گرام ہے جو بطور احتیاط ایک کلو

۹۲۰/گرام ہوا۔

حضرت مفتی صاحب نے ایک مشورہ یہ بھی دیا تھا کہ ''علاوہ ازیں کسی بھی پڑھے لکھے سنار، جوئیلرس سے پوچھ لیجیے وہ بھی اس کی تصدیق کرلے گا''۔ بندۂ ناچیز نے اس حکم کی بھی تعمیل کی اور دو تین پڑھے لکھے سنار سے دریافت کیا ان لوگوں نے بتایا کہ ہم لوگ ٹھیک نہیں بتا سکتے پر اتنی بات ہم ضرور جانتے ہیں کہ گرام کا وزن ماشہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ چند دیگر جوئیلرس سے ملاقات ہوئی تو ان لوگوں نے اپنی اپنی تجوری سے کتاب نکال کر بتایا کہ یہ وزن بھر کا نہیں بلکہ تولے کا ہے جو ۱۲/ماشے کا وزن انھوں نے ۱۲/گرام ۴۴۱/ملی گرام ۶ پوائنٹ لکھا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے ایک تولہ کا وزن ۴۴۱۶ء۱۲/گرام اور بھر کا وزن ۶۶۴ء۱۱/گرام لکھا ہے جو کسی طرح متذکرہ بالا حوالوں کے مطابق نہیں۔

ہمارے اس مضمون میں تین کتابوں کے چار حوالوں سے تولے کا تین وزن درج ہوا ہے جو بعد رفع واسقاط تین مرتبہ اعشاریہ کے اعتبار سے یہ ہیں (۱) بحوالہ اول ۶۶۷ء۱۱/گرام، (۲) بحوالہ دوم ۶۲۸ء۱۱/گرام، (۳) بحوالہ سوم و چہارم ۶۶۴ء۱۱/گرام۔ جب کسی شئی کی مقدار مختلف قول کی بنا پر مختلف ہو تو حساب کے دستور کے مطابق ان سب اقوال کا معدل اور اوسط نکال کر حساب لگایا جاتا ہے۔ متذکرہ بالا مقادیر کا اوسط معدل ۶۵۳ء۱۱/گرام ہے۔ اس حساب سے نصف صاع کا وزن ۸۲۶۵۶ء۱۹۱۷/گرام ہوتا ہے یعنی ایک کلو ۹۱۷/گرام اور کچھ ملی گرام۔ عبادات میں چونکہ اکثر ہی کو لینا اولیٰ ہے اور یہ ۶۶۷ء۱۱/گرام ہے جس کی رو سے صدقۂ فطر کا وزن ایک کلو ۹۲۰/گرام ہوتا ہے۔ لہٰذا بکلمۂ حصر یہ فرمانا کہ نصف صاع کا وزن ۲/کلو ۴۷/گرام ہی صحیح ہے۔ دراصل غلط کو صحیح کہنا اور مزید اسی میں حصر کرنا ہے۔

ہندوستان کے مختلف خطوں میں سیر چھٹانک وغیرہ کا چلن الگ الگ تھا کہیں ۸۵، کہیں ۹۰، کہیں ۹۵، کہیں ۱۰۰/اور کہیں ۱۰۵/روپئے بھر۔ اور جب سیر کے بجائے کلوگرام کا نظام نافذ ہوا تو پرانے بوڑھے دوکاندار لوگ بولنے لگے کہ یہ کلوم گرام ۹۰ کے تول کا کر دیا گیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے

قول کے بموجب ایک کلو ۸۵ء۷۳۳۸ بھر ہوتا ہے اور جوئیلرس وغیرہ کے قول کے بموجب تقریباً ۹۱ء۴۲۸۵ر بھر ہوتا ہے۔اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ دہلی کے جوئیلرس وغیرہ کا قول ہی موافق حال ہے جو ہمارے مضمون میں درج ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ہمارا اور مفتی صاحب کا ان باتوں پر اتفاق ہے کہ نصف صاع کا وزن بھر کے حساب سے ۱۷۵ء۵ر ہے اور تولہ کے حساب سے ۱۶۴ء۵۳۱۲۵ر ہے اور ایک بھر ۱۱ء۲۵ر ماشہ اور ایک تولہ ۱۲ر ماشہ ہے۔اختلاف اس بات پر ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک تولہ گرام کے حساب سے تقریباً ۱۱ء۶۶۶۶۶۶۷ر گرام اور ایک بھر گرام کے حساب سے تقریباً ۱۰ء۹۳۷۵ر ہے۔مفتی صاحب کا اذعان ہے کہ ایک تولہ گرام کے حساب ۱۲ء۴۴۱ر اور ایک بھر گرام کے حساب سے ۱۱ء۶۶۴ر ہے۔اسی مدار تحویل کے اختلاف کی وجہ سے یہ اختلاف ہوا کہ نصف صاع ایک کلو ۹۲۰ر گرام ہے یا ۲ر کلو ۴۷ گرام ہے۔

(جامِ نور، جولائی ۲۰۰۴، ص: ۴۷)

☆☆☆

امام احمد رضا قدس سرہ کے غیر مطبوعہ رسالہ

جبر ومقابلہ کا ایک صفحہ

''ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی پاکستان ماہ نومبر دسمبر ۱۹۸۲ء میں امام احمد رضا کے غیر مطبوعہ رسالہ جبر ومقابلہ کے ایک صفحہ کا قلمی عکس دیا گیا تھا جو بحالت بوسیدہ بخط شکستہ تھا۔فاضل مضمون نگار والا تبار نے اسے صاف کر کے اس کی تشریح فرمائی جو نذر ناظرین ہے'' (ادارہ)

علوم عقلیہ اور حکمت وفلسفہ کی ہمہ گیری اور اس کی وسعت وپہنائی میں بھٹک کر کسی فلسفی نے (معاذ اللہ) کہا تھا کہ وصول الی الحق کے لیے ہمیں کسی پیغمبر یا نبی کی ضرورت نہیں۔حکمت وفسلفہ ہی معرفت خداوندی کے لیے ہمیں کافی ہے۔وادیٔ حکمت کا بھٹکا ہوا یہ مسافر زبان قال سے یہ کہہ رہا تھا

من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

دست در دست کبریا دارم

اگر چہ اس فلسفی کا یہ خیال خود فریبی اور نخوتِ علمی کا نتیجہ ہے کیونکہ حال تو یہ ہے کہ ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا

تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

انسان جب علم وآگہی سے ابال کھاتا ہے تو اس کی جان وبال میں آجاتی ہے۔مگر یہ حقیقت ہے کہ علوم عقلیہ کے دامن میں عقل وخرد کی گتھی سلجھانے والے لامحدود علوم اور اس کے سایہ میں پھیلنے اور پھولنے والے غیر محصور فنون کے قبائل آباد ہیں۔ان قبائل میں سے ایک قبیلہ علم ریاضی کا بھی ہے جو اپنی پاکیزہ حکمرانی کی وجہ سے کائنات کے جملہ شعبوں پر حاوی ہے۔محراب مسجد سے لے کر میدان کارزار تک،کوہ پیمائی سے لے کر چاند کے سفر تک،خلائی پرواز سے لے کر سمندر کی تہوں میں غوطہ

خوری تک ہر جگہ علم ریاضی کا راج ہے۔ یہی نہیں بلکہ علم الادیان سے لے کر علم الابدان اور علم العرفان سے لے کر علم العمران تک اس کی چھاپ ہے۔ علم کیمیا علم طبیعات، علم الاوفاق جفر ونجوم تک اس کا سلسلہ لنا ہے۔

یہ اپنی وثاقت دلائل اور لطافت مسائل کی وجہ سے ہر دور میں زمین وطباع اشخاص کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ اسی علم ریاضی کے تناور درخت کی ایک گھنیری شاخ فن جبر ومقابلہ بھی ہے۔ جسکے موجد بعض کتابوں کی روشنی میں ریاضی کے متوالے محمد بن موسیٰ خوارزمی ہیں۔ بنی نوع انسان پر اسی مرد مسلم کا یہ ایک ایسا احسان عظیم ہے کہ رہتی دنیا تک بلا تفریق مذہب وملت کوئی اس احسان کا بدلہ چکا نہیں سکتا۔

فن ارثماطیقی کی بالا دستی مسلم، لیکن اس کے باوجود بعض مقامات میں ایسے مسائل آجاتے ہیں جہاں اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور وہ مجبور وبے بس نظر آتا ہے۔ لیکن جب یہ فن جبر ومقابلہ اپنی شان بے نیازی کے ساتھ آگے بڑھتا ہے تو یہی مسائل ہاتھ جوڑے کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہ فن اپنی اصابت فکری اور وسعت علمی کی وجہ سے مہندسین کی حیات کا ایک جز ولاینفک تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس فن لطیف کے استعمال میں ذہن ثاقبت حدس صائب اور اسعان فکر کی حد درجہ ضرورت پڑتی ہے۔ (کتاب جبر ومقابلہ)

آیئے ہم آپ کو امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کے غیر مطبوعہ رسالہ ''جبر ومقابلہ'' کے ایک صفحہ کی جھلک کی زیارت کرائیں۔ اور پھر حسب بساط اس کے بعض پیچیدہ مقامات کی تشریح بھی پیش کریں تاکہ بعض ناآشنایان جبر ومقابلہ کے لیے دلچسپی کا سامان فراہم ہوسکے۔

رسالہ جبر ومقابلہ کا صفحہ ۴۶

سوال محقق جبر ومقابلہ، مہندس بے مقابلہ، حساب دان بے حساب جناب نواب محمد وزیر احمد خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

عالی جناب نواب وزیر علی خاں صاحب، امام احمد رضا کے نیاز مند شاگرد اور ان کے حد درجہ عقیدتمند تھے موصوف دوسرے علوم کے علاوہ علم ریاضی کے اعلیٰ ماہر اور بالخصوص جن جبر ومقابلہ کے بہترین ماق تھے۔ امام احمد رضا نے اپنے کرم سے انہیں فن جبر ومقابلہ کے محقق بےنظیر مہندس اور باکمال حساب دان کے القاب سے نوازا ہے۔ موصوف نے ایک ذونقہ شکل سے متعلق ایسا سوال خدمت عالیہ میں ارسال کیا جو بیک وقت دوم علم علم المساحۃ اور فن جبر ومقابلہ کے وصول ہی سے حل ہوسکتا تھا اس سوال کی اہمیت اور اس کے حل کی صعوبت وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جو علم المساحۃ اور فن جبر ومقابلہ سے کچھ لگاؤں رکھتے ہیں۔ آیئے اس کی قدرے ترتیح سماعت فرمائیں۔

علم المساحۃ کے اندر بیان حدود میں مذکور کہ تین خطوط سے گھری ہوئی شک کو مثلث کہتے ہیں اور اگر چار خطوں سے گھری ہو تو اگر ہر ایک خط باہم مساوی ہونے کے ساتھ ساتھ تمام زاویئے بھی باہم مساوی ہوں تو مربع ہے۔ اور اگر تمام زاویئے مساوی نہ ہو تو شکل معین ہے۔ اور اگر ہر ایک خط باہم مساوی نہ ہوں بلکہ صرف آمنے اور سامنے کے خطوط مساوی ہو مر ان کے چاروں زاویئے باہم مساوی ہو تو مستطیل ہے ورنہ شبہ یا لمعلن ہے اور اگر نہ چاروں کطوط مساوی ہو اور نہ آمنے سامنے والے خطوط مساوی ہو اور نہ ہی زاویئے سب برابر ہو تو اگر اس میں دو زاویئے قائمہ اور ایک حادہ ایک منفرجہ ہوں تو دو رنفہ ہے اور اگر ایک بھی زاویہ قائمہ نہین بلکہ دو زاویئے حادے اور دو منفرجے واقع ہو تو ذوزنقتین ہے۔ سوال ذوزنقہ کے متعلق ہے۔

سوال کے ساتھ منسلکہ شک اب ح ءکو ملاحظہ فرمائیں جس میں زاویئے ب اور ح قائمہ اور ا حادہ اور ء منفرجہ ہے۔ اس کے چاروں خطوط ءح، ح ب، ب ا، اور اء بھی باہم برابر نہیں۔ اس لیے یہ شکل ذوزنقہ ہے۔ اس شکل مذکور کے بارے میں سائل کو اتنی بات معلوم ہے کہ ضلع اب=۵ ء......=۳ اور ب ءعمود=۱۰ ہے۔ لیکن سائل کو نہ اس شکل کی خط اء کی مقدار معلوم اور نہ ہی اس شکل ذوزنقہ کا رقبہ ہی

معلوم مگر اس کے باوجود وہ چاہتا ہے کہ خط ب ح جس کی مقدار=۱۰ ہے اسے ایسے نقطہ ہ پر تقسیم کریں کہ اگر اس نقطہ سے ہ ء خط کھینچ کر اوپر خط اء کے نقطہ رتک پہونچا دینے پر یہ شکل ذوزنقہ رقبہ کے اعتبار سے برابر دو حصوں پر بٹ جائے یعنی اب ہ رذوزنقہ=ہ رح ءدوزنقہ ہو جائے یعنی ب ح خط کے اوپر ہ رعمود ب سے کتنی دوری پر کھینچا جائے کہ دونوں ٹکڑے باہم برابر ہو جائے۔

سوال کی ہامیت کا اندازہ آپ خود ہی لگائیں کہ شکل مذکور کے نہ ہر یک خط ہی معلوم اور نہ اس کا رقبہ ہی معلوم ہو مگر پھر بھی بغیر کسی ناپ تول کے فقط بذریعہ حساب اسے باعتبار رقبہ کے دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب تک مساحت اور رقبہ معلوم ہو اس کی دو برابر حصوں میں بذریعہ حساب تقسیم ایک ناممکن سی بات ہے۔ ذوزنقہ کے رقبہ معلوم کرنے کے لیے علم المساحۃ میں تین مشہور قاعدے ہیں (۱) ذوزنقہ کے منفرجہ زاویہ سے اس کے بالمقابل ضلع پر عمود قائم کر کے اسے دو حصے ایک ذوار بعۃ الاضلاع اور دوسرے مثلث قائم الزاویہ میں تقسیم کیا جائے اور پھر ان دونوں کے رقبوں کو جمع کر دیا جائے (۲) ذوزنقہ کے کسی زاویہ سے اس کے بالمقابل زاویہ تک خط کھینچ کر اسے دو مثلثوں میں تقسیم کر دیا جائے اور پھر ان مثلثوں کو رقبوں کو جمع کر دیا جائے (۳) ذوزنقہ کو دو حصوں میں تقسیم کئے بغیر ذیل میں ذکر کئے ہوئے قاعدہ سے یکبارگی رقبہ معلوم کیا جائے۔

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں تیسرا قاعدہ استعمال فرمایا ارشاد ہے" اقول ظاہر ہے کہ ذو زنقہ میں مجموع موازیبین×عمود=رقبہ ہوتا ہے ءیہاں موازیین ب ا=۵ اور ۲ءھ=۳ جس کا مجموعہ ۸ اور عمود ب ح=۱۰ ہے اس لیے $\frac{۸\times۱۰}{۲}$ رقبہ=۴۰۔ ارشاد فرماتے ہیں" اس لیے ذوزنقہ اح=۴۰ ہے۔ مزید اثبات المساحۃ بالمساحۃ کے ور پر پہلا قاعدہ استعمال فرما کر بھی اس ذوزنقہ کی مساحت بتلانا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس شکل میں زاویہ ءمنفرجہ سے اس کے بالمقابل اب ضلع پر ح ءعمود قائم کر کے اس ذوزنقہ کو ایک مثلث قائم الزاویہ اور ایک مستطیل میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس مستطیل ھء ب میں ضلع ح اور اسکے سامنے والا ضلع ح ب ہر ایک=۳ اور ب ح اور اس کے سامنے والا ضلع ح ء=۱۰ ہے اس لے علم المساحۃ کی روشنی میں اس کا رقبہ=۳۰ اور مثلث اح ء اس ضلع اح=۲ اور ضلع

تحقیقات امام علم وفن

ح ء=۱۰اس لیےاس کا رقبہ=۱۰ ہے دونوں کوجمع کرنے پر ذوزنقہ کی مساحت =۴۰ ہوئی۔اس امر کی طرف آگے ارشاد فرماتے ہیں ''اگر ء سے ء ح موازی ب'' رسم کریں تو مستطیل ح ء۳۰ ہوگا اور اح =۲ اور ح ء=۱۰ تو مثلث اح ء=۱۰ تو مستطیل۳۰+مثلث۱۰=۴۰ یہاں دو طریقے سے اس ذوزنقہ کی مساحت معلوم ہوگئی اس لیے اس کے دو برابر حصے کرنے پر ہر ایک ۲۰/۲۰ کا ہوگا۔اس لیے ارشاد فرماتے ہیں ''پس ہر ذوزنقہ جدید=۲۰ ہوگا۔

اب آگے اصل سوال کہ خط ب ح ہ رعمود کے موقع عمود کی دوری مقام ب سیکہا ہوگی؟ معلوم کرنے کے لیے فن جبر ومقابلہ کا استعمال فرمانا چاہتے ہیں۔اس لیے خط ہ رکو لا اور خط ب ہ کو ء فرض کرتے ہیں اور پھر دونوں حصوں کے رقبے ۲۰/۲۰ کے پیشنظر معادلہ قائم فرماتے ہیں اسی طرف ان الفاظ میں اشارہ ہے۔فرض کرو رہ = لا ، بہ = ء تو یہاں ہم کو یہ دو مساواتیں حاصل ہوں گی۔

(۱) ء (لا+۵)/۲ =۲۰ (۲) (ء-۱۰)(لا+۳)/۲ =۲۰

(یہ دونوں اصل مساوات ہیں)